دُعاء

اے ہمارے رب! سب حمد وثناء، ساری ستائش وتعریف، تمام خوبی وکمال تیری ذات بے ہمتا کے لئے ثابت ہے، اور تیری ہی قدرت و اختیار سے جہانِ رنگ وبو کی ساری رنگینیاں اور رعنائیاں رونپریر ہیں..... تو تمام صفات کمالیہ وجمالیہ کا جامع اور ہر عیب ونقص سے پاک ومنزہ ہے۔

اے ہمارے مالک ومولیٰ!! تو ہر اس شئے پر قادر ہے جو تیری شان قدوسیت و کبریائی کے لائق ہے اور ہر اس شئے سے پاک ومنزّہ ہے جو تیرے دامنِ عظمت وقدرت تک پہنچنے کی صلاحیت نہیں رکھتیں

اے ہمارے رحمٰن ورحیم تو اپنی رحمت بے پایاں کے ساتھ اپنے بندوں کے گمان سے قریب ہے، **بے نیاز مالک!!!** ہم تجھ سے تیری خوشنودی اور رضا چاہتے ہیں، تجھ سے تیری رحمت کے طلبگار ہیں اور اپنی قساوتِ قلبی اور خواہشاتِ نفسی سے بیزار ہیں۔ تو اپنے حبیب لبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقے اپنے رحم وکرم کی بھیک عطا فرمادے۔

اے کائنات کے خالق ومالک!!!! ہمارا دامن اعمالِ صالحہ اور افعالِ حسنہ سے خالی ہے لیکن تیری مہربانیوں سے ہماری گردنوں میں بطریق حضور امام اعظم وحضور غوث اعظم (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) تیرے محبوب مطلوب سیّد العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وسلم کی شریعت وطریقت کی غلامی کا زرّین پٹہ ہے۔ اسی زرّیں پٹہ کے طفیل ہمیں راہِ شریعت وطریقت پر استقامت وعزیمت عطا فرما۔

اے بندہ نواز وکارساز مولیٰ !!!!! فتاویٰ یورپ کی شکل میں جو دینی خدمت پیش ہے اسے اپنے فضل سے شرفِ قبول عطا فرما۔ اس میں جو بھی بھول چوک اور خطا، ونسیان واقع ہوئے ہوں وہ میری جہالت وشرارت نفس سے واقع ہوئے اسے اپنی رحمت کے پانی سے دھو دے۔ اور اپنے مخلص بندوں کے ذریعہ اس کی اصلاح فرما، اور اس میں جو صحیح وراجح دینی واسلامی مسائل ہیں انہیں مسلمانوں کے لئے مشعلِ حیات اور ہمارے لئے ذریعۂ نجات بنادے۔ آمین آمین ثم آمین۔

یَا مُجِیْبَ الْمُضْطَرِّیْنَ وَالسَّائِلِیْنَ بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَیْرِ خَلْقِهٖ وَ مَظْهَرِ لُطْفِهٖ سَیِّدِ الْعَالَمِیْنَ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِیْنَ

سائلِ بے نوا،
عبدالواجد قادری غفرلہٗ ولوالدیہ

انتساب

اُن مخلص اساتذہ کرام مربیانِ عظام
اور بزرگوں کے نام جن کی نگہِ التفات نے پژمردہ کلیوں
کو تازگی اور خوابیدہ اذہان و افکار میں رمقِ زندگی نیز
ذوقِ عمل کا جوہر بخشا۔ جن کی تاثیرِ دعا نے ذرۂ پامال
کو ہمدوشِ ثریا کیا۔ اور جنہوں نے دو روزہ ناپائیدار
حیات مستعار میں کچھ کر جانے کا سلیقہ عطا فرمایا۔
فجزاھم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء

اُمیدوارِ کرم

عبد الواجد قادری غفرلہ

مفتی عبدالواجد صاحب رضا قادری اور خدمتِ افتاء

از قلم : مولانا سلطان رضا صاحب قادری

فتویٰ نویسی کا ذوق دورِ طالب علمی سے تھا چنانچہ بنارس کے دورِ قیام آپ نے درجنوں فتوے لکھے لیکن باضابطہ اس کی ابتدا ۱۳۷۶ھ میں حضور سیدنا مفتی اعظم ہند اور حضور مفسر اعظم ہند رحمہما اللہ تعالیٰ کی اجازتوں سے ہوئی۔ آپ کے نام کی پہلی مہر افتا ۱۳۷۶ھ میں بریلی شریف کے اندر تیار ہوئی جس کو حضور سیدی مفتی اعظم علیہ الرحمہ والرضوان نے ملاحظ فرما کر آپ کے حوالے کی۔ پھر سیّدی و مرشدی سرکار مفسر اعظم ہند علیہ الرحمہ نے مہر مذکور کو دیکھ کر اپنی پسندیدگی کا اظہار فرماتے ہوئے تاکیداً ارشاد فرمایا کہ اکثر و بیشتر حضور مفتی اعظم کی خدمتِ عالیہ میں بیٹھا کرو۔ اُن سے افتاء نویسی کے گر سیکھو اور اپنے لکھے ہوئے فتوؤں کے نوک و پلک کی اصلاح لیتے رہو..... چنانچہ مسلسل گیارہ مہینے تک حضور سیّدی مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی خدمتِ بابرکت میں رہ کر اپنے تحریری جوابات پر اصلاح حاصل کرتے رہے اس درمیان حضور مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ کی شفقت و مہربانی کی موسلا دھار بارش آپ پر ہوتی رہی۔ اسی سال بریلی شریف میں ایسا فرقہ وارانہ فساد ہوا کہ لوگوں کا گھروں سے باہر نکلنا دشوار ہو گیا۔ اشیاء خورد و نوش کا ملنا مشکل ہو گیا۔ حضرت مفتی صاحب موصوف کا قیام خانقاہِ رضویہ کے بالائی حصہ (کتب خانہ حامدی) میں تھا۔ اکثر و بیشتر سرکار مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمہ بنفس نفیس خود کھانا، ناشتہ لیجا کر حضرت مفتی صاحب کو کھلایا کرتے اور فسادات کے درمیان ہمت کے ساتھ ثابت قدم رہنے کی تلقین فرماتے فسادات کے درمیان (تقریباً ایک ہفتہ تک) مسجد رضا میں صرف تین افراد (حضور مفتی اعظم ہند، حضرت ساجد میاں اور مفتی صاحب موصوف) پر مشتمل پنج وقتی جماعتیں ہوتی رہیں۔ اس بیچ میں مفتی صاحب موصوف کو حضور مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ سے بہت کچھ استفادہ کا وافر موقع ہاتھ آیا۔

شوال المکرم ۱۳۷۶ھ؍۱۹۵۷ء میں جب آپ مدرسہ رحمانیہ حامدیہ پوکھریرا ضلع سیتامڑھی (سابق مظفر پور) کے صدر المدرسین کے منصب پر فائز ہوئے تو خدمتِ افتا، بھی آپ کے سپرد کی گئی۔

اس کے بعد جس مدرسہ یا جامعہ میں آپ مدرس ہوئے ہر جگہ افتاء کی ذمہ داریوں کو بھی سنبھالا، بلکہ اگر چند مہینوں کے لئے بھی کسی جامع مسجد کے امام و خطیب ہوئے مثلاً جامع مسجد بالوترا باڑھمیر، راجستھان، جامع مسجد کشمیری کاٹھمنڈو، تو وہاں بھی اُمورِ افتا، کو انجام دیتے رہے۔ لیکن افسوس کہ ان فتاوٰں کی نقلیں محفوظ نہیں رکھی جاسکیں۔ حالانکہ ان میں سے بعض فتاووں پر حضور مفتی اعظم ہند اور ملک العلماء حضرت مولانا ظفر الدّین صاحب فاضل بہاری کے تائیدی و توثیقی دستخط بھی ثبت تھے۔

علم المیراث کے بعض جوابات کی تائید و توثیق اس علم کے عظیم ماہر استاذ حضرت مولانا شاہ عظیم الدین صاحب مکنپوری ثم پوکھریروی نے فرمائی یہ وہ وقت تھا کہ پورے علاقہ میں گورنمنٹ کی طرف سے سروے ہو رہا تھا اور آپ تیرہ تیرہ چودہ چودہ بطنوں کا مناسخہ نکالا کرتے تھے۔

۱۳۹۲ھ میں جب آپ دار العلوم المشرقیہ حمیدیہ دربھنگہ کے نائب صدر مدرس ہوئے تو وہاں کا دار الافتاء مستقل طور پر آپ کے زیر نگرانی آگیا اور وہاں آپ کے اکثر فتاوٰوں کی نقلیں بھی رکھی جانے لگیں۔

ادارۂ شرعیہ بہار کی "انسدادِ فسادات کانفرنس"، کی شرکت کے بعد جب حضور مجاہدِ ملّت مولانا شاہ محمد حبیب الرحمٰن صاحب رئیس التارکین اڑلیسہ، اور رئیس المناظرین حضرت علّامہ مفتی رفاقت حسین صاحب مفتیٔ اعظم کانپور اور حضرت مولانا صوفی سیّد الزماں صاحب حمدوی دار العلوم المشرقیہ حمیدیہ دربھنگہ تشریف لائے تو نقول فتاویٰ کے رجسٹروں کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے خاص کر حضرت مفتیٔ اعظم کانپور نے افتاء سے متعلق ضروری اور مفید ہدایتیں دیں اور دربھنگہ کمشنری کا

باضابطہ آپ کو قاضی شرع بھی مقرر فرمایا اور تاکید کی کہ مرکزی دار القضاء،
ادارۂ شرعیہ بہار سے مسلسل رابطہ قائم رکھیں۔
۱۳۹۵ھ / ۱۹۷۶ء میں ادارۂ شرعیہ کے عظیم محرک وبانی حضرت علامہ ارشد القادری صاحب
علیہ الرحمہ (رئیس التحریر) اور ادارۂ شرعیہ کے مہتمم علامہ سید رکن الدین صاحب اصدق
جب دربھنگہ کے بعض پروگرام میں تشریف لائے تو دار العلوم المشرقیہ حمیدیہ میں
بھی رونق افروز ہوئے اور آپ کے کارِ افتاء کا جائزہ لیا۔ پھر ان دونوں حضرات
نے حالات کا واسطہ دیتے ہوئے مفتی صاحب موصوف کو ادارۂ شرعیہ بہار کے
مرکزی دفتر واقع سلطان گنج پٹنہ آنے کی دعوت دی۔ آپ ان دنوں دار العلوم
المشرقیہ حمیدیہ کے انتظامی وتدریسی حالات سے بہت بدظن ہو چکے تھے آپ نے
انتظامیہ کی توجہ کو اس جانب مبذول بھی کرایا لیکن انتظامیہ کے افراد علوم شرعیہ سے
خود ہی دور تھے تو اس کی اصلاح کیونکر ممکن ہوتی۔ ادھر دار العلوم حمیدیہ کی تدریسی
وتعلیمی حالت خراب سے خراب تر ہوتی گئی اور آپ کو یہاں سے نکلنے کا اچھا موقع
مل گیا۔ حالانکہ اس مدرسہ کا شمار بہار مدرسہ بورڈ کے ملحقہ مدارس کے صفِ اول میں
ہوتا ہے جہاں کی ملازمت حاصل کرنے کے لئے بورڈ کے فارغ شدگان ہزاروں
ہزار رقم خرچ کرتے اور پاپڑ بیلتے ہیں لیکن صاحب تذکرہ نے وہاں کے ماحول سے
نکل جانے کو غنیمت جانا چنانچہ سال بھر سے زیادہ کا مشاہرہ چھوڑ کر آپ دار العلوم
المشرقیہ حمیدیہ سے بہار کے مرکزی دار الافتاء میں آگئے۔ جہاں ادارۂ شرعیہ بہار کے
ارباب حل وعقد نے علامہ الحاج مفتی ارشد القادری صاحب جمشید پوری اور حضور
امینِ شریعت اول علامہ الحاج شاہ مفتی رفاقت حسین صاحب علیہما الرحمہ والرضوان
کی رہنمائی وسربراہی میں آپ کو مرکزی دفتر ادارۂ شرعیہ بہار کے مرکزی دار الافتاء
کے صدر الصدور کا منصب دیا۔
جہاں آپ جہد پیہم اور یکسوئی کے ساتھ ۱۹۷۹ء سے ۱۹۸۴ء کے اخیر تک
مسلسل پانچ سال صدر مفتی کی حیثیت سے افتاء کی خدمت انجام دیتے رہے۔

یہاں آپ کے فتاوے نہ صرف مسلم عوام وخواص میں مقبول ہوئے بلکہ کورٹ و کچہری میں بھی آپ کے فتاوے پر مسلم تنازعات کے فیصلے ہوئے۔ جن فتاووں کی نقلیں ادارہ میں محفوظ رکھی گئیں۔ وہ ہزاروں کی تعداد میں ہیں جو کئی جلدوں کے اندر بنام "فتاویٰ شرعیہ" موجود ہیں۔

۱۹۸۵ء کے شروع میں مفکر ملت ریحانِ رضویت حضرت علامہ الحاج ریحان رضا خاں صاحب عرف رحمانی میاں قبلہ کے اصرار پر آپ جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف کے دار الافتاء میں آگئے جہاں جنوری ۸۵ء تا اکتوبر بحیثیت مفتی خدمتِ افتاء انجام دیتے رہے۔

اسی درمیان ہانگ کانگ اور ہالینڈ سے ایک عالم دین کا شدید مطالبہ ہوا۔ چونکہ ریحانِ ملت نے ان دنوں امریکہ، یورپ اور جنوبی امریکہ کا تبلیغی و اشاعتی دورہ فرمایا تھا تو انھوں نے مشورہ دیا کہ اگر آپ چاہیں تو کچھ دنوں کے لئے ہالینڈ تشریف لے جائیں۔

چنانچہ اکتوبر ۱۹۸۵ء میں آپ "نیدرلینڈ اسلامک سوسائیٹی" کے ذریعہ ہالینڈ آگئے۔ یہاں تبلیغ واشاعت اور امامت وخطابت کے علاوہ افتاء کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔

۱۹۸۷ء/۱۴۰۸ھ میں قائد اہلسنت حضرت علامہ ارشد القادری صاحب علیہ الرحمہ کی تحریک پر جانشین مفتی اعظم تاج الاسلام حضرت علامہ مفتی اختر رضا خاں صاحب عرف ازہری میاں قبلہ کی قیادت اور عراق و ترکی نیز مغرب کے سفراء اور کانسلرز کی نمائندگی وموجودگی میں عمائد ملک وملت نے آپ کے سر دستارِ افتاء باندھ کر ملک بھر کے کارِ افتاء کی ذمہ داری وجوابدہی آپ کے سپرد کی اور آپ کا دار الافتاء جامعہ مدینۃ الاسلام دی ہیگ قرار دیا۔

چونکہ آپ کا مستقل قیام آمسٹرڈم میں تھا جہاں سے روزانہ جامعہ آنا جانا متعذر تھا لہٰذا علامہ موصوف علیہ الرحمہ نے یہ ذمہ داری الحاج عبد السبحان مرحوم

وف حاجی جہام کے سپرد کی کہ ہفتہ میں دو دلوں مفتی صاحب کو جامعہ میں لائیں
ور پہنچائیں، جو سلسلہ بہت دلوں تک چلتا رہا، پھر یہ بات طے پائی کہ تحریری
سوالات آمسٹرڈم ہی بھیج دیئے جائیں، چنانچہ ابتک یہی طریقہ جاری ہے۔

۱۹۹۹ء میں اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ (تنظیم القرآن) اور مجلس علماء نیدرلینڈ
کے قیام و رجسٹریشن کے بعد ان دونوں تنظیموں کے دارالافتاؤں اور دارالقضاؤں
کی ذمہ داری بھی آپ ہی کے سر آگئی۔

اس طرح تقریباً پچاس ۵۰ سالہ خدمتِ افتاء کا سہرا آپ کے سر بندھتا ہے۔ اگر
ادارۂ شرعیہ بہار اور دارالعلوم المشرقیہ حمیدیہ دربھنگہ سے جاری شدہ فتاؤں کی
اشاعت ہوجائے تو فتاوٰں کی دنیا میں ایک مفید اضافہ ہوجائے گا لیکن وہ کئی ضخیم
مجلدات پر مشتمل ہیں اس لئے قریبی دلوں میں اس کی اشاعت کا امکان نظر
نہیں آتا ہے کیونکہ اس کی اشاعت پر کثیر سرمایہ کی ضرورت ہوگی۔

ہالینڈ میں انیس ۱۹ سالہ قیام کے دوران کئی ہزار تحریری فتاوے جاری ہوئے
(حالانکہ یہاں تحریری سوال و جواب کا ذوق کم ہے زیادہ تر ٹیلی فون، بذریعہ انٹرنیٹ
یا زبانی سوالات و جوابات ہوئے ہیں۔) ان میں سے محفوظ شدہ تمام فتاوٰں کی
اشاعت بھی دو ۲ تین ضخیم جلدوں کی متقاضی ہے۔ اور اکثر فتاوے چونکہ نکاح و طلاق
سے متعلق ہیں اس لئے اس کے مکررات اور عامۃ المسلمین کے لئے غیر مفید
فتاؤں کو علیحدہ کرنا پڑا، تاکہ ایک ہی جلد میں ضروری فتاوٰں کی گنجائش ہوسکے۔
فتاوٰی یورپ کی فہرست کی ترتیب میں بھی خاصی کاوش و محنت کی گئی ہے تاکہ اسے
مفید سے مفید تر بنایا جاسکے۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ
وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ۔

ناچیز

سلطان رضا قادری

مرتب فتاوٰی یورپ

ضروری اطلاع

باذوق اہلِ علم سے گذارش ہے کہ وہ فتاویٰ یورپ کے مطالعہ سے پہلے صاحبِ فتاویٰ کے ایک مختصر مگر نہایت جامع ومفید رسالہ "الاصل الفقہی من افادات الرضوی ۲۰۰۲ء" المعروف فتویٰ نویسی کے رہنما اصول مطبوعہ دہلی کا ضرور مطالعہ فرمائیں جو مندرجہ ذیل عنوانات پر مشتمل بہت ہی نافع رسالہ ہے۔

(۱) مفتی کیسا ہونا چاہئے؟ (۲) مفتی کی جامع تعریف (۳) موجودہ دور اور کارِ افتا، (۴) فقیہ یا راسخ العلم (۵) فقہ کی تعریف (۶) فقیہ اور راسخ العلم میں فرق (۷) فقہ کی کچھ اور تعریف (۸) مفتی اور فقیہ کی خصوصیت (۹) مفتی کے لئے ضروری امور (۱۰) واجب الحفظ (۱۱) مفتی اپنے مذہب سے کب عدول کرسکتا ہے (۱۲) مفتی اور عرف وعادت (۱۳) عرف وعادت کی تعریف (۱۴) عرف کی قسمیں (۱۵) عرف کی اہمیت (۱۶) عدول عن المذہب کی شرطیں (۱۷) اسباب ستّہ (۱۸) ضرورت کی تعریف (۱۹) ضرورت کی وجہ سے آسانی کی راہیں (۲۰) ضروری تنبیہ (۲۱) ضرورت وحاجت کی مزید توضیح (۲۲) رخصت کی تعریف وتحدید (۲۳) رخصت کی مثالیں (۲۴) بعض اصولِ کلیہ مع مثالیں (۲۵) طبقات مسائل (۲۶) طبقات کی ضروری وضاحت (۲۷) بعض قواعدِ فقہیہ کی نشاندہی (۲۸) بعض مصادر اصول (۲۹) فتاویٰ رضویہ کے بعض اصولِ فقہیہ (۳۰) کتب احادیث کی ترتیب (۳۱) ضروری معلومات (۳۲) التمییز فی الافتاء، (۳۳) فوائد فقہیہ (۳۴) افادات الفقہاء، (۳۵) ظن علم امر شرعی (۳۶) فتویٰ، قول، واجب وسنت ۔ اساءت، ترتیب، منکر، کفر۔ (۳۷) حاکم شرعی، قاضی، مفتی (۳۸) اصول متفرقہ (۳۹) فوائد متعددہ وغیرہم

معلن:۔ مجلس علماء نیدرلینڈ۔

تقدیم

فتویٰ کا اصطلاحی معنیٰ شرعی فیصلہ ہے۔ اور ادلّۂ شرعیہ کی روشنی میں شرعی فیصلہ صادر کرنے والے کو مفتی کہا جاتا ہے۔ اس لفظِ فتویٰ کے مادّہ (ف، ت، و) سے قرآن پاک میں تقریباً اکیس مقامات پر مشتق الفاظ آئے ہیں، گویا اس کی اصطلاحیں بہت قدیم ہیں۔ احادیث کریمہ اور آثارِ صحابہ میں بھی بے شمار فتاوے نظر آتے ہیں۔

پہلی صدی ہجری میں مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، کوفہ و شام، اور مصر و یمن وغیرہ میں درجنوں صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم منصب افتاء پر فائز تھے جو فتاوے صادر فرماتے تھے۔ اور جن حضرات صحابۂ کرام و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں اجتہادی بصیرت نہیں ہوتی وہ مجتہدین صحابۂ عظام کی طرف سے صادر شدہ احکامِ شرع کو بغیر کسی بحث وتمحیص کے قبول فرما کر ان پر عمل پیرا ہوجاتے تھے۔

پہلی صدی ہجری کے بعد افتاء نویسی نے باضابطہ ایک اہم دینی فن کی شکل اختیار کرلی اور پھر اس کا ایک طویل سلسلہ چل پڑا۔ جو اسلامیانِ عالم کے لئے خصوصاً نعمت عظمیٰ اور دیگر اقوام و ملل کے لئے عموماً سنگِ میل ثابت ہوا۔

اگر سلسلہ وار ہر ایک صدی کے فقہاء کرام اور مفتیانِ عظام کی فہرست اکٹھی کی جائے تو کم از کم چودہ ضخیم جلدوں کی حاجت ہوگی۔ لیکن میرا مقصود ان حامیانِ دین اور مفتیانِ شرع متین کی فہرست مرتب کرنی نہیں ہے۔ بلکہ صرف یہ بتانا ہے کہ کتب فتاویٰ کی باضابطہ تاریخ نے عہد صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے شروع ہوکر ہر اس ملک میں اپنا سکہ بٹھالیا اور اپنی جڑوں کو مضبوط کرلیا جہاں جہاں فتوحاتِ اسلامیہ کا اثر ہوا۔

اس وقت میری نظر برصغیر (متحدہ ہندوستان) پر ہے جہاں بسلسلۂ تجارت عہد فاروقی میں مسلمان پہنچ چکے تھے۔ پھر محمد بن قاسم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کی فاتحانہ پیشقدمی نے سندھ، مکران اور کیرالا وغیرہ کے جنوبی سواحل پر انقلاب برپا کر دیا تھا۔ یہ فاتح سندھ حضرت محمد رحمۃ اللہ علیہ حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق خلیفۂ اوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اپنے پرپوتے تھے (یعنی محمد بن قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اُن کی پاکیزہ جواں سالی اور انصاف پروری نے غیر مسلموں کو بہت زیادہ متاثر کیا چنانچہ جب انھوں نے عرب واپسی کا ارادہ فرمایا تو غیر مسلم سربراہوں نے بہر نوع آپ کو روکنے کی کوشش کی مگر آپ نہ رُکے البتّہ یہ نصیحت فرمائی کہ جن مسلمانوں کو میں یہاں چھوڑ کر جا رہا ہوں وہ سب میرے بھائی ہیں اُن کی تعظیم و تکریم میری تعظیم و تکریم ہے۔ ان کی مدد میری مدد ہے۔ حضرت محمد بن قاسم کے واپس ہو جانے کے بعد مسلمانوں نے مفتوحہ علاقوں میں مستقل طرح سکونت ڈالی۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ جگہ جگہ مساجد و مدارس اور حسب ضرورت عدلیہ کا قیام عمل میں آیا جس کے لئے دارالافتاء ناگزیر تھا۔ مگر اس زمانے کے فتاوے محفوظ نہیں کئے گئے۔

اس کے بعد مسلم سلاطین اور مسلم امراء کا دور شروع ہوا جن میں سے بیشتر سلاطین و امراء کو فقہ اسلامی یا فتاوٰی اسلامیہ سے دلچسپی تھی چنانچہ سلطان محمود غزنوی جو تخت و تاج کے علاوہ علوم اسلامیہ کا اسکالر اور فقۂ اسلامی کا مستند عالم تھا اس نے فقہ اسلامی میں "التفرید فی الفروع" لکھا جو اُس کے دیار غزنی میں مرجع و معتمد مانا جاتا تھا۔

سلطان ظہیر الدین بابر جس کو آج متعصب دنیا تعصب کی عینک سے دیکھ رہی ہے جس نے متحدہ ہندوستان میں اپنی حکمرانی کے دوران عدل گستری، رعایا پروری اور مظلوموں کی دادرسی کا ریکارڈ قائم کیا وہ نہ صرف تخت شاہی کا مالک تھا بلکہ مذاہب اربعہ کے اصولوں پر ایک کتاب بھی ترتیب دی جس کا تذکرہ سید نوشہ علی نے اپنی مشہور تاریخ میں کی ہے۔

بادشاہ ہمایوں کے حکم پر جناب اخوند میر نے "قانون ہمایوں" کے نام سے

علم فقہ میں ایک کتاب لکھی، اس کے علاوہ متحدہ ہندوستان میں دیگر بادشاہوں اور امیروں کے ایما پر متعدد فقہی نوادرات کا وجود عمل میں آیا مثلاً فتاویٰ فیروز شاہی فتاویٰ ابراھیم شاہی۔ فتاویٰ اکبر شاہی، فتاویٰ تاتارخانی، فتاویٰ عادل شاہی۔ اور فتاویٰ عالمگیری وغیرہا۔

ان کے علاوہ بھی فقہ و فتاویٰ پر مشتمل بعض کتابیں متحدہ ہندوستان میں ترتیب و تدوین کے مرحلے سے گزریں۔ جیسے فتاویٰ سراجیہ، فتاویٰ الحمادیہ، فتاویٰ جامع البرکات، فتاویٰ الھدایہ، فتاویٰ النقشبندیہ اور فتاویٰ مختصر شافعی وغیرہا۔

اس کے علاوہ علاقائی زبانوں میں بھی بعض فتاوے ترتیب دیئے گئے مثلاً ملیالم، بنگالی، گجراتی اور سندھی زبانوں میں۔

میں یہاں ان مختلف ہندوستانی زبانوں کے فتاؤں کی بھی فہرست اکٹھی کرنا نہیں چاہتا بلکہ صرف اردو زبان کے بعض کتب فتاویٰ اور بعض مفتیان کرام کی طرف اشارہ کرنا چاہوں گا تاکہ یہ حقیقت آشکار ہو جائے کہ دنیا کی مشہور ترین زبانوں کی طرح اُردو زبان میں بھی ہمارا عظیم الشان دینی سرمایہ فقہِ اسلامی کی صورت میں موجود ہے جو ہماری دینی زندگی و توانائی کی ضمانت ہے۔

بعض کتبِ فتاویٰ بزبان اردو

(۱) فتاویٰ رضویہ (پچیس ۲۵ جدید ضخیم جلدوں میں)، (۲) فتاویٰ نوریہ مصطفویہ (دو جلدوں میں)، (۳) فتاویٰ نوریہ (تین جلدوں میں)، (۴) فتاویٰ امجدیہ (دو جلدوں میں) (۵) فتاویٰ نعیمیہ (۶) فتاویٰ محبوبیہ (۷) فتاویٰ ارشادیہ (۸) افضل الفتاویٰ (۹) فتاویٰ منظر اسلام (۱۰) فتاویٰ مرکزیہ (۱۱) فتاویٰ اشرفیہ (۱۲) فتاویٰ شرعیہ (۱۳) فتاویٰ پاسبان (۱۴) فتاویٰ صدارت العالیہ (۱۵) فتاویٰ نظامیہ (۱۶) مجموعۃ الفتاویٰ (۱۷) فتاویٰ آستانہ (۱۸) امداد الاحکام (۱۹) فتاویٰ قیام الملۃ والدین۔

(۲۰) مجموعۂ فتاویٰ (۲۱) فتاویٰ علماء اہل السنۃ والجماعۃ (۲۲) فتاویٰ السنۃ (۲۳) فتاویٰ واحدی (۲۴) فتاویٰ مسعودی (۲۵) فتاویٰ مظہری (۲۶) فتاویٰ عزیزیہ (۲۷) مجموعۂ فتاویٰ (۲۸) فتاویٰ نظامیہ (۲۹) فتاویٰ غوثیہ (۳۰) فتاویٰ سعدیہ (۳۱) فتاویٰ عثمانیہ (۳۲) فتاویٰ نثاریہ (۳۳) فتاویٰ فیض الرسول (دو جلدوں میں) (۳۴) فتاویٰ رضانیہ (۳۵) فتاویٰ البرکات (۳۶) وقار الفتاویٰ (۳۷) احمل الفتاوی (۳۸) فتاویٰ فقیہہ ملت وغیرہما

اردو زبان میں یہ اُن فتاوٗوں کی اجمالی فہرست ہے جنہیں کتب فتاویٰ کی فہرست ترتیب دینے والے حضرات نے عمداً یا حسداً ترک کردیا ہے۔

صاحبانِ فتاویٰ

مذکورہ بالا کتب فتاویٰ علی الترتیب مندرجہ ذیل مفتیانِ اسلام، علماء کرام کا مرہونِ منت ہیں ان میں سے اکثر فتاوے زیورِ طبع سے آراستہ ہوکر فیض بخش خاص و عام ہوئے۔ اور بعض کتب فتاویٰ اب تک طباعت پذیر نہیں ہوسکیں۔ بلکہ مخصوص کتب خانوں کی زینت بنی ہوئی ہیں۔

(۱) مجددِ دین و ملت اعلیحضرت امام احمد رضا بریلوی (۲) مفتیٔ اعظم علامہ شاہ مصطفیٰ رضا بریلوی (۳) فقیہ اعظم پاکستان مفتی محمد نور اللہ صاحب (۴) صدر الشریعہ علامہ مفتی امجد علی شاہ صاحب اعظمی (۵) حکیم الامت علامہ مفتی احمد یار خانصاحب نعیمی (۶) مفتی احمد حسین خانصاحب (۷) استاذ العلماء مفتی ارشاد حسین صاحب رامپوری (۸) بحر العلوم مفتی سید افضل حسین صاحب مونگیری صدر المدرسین جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی (۹) مفتی تقدس علی خانصاحب، مفتی ابراہیم رضا عرف جیلانی میاں مفسر اعظم ہند مفتی افضل حسین صاحب، مفتی محمد احمد المعروف بجہانگیر صاحب مفتی محمد فاروق صاحب اور مفتی محمد ریحان رضا خانصاحب عرف رحمانی میاں وغیرہم (۱۰) تاج الاسلام مفتی اختر رضا خاں صاحب مفتی قاضی عبد الرحیم صاحب بستوی اور دیگر

مفتیانِ کرام (۱۱) حافظ ملت مفتی عبد العزیز صاحب محدث مبارکپور، بحر العلوم مفتی عبد المنان صاحب، شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی، اور مفتی محمد نظام الدین صاحب وغیرہم (۱۲) قاضیٔ شریعت مفتی محمد فضلِ کریم صاحب مفتی عبد الواجد قادری صاحبِ فتاویٰ یورپ، علامہ مفتی مطیع الرحمٰن صاحب مضطر، اور مفتی محمد حسن رضا نوری وغیرہم (۱۳) شمس العلماء مفتی محمد نظام الدین صاحب الٰہ آبادی، (۱۴) مفتی رحیم الدین صاحب حیدر آبادی (۱۵) مفتی رکن الدین صاحب حیدر آبادی، (۱۶) مفتی عبد الحیٔ صاحب لکھنوی (۱۷) مفتی زاہد القادری صاحب (۱۸) مفتی ظفر احمد صاحب (۱۹) مفتی عبد الباری صاحب فرنگی محلی لکھنؤ (۲۰) مفتی میر عبد الرحمٰن صاحب (۲۱) مفتی عبد الرزاق صاحب مکی حیدر آبادی (۲۲) مفتی عبد الواحد لاہوری (۲۳) مفتی محمد مسعود شاہ صاحب دہلوی (۲۴) مفتی محمد مظہر اللہ صاحب مفتیٔ اعظم دہلی (۲۵) مولانا مفتی عبد العزیز صاحب محدث دہلوی (۲۶) حضرت مفتی سید مہر علی شاہ صاحب گولڑوی، (۲۷) مفتی نظام الدین حنفی لاہوری (۲۸) مفتی غلام غوث صاحب (۲۹) مفتی سعد الدین صاحب (۳۰) مختلف مفتیانِ کرام دولت عثمانیہ حیدر آباد (۳۱) مفتی نثار احمد کانپوری (۳۲) مفتی جلال الدین امجدی، مفتی بدر الدین، مفتی نعیم الدین وغیرہم (۳۳) مفتی محمد رمضان صاحب (۳۴) مفتی محمد حبش برکاتی صاحب (۳۵) مفتی وقار الدین صاحب (۳۶) حضرت مفتی محمد اجمل شاہ صاحب (۳۷) مفتی جلال الدین صاحب

جن مفتیان کرام کے فتاوے جمع نہیں ہو سکے

ان کے علاوہ ہند و پاک کے ہزاروں علماء کرام نے بیشمار فتاوے اردو زبان میں دیئے جو یا تو جمع نہیں کئے جاسکے یا ہمارے بساطِ علم سے باہر ہیں۔ جن کے فتاوے مدوّن نہیں ہو سکے ان بزرگ مفتیانِ کرام میں سے بعض کے اسماءِ گرامی یہ ہیں۔

(۱) حضرت علامہ مفتی محمد حامد رضا خاں صاحب حجۃ الاسلام[۱] (۲) حضرت علامہ مفتی سید نعیم الدین صاحب صدر الافاضل،

[۱] آپ کا فتاویٰ، فتاویٰ حامدیہ، کے نام سے شائع ہو چکا ہے

(۳) حضرت علامہ مفتی برہان الحق صاحب (مفتی اعظم سی پی)

(۴) شمس العلماء حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب (مفتی اعظم ترہٹ)

(۵) حضرت علامہ مفتی رفاقت حسین صاحب (مفتی اعظم کانپور)

(۶) حضرت علامہ مفتی حشمت علی خانصاحب (شیر بیشۂ اہلسنت)

(۷) حضرت مولانا مفتی عبد الحفیظ صاحب حقانی (مفتی آگرہ)

(۸) استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی ولی الرحمٰن صاحب (پوکھریری)

(۹) شیخ العلماء حضرت مولانا مفتی غلام جیلانی صاحب میرٹھی

(۱۰) شمس العلماء مولانا مفتی شمس الدین صاحب جونپوری صاحب قانون شریعت

(۱۱) شیخ المعقولات حضرت علامہ مفتی محمد سلیمان صاحب بھاگلپوری

(۱۲) حضرت مولانا مفتی عبد المصطفیٰ صاحب اعظمی

(۱۳) حضرت مولانا مفتی عبد العزیز خانصاحب فتحپوری

(۱۴) حضرت مولانا مفتی عبد الرشید صاحب ناگپوری

(۱۵) حضرت مولانا مفتی محبوب علی خانصاحب بمبئی

(۱۶) حضرت مولانا مفتی محمد اجمل شاہ صاحب سنبھلی[1]

(۱۷) حضرت مولانا مفتی تحسین رضا خانصاحب بریلی شریف

(۱۸) حضرت مولانا مفتی احمد حسین صاحب سنبھلی

(۱۹) حضرت علامہ مفتی محمد مظفر احمد صاحب کراچی

(۲۰) حضرت مولانا مفتی محمد اسحاق صاحب مظفر پوری جودھپور

(۲۱) حضرت مولانا مفتی محمد عمر صاحب نعیمی کراچی

(۲۲) حضرت علامہ مفتی صاحب داد صاحب کراچی

(۲۳) حضرت مولانا مفتی مرشد علی صاحب کراچی

(۲۴) حضرت علامہ مفتی سید شجاعت علی صاحب کراچی

(۲۵) حضرت مولانا مفتی مسعود علی صاحب ملتان

(۲۶) حضرت علامہ مفتی ابو البرکات سید احمد صاحب لاہور

(۲۷) حضرت علامہ مفتی محمود حسن صاحب کوئٹہ

(۲۸) حضرت مولانا مفتی محمد مشرف احمد صاحب دہلوی

(۲۹) حضرت علامہ مفتی عاشق الرحمٰن صاحب حبیبی الہ آباد

(۳۰) حضرت علامہ مفتی ضیاء المصطفےٰ صاحب گھوسی

(۳۱) حضرت علامہ مفتی محمد اعظم صاحب بریلی شریف

(۳۲) حضرت مولانا مفتی محمد میاں صاحب قمر دہلوی

(۳۳) حضرت مولانا مفتی محمد شفیق صاحب شریفی الہ آباد

(۳۴) حضرت مولانا مفتی محمد رضوان الرحمٰن صاحب اندور

(۳۵) حضرت مولانا مفتی عبد الحفیظ صاحب دربھنگوی

(۳۶) حضرت مولانا مفتی محمد ایوب صاحب بھاگلپوری

(۳۷) حضرت مولانا مفتی غلام محمد صاحب ناگپوری

(۳۸) حضرت مولانا مفتی غلام مجتبیٰ صاحب سابق شیخ الحدیث جامعہ رضویہ

(۳۹) حضرت مولانا مفتی عبد الحلیم صاحب ناگپور

(۴۰) مفتی محمد قاسم صاحب ابراہیمی سابق مفتی انوار العلوم مظفر پور

(معذرت خواہ ہوں کہ اسماء گرامی کی ترتیب کو قائم نہیں رکھ سکا اور نہ ہی اپنے تمام بزرگ مفتیانِ کرام کے ناموں کو لکھ سکا۔ طالب دعا

عبد الواجد قادری غفرلہ

---

[1] آپ کے فتاووں کا مجموعہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

جن علماء کرام کے سوالات اس فتاویٰ میں شامل ہیں

مبلغ اسلام حضرت علامہ سید سعادت علی صاحب قادری

مولانا مجیب الرحمٰن صاحب بلجیم
مولانا عبدالواحد صاحب الکمار
مولانا نور احمد صاحب ہزاری باغ
مولانا سید عبدالمنان صاحب جامی روٹرڈم
مولانا محمد الیاس صاحب انجم، علیم آباد انڈیا
مولانا عبدالغفار صاحب نورانی، دی ہیگ
حافظ وقاری غلام مصطفےٰ صاحب ربانی، انڈیا
مولانا امتیاز احمد صاحب، ہالینڈ
مولانا علی اکبر صاحب، ''
مولانا نور محمد صاحب حقانی نیس فرانس
حافظ فیروز احمد صاحب امام غوثیہ آمسٹرڈم
مولانا عبدالقیوم صاحب نورانی ہالینڈ
مولانا اسرار الحق صاحب اشرفی، دی ہیگ
مولانا مطیع الرحمٰن صاحب اشرفی، بارسلونہ
مولانا رستم القادری صاحب غیاث پوری
مولانا محمد فیروز حوصلدار، دی ہیگ

حضرت مولانا قمر الزماں صاحب اعظمی، مانچسٹر
مولانا محمد سلطان رضا صاحب قادری لیلی ستاد
مولانا محمد فارس مقیم صاحب مسجد المدینہ، دی ہیگ
مولانا ہمایوں کبیر صاحب، اینڈہوفن
مولانا فیصل مقیم صاحب، دی ہیگ
مولانا حافظ محمد صدیق صاحب نعیمی، ''
مولانا عاشق مشتاق صاحب اوسلو ناروے
مولوی عبدالجلیل امام پاک مسجد بارسلونہ سپین
مولوی محمد شبیر دل محمد صاحب بارلیم
مولوی فیضان الرحمٰن سبحانی شریعت کالج کیرلا
مولانا حافظ عبدالرشید نورانی روٹرڈم
مولانا قاری محمد حنیف نقشبندی فرینکفورٹ جرمنی
مولانا زین العابدین صاحب پرتگال
مولانا سید افتخار حسین شاہ صاحب روٹرڈم
مولانا سجاد صاحب برکاتی غوثیہ آمسٹرڈم
مولانا نعیم القادری دی ہیگ

جن اسلامی و تبلیغی انجمنوں کے سوالات اس فتاویٰ میں شامل ہیں

نیدرلینڈ اسلامک سوسائٹی
القادری اسلامک سینٹر، دی ہیگ
اسلامک فونڈیشن، نیدرلینڈ
مرکز الثقافۃ السنیہ، کیرل
مجلس علما نیدرلینڈ
ورلڈ اسلامک مشن ہالینڈ
رضوی تبلیغی سوسائٹی ہالینڈ
انجمن خدام ملت دربھنگہ
مؤسسۃ الحلال الطیب دی ہیگ
اشاعت الاسلام، پرتگال
منظر اسلام، لیلی ستاد
ورلڈ اسلامک مشن برطانیہ

فرید الاسلام (سنی حنفی) آمسٹرڈم
فیض الاسلام، دی ہیگ
غوثیہ رضویہ اسلامک کلچر دی ہیگ
مصباح الاسلام، زولہ
رضا استیختینگ، آمسٹرڈم
اسلامک سوسائٹی ہالینڈ
بزم رضا الکمار نیدرلینڈ
بزم رضا آمسٹرڈم
حلقہ اشرفیہ روٹرڈم
شان اسلام
سنی حنفی رضوی سوسائٹی آلمیرہ
اشاعت الاسلام دی ہیگ

وہ مسجدیں جن کے امام و خطیب یا مہتمم کے سوالات اس فتاویٰ میں ہیں

نوری مسجد آمسٹرڈم
رضوی مسجد آمسٹرڈم
غوثیہ رضویہ مسجد دی ہیگ
انوار مدینہ مسجد ایندہوفن
پاک محمدی مسجد، فرینکفورٹ جرمنی
مسجد نور نیس فرانس
مسجد گلزار مدینہ تزولہ ہالینڈ

نوری مسجد الکمار ہالینڈ
رضوی مسجد زولہ
المدینہ مسجد دی ہیگ
پاک جامع مسجد بارسلونہ سپین
مسجد عابدین آمسٹرڈم ہالینڈ
مسجد قادری دی ہیگ ہالینڈ
مسجد الفردوس لیلی ستاد

مسجد نور الاسلام دی ہیگ

فہرست مسائل (فتاویٰ یورپ)

کتاب العقائد

(ایمان وعقیدہ کا بیان)

کتاب الطہارۃ

(پاکی کا بیان)

بعض احکامِ شرع کا بیان

کتاب الصلوٰۃ
(نماز کا بیان)

کتاب النکاح والطلاق
(نکاح وطلاق کا بیان) ۳۶۳

كتابُ الحظر والاباحة

(مختلف مسائل کا بیان) ۵۲۸

كتابُ الميراث

فہرست ضمنی مسائل

کتاب الطہارۃ

(پاکی کا بیان)

کتاب الصلوٰۃ
(نماز کا بیان)

کتاب الزکوٰۃ

(زکات کا بیان)

كتابُ الصّوم

(روزے کا بیان)

کتاب الاضحیّہ
(قربانی کا بیان)

کتاب النکاح والطلاق ۳۶۳
نکاح وطلاق کا بیان

کتاب البیوع

(خرید و فروخت کا بیان)

کتاب الذبائح
(ذبیحہ کا بیان) ۔۔۔ ۴۶۷

کتاب الحظر والاباحة

(متفرق مسائل کا بیان)

کتاب المیراث

خطبۃ الکتاب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ عَافَانِیْ فِیْ عَیْنِ الْبَلَاءِ ه وَاَکْرَمَنِیْ فِیْ نَفْسِ الْجَفَاءِ ه وَاَحْسَنَ بِیْ فِیْ حَالَۃِ الْعَنَاءِ ه وَوَفَّقَنِیْ عَلَی الشُّکْرِ فِی السَّرَّاءِ وَ الضَّرَّاءِ ه وَجَعَلَنِیْ مِنْ مُّتَابِعِیْ سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ ه وَھَدَانِیْ اِلٰی نَھْجِ الشَّرِیْعَۃِ الْبَیْضَاءِ ه وَمِنْ مُّقْتَضِیْ اٰثَارِ الْاَوْلِیَاءِ ه وَمُحِبِّی الْعُلَمَاءِ وَالصُّلَحَاءِ ه وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ السَّادَاتِ دَافِعِ الْبَلِیَّاتِ وَالْاٰفَاتِ ه دَاعِی الْخَیْرَاتِ وَالْحَسَنَاتِ وَالْبَرَکَاتِ ه سَیِّدِ الْعٰلَمِیْنَ شَفِیْعِ الْمُذْنِبِیْنَ اِمَامِ الْمُرْسَلِیْنَ ه سَیِّدِنَا وَحَبِیْبِنَا وَطَبِیْبِنَا وَطَبِیْبِ قُلُوْبِنَا وَشِفَائِنَا وَشِفَاءِ صُدُوْرِنَا وَنَبِیِّنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ حَبِیْبِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ صَلَوَاتُ اللّٰہِ تَعَالٰی اَتَمُّھَا وَتَسْلِیْمَاتُہٗ اَکْمَلُھَا وَتَحِیَّاتُہٗ اَجْمَلُھَا وَبَرَکَاتُہٗ اَنْوَمُھَا وَاَحْسَنُھَا عَلَیْہِ وَعَلَیْھِمْ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَ

اَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ

وَعَلٰی اَئِمَّۃِ اُمَّتِہٖ وَمُجۡتَہِدِیۡ مِلَّتِہٖ لَاسِیَّمَا اِمَامِ الۡاَئِمَّۃِ، کَاشِفِ الۡغُمَّۃِ، سِرَاجِ الۡاُمَّۃِ سَیِّدِنَا اَبِیۡ حَنِیۡفَۃَ النُّعۡمَانِ رَضِیَ عَنۡہُ الرَّحۡمٰنُ، وَعَلٰی ابۡنِہِ الۡاَکۡرَمِ سَیِّدِنَا مُحۡیِ الدِّیۡنِ عَبۡدِ الۡقَادِرِ الۡجِیۡلَانِیۡ الۡغَوۡثِ الۡاَعۡظَمِ، وَعَلٰی عُلَمَاءِ شَرِیۡعَتِہٖ وَفُقَہَاءِ مِلَّتِہٖ خُصُوۡصًا سَیِّدِ الۡعُلَمَاءِ سَنَدِ الۡاَتۡقِیَاءِ نُوۡرِ الۡاَصۡفِیَاءِ اِمَامِ اَحۡمَدَ رَضَا عَطَّرَ اللّٰہُ تَعَالٰی مَرۡقَدَہُ الشَّرِیۡفَ بِعِطۡرِ الرِّضَا وَعَلٰی مَنۡ تَبِعَہُمۡ اِلٰی یَوۡمِ الۡجَزَاءِ. وَعَلَیۡنَا مَعَہُمۡ وَبِہِمۡ وَلَہُمۡ یَا اَرۡحَمَ الرَّاحِمِیۡنَ اٰمِیۡن اٰمِیۡن اٰمِیۡن بِرَحۡمَتِكَ یَا رَبَّ الۡعٰلَمِیۡنَ

(نوٹ) صاحب فتاویٰ یورپ استاذی محترم حضرت مفتی صاحب قبلہ دام اقبالہٗ نے بہت پہلے یہ خطبہ مبارکہ املا کرایا تھا جس کو حصولِ برکت کے لئے بطور خطبۃ الکتاب "فتاویٰ یورپ" کا سرنامہ بنانے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

(مرتّب)

کتاب العقائد

ایمان کا بیان

انبیاء علیہم السلام کا ذکر الفاظِ ذمیمہ کے ساتھ

مسئلہ ۷۸۶ (شمس الضحیٰ خاں کیر آف امام مسجد عابدین بلجیم) ۲۵ نومبر ۱۹۸۵ء
۱۲-۱۲-۱۹۸۵

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ قرآن پاک میں بعض منہیات کی نسبت بعض حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی ذواتِ مقدسہ کی طرف ہے مثلاً ذنب، عصیٰ، ظلم، ضل وغیرہا۔ تو کیا آیاتِ قرآنیہ کو سند بنا کر ان الفاظ ذمیمہ کیساتھ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ذکر از روئے شرع شریف جائز ہے یا نہیں؟ امید کہ مدلّل جواب دیکر مشکور فرمائیں گے۔

الجواب ۷۸۶/۹۲ هو المجيب الوهّاب

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَاحِبِ الْجُوْدِ وَالْعَطَایَا. وَفَضَّلَ الْاَنْبِیَاءَ عَلَی الْبَرَایَا، وَاَعْصَمَهُمْ عَنِ الْمَعَاصِیْ وَالْخَطَایَا. اَمَّا بَعْدُ!

آیاتِ مقدسہ یا احادیث کریمہ میں جہاں جہاں الفاظِ مذکورہ وغیرہا حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی معصوم شخصیتوں سے متعلق ہیں بس اُن کو وہیں تک محدود رکھنا واجب ہے۔ یعنی غیر تلاوتِ قرآن واحادیث خوانی میں کسی بھی نبی و رسول علیہم السلام کی طرف ذنب، عصیٰ، ظلم و ضل وغیرہا الفاظِ ذم کی نسبت حرام و گناہ اور لائق تعزیر و سزا ہے بلکہ علماء رحمہم اللہ تعالیٰ کی ایک جماعت نے اسے کفر بتایا۔ اور اختلافِ علماء سے بچنے کے لئے اس کے قائل پر تجدید ایمان و نکاح اگر بیوی

رکھتا ہو) کا حکم لگایا جائے گا۔ ابن الحاج امام ابو عبداللہ محمدؒ المدخل ص۱۵ میں فرماتے ہیں کہ۔

قَدْ قَالَ عُلَمَائُنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ	ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تلاوت
تَعَالٰى مَنْ قَالَ نَبِيٌّ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ	یا حدیث کے علاوہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام
وَعَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ	میں سے کسی کا ذکر خیر ان کی لغزش یا نافرمانی
فِىْ غَيْرِ التِّلَاوَةِ وَالْحَدِيْثِ	کے ساتھ کرنا کفر ہے جس نے ایسا کیا اس
اَنَّهُ عَصٰى اَوْخَالَفَ فَقَدْ	نے کفر کیا۔
كَفَرَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ۔	(نعوذ باللہ من ذلک)

واللہ تعالیٰ اعلم و رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ ۱۲/۱۲/۱۹۸۵ء

نام نہاد تبلیغیوں کا چلہ اور درس

مسئلہ ۸۶ دانیال و شاکر بخش ٹیلی فون 06-28675581 یکم ربیع الآخر ۱۴۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس بارے میں کہ "ہندوستانی تبلیغی جماعت" کے حقائق و عقائد کیا ہیں؟ ان کے ساتھ تبلیغی دورہ کے لئے چلّہ کے نام پر نکلنا یا ان کے درس میں حصہ لینا کیسا ہے؟ جواب باصواب سے نواز کر شکریہ کا موقع دیں۔

الجواب ۸۶/۹۲ هو الهادي الى الصواب

ہندی تبلیغی جماعت وہابیہ دیوبندیہ کی معاون شاخ ہے جس کا محرک تھانہ بھون کا گرد اور بانی اس کا چیلہ مولوی الیاس کاندھلوی تھا، اس نام نہاد جماعت کا مقصد نماز، روزے کی آڑ میں وہابیت و دیوبندیت کا پرچار ہے۔ ان کے عقائد عقائد باطلہ ہیں۔ اسلامی عقائد کے بہت سے اجزاء میں وہ مخالف ہیں۔

اگر تفصیلی معلومات چاہئے تو علامہ ارشد القادری زید مجدہٗ کی مشہور تصنیف "تبلیغی جماعت" کا مطالعہ کیجئے، مذکورہ تبلیغی جماعت کے درس اور چلّہ سے بچنا لازم

ہے۔ حدیث پاک میں ارشاد ہوا اِنَّ ھٰذَا الْعِلْمَ دِیْنٌ فَانْظُرُوْا عَمَّنْ تَاْخُذُوْنَ دِیْنَکُمْ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری ۹ ربیع الآخر ۱۴۲۲ھ
اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

نوٹ: اس جواب کی تصدیق محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفےٰ اعظمی نے فرمائی (مرتب)

سنّی کی تعریف

مسئلہ ۸۸ حاجی محمد ابراھیم عبدل صدر فیض الاسلام، دی ہیگ ۵-۵-۱۹۹۳ء

کیا فرماتے ہیں علمائے ربّانی ومفتیانِ حقانی اس بارے میں کہ موجودہ زمانہ میں سنّی سے کیا مراد ہے؟ اور سنّی کی صحیح تعریف کیا ہے؟ کیونکہ مختلف فرقے اپنی اپنی سنّیت کے دعویدار ہیں عوام کو یہ باور کرانا مشکل ہے کہ اصل سنّی کون ہے لہٰذا تفصیلی جواب عنایت فرماکر شکریہ کا موقع دیں تاکہ آپ کے جواب کو ہم مختلف زبانوں میں شائع کرسکیں۔

الجواب ۷۸۶/۹۲ ھو المجیب الوھاب

لفظِ "سنّی" اہلسنّت وجماعت کا مخفف ہے جب مذہب کے تعلق سے یہ لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مراد اہلسنّت وجماعت ہی ہوتا ہے۔ اور اہلسنّت و جماعت اُسے کہتے ہیں جو "مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ" کا مصداق ہو زمان ومکان اور حالات کے اختلاف سے سنّی کی تعریف مختلف ہوتی رہی ہے چنانچہ جب سبائیوں نے شیعہ فرقہ کو جنم دیا تو شیعہ مدعیٔ اسلام ہونے کے باوجود اسلام کے فرائض وارکان میں اختلافات کرنے لگے۔ ان کے بعض معتقدات ونظریات بھی یکسر بدل گئے۔ حضرت سیدنا شیر خدا مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو حضرات شیخین سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر فضیلت دینے لگے۔ بلکہ ان حضرات کی شانِ اقدس میں تبرّا بازی کرنے پر اُتر آئے، تو اُس زمانہ خیر القرون سے ملحق خیر ازمنہ میں سنّیوں کے لئے صرف "مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ"

ہی کا مصداق ہونا کافی نہ ہوا۔ بلکہ ائمہ ومجتہدین خصوصًا امام الائمہ کاشف الغمہ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تبارک وتعالیٰ عنہم نے "مَا اَنَا عَلَیْہِ وَ اَصْحَابِیْ" کے ساتھ "تَفْضِیْلُ الشَّیْخَیْنِ عَلَی الْخَتَنَیْنِ" یعنی سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حضرت سیدنا عثمان غنی اور حضرت سیدنا مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے افضل وبرتر ماننا بھی اہلسنّت وجماعت کی پہچان اور شعار قرار دیا.....

شیعوں کے بعد نئے فرقے جنم لیتے رہے مثلاً رافضی، ناصبی، خارجی، زیدی اور معتزلی وغیرہم تو ان کے نظریات ومعتقدات سے سنّیوں کو ممتاز کرنے کے لئے سنّی کی تعریف میں بھی حسب ضرورت وامتیاز تبدیلی ہوتی رہی، آخر الذکر فرقہ (معتزلی) نے تو انتہا ہی کردی کہ شاید باید ہی اشاعرہ وماتریدیہ کا کوئی ایسا عقیدہ ونظریہ ہو جس سے اس نے اختلاف نہ کیا ہو۔ لیکن علما متکلمین نے انھیں ایسا سبق سکھایا کہ آج سطح زمین پر معتزلی نام کا کوئی مدعی اسلام فرقہ موجود نہیں ہے ہاں اس کے بعض نظریات کو اب تک بعض فرق باطلہ پروان چڑھانے کی سعی لاحاصل کررہے ہیں۔ مثلاً معتزلیوں کا یہ نظریہ تھا کہ زندوں کی دعائیں اور ان کی طرف سے صدقہ وخیرات مردوں کے لئے کچھ بھی نفع بخش نہیں تو ان کے مقابلے میں حضرات ائمہ ومجتہدین رضی اللہ تبارک وتعالیٰ عنہم نے ایصال ثواب کو نہ صرف جائز قرار دیا بلکہ اسے سنّیوں کا طریقہ وشعار بتایا۔ امام اعظم سیدنا امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مشہور ومعروف کتاب "فقہ اکبر" کی شرح عقائد میں ہے۔

اِنَّ دُعَاءَ الْاَحْیَاءِ لِلْاَمْوَاتِ وَ	زندوں کی دعائیں اور ان کی طرف سے صدقہ وخیرات
صَدَقَتُهُمْ عَنْهُمْ نَفْعٌ لَّهُمْ	مردوں کے لئے نفع بخش ہیں۔ اس امر میں
خِلَافًا لِلْمُعْتَزِلَةِ۔ وَالْاَصْلُ فِیْ	معتزلہ خلاف ہیں اور اہلسنّت کے نزدیک
ذٰلِكَ عِنْدَ اَهْلِ السُّنَّةِ اِنَّ	دراصل بات یہ ہے کہ انسانوں کے اعمال صالحہ
الْاِنْسَانَ اَنْ یَّجْعَلَ ثَوَابَ	مثلاً نماز، روزہ، حج وصدقات وغیرہا کا ثواب

عَمَلِهٖ لِغَيْرِهٖ صَلٰوةً اَوْصَوْمًا	دوسرے اہلِ ایمان کو پہنچانا مشروع ہے
اَوْحَجًّا اَوْصَدَقَةً اَوْغَيْرَهَا	امام الائمہ سیدنا ابوحنیفہ اپنے اصحاب رضی اللہ
وَعِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَصْحَابِهٖ	تعالےٰ عنہم کے ساتھ ایصالِ ثواب کے جواز
يَجُوْزُ ذٰلِكَ ثَوَابُهٗ اِلَى الْمَيِّتِ ہ اھ	کے قائل ہیں۔ اھ

اسی طرح تیرہویں صدی ہجری کے اخیر میں اور چودھویں صدی ہجری کے شروع میں باطل فرقوں نے نئے نئے معتقدات کے ساتھ سر اٹھایا تو برّصغیر کے علماء کے علاوہ حرمین محترمین اور حج کے مبارک موقع سے آئے ہوئے اکنافِ عالم کے اعاظم علماءِ کرام و مفتیانِ عظام کی تلواریں اُن کے حلقوم کا ہار بن گئیں۔ اور اب سُنّی کی تعریف "مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ" کا مصداق ہونا، تفضیلِ شیخین کا معتقد ہونا یا ایصالِ ثواب کا قائل ہونا ہی نہ رہی، بلکہ ان سب باتوں کے ساتھ اس امر کا بھی اضافہ ہو گیا کہ ان باطل فرقوں کے اقوالِ کفریہ خبیثہ پر اطلاع ہو جانے کے بعد انہیں کافر اور دینِ اسلام سے خارج جاننا، ان کے ساتھ اسلامی اخوت و مراعات کو یکسر ختم کر دینا سنّی ہونے کے لئے ضروری ہے۔ چنانچہ "حُسَامُ الْحَرَمَيْنِ عَلٰى مَنْحَرِ الْكُفْرِ وَالْمَيْنِ" کے ص۱۲ میں ہے۔

اِنَّ غُلَامَ اَحْمَدَ الْقَادِيَانِيْ وَرَشِيْد	کہ غلام احمد قادیانی، رشید احمد (گنگوہی)، اور
اَحْمَدَ وَمَنْ تَبِعَهٗ كَخَلِيْلِ الْاَنْبَيْتِهِيْ	جو بھی ان کے پیرو ہوں جیسے خلیل احمد انبیٹھوی
وَاَشْرَفْعَلِيْ وَغَيْرِهِمْ لَاشُبْهَةَ	اور اشرفعلی تھانوی وغیرہم ان کے کفر میں
فِيْ كُفْرِهِمْ بِلَامَجَالٍ بَلْ لَا	کوئی شبہ نہیں نہ شک کی مجال۔ بلکہ جو اُن کے
شُبْهَةَ فِيْ شَكٍّ بَلْ فِيْ مَنْ	احوال کو جان کر ان کے کفر میں شک کرے
تَوَقَّفَ فِيْ كُفْرِهِمْ بِحَالٍ مِّنَ	بلکہ انہیں کافر کہنے میں توقف کرے اس کے
الْاَحْوَالِ	کفر میں شبہ نہیں۔ اھ

اور اب ہمارے زمانے میں کچھ لوگوں نے تبلیغ دین کے نام بدعقیدگی کا پرچار شروع کیا ہے اور کچھ لوگوں نے اصلاحِ امّت اور اتحادِ ملّت کے نام پر باطل فرقہ

کے لیڈروں کو اتحاد کی دعوت دی ہے اور اس صلح کلیت پر گٹھ جوڑ کرنے چلے ہیں کہ اب ہم ایک دوسرے پر تکفیر و تفسیق کے فتوے نہیں لگائیں گے۔ نیز ایک دوسرے کی اقتدا میں نماز پڑھیں گے اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر رہیں گے وغیرہ وغیرہ۔

یہ فرقہائے متنوعۂ جدیدہ جیسے جدید وہابیت، الیاسیت، طاہریت یا صلح کلیت وغیرہا کا نام دیا جا سکتا ہے مسلمانوں کے لئے نہایت خطرناک اور مہلکِ ایمان ہے ایسے لوگوں کے لئے قرآن پاک فرما چکا "وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُمْ مِنْهُمْ" کہ تم میں سے جن لوگوں نے مخالفین کی طرف ہاتھ بڑھایا وہ انھیں میں سے ہیں۔

مذکورہ بالا مختصر وضاحت کی روشنی میں آپ کے سوال کا مختصر جواب یہ ہوا.... کہ سُنّی مسلمان وہ ہے جو "مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي" کا مصداق ہو۔ خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی افضلیت کا حسبِ ترتیبِ خلافت معتقد و قائل ہو، صحابۂ کرام کا ذکر بھلائی کے سوا نہ کرتا ہو۔ ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کا مقلد ہو۔ باطل مذاہب والوں اور بدعقیدوں کے ساتھ دینی راہ و رسم نہ رکھتا ہو۔ حسام الحرمین کی تشریحات کے مطابق گمراہ فرقوں کے لیڈروں کو کافر جہنمی اور دائرۂ اسلام سے خارج جانتا ہو اور اپنے اسلاف کے مسلک کا پیروکار ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم ورسولہ

کتبـــــــــــــــہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ ۷ مئی ۱۹۹۲ء
خادم الافتاء جامعہ مدینۃ الاسلام، دی ہیگ

شرک و کفر کے فتوی میں تعجیل نہیں چاہیئے

مسئلہ ۸۹ اخلاق احمد MERDTON ST-29-1056-A-DAM
۱۵ ماہ رجب ۱۴۱۲ھ

علماء دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ آستانۂ غوثیہ ضلع جہلم پاکستان نے ایک وظیفہ نامہ بنام "فیضانِ قلندر" شائع کیا جس پر مفتی محمود حسین صاحب شائق قریشی نے شرعی فتویٰ جاری کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ فیضانِ قلندر کو ترتیب دینے

والے نے صریح اور جلی شرک کا ارتکاب کیا ہے ـــــ مفتی صاحب موصوف کے اس شرعی حکم کے بعد اشتہارِ مذکور "فیضانِ قلندر" کے مرتّب پیر محمد ظہور بادشاہ آستانۂ غوثیہ گلشن بغداد تحصیل سوہا ضلع جہلم نے اپنی یہ تحریر شائع کی اور لوگوں کے سامنے زبانی بھی ان باتوں کا اظہار کیا کہ ـــــ "طریقۂ خواجگان کے اندر جو عبارت قلم بند کی گئی ہے اور تصوّف کی روشنی میں یہ وظیفہ ترتیب دیا گیا ہے اس کا تعلق اہلِ تصوّف کے ساتھ ہے۔ اسلئے اُسے قرآن کریم میں تحریف نہ سمجھا جائے۔ نیز اشتہار مذکور میں کچھ الفاظ مثلاً بحق یا واسطے" سہواً رہ گئے ہیں اور کچھ علامتیں کاتب کی نذر ہوگئی ہیں جنہیں سامنے رکھتے ہوئے تعلیماتِ تصوّف کی روشنی میں دیکھا جائے۔ جبکہ میں بفضل اللہ تعالیٰ اس کے تمام صفات حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ختم نبوّت اور تمام ضروریاتِ دین پر مکمّل اعتقاد و ایمان رکھتا ہوں۔ نیز اس تمام کتابت کے سہو پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ و استغفار کرتا ہوں ـــــ فیضانِ قلندر کی ایک کاپی اور حضرت مفتی صاحب کا فتویٰ حاضر خدمت ہے ان سب کو سامنے رکھتے ہوئے حکم شرع سے آگاہ کیا جائے، نیز یہ بتایا جائے کہ مفتی صاحب کا فتویٰ صحیح ہے یا نہیں؟

۹۲/۷ الجواب ـــــ بعونِ المجیب الوهاب

کتاب و خطاب اور تحریر و تقریر میں فوقیّت و اہمیّت خطاب و تقریر کو ہوتی ہے۔ ویسے کتاب و تحریر بھی عند الحاکم حکماً خطاب و تقریر کی طرح ہے جس کی تصریحات کتب فقہیہ میں موجود ہے مثلاً اَلقَلمُ اَحدُ اللِّسانَینِ، وَالکِتَابُ کَالخِطَابِ، بشرطیکہ بوقتِ ضرورت اس سے متعلق کاتب کا اقرار یا شہادت کافی موجود ہو۔ اور جن امور میں اقرار یا شہادت درکار ہے انہیں پایۂ تحقیق تک پہنچنے سے پہلے اُن پر حکم شرع کا صدور و نفاذ منصب قضاء اور وقارِ عدالت کے خلاف ہے۔ ہاں منصبِ افتاء اس قید سے بیگونہ بالاتر ہے کہ تفتیش حال اور واقعہ کے مآل تک پہنچنے کی ذمہ داری مفتی یا ناقل پر نہیں بلکہ وہ نفس سوال کا جوابدہ ہوتا

ہے۔ پھر بھی احتیاط کا تقاضا ہے کہ جواب سے پہلے سوالنامہ کو مختلف پہلوؤں سے سمجھنے کی کوشش کرے۔ بلکہ اگر مفتی و ناقل ضرورت محسوس کرے تو سائل اور ممکن ہو تو مسئول لہٗ سے بھی سوالنامہ سے متعلق وضاحت طلب کرے اور جب تک سوال پوری طرح سمجھ میں نہ آجائے اِیَّاكَ وَمَا يُعْتَذَرُ مِنْهُ (مستدرک للحاکم) کے مطابق جواب دینے میں عجلت سے کام نہ لے۔ خاص کر جب سوال کا تعلق کسی مسلمان کی تکفیر و تفسیق سے ہو۔ کیونکہ اس میں ذرا سی غفلت کی وجہ سے حکم کا نشانہ برعکس بھی لگ سکتا ہے۔

تکفیر و تفسیق سے متعلق اگر کلام مؤوّل ہے تو حتی الامکان اس کی تاویل کرے (ہاں کلام صریح میں تاویل کی گنجائش نہیں ہوتی) اگر ایک کلام میں درجنوں بلکہ سیکڑوں شقیں تکفیر و تفسیق کی نکلتی ہوں اور اس کی صرف ایک شق اسلام کی طرف جاتی ہو تو " ظَنُّ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرًا " کے تحت اس ایک شق کا اعتبار کرتے ہوئے اُس مسلمان کو کفر و شرک اور ضلال (گمراہی) کی کھائیوں میں گرنے سے بچائیں گے اور اس پر اسلام کا حکم دیں گے۔ " اَلْاِسْلَامُ يَعْلُوْا وَلَا يُعْلٰى "

ردّ المحتار وغیرہ کتب فتاویٰ میں ہے اِنَّ فِیْ مَسْئَلَةٍ اِذَا كَانَ وُجُوْهٌ تُوْجِبُ التَّكْفِيْرَ وَوَجْهٌ وَاحِدٌ يَمْنَعُ التَّكْفِيْرَ فَعَلَى الْمُفْتِيْ اَنْ يَّمِيْلَ اِلَى الَّذِيْ يَمْنَعُ التَّكْفِيْرَ تَحْسِيْنًا لِّلظَّنِّ بِالْمُسْلِمِ۔ پھر یہ بھی بتانے کی ضرورت نہیں کہ ہر زبان کا اپنا اپنا انداز تحریر اور اس کے رموز و اوقاف ہوتے ہیں کہ اگر پڑھنے میں اس کی رعایت نہیں کی گئی تو مفہوم کے خلط ملط ہو جانے کا اندیشہ قوی ہوتا ہے بلکہ کبھی کبھی محرر و متکلم کی منشاء کے خلاف و برعکس مطلب نکل آتا ہے..... مثلاً قرآن پاک میں وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ اس آیت کریمہ میں اگر اسم جلالت (اَللّٰهُ) اور رَاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ کے درمیان وقف لازم کا لحاظ نہ کیا جائے تو مستثنیٰ منہ میں علماء راسخین بھی آجائینگے اور یہ منشاء قرآنی کے خلاف ہے اسی طرح اگر اُردو رسم الخط میں بت کامل (ـــ) کی

نشانی ہو اور پڑھنے والا اس کا لحاظ نہ کرے تو اس کا معنیٰ و مفہوم کچھ کا کچھ ہو سکتا ہے مثلاً کسی کاتب کا یہ تحریری جملہ (روکومت جانے دو) کو مخالفتِ تاکیدی اور اجازتِ تاکیدی دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے لیکن جب کاتب نے روکو مت کے بعد بتِ کامل (-) لگا دیا تو اب اس جملہ کو صرف تاکیدی اجازت ہی کے معنیٰ میں پڑھا اور سمجھا جائے گا، اور اگر کوئی اس جملہ میں بتِ کامل (-) کا لحاظ نہ کرے تو وہ منشاء کاتب کے خلاف و برعکس ہو گا۔

"فیضانِ قلندر" نامی وظیفہ نامہ میں تین مقامات پر بتِ کامل کی علامت موجود ہے لیکن فاضل مفتی صاحب مدظلہ نے اس کا لحاظ نہیں فرمایا اور اشتباہی مقامات سے متعلق "وظیفہ نامہ" کے مرتب سے وضاحت بھی طلب نہیں فرمائی، اور شرعی فتویٰ کی صورت میں شرک جلی و شرک صریح اور ضال و مضل کا حکم صادر فرما دیا۔ استحساناً حضرت مفتی صاحب کو تحقیق کرنی چاہئے تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ فتویٰ عجلت میں صادر ہو گیا ہے۔ کیونکہ جب حضرت مفتی صاحب کی گرفت اور ان کی طرف سے نافذ شدہ شرعی حکم کا علم جناب مرتب صاحب کو ہوا تو انہوں نے برملا اپنی غلطیوں کا اعتراف کیا کہ "کہیں وظیفہ نامہ میں 'بحق' اور کہیں 'بواسطے' کے الفاظ رہ گئے ہیں اور یہ کہ اشتہار مذکور کی کتابت میں بعض مقامات پر کاتب صاحب سے بھی سہو واقع ہوا ہے..... پھر مخلص مرتب نے اپنی غلطیوں کے علاوہ کاتب کی طرف سے بھی وقوعِ سہو پر اپنی توبہ کا تحریری اعلانیہ (مطبوعہ) شائع کیا جو اشتہارِ خطاء کے حسبِ حال ہے۔ مرتب صاحب اپنی اس توبہ میں نہایت مخلص معلوم ہوتے ہیں۔ مولیٰ تبارک و تعالیٰ جو رحمٰن و تواب ہے اپنے حبیب پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل انکی توبہ قبول فرمائے اور آئندہ کے لئے انہیں جادۂ حق پر مستقیم رکھے۔ آمین۔

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ کے مطابق توبہ کے بعد اُن پر کوئی شرعی مواخذہ نہیں۔ البتہ فیضانِ قلندر کے مرتب کو از رہِ دینی خیرخواہی یہ نصیحت کی جاتی ہے کہ وہ کسی ایسے وظیفہ و اعمال یا کسی ایسے مضمون پر مشتمل اشتہار

وکتابچہ ترتیب نہ دیں جن سے ایمان وعقیدۂ اسلام کے خلاف معنیٰ کا ایہام ہو یا مسلمانوں کی صالح سماعت پر وہ گراں گزرے۔ حدیث پاک میں ارشاد ہوا إِيَّاكَ وَمَا يَسُوْءُ الْأُذُنَ" دوسری حدیث پاک میں ارشاد ہوا۔ اَحَدِّثُ النَّاسَ بِمَا يَعْرِفُوْنَ (لوگوں سے وہی باتیں کرو جوان کے لئے معروف ہوں) اور ردّالمحتار وغیرہ میں ہے" مُجَرَّدُ إِيْهَامِ الْمَعْنَى الْمُحَالِ كَافٍ فِي الْمَنْعِ" یعنی ممانعت کے لئے صرف محال معنیٰ کا ایہام ہی کافی ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ تصوّف ومعرفت یا طریقت وحقیقت۔ شریعتِ مطہرہ سے مغائرت ومخالفت نہیں رکھتیں بلکہ شریعتِ طاہرہ بحر اسلام ہے اور طریقت ومعرفت وغیرہا اسکی معاون وپاکیزہ نہریں۔ جو سمندر کے بغیر بے معنیٰ ہیں۔

واللہ تبارک وتعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ خادم الافتاء

مجلس علماء نیدرلینڈ۔ ۲۳ر رجب ۱۴۲۲ھ ۲۵ر اگست ۲۰۰۱ء

دیابنہ اور اس کی اقتداء کی ممانعت

مسئلہ ۹؎ محمد رستم القادری، غیاث پور، بہار۔ انڈیا۔ ۲۱-۴-۱۹۹۳ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ انڈیا کے دربھنگہ ضلع میں ایک بستی غیاث پور نامی واقع ہے۔ یہ بستی دو محلوں میں منقسم ہے اور دونوں محلوں میں ایک ایک مسجد ہے۔ دونوں مسجدوں کے درمیان پاؤں پیدل چلنے میں دس منٹ کا فاصلہ ہے ان میں سے ایک جامع مسجد کہلاتی ہے مگر جامع مسجد والے محلّہ کے تمام لوگ دیوبندی وہابی عقائد سے تعلق رکھتے ہیں اور جس محلّہ میں چھوٹی مسجد ہے اس محلّہ کے تمام لوگ سنی صحیح العقیدہ ہیں۔ جمعہ کی نماز دونوں مسجدوں میں ہوتی ہے صرف عید اور بقرعید کی نمازیں مشترکہ طور پر سبھی لوگ جامع مسجد میں پڑھتے ہیں اور جامع مسجد کے امام دیوبندی ہیں۔ کیا ایسی صورت

میں اس دیوبندی کے پیچھے سنّیوں کی نماز عیدین ہو جائے گی؟ یا سنّی حضرات اپنی چھوٹی مسجد میں نماز پنجگانہ و جمعہ اور عیدین کی نمازیں پڑھا کریں؟ جلد جواب عنایت فرمائیں۔

۹۲/۴۸۶ الجواب ـــــ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

دیوبندی اپنے عقائد کفریہ خبیثہ کے سبب بحکمِ شریعت اسلامیہ کافر و بے دین اور مستحق عذابِ الیم ہیں۔ ان کی اقتداء حرام نہایت بدانجام ہے (اگر اسکی تفصیل دیکھنی ہو تو حُسَامُ الحَرَمَین، الصَّوَارِمُ الْھِنْدِیَّہ، فتاوی علماءِ عالم وغیرہا کتب کا مطالعہ کریں) مسلمانوں نے جو بھی نمازیں اُن کے پیچھے پڑھی ہوں اُن سب نمازوں کا پھر سے پڑھنا لازم و ضروری ہے۔ فتح القدیر نے ہمارے ائمہ ثلاثہ سے نقل کیا "لَاتَجُوْزُ الصَّلٰوۃُ خَلْفَ اَھْلِ الْھَوَاءِ۔

مذکورہ آبادی جبکہ گاؤں ہے اور اس آبادی پر مصر یا فنائے مصر یا پرگنہ و تحصیل وغیرہ کی تعریف صادق نہیں آتی ہے (اگرچہ وہ دارالاسلام میں واقع ہو) تو وہاں جمعہ و اعیاد کا قیام از روئے حدیث شریف جائز نہیں۔

لَاجُمُعَۃَ وَلَاتَشْرِیْقَ وَصَلٰوۃَ فِطْرٍ وَلَا اَضْحٰی اِلَّا فِیْ مِصْرٍ جَامِعٍ اَوْ مَدِیْنَۃٍ عَظِیْمَۃٍ۔ — مصر جامع اور بڑے شہر کے علاوہ کسی جگہ نہ جمعہ ہو سکتا ہے نہ تکبیراتِ تشریق نہ نمازِ عید و بقرعید۔

(مصنّف ابن ابی شیبہ)

فقہ کی درجنوں کتب متون و شروح میں صحتِ جمعہ و عیدین کے لئے مصر یا فنائے مصر کا ہونا شرط لکھا ہے کمافی تنویر الابصار والدرالمختار والرّدالمحتار وغیرھا، "یشترط لصحّتھا المصر او فنائہ" ہاں اگر غیاث پور پر مصر یا فنائے مصر یا پرگنہ وغیرہ کی تعریف صادق آتی ہو تو وہاں جمعہ فرض ہے اور اگر شہر کی تعریف صادق نہ آتی ہو تو وہاں بجائے جمعہ کے ظہر ہی فرض ہے۔ پھر اہلِ غیاث پور کو اس تکلیف میں بھی مبتلا نہیں کیا جاسکتا

کہ وہ جمعہ وعیدین کی ادائیگی کے لئے قریب و بعید شہروں کا رخ کریں البتہ اگر کوئی گاؤں کا رہنے والا شہر میں موجود ہو اور جمعہ کی نماز پڑھ لے تو اس سے ظہر کی نماز ساقط ہو جائے گی اور عیدین پڑھ لے تو آثم نہیں ہوگا۔

پھر بھی غیاث پور کے سنی باشندگان کو استحساناً یہ مشورہ دیا جاسکتا ہے کہ اگر قریب میں کوئی ایسی آبادی ہو جہاں جمعہ و اعیاد کا قیام جائز ہے اور وہاں کوئی سنی صحیح العقیدہ صالح امامت شخص نماز پڑھاتا ہو تو وہاں کی جماعت میں شریک ہو کر تکثیر جماعت کا سبب بن سکتے ہیں۔

اہلِ غیاث پور کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ کسی بھی بدعقیدہ کی اقتداء میں اپنی نمازوں کو برباد ی سے بچائیں اور اپنے عقیدہ کی حفاظت کریں۔ اب تک جو نمازیں انجانے میں پڑھ لی گئی ہیں ان سب کو لوٹا کر بارگاہِ احدیت میں توبہ و استغفار کریں۔ نمازِ عیدین کی قضا نہیں اور وہ بھی جبکہ کسی گاؤں میں پڑھی گئی ہو، وہ ایک فعل عبث تھا جس کی بلا میں گرفتار ہوا۔ البتہ بدمذہب کی اقتداء کرنے کے سبب وہ سب سخت گنہ گار ہوئے توبہ واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء مجلس علماء نیدرلینڈ

۲۱ ربیع الآخر ۱۴۲۲ھ ۱۳ جولائی ۲۰۰۱ء

مرزائی کے کفر میں تامّل کرنا

مسئلہ ۷۹۱ (مولانا) محمد فارس مقیم امام مسجد المدینہ دی ہیگ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی سنی مسلمان۔ قادیانی عقائد سے باخبر ہونے کے باوجود کسی مرزائی قادیانی کو کافر جاننے یا عندالسوال کافر کہنے میں تامّل کرے اسکے متعلق حکم شرع کیا ہے؟ برائے مہربانی جواب سے نوازیں بیّنوا وتوجروا۔

الجواب ۷۹۲ بعون الجیب الوھاب ھو الھادی الی الصواب والیہ المرجع والمآب

مرزا غلام احمد قادیانی اور اسکے متبعین خواہ لاہوری ہوں یا قادیانی۔ اپنے عقائدِ کفریہ خبیثہ، بدعیہ، باطلہ کی وجہ سے جمہور علماء اسلام کے نزدیک کافر و مرتد اور جہنمی ہیں (تفصیلی معلومات کے لئے فقیر عفرلہٗ کا رسالہ "قادیانی دھرم" اُردو اور ڈچ زبانوں میں مطالعہ کریں)

شفا شریف، فتاویٰ بزازیہ، اور فتاویٰ خیریہ وغیرہا میں ہے "اَجْمَعَ الْمُسْلِمِیْنَ اَنَّ شَاتِمَہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَافِرٌ وَّمَنْ شَکَّ فِیْ عَذَابِہٖ وَکُفْرِہٖ فَقَدْ کَفَرَ اھ کہ تمام اہل اسلام کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو بھی شانِ رسالت (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں توہین و تنقیص کرے وہ ایسا کافر ہے کہ جو بھی اس کے عذاب و کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

پس جو شخص مرزائی و قادیانی کے عقائدِ باطلہ پر مطلع ہو کر اُسے کافر و جہنمی جاننے میں ذرہ برابر شک کرتے یا عند السوال انہیں کافر و جہنمی کہنے میں تامل (سوچ بچار) کرے وہ بھی دائرۂ اسلام سے خارج اور مرزائی و قادیانی کا ہی ہم نوالہ و ہم پیالہ ہے کمافی فتاوی الحرمین سمّاھا حسام الحرمین والصوارم الھندیہ وفی فتاوی العلماء العالم وغیرھا۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہٗ عبد الواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء جامعہ مدینۃ الاسلام دی ہیگ ہالینڈ

۱۱ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ

سُنّی حنفی کہلانے کی تحقیق

مسئلہ ۷۹۲ بوساطت مبلغ اسلام مولانا سید سعادت علی صاحب قبلہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین مسائل مندرجہ ذیل میں کہ کئی مسلمان اپنے آپ کو سنّی کہتے ہیں اور کئی مسلمان اپنے آپ کو سنّی حنفی، سُنّی

شافعی وغیرہما کہتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ لفظ مسلمان کے ساتھ سُنّی یا حنفی کی قید نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے دورِ گرامی سے ہے یا صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے زمانۂ اقدس سے یا یہ بعد کے محدثات میں سے ہے ؟؟؟۔ اگر یہ لفظ "سنّی" قرونِ ثلاثہ کے بعد حادث ہوا تو اُن حضرات کا ایمان وعقیدہ کیا تھا جو اس لفظ کے ایجاد ہونے سے پہلے اس دنیا سے پردہ فرما چکے ؟ مستفتیان ارکانِ فیض الاسلام والقادری اسلامک سنٹر

ورلڈ اسلامک مشن ہرشل سٹراٹ واشاعت الاسلام دی ہیگ

۷۸۶ / ۹۲ الجواب بعون الملک الوھاب

دینِ اسلام دینِ قدیم وقویم ہے لقولہٖ تبارک وتعالیٰ ذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ اور یہی دینِ خداوند کریم کی بارگاہ میں ادیانِ عالم سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ لقولہٖ تبارک وتعالیٰ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ "جس کے ماننے والوں اور پیروی کرنے والوں کو مسلمان کہا جاتا ہے اور یہ نام بھی دینِ اسلام کی طرح قدیم ہے۔ قَالَ تَعَالٰی عَزَّوَجَلَّ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ " امتِ مطلقہ کا نام مسلمان رکھا گیا۔ لیکن جب امت میں فرقوں نے جنم لیا اور نئے نئے عقیدوں کا ظہور ہونے لگا اور مسلمان کہلانے والوں میں اہلِ حق کی تمیز مشکل ہونے لگی تو دینِ اسلام یا دینِ حنیف (حَنِيْفًا مُّسْلِمًا) پر پامردی کے ساتھ گامزن رہنے والوں کو علماء ربّانیین اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ نے اہلسنّت وجماعت کا نام دیا جیسا کہ صدر الشریعہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود قدس سرّہٗ نے فرمایا کہ " امتِ مطلقہ سے مراد اہلسنّت و جماعت ہیں اور یہی لوگ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحابِ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے طریقہ پر ہیں۔

(توضیح صفحہ ۵۱ میں ہے۔

وَالْمُرَادُ بِالْاُمَّةِ الْمُطْلَقَةِ امتِ مطلقہ سے مراد اہلِ بدعت نہیں

اَھْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَھُمُ الَّذِیْنَ طَرِیْقَتُھُمْ طَرِیْقَةُ الرَّسُوْلِ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَاَصْحَابُہٗ دُوْنَ اَھْلِ الْبِدَعِ ..... اھ

بلکہ اہلسنّت وجماعت ہیں۔ اور یہی لوگ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور انکے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے طریقہ پر گامزن ہیں۔

اور محقق زماں حضرت علاّمہ علی قاری علیہ رحمۃ الباری مرقاۃ ص۲۰۴ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔

اَلْمُرَادُ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ الْمُتَمَسِّکُوْنَ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ مِنْ بَعْدِیْ فَلَا شَكَّ وَلَارَیْبَ اَنَّھُمْ ھُمْ اَھْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ۔ اھ

"مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ" سے مراد وہ لوگ ہیں جو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے طریقہ پر گامزن اور خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طریقۂ مرضیہ کے پیروکار ہیں اور بے شک وشبہ وہی لوگ اہلسنّت وجماعت ہیں۔

جب یہ معلوم ہوگیا کہ دعویٰ مسلمانی کرنے والوں میں اہلِ حق اور ممتاز ومیّز جماعت اہلسنّت کی ہے جسے فرقۂ ناجیہ بھی کہا جاتا ہے اور اسی اہلسنّت وجماعت کا مخفف نام "سُنّی" ہے یعنی سُنّی کہہ کر اہلسنّت وجماعت مراد لیا جاتا ہے یا سُنّی کہکر اہلِ حق مسلمان مراد لیا جاتا ہے کیونکہ لفظِ سُنّی اور "مسلمان" میں کوئی مغایرت اصطلاحی نہیں ہے جو اہلِ حق مسلمان ہے وہی سنّی ہے اور جو سنّی ہے وہی مسلمان ہے

اب رہا سُنّی حنفی، سنّی شافعی، سنّی مالکی اور سنّی حنبلی کہنا یا کہلانا۔ تو یہ اسماء اگرچہ حادث ہیں لیکن ان کے مذاہب اعتقاد قدیم ہیں اور یہ اختلافِ اسماء (حنفی شافعی وغیرہما) اختلافِ عمل کی وجہ سے ہے اختلافِ عقیدۂ ونظریہ کی وجہ سے نہیں۔ کیونکہ ان چاروں کے عقیدۂ ونظریات ایک ہیں اور یہ تفریقِ اسماء سب پر اہلسنّت وجماعت کا اطلاق صحیح ہے۔ طحطاوی علی الدّرر میں ہے۔

ھٰذِہِ الْفِرْقَةُ النَّاجِیَةُ قَدْ اِجْتَمَعَتِ الْیَوْمَ فِیْ مَذَاھِبِ

فرقۂ ناجیہ (اہلسنّت وجماعت) اس زمانہ میں مذہب حنفی، مذہب مالکی، مذہب شافعی اور

اَرْبَعَۃٍ وَھُمُ الْحَنَفِیُّوْنَ	مذہب حنبلی (ائمہ مذاہب پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں)
وَالْمَالِکِیُّوْنَ وَالشَّافِعِیُّوْنَ	میں دائر ہے اور جو بھی اس دور میں ان
وَالْحَنْبَلِیُّوْنَ رَحِمَھُمُ اللّٰہُ	مذاہب سے الگ تھلگ ہو جائے
تَعَالٰی وَمَنْ کَانَ خَارِجًا ھٰذِہِ	وہی اصل میں بدعتی اور جہنمی
الْاَرْبَعَۃَ فِیْ ھٰذَا الزَّمَانِ	ہے۔
فَھُوَ مِنْ اَھْلِ الْبِدْعَۃِ وَالنَّارِ	

حضرت امام شعرانی علیہ الرحمہ نے "میزان الشریعۃ الکبریٰ" میں حضرت امام محمد غزالی اور امام الحرمین کا قول یوں نقل کیا کہ

وَقَالُوْا لِتَلَامِذَتِھِمْ یَجِبُ	ان سب اماموں نے اپنے شاگردوں کو تاکید
عَلَیْکُمُ التَّقْلِیْدُ بِمَذْھَبِ	فرمائی کہ تم پر خاص اپنے امام کے مذہب کا پابند
اِمَامِکُمْ وَلَا عُذْرَ عِنْدَ اللّٰہِ	رہنا واجب ہے اگر ان کے مذہب کو چھوڑا تو
تَعَالٰی فِی الْعُدُوْلِ عَنْہُ اھ	خداوند کریم کے حضور تمہارا عذر قابل قبول نہیں ہوگا۔

سائل کا یہ سوال کہ جب یہ نام (سنی) حادث ہے تو اسکے حدوث سے پہلے ہمارے اسلاف کرام اور صحابۂ عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اعتقاد و نظریہ کیا تھا؟ نہایت معقول اور وقت کا سلگتا ہوا سوال ہے۔

خداوند کریم ہمارے اُن محسنین اور محققین علماء کرام کے درجاتِ عُلیا کو بلند سے بلند تر فرمائے اور ان کے قبور میں رحمت و انوار کی برکھا برسائے اور ان کے فیضانِ علمی کو عام سے عام فرمائے جنہوں نے صدیوں پہلے اس قسم کے سوالوں کا جواب اپنی اپنی تصانیف میں محفوظ فرما دیا اور اپنے اخلاف کے لئے آسانی کی راہیں مہیا کر گئے۔

حضرت شیخ محقق ناشر العلوم علامہ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ والرضوان اپنی مشہور و معروف تصنیف "اَشِعَّۃُ اللَّمْعَاتِ شرح مشکوٰۃ ص ۱۴۰ میں فرماتے ہیں کہ۔

برہانِ حقانیت اہل سنت وجماعت	اہلسنت وجماعت کی حقانیت کی دلیل یہ ہے

آنست کہ ایں دینِ اسلام بنقل آمدہ
است و بمجرد عقل باں وافی نیست
و بتواتر اخبار معلوم شدہ و تتبع و تفحص
احادیث و آثار متیقن گشتہ کہ سلفِ
صالح از صحابہ و تابعین باحسان و من
بعدھم ہمہ بریں اعتقاد و بریں طریقہ
بودہ اند۔ و ایں بدع و ھوا در مذاہب
و اقوال بعد از صدر اوّل حادث شدہ
و از صحابہ و سلفِ متقدمین ہیچ کس
براں نبودہ۔ و ایشاں متبری بودہ اند
ازاں و بعد از حدوث آں رابطہ صحبت
و محبت کہ باں قوم داشتند قطع کردہ
و ردّ نمودہ۔ و محدثین اصحاب کتب
ستہ و غیرھا از کتب مشہورہ معتمدہ کہ
مبنیٰ و مدارِ احکام اسلام بر آنہا
افتادہ و ائمہ و فقہاء ارباب مذاہب
اربعہ و غیرھم از آنہا کہ در طبقہ ایشاں
بودہ اند۔ ہمہ بریں مذہب بودہ اند و
اشاعرہ و ماتریدیہ کہ ائمہ اصول کلام اند
تائید مذہب سلف نمودہ و بدلائل عقلیہ
آنرا اثبات کردہ و آنچہ سنتِ رسول صلی
اللہ علیہ وسلم و اجماع سلف براں رفتہ
بودہ مؤکدہ ساختہ اند۔ لہذا نام ایشاں

کہ دین اسلام اُمتِ مطلقہ تک نقل سے پہنچا
ہے تنہا عقل اس کے لئے کافی نہیں اور اخبار
کی کثرت نیز احادیث و آثار کی ورق گردانی
سے روزِ روشن کی طرح آشکار ہے کہ سلفِ
صالحین۔ خواہ صحابہ ہوں یا تابعین یا تبع تابعین
سب کے سب اسی عقیدہ اور اسی طریقۂ مرضیہ پر
گامزن رہے ہیں۔ اور مذہب کے نام پر بدمذہبیت
و بدعقیدگی خیر القرون کے بعد کی پیداوار ہے
جن سے صحابۂ کرام یا سلفِ صالحین میں سے کسی
کا کوئی واسطہ نہیں رہا۔ اور وہ حضرات ان
بدعقیدوں سے الگ رہے۔ بلکہ ان کی بدعقیدگی
ظاہر ہو جانے کے بعد ہمارے اسلاف نے ان کے
ساتھ اٹھنا بیٹھنا ترک فرما دیا۔ اور رشتۂ محبت
توڑ لیا۔ اور وہ مشہور و معروف کتابیں جن پر
احکام اسلام کا مبنیٰ و مدار ہے۔ اُن میں سے
کتب ستہ کے جامع مرتب حضراتِ محدثین کرام
اور مذاہب اربعہ کے ائمہ و فقہاء اور ان کے
علاوہ جو بھی ان کے طبقہ میں ہوئے ہیں سب
اسی مذہب مہذب پر گزرے ہیں۔ اور اشاعرہ
و ماتریدیہ جو اصولِ کلام کے امام ہیں انھوں
نے بھی اس مذہب سلف کی تائید فرمائی اور
دلائل عقلیہ سے اسکی صحت کو ثابت فرمایا اور رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور اجماع سے جو

"اہلسنّت وجماعت" اُفتادہ۔ اگرچہ این نام حادث ست امّا مذہب و اعتقادِ ایشاں قدیم ست۔ | کچھ ثابت تھا اُسے مؤکد کیا لہٰذا اس فرقۂ مرجیہ کا نام "اہلسنّت وجماعت" پڑا۔ یہ نام اگرچہ حادثات (نوپیدا) سے ہے مگر اس کے ایمان وعقیدہ قدیم اور پُرانے ہیں ۔۔۔۔ اھ

مترجم عبارتِ بالاکو پڑھ لینے کے بعد اس کے مفہوم ومطلب کی وضاحت کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی۔ ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ اسلام وسنیّت کے اصطلاحی معنیٰ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ مذہب اربعہ کی تدوین سے پہلے حضراتِ صحابۂ کرام وتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اسی طریقۂ مرضیہ ناجیہ پر تھے جن کے نقوشِ پا کی بدولت مذاہب اربعہ حقہ کی تدوین عمل میں آئی۔ پھر تمام ائمہ وفقہاء نے اسی مذاہب اربعہ کے پیروکار کو فرقۂ مرضیہ ناجیہ قرار دیا۔ اور اس سے مخالفت کرنے والوں کو گمراہ و مبتدع فرمایا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو ایسی اور کامل سمجھ عطا فرمائے اور سلفِ صالحین کے طریقۂ مرضیہ پر ثابت قدم رکھے آمین یارب العالمین۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء جامعہ مدینۃ الاسلام ہالینڈ

۱۹؍ مئی ۱۹۹۴ء

بحالتِ خواب ایمان لانا

مسئلہ ۹۳ مجلسِ علماء بوساطت مولانا عبدالغفار صاحب ۲-۲-۱۴۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک یہودیہ عورت نے خواب میں نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یا کسی بزرگ کو دیکھا اور ایمان لے آئی۔ کیا بیداری کے بعد اُسے پھر سے ایمان لانا ضروری ہے؟ جواب باصواب سے نواز کر مشکور فرمائیں۔ المستفتی سکریٹری جنرل مجلس علماء نیدرلینڈ۔

الجواب ۷۸۶/۹۲ بعون الملجیب الوھاب

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ خواب میں بعض فیوض وبرکات اور

بشارتوں کے دروازے کھلتے ہیں جسکے ذریعہ ایمان وایقان کی دولتِ گرانمایہ بھی ملتی ہے۔ لیکن انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ کسی انسان کے خواب کو وحیٔ الٰہی کا صدق صد حصّہ جان کر اُسے احکامِ شرعیّہ کے صدور و نفاذ کا مدار نہیں بنایا جاسکتا۔ عام انسان خواب کی حالت میں بچّے اور مجنون بحکم حدیث تینوں مرفوع القلم ہوتے ہیں ان حالات میں جو بھی اقوال وافعال صادر ہوں ان پر احکام شرعیّہ کا صدور نہیں ہوتا .... اور ایمان تو توحید ورسالت نیز تمام ضروریاتِ دین کو اجمالی طور پر مان لینے کا نام ہے جس کے لئے اقرار وتصدیق ضروری ہے۔ جو حالتِ خواب میں واقع نہیں بالفرض اگر کسی نے خواب میں اقرار وتصدیق بھی کرلی اور بیدار ہونے کے بعد اس کے افعال وکردار یا قول سے اس کی نفی ہوگئی تو وہ ہرگز مسلمان نہیں ہوا۔ ہاں اگر بیدار ہونے کے بعد اس کے اقوال وافعال نے اس کے خواب کی تصدیق کردی تو وہ اب مسلمان وصاحبِ ایمان ہوگیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ عبد الواحد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء مجلس علماء نیدرلینڈ

۲ صفر المظفر ۱۴۲۲ھ ۲۶ اپریل ۲۰۰۱ء

علمائے دیوبند کے کفر میں سکوت

مسئلہ ۷۹۴ مولانا مطیع الرحمٰن صاحب گوپالپور بہار ۱۳-۷-۲۰۰۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دیوبندی وہابی کے جن علماء پر کفری عبارتیں لکھنے کی وجہ سے کفر کا فتویٰ ہے انکی تکفیر کے متعلق بعض علماء اہلسنت والجماعت سکوت فرماتے ہیں۔ زید کا کہنا ہے کہ دربارۂ تکفیر سکوت کرنے والوں کا سکوت درست ہے۔ کیونکہ جس کے اندر ننانوے گوشہ کفر کا ہو اور ایک ایمان کا تو اس کو کافر کہنا درست نہیں ہے۔ بینوا وتوجروا

الجواب ۷۸۶/۹۲ اللّٰھمّ ھدایۃ الحق الصواب

وہابیہ دیابنہ کا کفر صریح تقریباً ایک صدی سے ظاہر و باہر ہے۔ اب تک نہیں اپنے کفریات سے توبہ کرنے کی توفیق نہیں ملی۔ یہ دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہلت کی مار ہے۔

طواغیت وہابیہ دیابنہ کی جن کفری عبارتوں پر علماء حرمین شریفین اور علماء ہندوسندھ نے کفر کا فتویٰ دیا۔ وہ عبارتیں مختصر کتر بیونت کے ساتھ آج بھی اُن کی کتابوں میں چھپ رہی ہیں جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ آج کے دیوبندیوں وہابیوں نے ان کفری عبارتوں کو سندِ صحت دیدی ہے۔ لہٰذا علماء حرمین طیّبین کا حکم آج بھی اسی طرح ہے جیسا روزِ اوّل (۱۳۲۴ھ میں) نافذ ہوا تھا کہ مَنْ شَكَّ فِيْ عَذَابِهٖ وَكُفْرِهٖ كَفَرَ یعنی ان کی بدعقیدگیوں پر مطلع ہونے کے بعد جو ان کے عذاب و کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ تفصیل کے لئے حُسَامُ الْحَرَمَیْن کا مطالعہ کیجئے۔

زید نہایت پُرکید یا بدمذہبیت کا صید معلوم ہوتا ہے جو فقہاء اسلام کی روشن عبارتوں کی دور از کار تاویلیں کر رہا ہے۔ فقہاء کرام کے احتیاط کا ہرگز وہ مطلب نہیں جو زید بیان کرتا ہے۔ بفرضِ محال اگر وہی مطلب ہے جو زید بے قید نے بیان کیا تو اس کا یہ نتیجہ نکلے گا کہ اگر کوئی شخص ننانوے بار بتوں کو سجدے کرتا ہے (العیاذ باللہ تعالیٰ) اور ایک بار ایک سجدہ معبود حقیقی مسجودِ تحقیقی کو کر لے تو اس پر حکمِ کفر عائد نہیں ہوگا حاشا وکلّا ایسا ہرگز نہیں ہے مگر زید علماء دیوبند کی طرفداری میں عقل و دانش کی بھی دھجیاں اُڑانے پر تُلا ہوا ہے۔ علماء دیوبند کی کفری عبارتیں ایسی صاف و صریح ہیں کہ تاویل کی گنجائش ہی نہیں اور اگر کسی مصنّف یا مناظر نے اسکی تاویل کی جرأت کی تو ایک کفر کی جگہ انیک کفروں کی پھانس ان کے گلے کا ہار بن گئی۔ مثال کے طور پر مرتضیٰ حسن چاندپوری بجنوری، حسین احمد فیض آبادی، نور محمد ٹانڈوی اور ارشاد دیوبندی کی تحریر و تقریر عبارتِ حفظ الایمان کی صفائی میں دیکھی جاسکتی ہے۔

حضرات فقہاء کرام کے ارشاد کا یہ مطلب ہے کہ اگر کسی قائل کے کلام میں کئی ظاہری معنی کفری ہوں مگر اسی کلام میں ایک پہلو ایسا بھی ہو جو اسلام کی طرف جاتا ہو تو مسلمانوں کے ساتھ حُسنِ ظن کا تقاضا یہ ہے کہ اس کلام کو اسلام پر محمول کیا جائے اور مسلمان پر حکم کفر لگانے سے بچا جائے کما فی الدّرِ المختار و الرّد المُحتار لیکن طواغیب وہابیہ دیابنہ کی کفری عبارتیں ایسی واضح ہیں کہ اُن پر ۳۵/ اکابر علماء حرمین اور ڈھائی سو پچاس علماء ہند و سندھ اور دیگر ممالکِ اسلامیہ کے بیشمار علماء حقّانی نے یوں ہی کفر و ارتداد کا فتویٰ نہیں دیدیا بلکہ ۱۳۲۴ھ سے پہلے دس سال تک تقریری و تحریری مکالمات و محادثات ہوتے رہے جب کوئی چارۂ کار باقی نہ رہا تو علمائے ربّانی نے اپنا فرض ادا کیا۔ حسام الحرمین کی طباعت کے بعد بھی مدّتوں علماء دیوبند کو صلح و صفائی کی دعوت دی جاتی رہی۔ آخری مناظرہ گاہ لاہور قرار پایا جس میں مولوی اشرفعلی تھانوی کو اپنی کفری عبارت کے ساتھ ساتھ اپنے اکابر کی کفری عبارتوں کی بھی صفائی پیش کرنی تھی مگر حتمی وعدہ کے باوجود نہ خود آئے نہ اپنے وکیل کو بھیجا۔ سنّیوں کی طرف سے حضور حجۃ الاسلام اور حضور صدر الافاضل اپنے اعاظم شاگردوں اور مخلصین و محبّین کے ساتھ کئی دنوں تک لاہور میں قیام پذیر رہے۔ بالآخر جشنِ فتح کا سہرا حضور حجۃ الاسلام کے سر بندھا۔

لاہور کا تاریخی مناظرہ ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۴ء میں انعقاد پذیر ہوا جبکہ مولوی اشرفعلی تھانوی اپنی پوری جماعت کے تنہا سرغنہ تھے اگر وہ چاہتے تو بریلوی، دیوبندی خلیج کو بہت آسانی کے ساتھ پاٹا جاسکتا تھا لیکن شخصی خیالات و خود پسندی کے مقابلہ میں انہوں نے لاکھوں افراد پر مشتمل اپنی جماعت کو بَلی چڑھادیا۔ تھانہ بھون کی دھرتی تو آسودہ ہوگئی ہوگی لیکن نفرت و دشمنی کی جو آگ انھوں نے سلگائی خدا جانے کب بجھے گی؟ اس سے پہلے ۱۳۲۹ھ میں مرادآباد کے اندر بھی مناظرہ طے ہوا مگر خود داعی ہونے کے باوجود مولوی اشرفعلی تھانوی مناظرہ گاہ میں نہیں آسکے۔ اُس وقت کے مشہور اخبار "دبدبۂ سکندری" رامپور نے اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ کا یہ خط بھی شائع کیا۔

بنام مولوی اشرف علی صاحب تھانوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

السلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔ فقیر بارگاہِ عزیز وقدیر عزّ جلالہ تو مدّتوں سے آپ کو دعوت دے رہا ہے۔ اب حسب معاہدہ قرارداد مراد آباد پھر محرک ہے کہ آپ سوالات ومواخذات حسام الحرمین کی جوابدہی کو آمادہ ہوں۔ میں اور آپ جو کچھ کہیں لکھ کر کہیں۔ اور سنادیں اور وہی دستخطی پرچہ اسی وقت فریقین مقابل کو دیدیئے جائیں کہ فریقین میں سے کسی کو کہہ کے بدلنے کی گنجائش نہ رہے۔ معاہدہ میں ۲۷ صفر مناظرہ کے لئے مقرر ہوئی ہے۔ آج پندرہ کو اس کی خبر مجھ کو ملی۔ گیارہ روز کی مہلت کافی ہے وہاں بات ہی کتنی ہے۔ اسی قدر کہ یہ کلمات شانِ اقدس حضور پُرنور سید عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں توہین ہیں یا نہیں؟ یہ بعونہٖ تعالیٰ دو منٹ میں اہلِ ایمان پر ظاہر ہوسکتا ہے۔ لہٰذا فقیر اس عظیم ذوالعرش کی قدرت ورحمت پر توکل کرکے یہی ۲۷ صفر روزجاں افروز دوشنبہ اس کے لئے مقرر کرتا ہے۔ آپ فوراً قبول کی تحریر اپنی مہری دستخطی روانہ کریں۔

فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ

مہر

۱۵ صفر المظفر روز چہارشنبہ ۱۳۲۹ھ

یہ اُس مبارک خط کی تلخیص ہے جو طے شدہ معاہدہ کے مطابق اعلیٰحضرت عظیم البرکۃ امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے اُس وقت کے دیوبندی سرغنہ مولوی اشرفعلی تھانوی کو لکھا۔ لوگوں کو یقین تھا کہ مراد آباد کے اندر ۲۷ صفر کو ایسا تاریخی فیصلہ ہوگا جو برصغیر کے اندر ہمیشہ آب زر سے لکھا جائے گا۔ مگر دبدبہ سکندری اور تذکرۂ جمیل کے مطابق مناظرہ کے لئے پہل کرنے کے باوجود مولوی اشرفعلی تھانوی نے رجوع واتحاد کی راہوں سے گریز کرتے ہوئے مراد آباد آنے سے انکار کردیا۔

میں کس کس جانب آپ کی توجہ کو مبذول کراؤں آپ بحمدہٖ تبارک وتعالیٰ

علمی ذوق رکھتے ہیں، حسام الحرمین کے علاوہ التحقیقات لدفع التلبیسات (صدرالافاضل) الصوارم الهندیه (شیر بیشۂ اہلسنّت) فتاوی علماء عالم (مولانا شاہ عبدالحمید پانی پتی قطب بنارس) وغیرہما کتب کا مطالعہ فرمایئے اور پھر خود ہی فیصلہ کیجئے کہ ان ظالموں کے حق میں سکوت بہتر ہے یا ان کی زہر آلود مہلکِ ایمان عبارتوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرنے کی ضرورت ہے۔

واللہ الھادی الیٰ سواء السبیل وھو اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ مجلس علماء نیدرلینڈ۔ ۱۳ر جولائی [illegible]

انبیاء علیہم السّلام کو عام بشر کی طرح کہنا

مسئلہ ۹۵۔ قمر عالم شمسی بریڈفورڈ انگلینڈ۔
۲۵ر شوال [illegible]

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ

زید نبیوں کو عام بشر کی طرح مانتا ہے اور کہتا ہے کہ جو شخص کسی بھی نبی کو بشر نہ مانے وہ مسلمان نہیں ہوسکتا ہے۔ زید یہ بھی کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو عظمت دی ہے لہٰذا انہیں باعظمت ماننا چاہئے اور ان کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنا چاہئے کہ وہی فوز و فلاح کا راستہ ہے مگر انہیں مالک و مختار ماننا ان سے مدد طلب کرنا اللہ تعالیٰ کی توہین اور نبیوں کی شان میں غلو ہے۔۔۔ سوال یہ ہے کہ از روئے شرع شریف زید پر کیا حکم صادر ہوتا ہے۔ امید ہے کہ مختصر جواب باصواب سے نواز کر شکریہ کا موقع دیں گے۔

۹۶ الجواب بعون الملک الوھاب

العیاذ باللہ تعالیٰ، زید بے قید کے ایمان و عقیدے میں گھن لگ گیا ہے اور وہابیت کا جراثیم پوری طرح سرایت کرچکا ہے لہٰذا اس پر توبہ، تجدید ایمان اور اگر بیوی رکھتا ہو تو اس سے دوبارہ نکاح ضروری ہے۔ انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام بلاشبہ جنس بشری میں مبعوث ہوئے اور وہ سب جنس بشر سے ہیں

نہ ملائکہ کے جنس سے ہیں نہ جنّات کے، مگر انہیں صرف بشر اور بشر کی طرح کہنا کافروں اور مشرکوں کا طرز و طریقہ رہا ہے۔ قرآن پاک میں کئی مقامات پر کافروں اور شیطانوں کے قول کو نقل کیا ہے۔ مثلاً قَالُوْا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (ابراہیم آیت ۱۰)۔ هَلْ هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (الانبیاء آیت ۳) مَا هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (المؤمنون آیت ۲۴) مَا هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ (المؤمنون آیت ۳۳) مَا اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (الشعراء آیت ۱۵۴) قَالُوْا مَا اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (یٰس آیت ۱۵) مَا نَرٰكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا (ہود آیت ۲۷) قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ (الحجر آیت ۳۳)

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو صرف بشر ماننا یا اپنے مثل بشر ماننا ان کی توہین ہے جو عند الشرع کفر ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو ہمارے اسلافِ کرام نے بشر کہا ہے مگر اس طرح

اَلنَّبِيُّ بَشَرٌ لَا كَالْبَشَرِ ۞ كَالْيَاقُوْتِ حَجَرٌ لَا كَالْحَجَرِ

یعنی نبی لاریب بشر ہیں لیکن عام بشر کی طرح نہیں۔ اسکی ناقص مثال یہ ہے کہ یاقوت لاریب پتھر ہے مگر عام پتھروں کی طرح نہیں یاقوت ولعلِ بدخشاں کو صرف پتھر یا عام پتھر کے مثل کہنا اسکی صریح توہین اور ناقدری ہے۔

شفا شریف جلد ثانی میں ہے۔

وَاجْتَمَعَتِ الْاُمَّةُ عَلٰى قَتْلِ مُتَنَقِّصِهٖ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَسَابِّهٖ

تمام اُمّتِ مطلقہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو مدعیٔ اسلام نبی علیہ السلام کی شان میں تنقیص یا سب کرے وہ قتل کا مستحق ہے۔

اور فتاویٰ شامی جلد ثالث میں ہے

اَجْمَعَ الْمُسْلِمُوْنَ عَلٰى اَنَّ شَاتِمَهٗ كَافِرٌ وَحُكْمُهُ الْقَتْلُ وَمَنْ شَكَّ فِيْ عَذَابِهٖ وَكُفْرِهٖ

باجماع مسلمین نبی علیہ السلام کی تنقیص کرنے والا کافر ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ حاکمِ اسلام اسے قتل کردے اور جو بھی اس تنقیص کرنے

کفر۔ والے کے جہنمی اور کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے

مذکورہ بالا حکم شرع کے مطابق زید مذکور کا حکم واضح ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی بخشش سے انبیاء علیہم السلام کو زمین و آسمان سب کا مالک و مختار بنا دیا۔ ان کو اختیار ہے جس کو جو چاہیں عطا فرمائیں اور جس سے جو نعمت چاہیں چھین لیں۔ ارشادِ خداوندی ہے هٰذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ یہ زمین و آسمان تمہارے لئے ہماری عطا ہے جس پر چاہو احسان کرو اور جس سے چاہو نعمت چھین لو تم پر کوئی حساب و کتاب نہیں۔

اور جہاں تک مدد طلب کرنے کا سوال ہے۔ تو مدد کرنے کی طاقت نہ صرف انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے عطا فرمائی بلکہ مومنین کو بھی ہے۔ اور مدد و طاقت و صلاحیت نہ صرف اہلِ ایمان کو حاصل ہے بلکہ غیر اہلِ ایمان کو بھی ہے۔ قرآن کریم کی آیاتِ مقدسہ کو غور و تامل کے ساتھ تلاوت کیجئے اور اس کے مفہوم و مطلب کو سمجھئے۔

① تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى	نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔
② اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ	اگر تم اللہ کے دین کی مدد کروگے تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا۔
③ قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَى اللّٰهِ	حضرت عیسیٰ نے کہا اللہ تعالیٰ کے دین کے لئے کون میری مدد کرے گا۔
④ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ	حضرت عیسیٰ کے صحابیوں نے کہا ہم لوگ اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کریں گے۔
⑤ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	اے مسلمانو! تمہارا مددگار اللہ اور اس کا رسول اور اہلِ ایمان ہیں۔
⑥ اَعِيْنُوْنِىْ بِقُوَّةٍ	سکندر ذوالقرنین نے کہا تم لوگ میری اپنی طاقت سے مدد کرو

۷ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ　　اے گروہ انبیاء تم ضرور نبی آخر الزماں پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا۔

اس طرح درجنوں آیاتِ کریمہ میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کی ترغیب و تعلیم اور تحریص موجود ہے لیکن وہابیہ نجدیہ استعانت علی الغیر کا مفہوم ہی نہیں سمجھتے ہیں تو ایسے ناسمجھوں کو کون سمجھائے۔　　واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواحد قادری غفرلہ ۲۴ شوال المکرم ۱۴۰۹ھ
خادم الافتاء جامعہ مدینۃ الاسلام ہالینڈ ۱۹۸۹ء

جہنم کی آگ کا رنگ کیسا ہے؟

مسئلہ ۹۶ :۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ جہنم کی آگ دنیاوی آگ کی طرح سرخ ہے یا سفید؟ اور اس کی سرخی پر دلیلِ شرع قائم ہے یا نہیں؟ امید کہ جواب باصواب سے شادکام فرمائیں گے۔

محمد عرفان علی ۔ خانزن ہوف ۔ پورٹ آمسٹرڈم

۸۶/۹۲ الجواب ــــــ ھو الھادی الی الصواب ــــ

جہنم کی آگ مختلف رنگوں میں تبدیل ہوتی رہی۔ اولاً وہ سرخ ہی تھی پھر سفید ہو گئی۔ اس کے بعد سیاہ ہو گئی۔ اور اب تک سیاہ ہی ہے۔ علامہ ابو القاسم اصبہانی نے علامہ بیہقی سے روایت کیا کہ حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آیۂ کریمہ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۝ تلاوت فرمائی اسکے بعد ارشاد فرمایا کہ:

اُوْقِدَ عَلَيْهَا اَلْفَ عَامٍ حَتّٰى احْمَرَّتْ وَاَلْفَ عَامٍ حَتّٰى ابْيَضَّتْ وَ اَلْفَ عَامٍ حَتّٰى اسْوَدَّتْ فَهِيَ مُظْلِمَةٌ لَا يُضِيْئُ لَهَبُهَا (الدر المنثور)	جہنم میں ایک ہزار سال آگ جلائی گئی تو سرخ ہوئی پھر ایک ہزار سال (جلائی گئی) یہاں تک کہ سفید ہوئی پھر ایک ہزار سال حتیٰ کہ سیاہ ہو گئی۔ پس جہنم کی آگ انتہائی سیاہ ہے جسکے شعلہ میں کوئی روشنی نہیں ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ
۵ ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۲۳ھ

خالقِ کُل نے آپ کو مالکِ کُل بنا دیا

مسئلہ ۹۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی مسلمان سے کوئی چیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عاریۃً (اُدھار) لے لیں۔ تو کیا اُس چیز کا لوٹانا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ضروری ہے؟ اگر نہیں لوٹائیں تو کیا ہوگا؟

المستفتی: سید نور الامام۔ مسجد قدیم پیرس (فرانس)

۹۷/۴۸۶ الجواب ـــــ ھو الھادی الی الصواب ـــــ

حضورِ اکرم سیّد عالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم بعطائے الٰہی سارے عالم کے مالک و مختار ہیں۔ جس کو جو ملتا ہے وہ بارگاہِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی سے ملتا ہے۔ لقولہٖ علیہ الصلوٰۃ والسلام "اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰہُ یُعْطِی" لہٰذا جس کے پاس جو کچھ ہے وہ عطائے رسول علیہ السلام ہی ہے۔ مسلمانوں کے جان و مال کا مالک تو بنصِ قرآن حضور پُر نور سید الانس والجان علیہ صلوٰت الرحمٰن ہی کی ذاتِ گرامی ہے۔

قَالَ تَعَالٰی "اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ"

کسی مسلمان سے کوئی چیز طلب فرمالینا یہ احسانِ عظیم ہے اور اُسے لوٹا دینا احسان بالائے احسان ہے۔ اگر نہ لوٹائیں تو اُن کی ملکیت ہے اُن پر کوئی حساب و کتاب نہیں۔ قَالَ تَعَالٰی "ھٰذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِکْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾ سورہ ص" اس آیۂ کریمہ کے ذیل میں صاحبِ روح البیان تحریر فرماتے ہیں۔

ھٰذا عطاؤنا یشیر الی ان الانبیاء	قرآن پاک کے یہ الفاظ (ھٰذا عطاؤنا) اس حقیقت
بتائید الفیض الالٰھی ولایۃ	کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ انبیاء کرام کو فیضِ
افاضۃ الفیض علی من ھو	خداوندی کی تائید سے یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ
اھلہ عند استفاضتہ ولھم	جس طالب فیض پر جتنا چاہیں لطف و کرم فرماسکتے
امساک الفیض عند عدم	ہیں اور اپنے فیضانِ کرم سے اُسے مالا مال کرسکتے

الاستفاضۃ من غیر اھلہ ہیں۔ اور جو نااہل ہو اس کو اپنے فیضان سے محروم کرسکتے ہیں۔ (روح البیان)

بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مَامِن مومِن اِلّا وَاَنَا اَوْلٰی بِہٖ فی الدّنیا والاٰخِرَۃِ اِقرؤوا اِنْ شئتم اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ الخ ...... کوئی ایسا مومن نہیں ہے جس کا دنیا اور آخرت میں میں والی نہیں ہوں۔ اگر تم چاہتے ہو تو یہ آیت پڑھو اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی .....

اور اسی ارشاد گرامی کے تحت حضرت سیدنا سہل رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں۔

مَنْ لَمْ یرنفسہ فی ملک الرّسول ولم یر ولایتہ علیہ فی جمیع احوالہ لم یذق حلاوۃ سنّتہ .... جو شخص اپنے آپ کو حضور اکرم کی ملکیت نہ سمجھے اور اپنے تمام حالات میں اپنے آپ پر اُن کی حکمرانی تسلیم نہ کرے۔ اُس نے سنّت کی چاشنی محسوس ہی نہیں کی ...

ان دلائل کی روشنی میں ثابت ہوا کہ مومن اور مومن کی ہر چیز رسول اکرم سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم کی ملکیّت ہے جس میں تصرّف کا پورا پورا اختیار خالقِ حقیقی عزّوجل نے انہیں عطا فرمایا ہے۔

حضرت سیّدنا صدّیق اکبر رضی اللہ تبارکُ تعالٰی عنہ نے جب اپنا سارا مال و متاع قدمِ رسول علیہ الصّلوٰۃ والسّلام پر قربان کر دیا تو سیّد کائنات علیہ اکرم الصّلوٰت نے پوچھا اے صدّیق! اپنے اور اپنے بال بچّوں کے لئے کیا رکھ آئے ہو؟ تو نہایت ادب کے ساتھ عرض کیا۔

ھل انا ومالی الا لک یارسُول اللہ ... یارسُول اللہ میں اور میرے مال کس کے ہیں؟ سب تو حضور ہی کے ہیں۔

جب جان و مال سب حضور پُر نور صلے اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم ہی کے ہیں

تو وہ ان میں جس طرح چاہیں تصرف فرمائیں۔ اس میں لوٹانے اور واپس کرنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء مجلس علماء ہیدرلینڈ
۱۳ر صفر المظفر ۱۴۲۴ھ

حضرت مولیٰ علی اور حضرت امیر معاویہ

مسئلہ ۹۸: غلام عسکری پاکستانی۔ ہیم بورخ ۲ ۱۰۷۲ K-B آمرسفورٹ ہالینڈ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ حضرت سیدنا علی اور حضرت امیر معاویہ ان دونوں حضرات میں افضل صحابی کون ہیں؟ ان دونوں حضرات کے درمیان جو جنگیں ہوئیں ان میں حق بجانب کون تھے؟ امید کہ شافی جواب عطا فرما کر شکریہ کا موقع دیں گے؟

الجواب ــــــــ ھوالہادی الی الصواب ــــــــ ۹۲/۸۶

ہر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی فضیلت وکرامت مسلّم ہے۔ سب آسمانِ ہدایت کے ستارے ہیں ان میں سے جن کی پیروی کی جائے گی منزلِ ہدایت مل جائیگی

قال صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وصحبہٖ وسلم

اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ

میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جن کی پیروی کروگے ہدایت پاجاؤگے۔

حضرت سیدنا مولیٰ علی مشکلکشا شیر خدا رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور کاتب وحی امیر الاسلام حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ دونوں حضرات کے فضائل و برکات اور عظمت وشان میں درجنوں احادیث صحیحہ سے کتب صحاح ومسانید صحیحہ اور کتب سیر مملو ہیں۔ ہر دو حضرات کی عظمت وفضیلت اور ان کی خلافت وصحابیت پر الگ الگ درجنوں مدلل کتابیں تصنیف ہوئیں۔

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں اُن معظم صحابۂ کبار کا بہت اونچا مقام ہے۔

جو صحابیت کی فضیلت کے ساتھ ساتھ گروہِ صحابہ میں مجتہدانہ خصوصیت کے حامل تھے۔ عام صحابۂ کرام اُنھیں اپنے مقابلہ میں نہایت اشرف و اعلیٰ مانتے تھے۔ اور یہ دونوں حضرات علم و تقویٰ، زہد و امانت، حلم و صداقت اور شانِ اجتہاد میں عام صحابۂ کرام کے درمیان بہت ہی بلند و بالا حیثیت کے مالک تھے۔

کتبِ صحاح نے ان دونوں بزرگوں کی فضیلت و مناقب میں الگ الگ باب باندھا ہے اور ان حدیثوں کو جمع کیا ہے جو ان سے متعلق ہیں۔ جو تفصیل کے ساتھ ان حضرات کے فضائل معلوم کرنا چاہے وہ ان کتابوں کی طرف رجوع کرے۔

حضرت سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق ایک مرتبہ امام العارفین حضرت عبداللہ ابن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ خلیفۃ المسلمین مجددِ اوّل حضرت عمر بن عبدالعزیز جن کی حکومت منہاج خلافتِ راشدہ کے عین مطابق ہے اُن میں اور سیّدنا امیر معاویہ میں کون افضل ہیں؟ تو آپ نے جواب ارشاد فرمایا:

"معاویہ کے گھوڑے کی ٹاپ کا غبار جو حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کے موقع پر واقع ہوا وہ عمر بن عبدالعزیز سے ہزار گنا اچھا ہے۔"

بایں ہمہ عظمت و شان حضرت سیّدنا شیرِ خدا مشکلکشا مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی فضیلت خلفائے ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد تمام صحابۂ کرام (خواہ وہ عشرۂ مبشرہ ہوں یا بدری ہوں) پر مسلّم ہے۔ رضی اللہ تبارک و تعالیٰ عنہم اجمعین۔

ان حضرات کے آپسی نزاعات یا ان کے درمیان واقع جنگوں کا تذکرہ ہم سیکاروں کو نہیں کرنی چاہئے۔ کیونکہ ان کا اختلاف ان کے اجتہاد پر مبنی تھا اور قوت اجتہادی دونوں حضرات کے اندر تھی جس کی وجہ سے دونوں اپنے کو حق بجانب خیال فرماتے رہے اور اجتہاد کی بنا پر اختلاف کا رونما ہونا کوئی جرم شرعی نہیں ہے۔ بلکہ اگر فی الواقع کوئی مجتہد غلطی ہی کر رہا ہو جب بھی ایک ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ ھٰکذا فی اصول الشرع

لہٰذا ہر دو حضرات مصیب و مثاب ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہٗ خادم الافتا، مجلس علما، نیدرلینڈ
۱۹ ربیع الاوّل شریف ۱۴۲۴ھ

دعوتِ اسلامی کا طریقۂ تبلیغ

مسئلہ ۹۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ ہالینڈ، فرانس، جرمنی اور انگلینڈ وغیرہ یورپین ممالک میں اللہ پاک کے کچھ ایسے نیک بندے جو صورت و شکل اور وضع قطع سے مسلمان اور مسلمانوں کے رہبر معلوم ہوتے ہیں۔ وہ شہر شہر، علاقہ علاقہ، قریہ قریہ اسلام و سنّیت کی تبلیغ کرتے ہیں، لوگوں کو کلمہ و نماز اور درود و سلام سے قریب کرتے ہیں۔ نجی نشستوں میں ایمان و عقیدے کی اصلاح بھی کرتے رہتے ہیں اور نماز روزے کا شوق بھی دلاتے رہتے ہیں ان کی تبلیغ ایسی مؤثر ہوتی ہے کہ برسوں کا بے نمازی اور اعلانیہ فسق و فجور میں مبتلا نمازی بن جاتا ہے۔ چہرہ پر نورِ اسلام کی روشنی آجاتی ہے، سر پر سنّتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہریالی گنبد کا عکس چمکنے لگتا ہے اور لبوں سے درود و سلام کے انوار جھڑنے لگتے ہیں۔

پوچھنے پر وہ حضرات اپنے آپ کو مبلّغینِ سنّت یا خادمانِ مدینہ کہتے ہیں۔ البتہ جو کتابیں، رسالے، اسٹیکرز اور سی ڈیز وغیرہ جو وہ عموماً مفت تقسیم کرتے ہیں۔ اُن سبھوں پر "دعوتِ اسلامی" مرقوم ہوتا ہے۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ پاکستان میں کوئی بزرگ "مولانا محمد الیاس عطار قادری" کی مخلصانہ کاوشوں اور انفاق فی سبیل اللہ کے نتیجہ میں یہ جماعت معرضِ وجود میں آئی ہے جو بیشتر برِاعظموں میں اسلام و سنّیت کی تبلیغ و اشاعت کر رہی ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا ہم سنّی مسلمانوں کو اس جماعت "دعوتِ اسلامی" میں شریک ہونا، ان کے ساتھ تبلیغی امور کی اشاعت کے لئے محلّہ بمحلّہ اور شہر بشہر جانا، ان کے ساتھ شب و روز گزارنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ امید کہ ہم سنّیوں کی دستگیری فرما کر

ثواب دارین حاصل کریں گے اور ہمیں شکریہ کا موقع دیں گے۔

راحت حسین، علاءالدین اینڈ برادرز وغیرہم۔ آمسٹرڈم۔ ہالینڈ

۴۸۶/۹۲ الجواب ــــــ هو الهادی الی الصواب ــــــ

آپ نے جو کارنامے اور خصوصیتیں جماعتِ مذکورہ کے مبلغین کی بیان کی وہ قابلِ تعریف و تقلید ہے۔ اگر اُن کے ذریعہ ایک شخص کو بھی ہدایت مل گئی تو وہ لائقِ عزت و تکریم ہے۔ حضور اکرم سیّد عالم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

لان یھدی اللّٰہ بك رجلاً خیر لك ممّا طلعت علیه الشمس (جامع الصغیر) — اگر اللہ تعالیٰ تیرے ذریعہ سے ایک شخص کو ہدایت فرمادے تو وہ تیرے لئے ہر اُس چیز سے بہتر ہے جس پر سورج چمکتا ہے (جامع حدیث ۲۱۹)۔

اور صحیح البخاری کتاب الجہاد میں یہ حدیث پاک موجود ہے واللّٰہ لان یھدی اللّٰہ بك رجلاً واحداً اخیرٌ لك من ان یکون لك حمر النعم کہ خدا کی قسم اگر تیرے سبب سے ایک آدمی کو بھی خدا ہدایت فرمادے تو وہ تیرے لئے سُرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔

تبلیغ دین اور اصلاح اعمال وعقائد کے لئے جتنے قدم زمین پر پڑتے ہیں ہر قدم پر مبلّغ کے لئے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ قرآن مجید کا ارشاد گرامی ہے۔

سَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ — ہم لکھتے ہیں ان کے کام اور ان کے قدموں کے نشان۔ (سورۂ یٰسٓ شریف)

اب آپ خود ہی حساب لگا لیجئے کہ ایک شخص اگر چند ساعت کے لئے اپنے محلہ یا شہر میں گھوم کر مسلمانوں کے عقائد و اعمال کی اصلاح کرتا ہے یا غیر مسلموں تک اسلام کو پہنچانے کی سعی کرتا ہے تو اس کے نامۂ اعمال میں کس قدر ثواب لکھے جاتے ہوں گے اور وہ خداوند کریم کی بارگاہِ کرم میں کس قدر اجر جزیل کا مستحق ہوگا؟

"دعوتِ اسلامی" کے سیکڑوں خادموں سے میری ملاقات عرب و عجم مختلف ممالک میں ہوئی ہے میں نے ان میں سے بیشتر کو مخلص اور سنّیت کا ہمدرد پایا۔ اسلام و

سنّیت کی اشاعت کا جذبہ ان کے دلوں میں بھرا ہوا ہے۔ کاش کہ امورِ تبلیغ و اصلاح کے لئے اہلِ علم حضرات کا تقرر کیا جاتا اور ان کی معاونت میں دعوت کے عام افراد ہوتے۔ یا جس علاقہ میں دعوت کے افراد کو کوئی سنّی عالم دین مل جاتا خدمتِ تبلیغ و اشاعت انہی کے سپرد کی جاتی اور دعوت کے افراد اسکے معاون ہوتے...

حلقۂ ذکر اور دعاؤں میں گریہ وزاری کا نہایت نرالا انداز ہے جس کا اثر عوام پر ہوتا ہے۔ مختصراً آپکے سوال کا جواب یہ ہے کہ دعوتِ مذکورہ کے افراد اہلِ سنّت وجماعت سے ہیں ان کے ساتھ نشست و برخاست، اور ان کے ساتھ اسلام وسنّیت کی تبلیغ میں اپنے وقت کی قربانی دینا جائز وسعادت مندی ہے۔ خاص کر یورپ کے مسموم ماحول میں اُن کے طریقۂ تبلیغ کی اشد ضرورت ہے کہ زبانیں یہاں کے ممالک کی ہوں اور طریقۂ تبلیغ اُن کا ہو۔ واللہ الھادی الی الصّواب والیہ المرجع والمآب۔ وھو اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ۔ خادم الافتاء ”القرآن“ ہندرلینڈ

یکم رجب المرجب ۱۴۲۵ھ - ۱۸ راگست ۲۰۰۴ء

رافضی وتبرّائی کا حکم

مسئلہ۸۰: کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ میں کہ کچھ لوگ ایران سے یہاں پناہ گزیں کی صورت میں آئے ہیں۔ محرم شریف میں مجلسیں بھی کرتے ہیں اور دوسرے ممالک سے اپنے مقررین کو بلاتے ہیں۔ چونکہ انکی تعداد محدود ہے اسلئے ان کی محفلیں بھی بند کمروں میں ہوا کرتی ہیں۔ اُن لوگوں سے جب ہماری بات چیت ہوئی تو انہوں نے اولاً حضرت سیّدنا مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تمام صحابۂ کرام یہاں تک کہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے افضل واعلیٰ گردانا۔ پھر ان دونوں بزرگوں کی ارفع واعلیٰ شان میں گستاخانہ جملے استعمال کئے جسکی وجہ سے ہمیں ان لوگوں سے نفرت ہوگئی۔ ہمیں یہ بتایا جائے کہ یہ کون لوگ ہیں آیا ان کے ساتھ اسلامی راہ ورسم رکھنا درست ہے یا نہیں؟ کرم فرما کر جلد ہی جواب

دینے کی زحمت گوارہ کریں۔ المستفتی: غلام محی الدین۔ اشاعت الاسلام بون، جرمنی

۴۸۷/۹۴ الجواب ـــــ ھوالھادی الی الصواب ـــــ

وہ وہ لوگ ہیں جن کو شیعہ کہا جاتا ہے۔ لیکن شیعوں میں کئی مختلف فرقے ہیں بعض تفضیلی ہیں جو گمراہ و بد دین ہیں اور بعض غالی رافضی (تبرائی) ہیں جو تمام علماءِ اسلام کے نزدیک خارجِ اسلام، جہنمی اور کافر ہیں۔ آپ نے سوالنامہ میں جن بدبختوں کا تذکرہ کیا ہے وہ غالی رافضی ہیں۔ جن پر علماءِ دین نے کفر و ارتداد کا فتویٰ دیا ہے۔ ان بدبختوں سے دور رہنا، نفرت کرنا مسلمانوں پر فرض ہے۔

فتاویٰ عالمگیری اور اس کے حاشیہ فتاویٰ بزازیہ میں ہے۔

الرّافضی ان کان یسبّ الشیخین ویلعنھما (والعیاذ باللہ تعالیٰ) فھو کافر وان کان یفضل علیاً کرّم اللہ وجھہ علیھما فھو مبتدع اھ	رافضی جو حضرات شیخین (سیدنا ابوبکر و سیدنا عمر) رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو (معاذ اللہ) بُرا کہے وہ کافر ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو سیدنا ابوبکر و سیدنا عمر سے افضل بتائے تو وہ گمراہ و بدعتی ہے۔

اعلیٰ حضرت مجدد ملت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "ردّ الرفضہ" میں تیسیر المقاصد شرح وہبانیہ للشرنبلالی سے یہ عبارت نقل فرمائی۔

الرّافضی اذا سبّ ابابکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ولعنہما یکون کافراً وان فضل علیہما علیاً لایکفر وھو مبتدع اھ	رافضی اگر حضرات شیخین ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بُرا کہے یا تبرّا بکے تو کافر ہو جائے۔ اور اگر مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کو ان حضرات سے افضل کہے تو کافر نہیں البتہ گمراہ ہے

ان بدمذہبوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ان سے اسلامی راہ و رسم رکھنا شریعتِ اسلامیہ کے نزدیک حرام بدانجام ہے۔ خدائے جبّار و قہّار کا حکم ہے لَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ہ یاد آجانے کے بعد ظالم لوگوں کے ساتھ مت بیٹھو۔ اور حدیث پاک میں ارشاد ہوا۔ لَا تُجَالِسُوْهُمْ وَلَا تُوَاكِلُوْهُمْ وَلَا تُشَارِبُوْهُمْ وَاِذَا مَرِضُوْا لَا تَعُوْدُوْهُمْ وَاِذَا مَاتُوْا فَلَا تَشْهَدُوْهُمْ وَلَا تُصَلُّوْا عَلَيْهِمْ وَلَا تُصَلُّوْا

معھم (کنز العمال) بدمذہبوں کے ساتھ مت بیٹھو، نہ ان کے ساتھ کھانا کھاؤ نہ ان کے ساتھ پیو۔ بیمار پڑیں تو ان کی عیادت مت کرو، مرجائیں تو ان کے جنازہ پر مت جاؤ، نہ ان کی نماز جنازہ پڑھو۔ نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو۔"

قرآن وحدیث سے حکم واضح ہوجانے کے بعد کسی مسلمان کا ان بدمذہبوں کے ساتھ اٹھنا، بیٹھنا، کھانا پینا، سلام کلام، شادی بیاہ، بیمار پرسی ومزاج پرسی، جنازہ میں شرکت یا غسل وکفن دفن میں اس کی مدد سب حرام بدانجام ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی النبی الاعظم وعلیٰ آلہ وصحبہ الاکرم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتا مجلس علما نیدرلینڈ

۹ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ ۲۹ مئی ۲۰۰۴ء

نبی علیہ السلام کا حاضر وناظر اور شافع ہونا

مسئلہ ۸۰۱: کیا فرماتے ہیں علما دین اس مسئلہ میں کہ ہم لوگ نسلاً ہندوستانی اور وطناً سورینامی ہیں۔ دنیاوی یا دینی تعلیم سے زیادہ واقفیت نہیں ہے۔ دین کے متعلق جو کچھ اپنے باپ دادا کو کہتے سنا یا کرتے دیکھا اپنا ایمان وعقیدہ اور عمل ومعاملہ اسی طرح ہوگیا۔ ادھر پندرہ بیس سال سے ہندوستان وپاکستان اور دیگر ملکوں سے علما دین نیدرلینڈ اور سورینام میں آتے رہے جن کی وجہ سے ہمارے ایمان وعقیدے اور عمل میں اصلاحیں ہوئیں۔ مگر ہالینڈ میں آنے کے بعد ہمارا راہ ورسم مختلف ملکوں کے مسلمانوں سے ہوا مثلاً مغرب۔ انڈونیشیا۔ ترکی۔ پاکستان والوں سے۔ اب اُن لوگوں نے ہمارے بعض مراسم ومعتقدات میں کیڑا نکالنا شروع کردیا ہے۔ اور ہم لوگ چونکہ دینی واقفیت زیادہ نہیں رکھتے ہیں اسلئے اعتراض کرنے والوں کو مطمئن بھی نہیں کرپاتے ہیں۔ مثلاً جب سے ہمارے باپ دادا متحدہ ہندوستان سے انگریزوں کے زمانہ میں یرغمال بناکر سورینام وغیرہ ملکوں میں لائے گئے اس وقت سے ہمارے یہاں دفن میت کے بعد قبر کے قریب اذان ہوتی آرہی ہے۔ کسی مسلمان کے مرجانے کے بعد چالیس دنوں

تک مقررہ مقام و وقت میں باضابطہ قرآن خوانی ہوتی ہے جس میں امام مسجد، میاں جی مولانا اور دور و نزدیک کے رشتہ دار شریک ہوتے ہیں۔ اسی میں تیجہ، دسواں، بیسواں اور چہلم ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں ہم سنی مسلمانوں کا قدیمی عقیدہ ہے کہ حضور نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی امت کے احوال و اعمال سے باذنہ تعالیٰ باخبر اور حاضر و ناظر ہیں۔ شفاعت کبریٰ کا اذن آپ کو مل چکا ہے اور آپ اپنی گنہ گار سیہ کار امتیوں کی قیامت کے دن شفاعت فرمائیں گے۔

اب ہمارے بعض دوستوں نے کہنا شروع کیا ہے کہ نبی علیہ السلام کو حاضر و ناظر کہنا درست نہیں ہے بلکہ یہ بدعقیدگی ہے۔ حاضر و ناظر تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے دوسری بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کی اجازت ملی نہیں ہے بلکہ قیامت میں اجازت ملے گی۔ تیسری بات یہ ہے کہ اذان نماز کے لئے مشروع ہے قبرستان کے لئے نہیں۔ چوتھی بات یہ ہے کہ جو مرگیا اس کا نامۂ اعمال لپیٹ دیا گیا۔ اب اس میں کوئی اچھائی یا برائی کا اضافہ نہیں ہوسکتا ہے جس نے جیسا کیا ویسا ہی بھرے گا۔ لہٰذا قرآن خوانی کا مروجہ اہتمام بیکار ہے۔ سوال یہ ہے کہ ہمارے دوستوں کی یہ باتیں شرعاً صحیح ہیں یا نہیں؟ جواب باصواب سے نوازیں۔

محمد اشرف گمان۔ فیروز گمان۔ فرہاد گمان۔ آمسٹرڈم ہالینڈ

۷۸۶/۹۲ الجواب ـــــــ هو الهادی الی الصواب ـــــــ

الحمد للہ رب العالمین۔ کہ آپ لوگوں نے جو کچھ اپنے آباء و اجداد سے عقائد و اعمال کے بارے میں سیکھا اور جس کا ذکر سوالنامہ میں کیا وہ سب حق و درست اور اسلامی شریعت کے عین مطابق ہے۔ البتہ آپ حضرات کے معترض دوستوں پر مجھے یقین کی حد تک شبہ ہے کہ نجدیت و دیوبندیت کے مسموم نظریات نے ان کے گلشن ایمان کو شاید خزاں رسیدہ تو نہیں بنا دیا ہے؟ بہرحال جب تک ان کی صحت عقیدہ کا قولاً و عملاً اظہار نہ ہو ان کی دوستی زہر ہلاہل ہے اور ان لوگوں سے آپ حضرات کا دور و نفور رہنا ضروری ہے۔ کہ خدانخواستہ ان کی بدعقیدگی و سوءعملی کا برا اثر آپ حضرات

کی طرف سرایت نہ کرنے لگے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ و ایّاکم)

آپ کے دوستوں کا یہ کہنا کہ حضور پُرنور سیّد کائنات علیہ اکرم الصلوات و ازکی التحیات کو حاضر و ناظر کہنا بدعقیدگی ہے کیونکہ حاضر و ناظر تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ سراسر غلط، دینی معلومات سے دوری، اسماء الٰہیہ کے علم سے مہجوری بلکہ خود ان کے عقیدوں کی کمزوری ہے ـــــ اللہ تبارک و تعالیٰ اور رسول اعظم و اعلیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم کی بارگاہِ ارفع و اعلیٰ میں کسی صفت کو منسوب کرتے یا اسے کسی صفت سے منزّہ جاننے میں کامل احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے تمام اسماء توقیفی ہیں یعنی شرع سے منقول ہیں، قرآن و حدیث سے ثابت ہیں۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ حاضر و ناظر جو دونوں عربی الفاظ ہیں اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفیہ میں سے ہیں یا نہیں؟ تو چونکہ آپ کے دوست اِس بات کے مدّعی ہیں کہ "حاضر و ناظر تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے" لہٰذا دلائل و براہین کی روشنی میں اس دعوے کو ثابت کرنا ان کی ذمّہ داری ہے۔ لقولہٖ صلے اللہ تبارکُ تعالیٰ "اَلْبَیِّنَۃُ عَلَی الْمُدَّعِیْ" لیکن وہ قیامت تک ثابت نہیں کر سکتے کہ یہ دونوں نام اللہ تعالیٰ کے اسماء صفاتیہ میں سے ہیں۔

اسی لئے ہمارے محتاط علماء افتاء فرماتے ہیں کہ بغیر تاویل کے مطلقاً یہ دونوں الفاظ (حاضر و ناظر) اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کے شایانِ شان نہیں ہیں کیونکہ وہ جسم و جسمانیات سے پاک ہے اور حضور و نظور، حاضر و ناظر کے لغوی معنیٰ جسم کے ساتھ حاضر ہونا اور آنکھ کی پتلی سے دیکھنا ہے (المنجد) ہاں تاویلاً ان الفاظ کو ذاتِ باری تعالیٰ کے لئے بولنے پر کفر کا فتویٰ تو نہیں ہے مگر احتیاطی تقاضوں کے خلاف ہے۔ درمختار جلد سوم میں ہے ـــ یَاحَاضِرُ یَا نَاظِرُ لَیْسَ بِکُفْرٍ یعنی اللہ تعالیٰ کو حاضر یا ناظر کہنا کفر نہیں ہے کہ علّامہ عابدین شامی نے اپنے فتاویٰ شامی میں اس کی تاویل یوں کی ہے۔ فان الحضور بمعنی العلم شائع مایکون من نجویٰ ثلاثۃ الا ھو رابعھم۔ والناظر بمعنی الرؤیۃ۔ الم یعلم بان اللہ یری" پس حاضر و ناظر کا معنیٰ اگر یا عالِمَ مَنْ یَّریٰ یا شہید و بصیر کیا جائے تو اس تاویل سے اس کا

اطلاق ذاتِ باری تعالیٰ پر ہو سکتا ہے۔ مطلقاً ان دونوں اسماء کو ذاتِ الٰہی کی طرف منسوب کرنا شریعتِ مطہرہ پر جرأت کرنا اور اپنے دل سے اسماء صفاتیہ میں اضافہ کرنا ہے۔

ان دونوں لفظوں (حاضر و ناظر) کا استعمال اس کے حقیقی معنوں میں حضور اکرم شاہدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے نہ صرف جائز بلکہ اسلافِ امت کے درمیان شائع ومقبول ہے۔ کیونکہ اُن کی روحانیت مقدسہ اور علم خداداد ہر گھر میں موجود اور تمام امت کے احوال واعمال پر مطلع ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوا فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ۔ (النور ۶۱) کہ جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنوں کو سلامتی کی دعا کرو۔ اور حدیث شریف میں آیا وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ اَحَدٌ فِی الْبَیْتِ فَقُلْ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ" کہ جب گھر میں کوئی بھی آدمی موجود نہ ہو تو اپنے نبی علیہ السلام پر سلام پیش کرو۔ حضرت علامہ علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شفا شریف کی شرح میں اس کی علت یہ بیان فرمائی "لِاَنَّ رُوْحَہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَاضِرَۃٌ فِیْ بُیُوْتِ اَھْلِ الْاِسْلَامِ کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روحانیت مقدسہ تمام اہل اسلام کے گھروں میں جلوہ بار ہے

پھر حضور پُرنور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو بایں معنیٰ بھی حاضر و ناظر کہا جا سکتا ہے کہ باذن اللہ تعالیٰ وبعطائہٖ تمام امت کے احوال کے عالم اور اعمال پر حاضر و ناظر ہیں۔ چنانچہ شیخ محقق ناشر الحدیث محسن العلماء حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلوی مجمع البرکات میں فرماتے ہیں۔

وے علیہ السلام بر احوال واعمالِ امت مطلع است وبر مقربان وخاصانِ درگاہ خود مفیض وحاضر وناظر ست۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امت کی تمام حالتوں اور عملوں سے باخبر ہیں اور اپنے مقربین خاص پر انوار وفیوض کی بارش برساتے ہیں کہ وہ حاضر و ناظر ہیں۔

حضور انور صلے اللہ تعالیٰ علیہ سلم کے حاضر و ناظر ہونے کا علم وعقیدہ کوئی نیا عقیدہ نہیں ہے بلکہ ہمارے اسلاف کرام نے ہمیں یہ دیا ہے۔ کیونکہ قرآن پاک نے حضور نبی رحمت علیہ السلام والتحیت کے صفاتِ کریمہ کو بیان کرتے ہوئے فرمایا شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا

وَّنَذِیْرًا ه یعنی آپ کی صفتوں میں سے ایک عظیم صفت آپ کا شاہد ہونا ہے۔ اور شاہد اس گواہ کو کہتے ہیں جو اپنی آنکھوں سے دیکھے اندھا نہ ہو اور موقعۂ واردات پر موجود ہو یعنی حاضر و ناظر ہو۔ اسی لئے محتاط مترجمین حضرات نے شاہد کا معنیٰ حاضر و ناظر کیا ہے۔

لیکن حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے میں یہ مخصوص گوشہ ذہن نشین ہونا چاہئے کہ سید کائنات علیہ اکرم الصلوات اپنی وسعت علم اور سریان حقیقت محمدیہ کی وجہ سے حاضر و ناظر ہیں اور بایں سبب انہیں حاضر و ناظر کہنا جائز و درست اور مبنی برحقیقت ہے۔

جو شئی تیری نگاہ سے گزرے دُرود پڑھ ؛ ہر جزو کل ہے مظہر انوار مصطفیٰ (حضرت آسی)

۲۔ اگر شفاعت کی اجازت ملی نہیں تو "وَلِوَاءُ الْحَمْدِ یَوْمَئِذٍ بِیَدِیْ" (شفاعت کا جھنڈا قیامت کے دن میرے ہاتھ میں ہوگا) کا دعویٰ کیوں ہے؟ اذن شفاعت تو مل چکی ہے لیکن اس کا ظہور روز قیامت ہوگا۔ پیارے نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے "شَفَاعَتِیْ لِاَھْلِ الْکَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ" میری شفاعت میری گنہگار امت کیلئے ہے خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (سورۃ الاسراء ۷۹) یقیناً آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔ مقام محمود کی وضاحت فرماتے ہوئے خود سید کائنات علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے ارشاد فرمایا ھوالمقام الّذی اشفع فیہ لِاُمَّتِیْ مقام محمود وہ مقام ہے جہاں میں اپنی امت کی شفاعت فرماؤں گا۔

آیت مذکورہ کے ترجمہ میں ممکن ہے کہ کسی بادی النظر کو اعتراض ہو کہ عسٰی کے لغوی معنٰی میں امکان موجود ہے لہٰذا یقیناً اس کا ترجمہ نہیں ہوسکتا ہے۔ اُن سے عرض ہے کہ اعتراض سے پہلے البرہان کا مطالعہ کریں جسمیں یہ وضاحت موجود ہے کہ عسٰی اور لعلّ وغیرہما کی نسبت جب مخلوق کی طرف ہو تو اس کے ترجمہ میں امکان موجود ہوگا لیکن یہی الفاظ جب خالق عزّوجل سے منسوب ہو جائیں تو اس کے معنٰی یقیناً ہوں گے۔ وہاں امکان و

شبہ کی کوئی رسائی نہیں ہوگی کیونکہ وہ ذات ذاتِ واجب ہے جہاں امکان کی گنجائش نہیں "عسیٰ ولعلّ من اللہِ تعالیٰ واجبتان" (ابرہان)

شفاعتِ کبریٰ اور اذنِ شفاعت سے متعلق بے شمار دلائلِ شرعیّہ موجود ہیں جن کو آپ لوگ علماء اہلسنّت وجماعت سے اکثر و بیشتر سنتے رہتے ہیں۔ حضرت علّامہ سیوطی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ شفاعت سے متعلق بعض حدیثیں متواتر ہیں لہٰذا وہ شخص بڑا بدبخت ہے جو شفاعت کا انکار کرتا ہے۔ اور شفاعت کا انکار دنیا میں وہی کرے گا جو آخرت میں شفاعت سے محروم رہے گا۔

امام بخاری ومسلم نے حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن خطبہ میں ارشاد فرمایا۔

انّہ سیکونُ فی ھٰذِہِ الاُمّۃ قومٌ یکذبون کہ اس امت میں ایک ایسا گروہ پیدا ہوگا بعذاب القبر ویکذّبون بالشفاعۃ " جو عذاب قبر اور شفاعت کا انکار کرے گا۔

ان دونوں باتوں کا انکار پہلے پہل خارجیوں اور معتزلیوں نے کیا اور آج بھی ان دونوں کے پیروکار نجدی وہابی یا ان سے متعلق لوگ کر رہے ہیں۔ اہلسنّت وجماعت کو منکرینِ شفاعت سے دور رہنا ضروری ہے۔

اذان علی القبر (۳) اذان کو صرف نماز کے لئے محدود کرنا آپکے دوستوں کی جہالت و نادانی اور مسائلِ شرعیہ سے ناواقفیت کی دلیل ہے ہوسکتا ہے اُن لوگوں کی پیدائش کے بعد اُن کے کانوں میں اذان ہی نہ دی گئی ہو۔ یا اذان کے کلمات سے وہ لوگ چڑھتے ہوں جیسے شیاطین چڑھتے ہیں۔ شریعت اسلامیہ کے نزدیک اذان کے مختلف مواقع ہیں جہاں اذان کہنا سنّت یا مستحب ہے۔ فقہی کتابوں سے اس کی تفصیل معلوم کرنی چاہئے۔ علمائے کرام کے نزدیک اختلاف اس بات میں ہے کہ جیسے دنیا میں آنے کے بعد نومولود کے کانوں میں اذان کہنا سنّت ہے کیا دنیا سے جانے کے بعد اذان علی القبر بھی مسنون ہے؟ بعض علمائے کرام نے حالتِ اولیٰ پر قیاس کرتے ہوئے اسے مسنون کہا اور بعضوں نے مستحب کے خانوں میں رکھا.... اذان علی القبر

کے فوائد اس قدر کثیر ہیں کہ معلومات ہو جانے کے بعد کوئی مسلمان اس سے محروم رہنا نہیں چاہے گا۔ امام اہلسنت مجدد ملت امام احمد رضا قدس سرہ نے اس باب میں ایک نہایت نافع اور مدلل رسالہ تحریر فرمایا جو فتاویٰ مبارکہ رضویہ میں شامل ہے۔ فمن شآء فلیرجع الیہا۔

۲؎ **ایصال ثواب**: یہ عقیدہ معتزلیوں کا ہے۔ مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ زندوں کی طرف سے ایصالِ ثواب مردوں کے لئے نفع بخش ہے (فقہ اکبر) سیدنا امام اعظم علیہ الرحمہ والرضوان نے اس کو اہلسنت وجماعت کی پہچان بتائی اور اس کے مخالفین کو معتزلی (بدمذہب) گردانا۔ اور ایصالِ ثواب کے اثبات پر احادیث کریمہ، اعمالِ سلف اور اقوالِ علماء سب ہی شاہد ہیں۔ قرآن خوانی کے اہتمام کو بیکار بتانا بدمذہبیت اور طریق سلف سے اعراض ہے۔ واللہ الہادی الی الصراط المستقیم۔ صراط الذین انعمت علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین۔ وصلی اللہ علی خیر خلقہ سیدنا وسید المرسلین صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

کِتَابُ الطَّهَارَة

(پاکی کا بیان)

ترجمۂ قرآن پاک کو بے طہارت چھونا

مسئلہ ۸۰۲: محمد سلیم ناصر الدین یوٹریخت۔ نیدرلینڈ۔ ۳-۱-۱۹۸۶

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ میں کہ قرآن مجید کا ترجمہ جو صرف اردو یا فارسی یا ڈچ زبان میں ہو (اس میں عربی عبارتیں نہ ہوں) تو اُسے بغیر غسل یا بغیر وضو کے چھونا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب ۹۲/۲۶ هو الهادی الی الصواب

صرف ترجمۂ قرآن عظیم خواہ وہ انگلش میں ہو یا ڈچ میں۔ اردو میں ہو یا فارسی میں بغیر طہارت کے اُسے چھونا جائز نہیں کہ وہ سب اسی سے متعلق ہے جو منزل مِنَ السَّماء ہے جس کے بارے میں حکمِ الٰہی ہے لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ کامل پاکیزگی و طہارت کے بغیر اُسے مت چھوؤ۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

لَوْكَانَ الْقُرْآنُ مَكْتُوبًا بِالْفَارِسِيَّةِ يُكْرَهُ لَهُمْ مَسُّهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَهٰكَذَا عِنْدَهُمَا عَلَى الصَّحِيحِ۔ هٰكَذَا فِي الْخُلَاصَةِ

(اگر قرآن فارسی میں لکھا ہوا ہو تو بھی امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک اس کا چھونا مکروہ تحریمی ہے اور صحیح قول کے مطابق یہی مذہب صاحبین کا بھی ہے (اسی طرح فتاویٰ خلاصہ میں ہے)

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ نوری مسجد، ہالینڈ

۱۳-۱-۱۹۸۶

منی نکلنے کے بعد غسل کب واجب ہوتا ہے

مسئلہ ۸۰۳:۔ محمد نسیم سالار بخش۔ اترولہ
۲۶-۱۲-۱۹۸۵ ع

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین
اس مسئلہ میں کہ ایک مرد نے اپنی بیوی یا کسی دوسری عورت کی شرمگاہ کی طرف نظر کی۔ یا اس کی شرمگاہ سے اپنے آلہ کو ملایا پھر جب شہوت زیادہ ہوئی اور منی اچھل کر نکلنے والی ہوئی تو اس آدمی نے اپنے ذکر کو مضبوطی سے تھام لیا اور جب شہوت ختم ہوگئی آلہ ڈھیلا پڑ گیا تو اس نے آلہ کو چھوڑ دیا۔ چند لمحوں کے بعد بغیر شہوت کے اور بغیر اچھلے ہوئے منی خارج ہوگئی۔ کیا ایسی صورت میں غسل فرض ہوگا؟ واضح ہو کہ صورتِ مذکورہ میں عورت کو منی خارج نہیں ہوئی۔

الجواب ۸۶/۹۲ ـــــــــ هو الملك الوهاب ـــــــــ

جب منی کا اپنی جگہ سے اچھل کر جدا ہونا متحقق ہے تو چاہے اس کا اخراج سکون کے بعد ہوا ہو۔ اس پر غسل واجب ہے۔ وجوبِ غسل کے لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ بیوی یا کسی پرائی عورت کی شرمگاہ یا ستر دیکھ کر یہ کیفیت ہوئی ہو یا یونہی خیال و بدخیالی میں ایسا ہو گیا ہو۔

چنانچہ فتح القدیر صـ۵۴ـ اور غنیہ صـ۴۲ـ وغیرہما میں ہے۔

عند الطرفین (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک جب منی

يَجِبُ الْغُسْلُ اِذَا انْفَصَلَ الْمَنِيُّ	پیٹھ سے شہوت کے ساتھ جدا ہو تو غسل واجب
عَنِ الصُّلْبِ بِشَهْوَةٍ ثُمَّ خَرَجَ	ہے اگرچہ منی سکون کے بعد خارج ہوئی ہو۔ فقہاء کے
بَعْدَ السُّكُوْنِ وَكَمَا ذَكَرُوْا مِنْ	نزدیک اسکی ایک صورت یہ ہے کہ ذکر کو مضبوطی
صُوَرِهٖ اِمْسَاكُ الذَّكَرِ ..... الخ	سے پکڑنے کی وجہ کر منی سکون سے خارج ہوئی۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ نوری دار الافتاء نوری مسجد

کس کس قسم کے زیورات مانع غسل و وضو ہیں

مسئلہ ۸۰۴ :- لیاقت علی دل محمد، صدر نوری مسجد آمسٹرڈم
۱۸-۱۰-۱۴۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورت و مرد جو انگوٹھیاں یا زیورات استعمال کرتے ہیں اگر وہ جسم سے چپکے ہوئے ہوں، تو وضو یا غسل میں انہیں نکالنا یا حرکت دینا ضروری ہے یا نہیں ؟ امید کہ جواب با صواب سے شادکام فرمائیں گے۔

الجواب ۷۸۶/۹۲ **ھو الھادی الی الصواب**

انگوٹھیاں، چھلّے اور دیگر زیورات جو استعمال کئے جاتے ہیں خواہ وہ عورت و مرد کے لئے حلال ہوں یا حرام یا مکروہِ تحریمی۔ اگر وہ جسم سے ایسے چپکے ہوئے ہوں کہ وضو یا غسل میں جسم کے اس حصّہ پر پانی نہ بہہ سکے تو ان زیورات کا اتارنا ضروری اور اُن اعضاء کا دھونا فرض ہے۔

اور اگر وہ زیورات کشادہ ہیں کہ پانی کے سیلان کو نہیں روکتے ہیں جب بھی ان کو حرکت دینا ضروری ہے تاکہ ان کے نیچے اعضاء وضو و غسل پر پانی بہہ جائے

کَمَا فِی الدُّرِّ الْمُخْتَار

لَوْخَاتَمُهُ ضَيِّقًا نَزَعَهُ اَوْحَرَّكَهُ وُجُوْبًا۔ (فرائض الغسل)

اگر انگوٹھی تنگ ہو تو اس کا اتارنا یا حرکت دینا واجب ہے۔

واضح ہو کہ مرد کے لئے چاندی کی صرف ایک انگوٹھی جو ساڑھے چار گرام سے کم ہو ایک نگ کے ساتھ جائز ہے۔ یعنی چاندی کی متعدد انگوٹھیاں، یا ایک ہی انگوٹھی مگر چھلّے کے ساتھ، یا بغیر چھلّہ کی مگر کئی نگوں کے ساتھ ایک انگوٹھی، یا چاندی کی ایک ہی نگدار انگوٹھی مگر وزن میں ساڑھے چار گرام سے زائد ہو تو مردوں کے لئے جائز نہیں۔ اسی طرح سونا یا کسی دوسری دھات کی انگوٹھی بھی مردوں کو جائز نہیں اگرچہ ایک ہی ہو اور ساڑھے چار گرام سے کم ہو۔ چاندی سونا کے علاوہ دوسری دھاتوں

کے زیورات تو عورتوں کو بھی جائز نہیں۔ ہاں سونا چاندی کی انگوٹھیاں اور زیورات جو حدِ شرع میں ہوں عورتوں کو جائز ہیں خواہ اس کا وزن کچھ بھی ہو۔ حدِ شرع کی قید اس لئے لگائی گئی کہ آجکل بہت سی فاسقات اور ان کی دیکھا دیکھی بہتیرے بے راہ رو مسلم وغیر مسلم جوانان اپنے کانوں، ناکوں، لبوں، پستان کی گھنڈیوں اور ناف بلکہ شرمگاہوں کو چاندی سونا کے زیورات سے چھیدوانے لگے ہیں۔ مسلم خواتین و حضرات کو ان فاسقات و فاسقین کے اس طرزِ عمل سے نفرت و گریز کرنا ضروری ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع المآب

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء، جامعہ مدینۃ الاسلام دی ہیگ

روٹی کے ٹکڑے اگر دانتوں میں پھنسے ہوں

مسئلہ ۸۰۵ لیاقت علی دل محمد صدر نوری مسجد آمسٹرڈم
۱۸-۱۰-۱۴۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ۔ غسل واجب میں اگر دانتوں کے سوراخوں یا خولوں کے اندر روٹی، چاول یا چھالیہ وغیرہ کے ٹکڑے پھنسے رہ جائیں۔ تو غسل ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب ۸۶/۹۲ هو الهادی الی الصواب

غسل کے اندر کلی کرنا فرض ہے اور کلی صرف یہ نہیں ہے کہ منہ میں پانی لیکر پھینک دیا جائے بلکہ اصطلاحِ شرع میں پانی سے منہ کے پورے اندرونی حصّہ کو گھیر لینے کا نام کلی ہے یعنی ڈاڑھوں کے پیچھے گالوں کے اندرونی تہوں میں، دانتوں کی جڑوں اور کھڑکیوں میں۔ حلق کے کنارے تک ہر ہر حصّہ پر پانی بہہ جائے۔ لہٰذا جن دانتوں کے سوراخوں کے درمیان یا کسی دانت کے ایک کھکھل میں کوئی ایسی چیز پھنسی رہ گئی جو پانی کے بہاؤ کو روکے۔ تو غسلِ واجب ادا نہیں ہوگا۔ چاول یا چبائی ہوئی روٹی دانتوں کے سوراخوں تک پانی کے پہنچنے کو تو نہیں روکے گی۔ پانی کی تری ضرور سوراخوں تک پہنچ جائے گی۔ لیکن پانی کے بہاؤ (سیلان) کو روک سکتی ہے

اور اگر جسم کا ایک بال برابر حصّہ یا کوئی رونگٹا پانی کے بہاؤ سے الگ رہا تو غسل واجب ادا نہیں ہوگا۔ میری مُراد جسم کے حصّہ سے وہ حصّہ ہے جس کا غسل غُسل میں ضروری ہے۔

چاول یا چبائی ہوئی روٹی کے سبب سے دانتوں کے واضح سوراخوں یا کھکھل (خول) میں پانی نہیں بہہ سکا تو غسل نہیں ہوا۔

فتاویٰ شامی (سُننِ وضو) میں ہے۔

اَلْمَضْمَضَةُ اِصْطِلَاحًا اسْتِيعَابُ الْمَاءِ جَمِيعَ الْفَمِ.....	مضمضہ (کلّی) کا اصطلاحی معنی پورے منہ کو پانی سے گھیر لینا ہے۔

درِّ مختار میں ہے

لا يمنع طعام بين اسنانه او في سنّه المجوف به يفتى	دانتوں کے سوراخوں یا کھکھل میں پھنسا ہوا کھانا پانی کے پہنچنے کو نہیں روکتا ہے اسی پر فتویٰ ہے

لیکن خاتم المحققین علامہ شامی ابن عابدین علیہ الرحمہ نے اپنے مشہور فتاویٰ ردّ المحتار میں اس قول پر اعتراض وارد کیا اور فرمایا۔

لكنّ يردّ عليه ان الواجب الغسل وهو اسالة الماء مع التقاطر كما مرّ في اركان الوضوء والظاهر ان هٰذه الاشياء تمنع الاسالة فالاظهر التعليل بالضرور۔	لیکن اس پر اعتراض واقع ہوتا ہے کہ واجب تو دھونا ہے۔ اور دھونا پانی کا تقاطر کے ساتھ بہہ جانا ہے جیسا کہ ارکانِ وضو میں گزرا اور ظاہر ہے کہ دانتوں میں پھنسی ہوئی چیزیں پانی کے بہاؤ کو روکتی ہیں۔ لہٰذا ظاہر یہی ہے کہ لبطورِ علت ضرورت کی رعایت کی جائے۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب دانتوں کے سوراخوں اور کھکھل میں پھنسے ہوئے طعام نے پانی کے بہاؤ کو روک دیا تو اس پر غسل کا اطلاق نہیں ہوگا۔ اور جب اعضاءِ غُسل میں غسل نہیں پایا گیا تو غسل نہیں ہوا۔

ہاں اگر ضرورت وحاجت ہو تو بات الگ ہے مثلاً کوئی ایسی چیز پھنسی ہے جس کا علیحدہ کرنا دانتوں یا مسوڑھوں کے لئے مضر ہے تو وہ معاف ہے لیکن چاول

چبائی ہوئی روٹی یا چھالیہ کی ڈلی، دانتوں سے نکال لینا کوئی وجہ مضر نہیں بلکہ سستی ولاپرواہی ہے جو علتِ ضرورت وحاجت نہیں لہٰذا غسل سے پہلے اُسے نکال لینا ضروری ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواحد قادری غفرلہ خادم الانشاء، جامعہ مدینۃ الاسلام۔

لیپ سٹیک اور ناخن پالش

مسئلہ ۸۰۶ : ارشد عبدل خیرن ستین آمسٹرڈم
۱۲-۱۰-۱۴۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عورتیں لیپ سٹیک یا ناخن پالش استعمال کرتی ہیں۔ اگر لیپ اسٹیک کا اثر ہونٹوں پر اور پالش کا اثر ناخن پر موجود ہو تو کیا ایسی صورت میں ان عورتوں کا وضو یا غسل ادا ہوگا یا نہیں؟ کیونکہ اثرات باقی رہنے کی صورت میں پانی پالش کے اوپر سے گزر جاتا ہے نہ ناخن پر بہتا ہے اور نہ لبوں پر۔ جواب عطا فرما کر مشکور فرمائیں۔ نوازش وکرم ہوگا۔

الجواب ۹۲۶ بعون الملک الوھاب

لیپ سٹیک اور ناخن پالش (LIP STICK + NAGELLAK) جن میں حرام اور ناپاک اشیاء کی آمیزش ہو ان کا استعمال مسلم عورتوں کے لئے حرام ہے اور ان کے لگے رہنے کی صورت میں نہ وضو صحیح ہو نہ غسل اور نہ ہی نماز۔ ...... ہاں اگر لیپ اسٹیک اور نیل پالش کے ساتھ اس کا فارمولا بھی موجود ہو جس سے ظنّ غالب (ملحق بہ یقین) ہو کہ اس میں کوئی ناپاک اور حرام اشیاء کی ملاوٹ نہیں ہے تو اس کا استعمال عورتوں کے لئے جائز ہے کہ وہ سامانِ زینت ہے اور عورتوں کو زینت روا ہے۔

پھر اگر لیپ اسٹیک اور ناخن پالش کا جرم (جسم) پانی کے بہاؤ کو نہ روکے اور وہ لبوں اور ناخنوں پر موجود ہو تو وہ عورتوں کے لئے مانع وضو وغسل نہیں ہونا

چاہیئے کیونکہ لپ اسٹک اور نیل پالش کا وہی حکم ہے جو مہندی اور مہندی کے جرم کا ہے۔ جیسا کہ اعلیحضرت امام اہلسنت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تعلیقاتِ شامی میں سُرمہ کے جرم کو مہندی کے جرم کی طرح بدلالۃ النص ثابت فرمایا۔ اور درِّ مختار (باب الفرائض الغسل) جلد اوّل میں ہے۔

لایمنع الطہارۃ خرء ذباب وبرغوث لم یصل الماء تحتہ وحنا، ولو جرمہ بہ یفتی۔ اھ	مکھی اور پسّو کی بیٹ نیز مہندی اگرچہ جسم دار ہو جس کے نیچے پانی نہ پہنچے مانع طہارت نہیں اسی پر فتویٰ ہے۔

یہ آسانی زینت کے سبب عورتوں کو دی گئی ہے ورنہ غسل کا اطلاق از روئے اصطلاحِ فقہی اس پر صادق نہیں آتا۔

بعض علما، محققین کے نزدیک ناخن پالش پینٹ کی طرح ہے جسمیں سرایت ونفوذ کی صلاحیت نہیں ہے لہٰذا وہ وضو وغسل کے عدم صحت کا حکم دیتے ہیں اور یہ پُر ظاہر کہ اختلافِ علماء سے بچنا اولیٰ ہے۔ پس احتیاط اسی میں ہے کہ ایسی چیزوں کا استعمال ہی نہ کیا جائے کہ آدمی دغدغہ میں مبتلا ہو۔ واللہ سبحانہ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری خادم الافتاء مدینۃ الاسلام

دی ہیگ۔ ہالینڈ

وضو وغسل کے بعد تولیہ سے بدن پوچھنا

مسئلہ ۸۰: عبد الغفور نارتھ آمسٹرڈم ۸-۳-۱۴۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ۔ وضو اور غسل کے بعد تولیہ سے اعضا بدن کو صاف کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوہاب

وضو اور غسل کے بعد تولیہ سے اعضاء بدن کی تری لینے میں کوئی حرج وممانعت نہیں ہے بلکہ احادیث کریمہ سے کسی کپڑے کے ذریعہ بدن کو پونچھ لینا

ثابت ہے۔ لیکن وضو کے بعد اعضاءِ وضو کے پوچھنے میں ہمیشہ اس بات کا خیال رکھے کہ اعضاءِ وضو پر کچھ نہ کچھ تری باقی رہے کیونکہ وضو کا پانی قیامت کے دن حسنات کے ساتھ پلڑے میں رکھا جائے گا۔

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا بَاْسَ بِالْمِنْدِیْلِ بَعْدَ الْوُضُوْءِ (کتاب الآثار للامام محمد)	حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وضو کے بعد رومال استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

محرر مذہب حضرت سیدنا امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے استاذ امام الائمہ کاشف الغمہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور انہوں نے اپنے استاذ اور استاذ الاستاذ امام المحدثین سیدنا ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ اس مسئلہ میں ان سے استفسار ہوا کہ وضو کے بعد کپڑے سے منہ صاف کرنا کیسا ہے؟ تو امام المحدثین نے جواباً ارشاد فرمایا کہ کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ محرر مذہب سیدنا امام محمد شیبانی نے اپنی کتاب "کتاب الآثار" میں فرمایا۔

اَخْبَرَنَا اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ فِی الرَّجُلِ اَنْ تَوَضَّاءَ فَیَمْسَحُ وَجْهَهٗ بِالثَّوْبِ قَالَ لَا بَاْسَ بِهٖ..... قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٖ نَاْخُذُ وَلَا نَرٰی بِذٰلِكَ بَاْسًا وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ	ہمیں خبر دی امام اعظم نے انہوں نے حضرت حماد سے روایت کیا اور انہوں نے ابراہیم نخعی سے کہ اُن سے اس شخص کے متعلق پوچھا گیا جو وضو کے بعد کپڑے سے اپنا چہرہ پوچھتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں... حضرت امام محمد نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور کپڑا استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں دیکھتے ہیں اور یہی قول امام اعظم علیہ الرحمۃ کا بھی ہے۔

✧ ✧ ✧

ہاں ہمیشہ وضو کے بعد تولیہ کے استعمال کا عادی نہ بنے کہ اہل ثروت و وجاہت سے مشابہت ہے اس لئے بعض علماء منع فرماتے ہیں اور اختلاف علمائے

بچنا بہتر ہے۔ لہٰذا کبھی کبھی تولیہ کا استعمال نہ کرے بلکہ یونہی ہاتھوں سے اعضاءِ وضو کو پونچھ لیا کرے۔ خصوصاً گرمیوں کے موسم میں۔　　واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہٗ۔ القرآن ادارۂ اسلامیات ہیڈ لینڈ

ٹوائلٹ پیپر اور اس کا حکم

مسئلہ ۸۰۸: عبدالغفور۔ نارتھ آسٹرڈم ہالینڈ
۸-۳-۱۴۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام اس مسئلہ میں کہ

قضاءِ حاجت (پاخانہ) کے بعد ٹوائلٹ پیپر (TOILET PAPIER) سے نجاست کی جگہ کو صاف کرنا تاکہ آبِ دست کی صورت میں انگلیاں ملوث نہ ہوں جائز ہے یا نہیں؟ صاف صاف جواب دیکر شکریہ کا موقع دیں۔

الجواب ۷۸۶/۹۲　بعون الملک الوہاب

عام کتبِ فقہیہ میں کاغذ سے نجاست صاف کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ کاغذ تعلیم و تعلّم کا ذریعہ ہے، ٹوائلٹ پیپر بھی اگرچہ کاغذ ہی کی قسموں میں سے ایک ہے لیکن اس کے بنانے والوں نے اسے تعلیم و تعلّم کے لئے نہیں بلکہ خاص اسی کام کے لئے بنایا ہے اسی لئے وہ کھردرا اور جاذب ہے پھر وہ یورپی ممالک میں مٹی کے ڈھیلوں سے زیادہ سستا اور سہل الحصول ہے۔ پھر ڈھیلوں کے استعمال کے بعد ہفتہ عشرہ میں سیریل (گٹڈی) کی صفائی پر جس قدر صرفہ ہوتا ہے اسی قدر صرفے سے اتنا زیادہ ٹوائلٹ پیپر خریدا جا سکتا ہے جو سالوں سال کام آسکے ...... ان دونوں باتوں کے پیشِ نظر یہ بات بالکل واضح ہے کہ ٹوائلٹ پیپر کے استعمال میں نہ تو ذریعۂ تعلیم و تعلّم کی توہین ہے اور نہ ہی تضییعِ مال ہے بلکہ پاکیزگی و نظافت حاصل کرنے کا آسان اور کم قیمت ذریعہ ہے۔ لہٰذا اس کے استعمال میں کوئی حرج و کراہت نہیں ہونی چاہئے۔　　واللہ سبحانہٗ اعلم۔

کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہٗ القرآن ادارۂ اسلامیات نیدرلینڈ

آب دست کے بعد کسی کپڑے سے صفائی

مسئلہ ۸۰۹: عبد الغفور، نارتھ آمسٹرڈم ۸-۳-۱۳۹۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ فراغت کے بعد پیشاب و پاخانہ کے مقام کو ٹولیٹ پیپر اور پانی سے صاف کر لینے کے بعد ان جگہوں کو کسی کپڑے سے پوچھنا درست ہے یا نہیں؟ یورپین ممالک کے استنجا خانوں میں یہ تینوں چیزوں کا اہتمام خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں کے یہاں دیکھنے کو ملتا ہے۔ اگر شرعی طور پر اسکی اجازت نہیں ہو تو مطلع فرمائیں تاکہ ہم لوگ اس سے گریز کریں۔

الجواب اللّٰھمّ ھدایۃ الحق والصواب

۸۶/۹۲ استنجا سے فراغت کے بعد پانی کی تری کو ہاتھوں یا کسی کپڑے سے پونچھ لینا جائز و درست ہے لیکن یاد رہے کہ کسی قیمتی کپڑے اور مستعمل لباس کا اس میں استعمال نہ کرے۔ بہتر ہے کہ کسی عام رومال یا اس کپڑے سے پونچھ لے جو اس کام کے لئے بنایا گیا ہو۔ منیۃ المصلی آداب الوضو میں ہے۔

وَاَنْ يَّمْسَحَ مَوْضَعَ الْاِسْتِنْجَاءِ	پانی سے دھونے کے بعد کھڑا ہونے سے پہلے
بَعْدَ الْغَسْلِ قَبْلَ اَنْ يَّقُوْمَ	کپڑے سے استنجا کی جگہ کو پونچھے اور اگر اس
وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ مَّعَهٗ خِرْقَةٌ	کے پاس کپڑا نہ ہو تو اپنے ہاتھ سے استنجا کی
يُجَفِّفُهٗ بِيَدِهٖ اھ	جگہ کو خشک کرے۔

واللہ سبحانہ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ، ادارۂ اسلامیات نیدرلینڈ

بارش کے بہتے ہوئے پانی سے وضو

مسئلہ ۸۱۰: محمد سعید الٰہی بخش دینہاخ۔ ۵-۳-۱۴۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے ملتِ اسلامیہ اس باب میں کہ

ہالینڈ بلکہ یورپ کی عام سڑکیں صاف ستھری اور غلاظتِ مرئیہ سے محفوظ ہیں۔ بارش کے دوران یا بارش کے بعد اگر سڑکوں پر یا نالیوں میں بہتے ہوئے پانی سے وضو کیا جائے تو کیا طہارت حاصل ہوجائے گی اور اس سے نماز و تلاوت درست ہوگی؟

۸۶/۹۲ الجواب ـــــــ بعون المجیب الوھاب ـــــــ

بارش کے دوران سڑکوں اور نالیوں سے بہتا ہوا پانی جاری پانی کے حکم میں ہے یعنی جبتک اس کا رنگ و بو یا مزہ کسی ناپاک شئے کی وجہ سے نہ بدلے اس سے طہارت حاصل کرنا جائز و درست ہے۔ اور جب بارش تھم گئی اور پانی کا سیلان و جریان منقطع ہوگیا۔ تو اب یہ دیکھا جائے گا کہ اس میں نجاست کا کوئی ذرہ موجود ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے تو اس پانی سے غسل و وضو جائز ہے۔ لیکن دوسرا صاف ستھرا اور پاک پانی کے ہوتے ہوئے اس سے غسل فرض ادا کرنا یا وضو کرنا تہمت و نفرت کا سبب ہے اس لئے اس سے بچنا ہی شرعاً مطلوب ہے۔ بخاری شریف کتاب العلم میں ہے۔

اِیَّاکَ وَمَا یُعْتَذَرُ مِنْہُ ...... اس بات سے بچو کہ بعد میں معذرت کرنی پڑے۔

بَشِّرُوا وَلَا تُنَفِّرُوا ...... خوشخبری سناؤ اور نفرت نہ پھیلاؤ۔

واللہ سبحانہ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ دارالافتاء جامعہ مدینۃ الاسلام دی ہیگ ہالینڈ

وضو اور غسل میں کتنا پانی استعمال کیا جائے

مُد۔ صاع وغیرھما کی تحقیق

مسئلہ ۸۱۱: نصیر گمان رائیس بیرو نوفا، آمسٹرڈم۔ ۲۲-۱۰-۱۴۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ اسلام اس مسئلہ میں کہ وضو اور غسل میں کتنا پانی استعمال ہونا چاہئے۔ یعنی کران (KRAAN) کو کتنی دیر تک چالو رکھ سکتے ہیں؟ صاف اور واضح جواب دیکر عنداللہ ماجور ہوں۔

۸۶/۹۲ الجواب ـــــــ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب ـــــــ

وضو اور غسل کے پانی کی مقدار موجودہ پیمانوں میں واضح کرنا خاصا دشوار ہے کیونکہ قرن اوّل میں یہ پیمانے موجود نہیں تھے۔ پانی کے سارے پیمانے حادث و نوایجاد ہیں احادیث کریمہ اور نصوصِ فقہا کی روشنی میں اس کا تقریباً صحیح اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

سنن ابی داؤد اور ابن ماجہ شریف میں حضرت امّ المؤمنین طیبہ طاہرہ سیّدہ صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عليهِ وسلّمَ يغتسلُ بالصّاعِ الى خمسة امداد ويتوضأ بالمُدّ	کہ رسول اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک صاع سے پانچ مُدّ تک پانی سے غسل فرماتے تھے۔ اور ایک مُدّ پانی سے وضو فرماتے تھے۔

کتب احادیث کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس باب میں روایتیں مختلف ہیں۔ اکثر روایتوں میں ایک مُدّ پانی سے وضو فرمانا ثابت ہے جبکہ بعض روایتوں میں ایک مُدّ سے کچھ کم یا نصف مُدّ یا ایک مُدّ سے کچھ زائد پانی کے ساتھ وضو فرمانا ثابت ہوتا ہے۔

اسی طرح غسل کے باب میں بھی اختلافِ روایت موجود ہے۔ اکثر روایتوں سے ایک صاع پانی سے غسل فرمانا ثابت ہے جبکہ دیگر روایتوں سے دو صاع، تین صاع اور ایک فَرَق پانی سے بھی غسل فرمانا ثابت ہوتا ہے۔

فقہاء کرام کے نزدیک اجماعاً ایک صاع چار مُدّ کے برابر ہے جبکہ ایک مُدّ امام اعظم علیہ الرحمۃ کے قول اور محتاط اندازہ کے مطابق موجودہ وزن میں ایک کیلو ساڑھے بائیس گرام گیہوں ہوتا ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ جو اناج قرنِ اوّل میں عام طریقہ سے استعمال کیا جاتا تھا وہ جَو تھا، جس سے آجکل یورپ کے ممالک میں بچوں کے لئے پاپ وغیرہ بنایا جاتا ہے پھر قرونِ دوئم (زمانۂ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم) میں گیہوں (تارا) کا عام استعمال ہونے لگا۔ لہٰذا علمائے کرام نے بجائے جَو کے گیہوں سے صدقۂ فطر اور کفّارہ وغیرہ کی مقدار

متعین فرمادی اور گیہوں کا استعمال اُس زمانہ سے لیکر اب تک عام ہے اس لئے
ابھی بھی گیہوں کے ذریعہ صدقۂ فطر اور کفارہ وغیرہ کی ادائیگی ہوتی ہے۔ یعنی صدقۂ فطر
دُو مُدّ (دو کیلو پینتالیس گرام) نکالا جاتا ہے۔

شرح معانی الآثار باب مقدار صدقۃ الفطر میں ہے۔

لمّا کثر الطعام فی زمن معاویہ جعلوہ مدّین من حنطۃ .... اھ

حضرت امیر معاویہ کے زمانہ میں جب گیہوں کی کثرت ہوئی تو صدقۂ فطر کی مقدار دُو مُدّ گیہوں مقرر فرمادی۔

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں کھانے کے اندر گیہوں کا استعمال
اس قدر عام ہوچکا تھا کہ حجاز مقدس کے عرف عام میں طعام سے مراد گیہوں ہی ہوتا تھا
چنانچہ حضرت امام نووی نے شرح مسلم میں فرمایا:

اَلطَّعَامُ فی عُرفِ اہلِ الحجاز اسمٌ للحنطۃ خاصّۃ اھ

حجاز والوں کے عرف میں طعام خاص طور پر گیہوں کو کہتے ہیں۔

مُدّ، صَاع وغیرہما کی تحقیق

یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہئے کہ مُدّ، صَاع فرق، اور قدح وغیرہ پانی کے ناپنے کا
آلہ نہیں بلکہ اناج کا پیمانہ تھا۔ لہٰذا وضو یا غسل میں مُدّ اور صَاع وغیرہ کا ذکر پانی کا
وزن مقرر کرنے کے لئے نہیں بلکہ پانی کی مقدار بتانے کے لئے ہے۔ یعنی ایک مُدّ
میں جس قدر پانی سما سکے اتنے پانی سے بطریق سنّت وضو ہوسکتا ہے اور ایک
صَاع میں جتنا پانی سما سکے اُس سے غسلِ جنابت سنّت کی رعایت کرتے ہوئے
ہوسکتا ہے۔

یہ بات معلوم ہوچکی ہے کہ ایک مُدّ میں محتاط اندازہ کے مطابق ایک کیلو
ساڑھے بائیس گرام گیہوں آتا ہے اور جس پیمانے میں ایک کیلو گیہوں آتا ہو یقیناً
طور پر اس میں سوا لیٹر پانی آئے گا کیونکہ پانی کا وزن گیہوں کے مقابلہ میں پچیس فیصد
سے بھی کچھ زائد ہے۔ لہٰذا ایک مُدّ پانی کا صحیح اندازہ موجودہ پانی کے پیمانے سے

ایک لیٹر دو سو اسّی میلی لیٹر ہوا (1280 M-L) ....

اس سے معلوم ہوا کہ اگر وضو کرنے والا پورے احتیاط کے ساتھ وضو کرے تو بارہ سو اسّی میلی لیٹر پانی سے بطریقِ سنّت وضو کر سکتا ہے۔ اور پانچ سوا پانچ لیٹر پانی سے غسل کر سکتا ہے۔ لیکن یہ مقدار وضو یا غسل کے لئے محدود و محصور نہیں کہ کم و بیش ہونے پر عامل و فاعل عند اللہ تعالیٰ و عند الشرع جوابدہ ہو۔ کیونکہ اختلافِ روایت نے مذکورہ مقدار پر زیادتی کی جانب کو مسدود نہیں کیا ہے ہاں ادائے سنّت اور حصولِ اطمینان کے بعد بھی پانی کا مزید خرچ، اسراف و تبذیر میں داخل ہوگا۔

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ پانی کی مذکورہ مقدار صرف وضو و غسل کے لئے ہے اس میں وہ پانی داخل نہیں ہے جس سے استنجا اور مسواک کیا جائے یا جسم پر لگی ہوئی نجاست کو قبلِ غسل دور کیا جائے یا ناک میں جمی رطوبت، منہ میں بسی ہوئی بدبو وغیرہ کو دور کیا جائے۔

اگر پانی کی مذکورہ مقدار استعمال کرنے پر آپ کو وضو یا غسل میں اطمینان نہیں ہوتا یا کسی سنّت کی ادائیگی میں کمی رہ جاتی ہے تو مقدارِ مذکور سے زائد پانی استعمال کر سکتے ہیں اس میں کسی طرح کا کوئی حرج و گناہ نہیں ___ حضرات علماء کرام نے وضو و غسل میں مقدارِ مذکور سے زائد پانی استعمال کرنے کو نہ صرف جائز رکھا بلکہ افضل بتایا ہے تاکہ پوری طرح اطمینان ہو جائے اور سنّت کی ادائیگی میں کوئی کمی نہ جائے۔ حلیہ میں ہے۔

من اسبغ الوضوء والغسل بدون ذٰلك اجزاه وان لم يكفه زاد عليه۔	جس نے مقدارِ مذکور سے کم میں وضو و غسل کر لیا تو جائز ہے اور اگر وہ مقدار اس کے لئے کافی نہ ہو تو اس مقدار میں اضافہ کر سکتا ہے۔

اور خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے۔

الافضل ان لايقتصر على الصاع في الغسل بل يغتسل بازيد منه	غسل میں ایک صاع پانی پر اکتفاء کرنا افضل ہے بلکہ ایک صاع سے زائد پانی سے غسل کرے۔

خلاصۂ جواب یہ ہے کہ آپ اپنے کران (KRAAN) کو اس طرح کھولئے کہ ایک یا سوا لیٹر پانی میں وضو اور پانچ یا سوا پانچ لیٹر پانی میں غسل ہو جائے۔ اور اگر اس مقدار سے اطمینان حاصل نہ ہو یا سنت کی ادائیگی میں تقصیر رہ جائے تو زائد پانی استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ عند العلماء افضل ہے۔ لیکن نہ اتنا زیادہ پانی استعمال کیا جائے جو اسراف میں داخل ہو جائے اور یہ ہر شخص کی جسمانیت اور بالوں کے لحاظ سے مختلف ہے لہٰذا زیادتی کی مقدار متعین کرنا دشوار ہے۔

واللہ تبارک و تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہ دارالافتاء جامعہ مدینۃ الاسلام دی ہیگ

مسواک دانتوں کے طول یا عرض میں

مسئلہ ۸۱۲: نصیر گمان آمسٹرڈم دوست
۲۶-۱۰-۱۴۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ

مسواک یا برش دانتوں کی لمبائی میں کی جائے یا چوڑائی میں؟ اکثر لوگوں کو دونوں طریقوں سے برش کرتے ہوئے دیکھا جاتا ہے۔ اسلامی شرع میں اس کا کوئی طریقہ ہے یا نہیں؟

۸۶/۹۲ **الجواب** اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

اسلامی شریعت میں ہر سوال کا جواب موجود ہے بلکہ قیامت تک جس قدر نئے مسائل پیدا ہوتے جائیں گے اسلامی شریعت کے اصول و ضوابط میں اس سب کا جواب موجود ہے صرف اخلاص و للّٰہیت اور اساس شریعت کی جانکاری اور فقہ اسلام میں تبحر چاہئے۔

ٹوتھ برش اگر نیلون یا پاک اشیاء سے بنا ہوا ہے تو اُسے مسواک کی طرح استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اور مسواک دانتوں کی چوڑائی میں کرنا چاہئے لمبائی میں نہیں یعنی منہ میں دائیں بائیں مسواک کرے، اوپر نیچے نہیں۔ جو لوگ دونوں طرح مسواک یا برش کرتے ہیں خلاف شرع ہے پھر اس میں مسوڑھوں پر خراش لگنے کا بھی اندیشہ

ہے۔ عنایہ مع فتح القدیر میں ہے۔

یستاك عرضاً لا طولاً ۔ مسواک دانتوں کی چوڑائی میں کرے لمبائی میں نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہٗ دارالافتاء مدینۃ الاسلام

خون کا اثر اگر مسواک پر ظاہر ہو

مسئلہ ۸۱۳: محمد یونس عبدالصمد ساؤتھ آمسٹرڈم ۲۶-۱۲-۱۹۸۵ء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے باوضو ہونے کے باوجود نماز سے پہلے مسواک کیا۔ جب مسواک کو دیکھا تو اس پر خون کا اثر موجود تھا۔ ایسی صورت میں اسے پھر سے وضو کرنے کی ضرورت ہے؟ یا پہلے وضو ہی سے نماز ہو جائے گی؟

الجواب بعون المجیب الوہاب ۷۸۶/۹۲

اصح و اظہر قول کے مطابق مسواک وضو سے پہلے کرنا سنت ہے۔ نماز سے پہلے بغیر وضو کے مسواک کرنے کا کوئی حاصل نہیں۔ بلکہ اگر مسواک کی بو منہ میں باقی رہ گئی اور اس نے کلی نہیں کی تو یہ مکروہ ہوا۔ پھر بھی صورت مسؤلہ میں وضو کے لوٹانے کی ضرورت نہیں کیونکہ مسواک پر خون کا اثر ظاہر ہونے سے وضو میں کوئی خرابی واقع نہیں ہوئی۔ فتاویٰ عالمگیری ص۱۱ میں ہے۔

المتوضی اذا عض شیئاً فوجد فیه اثر الدم او استاك بسواك فوجد فیه اثر الدم لا ینقض مالم یعرف السیلان کذا فی الظهیریة....

باوضو شخص نے کسی چیز کو دانت سے کاٹا تو اس میں خون کا اثر پایا، یا مسواک کیا تو اس میں خون کا اثر پایا۔ تو جب تک بہنا معلوم نہ ہو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ ایسا ہی ظہیریہ میں ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہٗ نوری مسجد

نوری دارالافتاء، آمسٹرڈم

مسواک کا حکم اور اس کا طریقہ

مسئلہ ۸۱۴: محمد علی حسن حسنوالمیرہ، نیدرلینڈ۔ ۲۷-۱۱-۱۹۸۵ء

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ اسلام اس مسئلہ میں کہ مسواک کرنا سنّت ہے یا مستحب؟ اور اس کا وقت وضو سے پہلے ہے یا وضو کی نیّت کر لینے دونوں ہاتھوں کو گٹوں تک دھو لینے اور ایک کلی کر لینے کے بعد؟ مسواک کس طرح کرنا چاہئے؟؟ بعض مغربی حضرات (جو مذہباً مالکی ہیں) کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ مسواک اپنی جیب میں رکھتے ہیں۔ اور تکبیر اقامت کے وقت مسواک کرتے ہوئے جماعت میں شریک ہو جاتے اور نماز ادا کر لیتے ہیں کیا شرع شریف میں ایسا کرنے کا حکم موجود ہے؟ خدارا جواب باصواب سے جلد از جلد نوازیں۔ بینوا و توجروا

الجواب ۸۶/۹۲ ھو المعین وبہ نستعین الی الصواب

مسواک کی ترغیب و تاکید بکثرت احادیث صحیحہ میں آئی۔ اور خود حضور پُر نور سید العالمین محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اس عمل پر مواظبت و ہمیشگی فرمانا اسکی سنّیت پر دلیل کافی ہے لہٰذا باوجود اختلافِ ائمہ دربارۂ سنن و استحباب مسواک کا سنّت ہونا ہی اصح و اظہر ہے۔ اور یہی مزیّن بدلیل ہے جیسا کہ مسلم شریف میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے....

عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انّہ تسوک وتوضاء ثمّ قام فصلّی۔ (مسلم)	کہ حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسواک فرمایا اور وضو کیا۔ پھر اٹھے اور نماز ادا فرمائی۔ (مسلم)

الفاظِ حدیث کی ترتیب سے ظاہر ہوا کہ ہر عمل کا وقت جداگانہ ہے۔ جس طرح نماز اور وضو مستقل اور علیحدہ علیحدہ فعل ہیں اور دونوں کا وقت جداگانہ ہے۔ اسی طرح وضو اور مسواک دو مستقل اور علیحدہ علیحدہ فعل ہیں اور ان دونوں کا وقت بھی جداگانہ ہے۔ پس جس طرح وضو سے پہلے نماز نہیں اسی طرح مسواک سے پہلے وضو نہیں

بلکہ ترتیب کے لحاظ سے پہلے مسواک پھر وضو پھر قیام پھر ابتداء نماز۔ اور اسی ترتیب کی تائید امّ المؤمنین سیدہ طیبہ طاہرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔ فرماتی ہیں۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ سَلَّم	کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کَانَ لَا یَرْقُدُ مِنْ لَیْلٍ وَّلَا نَھَارٍ	رات و دن میں جس وقت بھی بیدار ہوتے
فَیَسْتَیْقِظُ اِلَّا تَسَوَّکَ قَبْلَ اَنْ	تو وضو سے پہلے مسواک ضرور فرماتے
یَتَوَضَّأَ (ابوداؤد)	(ابوداؤد)

ان دونوں حدیثوں کی روشنی میں مسواک کا سنّت ہونا اور اس کا وقت قبل وضو ہونا ظاہر ہوا اور یہی ہمارے ائمہ اعلام، کثیر فقہائے کرام اور صاحبِ فتاویٰ علماء عظام کے ارشادات و احکام ہیں۔

مسواک کو پہلے اچھی طرح دھولے پھر داہنے ہاتھ سے اس طرح پکڑے کہ چھنگلی (سب سے چھوٹی انگلی) مسواک کے نیچے اور تینوں بڑی انگلیاں مسواک کے اوپر اور انگوٹھا مسواک کی کروٹ پر اپنی جانب ہو۔

پھر اوپر کے دانتوں کو پہلے داہنی جانب پھر بائیں جانب تین تین بار تین پانی سے مانجے۔ اور اس کے بعد نیچے کے دانتوں کو دائیں بائیں تین تین بار نئے پانی سے مانجے۔ پھر مسواک کو دھوکر محفوظ جگہ رکھ دے۔ اس طریقہ کو فقہاء کرام نے اپنی اپنی کتابوں میں تحریر فرمایا ہے۔ درّمختار میں ہے۔

اقلّه ثلاث فی الاعالی و ثلث	کم از کم تین مرتبہ اوپر کے دانتوں میں اور تین
فی الاسافل بمیاہ ثلٰثۃ اھ	مرتبہ نیچے کے دانتوں میں تین پانی سے مسواک کرے

اور منیۃ المصلی کی شرح صغیری میں ہے

یغسله عند الاستیاك و	مسواک کرنے سے پہلے اور مسواک سے فارغ
عند الفراغ منه	ہونے کے بعد مسواک کو دھوڈالے۔

یہ ثابت ہوچکا ہے کہ مسواک کرنا وضو کی سنّتِ قبلیہ ہے لہٰذا مغربی یا

سعودی حضرات کا جماعت کے قیام کے وقت مسجد میں مسواک کرنا ہمارے نزدیک غیر مشروع اور نظافتِ مسجد کے خلاف ہے۔ بلکہ بعض ائمہ مالکیہ کے نزدیک بھی ایسا کرنا مکروہ اور آدابِ مسجد کے خلاف ہے۔ کما فی العینی

وعند بعض المالکیۃ کراھتہ فی المسجد لاستقذارہ والمسجد یُنزّہ ۔ (باب المسواک یوم الجمعہ)	اور بعض مالکیہ کے نزدیک مسجد میں مسواک کرنا مکروہ ہے اس میں مسجد کے آلودہ ہونے کا امکان ہے حالانکہ مسجد کی نظافت و پاکیزگی کا حکم ہے۔

دراصل بات یہ ہے کہ بعض روایاتِ حدیث میں مسواک کا " عند کُلّ وضوءٍ " ہونا مامور و مشروع ہے اور بعض روایت میں " عِندَ کلّ صلوٰۃٍ یا مَعَ کُلِّ صَلوٰۃٍ " ہے اسی لئے امام مذہب حضرت سیدنا امام ادریس شافعی اور بعض ائمہ مالکیہ کے نزدیک مسواک کرنا نماز کی سنّت ہے غالباً اسی نظریہ کے مطابق مغربی حضرات نماز کے وقت مسواک کرتے ہوں گے لہٰذا اُن پر اعتراض کی ضرورت نہیں ہے۔ حالانکہ ان دونوں مختلف روایتوں میں فقہائے اسلام نے نہایت عمدہ تطبیق دی ہے۔ چنانچہ حضرت سیدنا علامۃ الفہامہ ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں۔

فَاِنْ قُلتَ کَیفَ التوفیق بَینَ روایۃِ عند کلِّ وضوءٍ وروایۃ عِند کلِّ صلوٰۃٍ قلتُ السّواکُ الوَاقعُ عِندَ الوضوءِ واقعٌ الصّلاۃ لاَنّ الوضوءَ شرع لھا (عمدۃ القاری مطبوعہ مصر)	اگر یہ کہا جائے کہ عند کل وضوء اور عند کل صلوٰۃ کی روایتوں میں تطبیق کی صورت کیا ہوگی؟ تو میں جواباً کہوں گا کہ وضو کے وقت مسواک کرنا فی الواقع نماز ہی کے لئے ہے کیونکہ وضو نماز ہی کے لئے مشروع ہے۔ (عمدۃ القاری شرح بخاری مطبوعہ مصر)

مسواک کرنے میں اس کا بھی خیال رکھنا چاہئے کہ مسواک دانتوں کی چوڑائی میں ہو لمبائی میں نہیں، جیسا کہ کتب فقہیہ میں اس کی وضاحت موجود ہے " یستاک عرضاً لا طولاً " .... آجکل عام لوگوں نے مسواک کی بجائے ٹوتھ برش استعمال

کرنا شروع کر دیا ہے، جس سے مسواک کی فضیلت تو حاصل نہیں ہوتی البتہ قائم مقام ہونے کی وجہ سے سنّت ادا ہو جائے گی۔ لہٰذا اس کا استعمال بھی اسی طرح کرے جیسے مسواک کیا جاتا ہے۔ توتھ برش سے متعلق یہ تحقیق بھی کر لینی چاہئے کہ وہ کسی حرام جانور یا حلال جانور مگر غیر مذبوح کے بالوں سے تو نہیں بنا ہے۔ اسی طرح یہ تحقیق بھی ضروری ہے کہ برش کے ذریعہ جو توتھ پیسٹ استعمال ہوتا ہے اس میں کوئی ناپاک و حرام سیال مادّہ تو نہیں ملا ہوا ہے۔ واللہ سبحانہٗ اعلم

کتبہ عبد الواحد قادری غفرلہٗ نوری مسجد آمسٹرڈم ہالینڈ۔

کن کن صورتوں میں وضو مستحب ہے

مسئلہ ۸۱۵: خواجہ انور حسین بنگالی ایندھوفن
۹-۱۰-۱۴۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میں ایک ایسے دفتر میں کام کرتا ہوں جس میں مرد و عورت، بوڑھے، بوڑھیاں، بچے بچیاں (بالغ نابالغ) سب ہی کام کرتے ہیں۔ میں بحمدہٖ تعالیٰ دفتر کے اوقات میں بھی باوضو رہتا ہوں لیکن یہاں بعض عورتیں ایسا لباس پہنتی ہیں کہ گویا نیم عریاں رہتی ہیں اور یہ ان کی تہذیب میں کوئی بُری بات نہیں ہے۔ لہٰذا کبھی کبھی ان کی پنڈلیوں پر نظر پڑ جاتی ہے یا اُن کے عریاں بالوں، چہروں، ہنسلیوں، یا سینے کے بالائی حصّہ پر بغیر عزم و ارادہ کے نظر پڑ جاتی ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ان کے ہاتھوں سے کوئی کاغذ، فائل، اور چائے وغیرہ لینے میں میری انگلیاں انکی انگلیوں سے چھو جاتی ہیں۔ ان سب صورت حال میں میرا وضو رہتا ہے یا ختم ہو جاتا ہے۔ پھر اگر وضو نہیں جاتا ہے تو نماز کے وقت تازہ وضو کر لینا چاہئے یا اسکی ضرورت نہیں ہے؟ امید کہ مذکورہ تمام پہلوؤں کو ذہن میں رکھتے ہوئے تفصیلی جواب سے نوازش کریں گا موقع دیں گے۔

آپ کا دیرینہ خادم
انور حسین بنگالی

۹۲/۸۶ **الجواب ـــ ھوالھادی الی الصواب**

آپ جیسے محتاط مسلمانوں کو ایسے دفاتر میں ملازمت ہی نہیں کرنی چاہئے جہاں دامنِ تقویٰ و طہارت پارہ پارہ ہوتا ہو اور فکر و نظر کی پاکیزگی کا خون ہوتا ہو۔ لیکن جہاں آدمی حکومتی آئین کے ہاتھوں مجبور ہو اور ایسے غیر شرعی دفاتر میں ملازمت کے سوا چارۂ کار بھی نہ ہو تو ان دفتروں میں کامل احتیاط کے ساتھ وقت گزارنے کی ضرورت ہے تاکہ فکر و نظر اور دست و پا کو کوئی شیطانی کھیل کھیلنے کا موقع نہ ملے۔

صورتِ مسئولہ میں عندالاحناف وضو تو نہیں جاتا لیکن تازہ وضو کرلینا مستحب ہے۔ یہ بات فقہاءِ احناف کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ اپنا یا غیر کی ستر عورت دیکھنے بلکہ خاص شرمگاہ دیکھنے اور چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ عالمگیریہ "فصل نواقض الوضوء" میں ہے۔

مس ذکرہ او ذکر غیرہ لیس بحدث عند ناکذا فی الزاد	کسی نے اپنی شرمگاہ یا دوسرے کی شرمگاہ کو چھوا تو ہم حنفیوں کے نزدیک یہ ناقضِ وضو نہیں ہے۔

ایسے موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وضوءِ مستحب و مندوب کے کچھ اسباب کی وضاحت کردی جائے تاکہ محتاط حضرات اس سے فائدہ اٹھا سکیں..... حضرات فقہاءِ کرام کی وسعتِ نگاہ میں تیس[۳۰] سے زائد ایسے مواقع ہیں جہاں وضو مندوب و مستحب ہے۔ جیسا کہ درمختار کتاب الطہارت میں ہے۔

الوضوءُ مندوبٌ فی نیف ثلثین موضعاً ذکرتھا فی الخزائن	تیس[۳۰] سے کچھ زائد مقامات پر وضو کرنا مستحب ہے جس کو میں نے خزائن میں ذکر کیا ہے۔

اگر ان تمام مقامات کو سمیٹا جائے تو بالاختصار یہ کہا جاسکتا ہے کہ مستحب وضو کے اسباب یہ ہیں۔

۱؎ جس بات سے امام مذہب کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے اگرچہ ہمارے امام کے نزدیک نہیں ٹوٹتا ہو، اگر وہ بات واقع ہو جائے تو وضو کرنا مستحب ہے مثلاً اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد۔ یا شرمگاہ کو چھونے کے بعد یا کسی عورت و مرد کو بے شہوت چھونے کے بعد۔

ردّ المحتار (فتاویٰ شامی)، کتاب الطہارت میں ہے۔

وللخروج من خلاف العلماء	اور علماء کے اختلاف سے بچنے کے لئے (وضو کرنا
کمسّ ذکرہ وامرأۃ	مستحب ہے)، مثلاً اپنی شرمگاہ اور کسی عورت کو چھونے کے بعد

ردّ المحتار کے متن دُرِّ مختار میں ہے

واکل جزورو بعد کل خطیئۃ	اونٹ کا گوشت کھانے اور کوئی بھی گناہ کے بعد
وللخروج من خلاف العلماء	نیز اختلاف علماء سے بچنے کے لئے وضو کرنا مستحب ہے

۲؎ جھوٹ بولنے۔ ۳؎ گالی بکنے، ۴؎ غیبت کرنے، ۵؎ چغلخوری کرنے، ۶؎ اور غصہ ہونے کے بعد اگرچہ وضو نہیں جاتا مگر ان برائیوں کے واقع ہونے کے بعد وضو مستحب ہے۔ کتاب الانوار للشافعی میں ہے

لاینتقض بالکذبِ والشتمِ	جھوٹ، گالی، غیبت، چغلخوری اور غصہ
والغِیبۃِ والنّمیمۃِ والغضبِ	کرنے سے وضو نہیں ٹوٹتا اور ان میں سے ہر ایک کے
ویستحبُّ فی الکلِّ للخلافۃِ۔	وقوع کے بعد وضو مستحب ہے کیونکہ ان امور میں اختلافِ علماء ہے

۷؎ بے شہوت و لذّت کسی نامحرم عورت کے حصہ بدن سے اپنا کوئی حصۂ بدن کا چھو جانا۔ ۸؎ شہوت و لذّت کے ساتھ کسی نامحرم عورت کے جسم کے کسی حصہ کو چھونا اگرچہ اسکے جسم پر موٹا کپڑا ہو خواہ کمبل یا لحاف ہی کیوں نہ ہو۔ ۹؎ محرمات مگر مشتہات عورتوں کو چھونے سے اگر اتفاقاً لذت کا احساس ہونے لگے خواہ وہ محرمات بہن یا بیٹی ہی کیوں نہ ہو، ۱۰؎ کسی عورت کی ذاتی خوبی یا حسن کی طرف بغور دیکھنے سے، ۱۱؎ اپنی ہتھیلی یا انگلی کے پیٹ سے اپنا ذکر و دُبر یا فرج و دُبر بے حائل چھونا، ۱۲؎ کسی چھوٹے بچے یا مُردے کے ذکر و فرج و دُبر کو بے حائل اپنی ہتھیلی

یا انگلیوں کے پیٹ سے چھونا، ۱۲ ہاتھ (سر ناخن سے کہنیوں تک) کا کوئی حصّہ بلا حائل اپنے ذکر کو چھو جانا، مذکورہ تمام صورتوں میں ائمہ شافعیہ کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ لہٰذا اختلافِ ائمہ سے بچنے کے لئے ہمارے نزدیک وضو کرنا مستحب ہے۔

کتابُ الانوار (للشافعی) میں ہے۔

اسبابُ الحدثِ اربعۃ۔ الرابع مسّ فرجِ آدمیّ بالراحۃ او بطن اصبع قُبلاً کان او دُبراً ناسیاً او عامداً من ذکرٍ او انثی صغیرٍ او کبیرٍ حیٍّ او میتٍ من نفسہ او غیرہ۔ الخ	نواقضِ وضو چار ہیں، چوتھا سبب یہ ہے کہ شرمگاہ کو ہتھیلی یا انگلی کے پیٹ سے چھونا وہ شرمگاہ قُبل ہو یا دُبر، بھول کر ہو یا جان بوجھ کر، مرد کی ہو یا عورت کی۔ بڑے کی ہو یا چھوٹے کی، زندہ کی ہو یا مُردہ کی۔ اپنی ہو یا غیر کی۔

اور علامۃ الفہامہ ابن عابدین شامی ردّ المحتار میں فرماتے ہیں۔

منہا الغضب ونظر المحاسن امرأۃ......اھ	جن اسباب کی وجہ سے وضو کرنا مستحب ہے ان میں سے غضب اور عورت کے محاسن کی طرف دیکھنا ہے

۱۴ خارجِ نماز قہقہہ مار کر ہنسنا، ۱۵ مقعد (چوتڑوں) کو زمین سے یا کسی دیگر چیز سے لگا کر عدمِ غفلت کے ساتھ سوجانا (ایسی نیند جس سے غفلت طاری ہوجائے یا وجع مفاصل ہو تو عند الاحناف بھی ناقضِ وضو ہے) ۱۶ بغل کو کھجلانے سے جبکہ اس میں بدبو ہو، ۱۷،۱۸ کسی برص والے یا جذام والے کے جسم سے جسم کا چھو جانا، ۱۹ کسی کافر کے بدن سے بدن کا مس ہوجانا، ۲۰ صلیب یا زنار کو چھونا یہ سب وہ امور ہیں جو بعض ائمہ کے نزدیک ناقضِ وضو ہیں لہٰذا ہمارے نزدیک ان امور کے واقع ہونے پر وضو کرنا مستحب ہوگا۔

حضرت سیدنا امام شعرانی علیہ الرحمہ "میزان الکبریٰ" میں فرماتے ہیں۔

سمعتُ سیدی علیّاً الخواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یقول وجہ	میں نے حضرت سیدی علی خواص علیہ الرحمہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ قہقہہ یا وہ نیند جس میں

مِنْ نقضِ الطّہارۃِ بالقَہقَہۃِ اونومِ المُمکنِ مَقعَدہٗ او مَسّ ابطٍ فیہِ صَنانٌ اَوْ مَسّ ابرَص اواجذم اوکافرٍ او صلیبٍ اوغیرِ ذٰلکَ مِمّاوردَتِ الاَخبار

چوتڑ زمین سے لگی ہو۔ اور بغل کا کھجانا جبکہ وہ بدبودار ہو یا کسی برصی، جذامی، کافر اور صلیب وغیرہ کے چھو جانے سے وضو جاتا رہتا ہے، اسی طرح ہر اس چیز کے چھونے سے بھی وضو ٹوٹ جائے گا جس کے چھونے کی ممانعت احادیث کریمہ میں وارد ہے۔

یہیں سے یہ بھی روشن ہوا کہ ہر وہ بد مذہب و بدعقیدہ جس کے عقائد حدِ کفر تک پہنچے ہوئے ہوں، اگرچہ وہ سب زبانی کلمہ پڑھتے ہوں اور نمازوں کی طرح اٹھک بیٹھک بھی کرتے ہوں، روزہ داروں کی طرح صبح سے شام تک بھوکے پیاسے بھی رہتے ہوں، گویا ہر طرح دعوئ اسلام کرتے ہوں۔ اگر کوئی مسلمان ان سے چھو جائے یا لاعلمی میں ان سے ہاتھ ملالے تو اُسے بھی وضو کرنا مستحب ہے کیونکہ کافرِ اصلی سے بدتر اور اشد تر حکم کافر مرتد کا ہے۔ اَلعِیَاذُ بِاللّٰہِ تَعَالیٰ

۲۱ دنیاوی اشعار پڑھنے یا دنیاوی شعر گوئی کے بعد یعنی کوئی نظم و غزل پڑھنا یا کہنا۔ اس حکم سے وہ اشعار خارج ہیں جو اللہ تعالیٰ کی حمد، نعت سرورِ کائنات اور منقبت بزرگانِ دین پر مشتمل ہوں۔ ۲۲ کوئی فحش بات کہنے کے بعد۔ حافظ الدلائل الشرعیۃ امام احمد رضا علیہ الرحمہ اپنے فتاویٰ جلد اوّل میں فرماتے ہیں وَاَلحَقتُ الفَحشَ کہ میں نے مستحب وضو میں فحش کا بھی اضافہ کیا ہے، لِاَنَّہٗ اَخنَا مِنَ الشِّعرِ، کیونکہ یہ دنیاوی شعر گوئی سے بھی زیادہ بے حیائی کی بات ہے۔ ۲۳ اہل کتاب خواہ یہودی ہو یا نصرانی پھر مرد ہو یا عورت کو چھونے کے بعد۔ فتح المعین میں ہے۔

یندبُ الوضوءِ مِنْ لمسِ یہودی: جو کسی یہودی کو چھوئے اسکے لئے وضو کرنا مستحب ہے۔

۲۴ ایسی لڑکی جس کی عمر سات سال سے زائد ہو اس کو چھونے سے بھی وضو کرنا مستحب ہے اگرچہ شہوت و لذت محسوس نہ ہو، کیونکہ شوافع کے نزدیک ایسی صورت

میں بھی وضو جاتا رہتا ہے۔　　انوار الائمہ شافعیہ میں ہے۔

وَاِذَا كَانَتِ الْمَرْأَةُ فَوْقَ سَبْعِ سِنِيْنَ　　اگر عورت سات سال سے زائد کی ہو تو
فَلَا شَكَّ فِي اِنْتِقَاضِ الْوَضُوْءِ　　اس کے چھونے سے وضو کے ٹوٹ جانے
بِلَمْسِهَا　الخ　　میں کوئی شک نہیں۔

۲۵ تا ۲۶ تا ۲۷ اپنی بیوی، اپنی باندی، کسی مردار، اور بہت بوڑھی عورت کے چھونے کے بعد بھی وضو کرنا مستحب ہے۔ اسلئے کہ ان صورتوں میں ائمہ شافعیہ کے نزدیک وضو جاتا رہتا ہے۔

انوار ائمہ شافعیہ ہی میں ہے۔

ولومسّ امرأته او امته او　　اور اگر اپنی بیوی، اپنی لونڈی، کسی مردار، یا
ميتة او عجوزة فانية او　　کسی بہت بوڑھی عورت کو چھوا خواہ بغیر شہوت
بلاشهوة او بلاقصد انتقض　　و قصد کے چھوا ہو تو بھی وضو جاتا رہتا ہے۔

۲۸ تا ۲۹، بیوی اور خادمہ کو چھونے کے بعد ہی وضو پر وضو مستحب نہیں بلکہ اتفاقاً بھی اگر ان کے جسم سے جسم یا انگلی سے انگلی چھو جائے تو وضو مستحب ہے اور یورپ میں اس کا وقوع خصوصاً ہوتا رہتا ہے۔ مثلاً وضو کرنے میں مزید پانی کی ضرورت ہوئی یا تولیہ وغیرہ کی ضرورت پیش آئی، تو بیوی یا خادمہ اس کو انجام دیتی ہیں اور ایسی صورت میں عموماً ان کی انگلیوں سے انگلیاں مس ہو جاتی ہیں لہٰذا محتاط حضرات کو کمال احتیاط چاہئے۔

۳۰ تا ۳۱ اس سے پہلے سات نمبر میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ اگر کسی نامحرم عورت سے اپنا حصۂ بدن مَس ہو جائے تو اگرچہ وضو ہے لیکن پھر بھی وضو کرنا مستحب ہے۔ دراصل یہی آپکے سوال کا جواب ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر اتفاقاً اس کی انگلی یا سر ناخن سے آپ کی انگلی چھو جائے یا اس کے بال اس کے شانوں سے ڈھلک کر آپکے جسم کے کسی حصّہ کو لگ جائے تو وضو کرنا مستحب ہے کیونکہ مالکیہ کے نزدیک نامحرم کے صرف ناخن یا بال چھو جانے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ چنانچہ

ان کی کتاب "جواہرِ زکیہ" میں ہے۔

(یَنتقض الوَضوء بِلَمسِ) اجنبیۃ (وضو ٹوٹ جائے گا مطلقاً چھونے سے) اجنبیہ
یتلذ بمثلہا عادتًا ولو ظفرھا کے کیونکہ اس جیسی سے عادتاً لذت حاصل کی جا سکتی
أو شعرھا الخ ہے خواہ اس کے ناخن چھو جائیں یا بال۔

اس کے علاوہ کبھی بعض ایسے مواقع ہیں جہاں وضو مندوب و مستحب ہے۔ مثلاً ہر وقت باوضو رہنا۔ جب بھی حدث واقع ہو فوراً وضو کر لینا، جنبی کے لئے کچھ کھانے پینے سے پہلے وضو کرنا۔ کما فی ردّ المحتار "وضوء الجنب لھٰذہ الاشیاء مستحب"

واللہ سبحانہٗ اعلم ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ نوری مسجد آسٹرڈم۔ ہالینڈ

جنازہ کے وضو سے دوسری نمازوں کا حکم

مسئلہ ۸۱۶: حاجی علی حسین۔ سی لانڈ۔ نیدرلینڈ ۱۴۰۶ھ-۹-۲۲

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ جس وضو سے جنازہ کی نماز پڑھی گئی ہو یعنی وہ وضو جنازہ ہی کے لئے کیا گیا ہو۔ کیا اس وضو سے پنجگانہ نمازیں پڑھی جا سکتی ہیں؟ حاجی رستم، علی حسین۔

الجواب ۸۶/۹۲

نمازِ جنازہ خداوند کریم کی حمد و ثنا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود و سلام اور میت کے لئے دعاء مغفرت ہے۔ پھر اس میں قیام و تکبیراتِ الٰہیہ ہوتی ہیں۔ ان میں سے کوئی چیز ایسی نہیں جو وضو کو توڑنے والی ہو۔ پھر نہ معلوم کیوں عوام میں یہ بات مشہور ہو گئی ہے کہ جنازہ کے وضو سے تلاوتِ قرآن پاک یا دوسری نمازیں ادا نہیں کر سکتے؟ حالانکہ ائمہ مذاہب میں سے کسی نے یا ان کے علاوہ کسی دوسرے امام و فقیہ نے نمازِ جنازہ کو حدث قرار نہیں دیا جس سے

وضو باطل ہوجاتا ہو اور جب وضو باطل نہیں ہوا تو اس حالت میں قرآن مجید کا چھونا اس کا پڑھنا، سجدہ کرنا، دوسری نمازوں کا پڑھنا، طواف وسعی کرنا سب ہی جائز و درست ہے۔ حضرت سیدنا نافع امام التابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ جنازہ کی نماز پڑھتے تھے اور وضو کا اعادہ نہیں کرتے تھے۔ یعنی جس وضو سے نمازِ جنازہ پڑھتے اسی سے دوسری نمازیں بھی پڑھتے تھے۔

سنن بیہقی شریف ص۳۰۶ ج۱ میں ہے۔

ولنصلّی علیه ولا نعید الوضوء　　ہم نماز جنازہ پڑھتے اور وضو نہیں لوٹاتے تھے۔

پس وضو اگرچہ نماز جنازہ ہی ادا کرنے کی نیت سے کیا گیا ہو اس وضو سے دوسری نمازیں پڑھ سکتے ہیں۔ نیز اسی بیہقی شریف میں حضرت سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نماز جنازہ چونکہ نماز ہے تو دوسری نمازوں کے لئے وضو کی ضرورت نہیں۔

قال انما کنّا فی صلوٰۃ (الجنازۃ) و رجعنا الی صلوٰۃ (اخریٰ) فلا وضوء	انہوں نے فرمایا کہ ہم لوگ نماز جنازہ میں ہوتے اور بغیر وضو کے دوسری نمازوں کی طرف لوٹ جاتے۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ نوری مسجد آمسٹرڈم ہالینڈ

نمازہ جنازہ کے تیمّم سے فرض نمازیں

مسئلہ ۸۱۷: ریاست علی، کیراٴف پاک محمدی مسجد فرینکفورٹ ۲۲-۵-۱۹۸۹ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے صرف نمازِ جنازہ کے لئے عذر کی حالت میں تیمّم کیا اور اس تیمّم سے نماز جنازہ پڑھی۔ اب زید اسی تیمّم سے دوسری فرض و سنّت نمازیں پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب ۸۶/۹۲

جی ہاں جس وضو یا تیمّم سے نماز جنازہ جائز و درست ہے (تیمّم کی صورت

میں اگر وہی عذر ابھی بھی باقی ہے تو دیگر نمازیں خواہ فرض ہو یا واجب یا سنّت ونفل سب جائز و درست ہے۔

ہم نے اب تک کسی کتاب میں یہ نہیں پڑھا کہ نمازِ جنازہ ناقضِ وضو، یا ناقضِ تیمّم ہے۔ بلکہ کتبِ فتاویٰ میں یہ تصریح موجود ہے کہ اگر تیمّم صرف نمازِ جنازہ کے لئے کیا جب بھی اس تیمّم سے دوسری فرض و واجب نمازیں پڑھ سکتے ہیں۔

فتاویٰ عالمگیری ص۱۲ میں ہے

لَوْ تَیَمَّمَ لِصَلٰوۃِ الْجَنَازَۃِ اَوْ لِسَجْدَۃِ التِّلَاوَۃِ اَجْزَأَ اَنْ یُّصَلِّیَ بِهِ الْمَكْتُوْبَةَ بِلَا خِلَافٍ كَذَا فِی الْمُحِیْطِ	کسی نے صرف نمازِ جنازہ یا سجدۂ تلاوت کے لئے تیمم کیا تو اس تیمّم سے فرض نمازیں بلا اختلاف جائز ہیں۔ جیسا کہ محیط میں بھی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ۔ خادم الافتاء جامعہ مدینۃ الاسلام

ٹیوویل سے وضو کرنے میں بچا ہوا پانی کیسے پیئے

مسئلہ ۸۱۸ ۱۹۸۶-۱-۳: حاجی عبد الجبار گمان آمسٹرڈم وویسٹ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینا مستحب ہے لیکن آجکل برتنوں اور بدھنوں کے ذریعہ وضو کرنے کا رواج تقریباً ختم ہوتا جارہا ہے ممکن ہے گاؤں وغیرہ میں اب تک اس کا چلن ہو مگر شہروں میں یہاں تک کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں اسکی جگہ پر ٹیوویل، پمپینگ سیٹ اور نلکی وغیرہ کے ذریعہ وضو و غسل کرنے کا رواج بڑھتا جارہا ہے جہاں وضو کے بعد پانی کے بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے تو ایسی صورت میں وضو کرنے والا وضو کا بچا ہوا پانی (فضلِ وضو) کیسے استعمال کرے گا اور استحباب کا ثواب کیسے پائے گا؟

جواب کا منتظر ایم اے جبار گمان بلاسیس سٹراٹ 83 C آمسٹرڈم

الجواب ۸۶/۹۲ ھو الھادی الی الصواب

اسلام کے دامن میں بڑی وسعت ہے ٹیوویل کے ذریعہ بھی وضو کرنیوالا

مندوب و مستحب کے ثواب سے محروم نہیں کیا جاسکتا صرف احتیاط اور دلجمعی کے ساتھ وضو کرنے کی ضرورت ہے۔

یہ مانا کہ نلوں کے ذریعہ وضو کرنے کے بعد اس میں بچا ہوا پانی اتنا کم نہیں ہوتا کہ متوضی اسے پی کر ختم کردے لیکن بہرحال اسمیں پانی تو ہوتا ہے جسے ذرا ایک چلو لیکر بیٹھ کر یا کھڑے ہوکر وضو کرنے والا پی سکتا ہے۔ اور حصول ثواب کے لئے اسی قدر کافی ہے۔ چھوٹے برتن میں وضو کے بچے ہوئے پانی کو تین سانسوں میں پی لینے کا استحبابی حکم اسلئے ہے کہ مبادا اس پانی کی حرمت پامال نہ ہو اور لوگ دوسرے کام میں استعمال نہ کرلیں۔ ورنہ فضل وضوء سے دو ایک گھونٹ پی لینے سے متوضی مستحب کا ثواب حاصل کرلیتا ہے خواہ کھڑے ہوکر پیئے یا بیٹھ کر ہاں کھڑے ہوکر پینا اسکے احترام واقعی کے حسب حال ہے لیکن بیٹھ کر پی لینے میں بھی کوئی گناہ یا حرج نہیں۔ خلاصۃ الفتاویٰ فصل الثالث فی الوضوء ص۲۵ میں ہے۔

وَاَمَّا آدَابُ الْوُضُوءِ فِی الْاَصْلِ مِنَ الْاَدَبِ اَنْ لَّا یُسْرِفَ فِی الْمَاءِ وَلَا یَقْتُرَ وَ یَشْرَبَ فَضْلَ وَضُوْئِهٖ اَوْ بَعْضَهٗ قَائِمًا اَوْ قَاعِدًا۔

بہرحال وضو کے مستحبات میں سے یہ بھی مستحب ہے کہ پانی کے استعمال میں زیادتی اور کمی نہ کرے اور اپنے وضو کا بچا ہوا پانی یا اس کا بعض حصہ کھڑے ہوکر یا بیٹھ کر پیئے۔

واللہ تعالےٰ اعلم

کتبہ عبد الواحد قادری نوری مسجد آمسٹرڈم ہالینڈ

وضو پر وضو کرنا

مسئلہ۸۱۹: حاجی اصغر علی کمپرینگ آمسٹرڈم۔ ۸-۸-۱۹۸۶ء

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام درمیان اس مسئلہ کے کہ وضو ہوتے کے باوجود وضو کرنا شرعاً جائز ہے یا اسراف میں داخل ہے؟ جواب باصواب سے نوازنے کی زحمت کریں۔

۸۶/۹۲ الجواب بعون المجیب الوھاب

اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ وضو اگرچہ بالذات عبادتِ مقصودہ نہیں، پھر بھی ہر وقت باوضو رہنا اور حدث واقع ہونے پر معًا وضو کرلینا مستحبات سے ہے جس کی عظیم ترین فضیلتیں عارفین علیہم الرحمۃ سے منقول ہیں۔ اور وضو پر وضو کرنے کو احادیث کریمہ میں نُورٌ علیٰ نور فرمایا گیا ہے۔ جو اس کے مستحب ہونے پر واضح دلیل ہے امام غزالی نے احیاء العلوم بابُ فضیلۃ الوضوء، ص۱۳۵ میں بحوالہ رزّین یہ حدیث پاک نقل فرمایا۔

الوضوءعلی الوضوء نور　؛　وضو ہونے کے باوجود وضوء کرنا نور ہے۔

پھر ابوداؤد اور ترمذی شریفین میں حضرت سیّدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشادِ گرامی فرمایا۔

مَنْ توضأ علی طھرٍ کُتِبَ لہ عشر حسنات　جو وضو ہونے کے باوجود وضو کرے اسکے لئے دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔

فقہ کی بعض کتابوں میں وضو علی الوضو کو مکروہ کہا۔ لیکن اس مکروہ سے مراد کراہت تنزیہی ہے۔ اور کراہت تنزیہی اولیٰ کے منافی ہوتی ہے۔ مندوب ومستحسن کے نہیں۔ لہٰذا فتاویٰ رضویہ میں ہے۔

اَلنّدبُ لاینافِی الْکَراھَۃَ فَلَایَبعُدُ اَنْ یَکُوْنَ مَنْدُوبًا لِمَافِیہِ مِنَ الْفَضِیلَۃِ۔۔۔۔　مندوب منافی کراہت نہیں۔ لہٰذا یہ بعید نہیں ہے کہ یہ (وضو پر وضو کرنا) فی نفسہٖ مندوب ہو کیونکہ اس میں فضیلت ہے۔

قَالَ فِی الحِلیَۃِ النّفلُ لَایُنافِی عَدمِ الاولَوِیّۃِ۔　حلیہ میں فرمایا کہ نفل عدم اولویت کے خلاف نہیں ہے۔

لہٰذا وضو علی الوضو بعض قولِ کراہت کے باوجود مندوب ومستحسن ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم　کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء، والتبلیغ ورلڈ اسلامک مشن بالینڈ

اگر محسوس ہو کہ ریح خارج ہو گئی ہے

مسئلہ ۸۲۰: نور احمد علی نیمیخن نیدرلینڈ ۱۴-۱۲-۱۹۸۵ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وضو کے بعد کبھی نماز میں داخل ہونے سے پہلے اور کبھی نماز میں داخل ہونے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ریح (ہوا) خارج ہو گئی، لیکن نہ تو اسکی بدبو آئی اور نہ ہی آواز سنائی دی۔ کیا ایسی صورت میں پھر سے وضو کرنا چاہیے؟ یا اسی وضو سے نماز پڑھ لے؟

الجواب ۷۸۶/۹۲

یہ سب شیطانی وسوسے ہیں جو قابلِ توجہ نہیں۔ حدیث پاک میں آیا کہ ایک شیطان جس کا نام دَلْھَان ہے وہ وضو کرنے والوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا رہتا ہے۔ پس جس پر اس کا وسوسہ کارگر ہو گیا وہ اسکے پیچھے پڑ جاتا ہے اور طرح طرح کے خیالاتِ فاسدہ میں مبتلا کر کے اسے بہکاتا ہے۔ اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ تَعَالٰی مِنْ دَلْھَانَ وَوَسْوَسَۃِ الشَّیْطَانِ۔

حدیث پاک میں ارشاد ہوا

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَاْتِیْ اَحَدَکُمُ الشَّیْطَانُ فِی الصَّلٰوۃِ فَیَنْفُخُ فِیْ مَقْعَدَتِہٖ فَیُخَیَّلُ اَنَّہٗ اَحْدَثَ وَلَمْ یُحْدِثْ فَاِذَا وَجَدَ ذٰلِکَ فَلَا یَنْصَرِفُ حَتّٰی یَسْمَعَ صَوْتًا اَوْ یَجِدَ رِیْحًا	حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً روایت ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھتا ہے تو شیطان آتا ہے اور اس کے مقعد میں پھونک مارتا ہے جس سے اس کو خیال ابھرتا ہے کہ وہ بے وضو ہو گیا، حالانکہ وہ بے وضو نہیں ہوا تم میں سے جو کبھی اس صورت حال سے دوچار ہو وہ نماز نہ توڑے جب تک آواز نہ سنے یا بدبو محسوس نہ کرے۔ (کشف الاستار رواہ الطبرانی)

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں شخصِ مذکور کا وضو باقی ہے دوبارہ وضو کی ضرورت

نہیں۔ وہ جتنی نمازیں چاہے اسی وضو سے پڑھ سکتا ہے۔ اگر یہ وسوسے اسے برابر آتے ہوں تو اوپر لکھی گئی دعا (العیاذ الخ) کثرت سے پڑھے۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ، نوری دارالافتاء، نوری مسجد ہالینڈ

وضو کا پانی گناہوں کو دھو دیتا ہے

مسئلہ ۸۲۱ نورالحسن عباسی، پاک محمدی مسجد فرانکفورٹ، جرمنی ۳-۱-۱۹۸۸ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس باب میں کہ وضو کا پانی مُحدِث کو تو ظاہری پاکیزگی وطہارت عطا کرتا ہی ہے لیکن بعض علمائے سے یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ وہ گناہِ صغیرہ وکبیرہ کو بھی دھو ڈالتا ہے یعنی وضو کا پانی متوضی کو ظاہری وباطنی دونوں طور پر پاک وصاف کر ڈالتا ہے۔ کیا یہ بات شریعتِ طاہرہ سے بھی ثابت ہے یا صرف ترغیب وضو کی حکایتیں ہیں؟ جواب کا شدت سے انتظار رہے گا۔ عباسی

الجواب ۸۶/۹۲ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

بیشک جو کچھ آپ نے سنا اور علماء کرام نے بیان فرمایا وہ مشہور ومعروف احادیث کریمہ سے ثابت اور اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال ومشاہدات سے واضح ہے۔ بعض کتب احادیث نے "خروج الخطا مع ماء الوضوء" کا مستقل باب باندھا اور اس میں احادیثِ مشہورہ معروفہ کو نقل کیا۔

حضرت سیدنا امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی صحیح مسلم شریف میں اس باب کی رعایت سے حضرت سیدنا عثمان ابن عفان اور حضرت سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوع حدیثیں روایت کیں، جس کی عباراتِ متن علی الترتیب یہ ہیں۔

مَنْ تَوَضَّأَ، فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ خَرَجَتْ خَطَايَاهُ مِنْ جَسَدِهٖ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ أَظْفَارِهٖ	جس متوضی نے اچھی طرح وضو کیا اس کے جسم کے گناہ نکل جاتے ہیں یہاں تک کہ ناخنوں کے نیچے سے بھی گناہوں کا صفایا ہو جاتا ہے۔

اذا توضأ العبدُ المسلمُ اوالمومنُ فَغسلَ وجْهَه خرجَ مِنْ وجْهِه كُلُّ خطيئةٍ نظرَ اِليْهَا بعيْنيْه معَ الماءِ اومعَ آخِرِ قطرِ الماءِ۔ فاِذا غسلَ يدَيْه خرجَ مِنْ يدَيْه كُلُّ خطيْئةٍ كانَ بطشَتْهَا يداهُ معَ الماءِ۔ فاِذا غسلَ رِجليْه خرجَ كُلُّ خطيْئةٍ مشَتْهَا رِجلاهُ معَ الماءِ اومعَ آخِرِ قطرِ الماءِ حتّٰى يخرُجَ نقيًّا مِنَ الذُّنُوبِ۔

جب کوئی مسلم یا مومن بندہ وضو میں اپنا چہرہ دھوتا ہے تو اس کے چہرے سے وہ سب گناہ نکل جاتے ہیں جس کی طرف اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو پانی کے ساتھ پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ پھر جب وہ اپنے ہاتھوں کو دھوتا ہے تو جو گناہ اس نے اپنے ہاتھوں سے کئے وہ سب پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ نکل جاتے ہیں...... اور جب وہ اپنے دونوں پاؤں کو دھوتا ہے تو پاؤں کے ذریعہ کئے ہوئے گناہ بھی پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ نکل جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ گناہوں سے پاک صاف ہو جاتا ہے۔

اولیاء امت میں۔ وضو کے ماء مستعمل سے متعلق سب سے اہم و اعلیٰ مشاہدہ امام المشاہدین رأس العارفین امام الائمہ حضرت سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ النعمان رضی عنہ الرحمٰن کا ہے جس کا اعتراف غیر حنفی علماء اور عرفاء کو بھی ہے چنانچہ عارف باللہ امام العلماء الشافعیہ حضرت سیدنا عبد الوہاب شعرانی علیہ الرحمۃ الربانی نے اپنی کتاب "میزان الکبریٰ" (میزان الشریعۃ الکبریٰ) میں فرمایا کہ۔

سمعتُ سیّدی علیًا الخواص رضی اللہ عنہ (وکان ایضًا شافعیًا) یقول مدارکُ الامامِ ابی حنیفۃَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دقیقۃٌ لایکادُ یطلعُ علیھا الّا اھلُ الکشفِ مِنْ اکابرِ الاولیاءِ قالَ

میں نے سیدی الخواص (جو ائمہ شافعیہ میں سے تھے) سے فرماتے ہوئے سنا کہ امام ابو حنیفہ کے مشاہدات اتنے دقیق ہیں جن پر بڑے بڑے صاحبانِ کشف اولیاء کرام ہی مطلع ہو سکتے ہیں۔

✣ ✣ ✣ ✣

فرماتے تھے کہ جب امام ابو حنیفہ وضو میں

وَكَانَ الْإِمَامُ أَبُوحَنِيفَةَ إِذَا رَأَىٰ مَاءَ الْمِيضَأَةِ يَعْرِفُ سَائِرَ الذُّنُوبِ الَّتِي خَرَجَتْ فِيهِ مِنْ كَبَائِرَ وَصَغَائِرَ وَمَكْرُوهَاتٍ	استعمال شدہ پانی کو دیکھتے تو اس میں جتنے کبائر وصغائر گناہ اور مکروہات ہوتے تھے۔ ان سب کو پہچان لیتے تھے۔

حضرت سیدنا امام اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کا یہ فیضانِ کشف آپ کے بعض مقرب شاگردوں کو بھی حاصل ہوا چنانچہ سیدنا امام ابو یوسف انصاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ماءِ مستعمل کو دیکھ کر نہ صرف کبائر وصغائر گناہوں کو پہچان لیتے تھے بلکہ کراہت و خلافِ اولیٰ میں بھی خطِ فاصل کھینچ دیا کرتے تھے جس کا ذکر "المیزان" کتاب الطہارۃ میں موجود ہے۔ تو حضرت سیدنا تاج العارفین علی خواص علیہ الرحمۃ کو ماءِ مستعمل میں گناہِ کبیرہ وصغیرہ کی معرفت ہو جایا کرتی تھی اور بحمدہٖ تبارک تعالیٰ آج کی اس ظلمات نگری میں بھی ایسے ایسے صاحبانِ کشف وبصیرت حضرات سے قطعۂ زمین خالی نہیں ہے مگر ہمیں اُن حضرات کی پہچان نہیں کہ اَوْلِيَائِي تَحْتَ قَبَائِي (حدیث قدسی) کا زریں نقاب اُن کے چہرۂ ولایت پر پڑا ہوا ہے۔ واللہ سبحانہٗ اعلم ورسولہٗ صلی اللہ علیہ وسلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء والتبلیغ ورلڈ اسلامک مشن ہالینڈ

ماءِ مستعمل کی مختلف صورتیں

مسئلہ ۸۲۲: مجیب الرحمٰن، انتورپن بلجیم ۸-۱-۱۹۸۷ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ وضو کی حالت میں اگر پیشانی پر پانی ڈالا اور وہ پانی پیشانی پر بہنے کے بعد مثلاً رُخسار یا ٹھڈی پر آیا اور بہہ گیا تو رخسار یا ٹھڈی حدث سے پاک ہوا یا نہیں؟ یا وہی پیشانی پر بہا ہوا پانی مثلاً کلائیوں پر ٹپک ٹپک کر بہہ گیا تو کلائیوں کا حدث زائل ہوا یا نہیں۔

اور یہی صورت حال اگر غسل میں واقع ہو یعنی سر یا چہرہ پر بہا ہوا پانی

مثلاً سینہ، پیٹ، کمر اور پاؤں وغیرہ پر پہنچا اور بہہ گیا تو سر اور چہرہ کے علاوہ اعضاء جسم سے حدثِ جنابت زائل ہوگا یا نہیں؟ اور اس کا غسل صحیح ہوگا یا نہیں؟ امید کہ جواب باصواب سے مطلع فرما کر عند اللہ تعالیٰ ثواب کے مستحق ہوں گے۔

سائل (مولوی) محمد مجیب الرحمٰن گلشن بغداد

۸۶/۹۲ **الجواب** اللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَاب

وضو اور غسل میں متوضی و غاسل کے اعضاء جسم کا حکم الگ الگ ہے یعنی بحالتِ وضوء (جبکہ وہ وضو حدث کو زائل کرنے، قربت حاصل کرنے وغیرہما کے لئے ہو) جب ایک عضو سے پانی بہہ کر ٹپک گیا تو وہ ہمارے مذہب حنفی کے نزدیک ماءِ مستعمل ہو گیا کہ اب اس میں حدث زائل کرنے کی صلاحیت مفتیٰ بہ قول کے مطابق نہیں رہی۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں پیشانی، رخسار، ٹھوڑی سب ملا کر ایک عضو ہے تو پیشانی سے بہا ہوا پانی رخسار وغیرہ پر آنا ایک ہی عضو پر دور کرنا ہے کیونکہ چہرہ کا پانی چہرہ پر بہا جو ایک عضو ہے شرع مطہر نے پیشانی کی ابتداء سر کے بال اگنے کی جگہ سے ٹھوڑی تک اور ایک کان کی لَو سے دوسرے کان کی لو تک ایک ہی عضو قرار دیا ہے لقولہ تبارک وتعالیٰ فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَكُمْ اسی طرح ہاتھ کو ایک عضو قرار دیا ہے یعنی انگلیوں، ہتھیلیوں، کلائیوں اور کہنیوں کو الگ الگ شمار نہیں فرمایا۔ لقولہٖ تبارک وتعالیٰ وَاَیْدِیَكُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ" اور جب ایک عضو سے متور پانی جدا نہیں ہوا تو اس پر ماء مستعمل کا حکم نہیں ہوگا۔

ہاں اگر چہرہ سے پانی جدا ہو کر کلائیوں پر آرہا، تو وہ اپنے عضو سے جدا ہو گیا اور دوسرے عضو پر آگیا لہٰذا وہ ماءِ مستعمل (استعمال کیا ہوا پانی جو خود پاک ہے مگر کسی ناپاکی کو زائل کرنے کی صلاحیت اس میں نہیں ہے) کے حکم میں آجائے گا۔ لہٰذا کلائیوں کا حدث اس سے زائل نہیں ہوگا اگرچہ بار بار کلائیوں پر سے بہہ جائے۔

درمختار باب المیاہ صفحہ ۳۴ میں ہے۔

فَإِنَّهُ يَصِيرُ مُسْتَعْمَلًا إِذَا انْفَصَلَ عَنْ عُضْوٍ، وَإِنْ لَمْ يَسْتَقِرَّ فِي شَيْءٍ عَلَى الْمَذْهَبِ	پانی اسوقت مستعمل ہوگا جبکہ عضو سے جدا ہو اگرچہ کسی چیز پر نہ ٹھہرے مذہب یہی ہے۔

البتہ غسل میں سارا بدن عضو واحد ہے (بخلاف اعضاء وضو کے) تو سر یا چہرہ پر سے بہا ہوا پانی جس جس حصۂ عضو سے گزرتا جائے گا سب کو حدث و نجاست سے پاک کرتا جائے گا۔ ردّ المحتار باب المیاہ ص۱۴۷ میں ہے۔

انَّ اَعْضَاءَ الْغُسْلِ كَعُضْوٍ وَاحِدٍ فَلَوِ انْفَصَلَ مِنْهُ فَسَقَطَ عَلَى عُضْوٍ آخَرَ مِنْ اَعْضَاءِ الْغُسْلِ فَاَجْرَاهُ عَلَيْهِ صَحَّ عَلَى الْقَوْلَيْنِ ۔	غسل کے تمام اعضاء ایک عضو کی طرح ہیں تو اگر اس میں کسی ایک عضو سے پانی جدا ہو کر اعضاء غسل کے دوسرے حصہ پر گر کر بہہ گیا۔ تو دونوں اقوال کے مطابق اس سے پاکی حاصل ہو جائے گی۔

عبارتِ مذکورہ میں قولین سے مراد استقرار و عدمِ استقرار ہے کیونکہ بعض علماء کے نزدیک پانی اعضائے سے جدا ہونے کے بعد اُس وقت مستعمل کے حکم میں آتا ہے جبکہ اس کے اندر استقرار پایا جائے اور استقرار کے بعد دوبارہ اس کے اندر تحریک پائی جائے۔　　واللہ سبحانہٗ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ نوری دارالافتاء آسٹرڈم ہالینڈ۔

ستر عورت دیکھ لینے سے وضو نہیں جاتا

مسئلہ ۸۲۳: عبدالسبحان معرفت اکبر دردن تن، نیدرلینڈ ۵-۱۴۱۶-۱۲-۳

جناب مولانا مفتی صاحب السلام علیکم

ایک ضروری سوال یہ ہے کہ وضو کر لینے کے بعد اگر اپنا یا دوسرے کا ران نظر آجائے یا خاص شرمگاہ کو دیکھ لے تو وضو رہے گا یا ٹوٹ جائے گا۔ خدا کے واسطے جلد جواب دیجئے۔

۲۸۶ / ۹۲ الجواب ــــــ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

وضو نہیں جائے گا کیونکہ فقہاء کرام نے اسے نواقض وضو میں شمار ہی نہیں فرمایا بلکہ اس باب میں فقہاء کی تصریحیں موجود ہیں کہ عین حالت نماز میں بھی اگر کسی کے ستر غلیظ پر نظر پڑ جائے تو اس سے نماز باطل نہیں ہوتی، اگر یہ ناقض وضو ہوتا تو نماز ضرور باطل ہو جاتی۔ مراقی الفلاح جلد اوّل میں ہے

لاتبطل صلوٰتہ بنظرہ الی فرج المطلقۃ او الاجنبیۃ یعنی فرجھا الداخل

اس کی نماز مطلقہ یا اجنبیہ کی شرمگاہ کو دیکھنے سے باطل نہیں ہوگی یعنی شرمگاہ سے مراد فرج داخل ہے۔

لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ بے عذر شرعی کسی کے سامنے ستر عورت کا کھولنا یا کسی کے ستر عورت پر نظر کرنا حرام و بدانجام ہے اور خاص شرمگاہ کو دیکھنا یا دکھلانا اشد و بدتر حرام ہے۔ واللہ سبحانہٗ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

انجکشن کے ذریعہ خون نکلوانے سے وضو ٹوٹ جانا

مسئلہ ۸۲۴: عبد الواحد ظہور الکمار ۱۳۱۵-۱۰-۲۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں عموماً ڈاکٹر لوگ مریض کے مرض کی تحقیق کرنے سے تقریباً ایک ہفتہ پہلے اس کا خون بذریعہ سیرنج اور سوئی کے نکالتے یا نکلواتے ہیں جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کلائی یا کہنی کے کسی ممتاز رگ میں سیرنج کی سوئی ڈال کر تین چار چھوٹی شیشیاں خون نکال لیتے ہیں۔ پھر گھنٹہ دو گھنٹے کے بعد ہاتھ کی درمیانی انگلی میں سوئی چبھو کر خون کی تری کو کسی شیشی میں جمع کر لیتے ہیں ــــ سوال یہ ہے کہ کیا اس سے روزہ اور وضو جاتا رہتا ہے؟

۲۸۶ / ۹۲ الجواب ــــــ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

صورتِ مسئولہ میں روزہ تو نہیں جائے گا لیکن اگر روزہ دار خون نکلوانے کے بعد نڈھال ہو جائے یا کمزوری کے سبب اسے روزہ رکھنا دشوار ہو جائے تو روزہ کی حالت میں اسقدر خون نکلوانا مکروہ ہے۔ روزہ دار اپنے اس شرعی عذر کو ڈاکٹروں کے سامنے پیش کر کے خون نکلوانے کے اوقات و تاریخ میں تبدیلی کر سکتا ہے۔ سیرنج کے ذریعہ جس قدر خون لیا گیا ظاہر ہے کہ وہ نجس اور ناقضِ وضو ہے اسی طرح سوئی کی نوک چبھا کر جس رستے ہوئے خون کو شیشی میں جمع کیا گیا اگر وہ اس قدر ہے کہ بہہ سکے (اور ظاہر یہی ہے) تو اس سے بھی وضو جاتا رہے گا۔

مجدّد اعظم سیّدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس مسئلہ میں ایک طویل بحث کے بعد افادہ فرماتے ہیں۔

لَایَشْتَرِطُ فِی النَّقْضِ بِمَا مِنْ غَیْرِ السَّبِیْلَیْنِ اِلَّا الْخُرُوْج بِالسَّیَلَانِ عَلٰی ظَاهِرِ الْبَدَنِ وَلَو بِالْقُوَّةِ فَلَا یَسْتَثْنٰی مِنَ الظَّاهِرِ حِسًّا اِلَّا دَاخِلُ الْعَیْنِ لِاَنَّهٗ لَیْسَ مِنَ الظَّاهِرِ شَرْعًا اصلاً (فتاویٰ رضویہ)	سبیلین (ذکر و دبر) کے علاوہ جسم کے کسی اور حصہ سے خروجِ نجاست اسی وقت ناقضِ وضو ہوگا جب کہ وہ بدن کے ظاہری حصہ پر بہہ جانے کی صلاحیت رکھے اگر چہ بہاؤ اور خروج بالقوہ ہو۔ آنکھ کے علاوہ جسم کا کوئی ظاہر و محسوس حصہ اس حکم سے باہر نہیں۔ ہاں آنکھ کی کٹوری شرعاً اور اصلاً ظاہر بدن میں شامل نہیں۔

اس روشن تحریر سے یہ بھی واضح ہوا کہ صرف ہاتھ اور انگلیوں ہی سے بہنے کی مقدار میں خون کا نکلنا ناقضِ وضو نہیں۔ بلکہ جسم کے جس حصہ سے بھی اس مقدار میں خون، پیپ، کچھ پیپ وغیرہ نکلے یا نکالا جائے سب کا سب ناقضِ وضو ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر آنکھ کے پپوٹوں کے اندرونی حصہ سے خون بہا اور آنکھ کی پوری کٹوری میں چھا گیا لیکن پلکوں سے نیچے نہیں ڈھلکا تو وہ ناقضِ وضو نہیں ہے کیونکہ آنکھ کا ظاہری ڈھیلا جو پلکوں کی چھاؤں میں ہے وہ نہ اصل کے اعتبار سے ظاہری جسم ہے اور نہ شرع کے اعتبار سے جسم ظاہر ہے۔ اسی لئے غسل یا وضو میں آنکھ کی کٹوری کا

دھونا واجب نہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی نے آنکھوں میں لینس لگایا ہوا ہے تو غسل جنابت میں اس کا نکالنا ضروری نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ خادم الافتاء

مدینۃ الاسلام ہالینڈ ۲۱ شوال ۱۴۱۵ھ

نیند کب وضو توڑتا ہے؟

مسئلہ ۸۲۵: ایل محمد یوسف گمان آمسٹرڈم ہالینڈ 25-11-1995ء

کیا ارشاد فرماتے ہیں علمائے ربانی اس مسئلہ میں کہ

ایک رات میں باوضو ہو کر نماز عشاء کے انتظار میں صوفہ پر بیٹھا بیٹھا سو گیا اور جب آنکھ کھلی تو میں نے سمجھا کہ صرف اونگھ آئی ہے حالانکہ گھڑی کی طرف نگاہ کرنے سے معلوم ہوا کہ تقریباً پینتالیس منٹ تک میں سوتا رہا۔ ایسی صورت میں میرا وضو رہا یا ختم ہو گیا؟ دلائل شرعیہ کے ساتھ تفصیلی جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب ۸۲۶/۹۲ هوالهادی الصواب

مطلقاً نیند ناقض وضو نہیں ہے بلکہ نیند دو شرطوں کے ساتھ وضو کو توڑتی ہے ۱؎ جبکہ سونے والے کا سرین (چوتڑ) زمین، تختہ، سخت گدّہ وغیرہ سے لگا ہوا نہ ہو۔ ۲؎ سونے والا ایسی غفلت کی نیند سو جائے کہ اس کے اعضاء کے جوڑ ڈھیلے پڑ جائیں۔

اگر سونے والے میں یہ دونوں شرطیں پائی جائیں گی تو وضو ٹوٹ جائے گا ورنہ نہیں۔ آپ نے اپنے سونے کی کیفیت یہ بتائی ہے کہ آپ صوفہ پر بیٹھے بیٹھے سو گئے۔ اور صوفہ کا گدّہ اس قدر دبیز ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے اخراج ریح کے مفاصل ڈھیلے نہیں ہوتے ہیں۔ لہٰذا آپ اگرچہ گھنٹوں تک سوتے رہے ہوں۔ آپ کا وضو نہیں گیا۔ خلاصۃ الفتاویٰ جلد اوّل میں ہے۔

ان نام متربعا لاینقض الوضوء اگر چار زانو بیٹھ کر سو گیا۔ تو ایسا سونا وضو کو

وکذا لو نام متورکا وھو ان یبسط قدمیہ من جانب ویلصق الیتیہ بالارض ... اھ

نہیں توڑتا ہے اور اگر اس طرح سویا کہ اپنے دونوں پاؤں کو ایک جانب نکال لیا اور سُرین کو زمین پر رکھ دیا جب بھی یہی حکم ہے۔

وضو نہ ٹوٹنے کے لئے سُرین کا صرف زمین ہی پر رکھنا ضروری نہیں بلکہ تختہ غدہ (روئی کا سخت گدہ) اور زین وغیرہ پر ٹیک دینے کا بھی یہی حکم ہے چنانچہ صاحب دلائلِ قاہرہ مؤید ملت طاہرہ امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں۔

ان المصرح بہ فی الخانیۃ نفسھا والکتب قاطبۃ انہ ان نام علی ظھر الدابۃ فی سرج اوکاف لا ینتقض وضوئہ لعدم استرخاء المفاصل۔

فتاویٰ قاضی خاں اور دوسری معتمد کتابوں میں بھی اسکی وضاحت موجود ہے کہ اگر کوئی شخص سواری کی پیٹھ پر یعنی زین یا نمدہ پر سوگیا تو اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا کیونکہ ایسی صورت میں جوڑوں کے اندر نرمی اور کشادگی نہیں پائی جاتی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ نوری مسجد آمسٹرڈم ۲۵/نومبر ۱۹۸۵ء

احتلام سے کب غسل فرض ہوتا ہے

مسئلہ ۸۲۶: محمد عباس واجدی، مسجد رضوی فرید الاسلام آمسٹرڈم ۳-۱۱-۱۹۹۵

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ اسلام وعلماء کرام اس مسئلہ میں کہ اگر خواب میں احتلام ہوتا ہوا دیکھے اور لذت بھی محسوس کرے لیکن بیداری کے بعد جسم یا کپڑے پر کسی طرح کی تری نہ پائے تو خواب دیکھنے والے پر غسل فرض ہے یا نہیں؟ دوسری صورت یہ ہے کہ احتلام کا ہونا تو یاد نہیں ہے مگر جسم پر تری پایا جس سے گمان ہوا کہ یہ منی ہے۔ یا منی و مذی کے درمیان مشکوک رہا تو ان صورتوں میں غسل فرض ہوگا یا نہیں؟

۷۸۶/۹۲ **الجواب** اللھم ھدایۃ الحق والصواب

صورتِ اولیٰ میں بالاتفاق غسل واجب نہیں اور صورتِ ثانیہ میں واجب ہے۔ ارشاد رسول مقبول علیہ السلام ہے۔

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت سئل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن الرجل یجد البلل ولا یذکر احتلاما قال یغتسل وعن الرجل یری انہ قد احتلم ولم یجد بللا قال لا غسل علیہ۔ (ابن حبان وابو داؤد)	حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اُس شخص کے متعلق پوچھا گیا کہ جو بیدار ہونے کے بعد تری پائے اور اسے احتلام یاد نہ ہو؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ غسل کرے۔ اور اس شخص کے متعلق بھی سوال کیا گیا جسے احتلام تو یاد ہے لیکن تری نہیں پائی تو آپ نے ارشاد فرمایا اس پر غسل واجب نہیں۔

فتاویٰ بزازیہ مع الھندیہ میں ہے۔

احتلم ولم یر بللا لا غسل علیہ اجماعا۔	کسی شخص کو احتلام ہوا اور اس نے تری نہیں دیکھی تو اس پر بالاجماع غسل واجب نہیں۔

اور حلیہ میں ہے۔

وجوب الغسل اذا لم یتذکر حلما وتیقن انہ مذی او شك فی انہ منی او مذی قول ابی حنیفہ ومحمد (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما)	جب خواب یاد نہ ہو اور تری کے متعلق یقین ہے کہ وہ مذی ہے یا مذی ومنی کے درمیان وہ مشکوک ہے تو طرفین (امام اعظم امام محمد) کے نزدیک اس پر غسل واجب ہے۔

فتاویٰ قاضی خاں میں یہ بھی ہے

انتبہ ورایٔ علی فرشہ او فخذہ المذی یلزمہ الغسل فی قول أبی حنیفہ ومحمد رحمہما اللہ تعالیٰ تذکر او لم یتذکر۔	کوئی شخص خواب سے بیدار ہوا اور اپنے بستر یا ران پر تری (مذی) دیکھی تو امامین طرفین کے نزدیک اس شخص پر غسل واجب ہے چاہے احتلام کا ہونا یاد ہو یا نہ ہو۔ (فتاویٰ قاضی خاں)

حکم رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ارشاداتِ فقہاء علیہم الرحمہ کی روشنی میں آپکے دونوں سوالوں کا جواب واضح ہے۔

واللہ سبحانہٗ اعلم و رسولہٗ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ جامعہ مدینۃ الاسلام ہالینڈ

تولیہ بھیگو کر بدن پونچھ لینے سے غسل جنابت اتر ے گا یا نہیں؟

مسئلہ ۸۲۷: ایل محمد یوسف گراں نوری مسجد آمسٹرڈم ۲۵-۱۱-۹۸۵۶

علمائے کرام و مفتیانِ عظام کا اس بارے میں کیا ارشاد گرامی ہے کہ سخت زکام (انفلوئنزا) کی صورت میں سرد و گرم پانی کا استعمال مزید نقصان دہ ثابت ہوتا ہے اور تجربہ سے ثابت ہے کہ جب کبھی میں زکام کی حالت میں غسل کرتا ہوں تو مرض مہینوں کے لئے لمبا ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں اگر نہانے کی حاجت ہو جائے تو گرم پانی سے تولیہ بھیگو کر سر سے پاؤں تک بدن پونچھ لینے سے غسلِ جنابت اتر ے گا یا نہیں؟ اور حدث کی صورت میں اسی طرح اعضاء وضو کو پونچھ لینے کے بعد وضو کے لئے کفایت کرے گا یا نہیں؟ اور اسی حالت میں نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ سائل لطیف محمد یوسف

الجواب ۷۸۶/۹۲ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

اگر واقعی سرد و گرم پانی کا استعمال آپکے لئے مضر اور تجربہ کی روشنی میں مرض کے بڑھنے کا سبب ہوتا ہے تو بجائے نہانے کے غسل و وضو میں آپ تیمم بھی کر سکتے ہیں۔ لیکن جیسا کہ آپ نے خود ہی لکھا کہ گرم پانی میں تولیہ بھیگو کر پورے بدن کو پونچھ لیا جائے۔ تو ایسی صورت میں بجائے تیمم کے آپ پورے جسم کو پونچھ لیا کریں کہ یہی ضروری ہے۔ یونہی وضو میں بھی اعضاء وضو کو پونچھ لیا کریں۔ ہاں اگر گرم پانی سے پونچھنا بھی نقصان دہ ہونے لگے تو تیمم کر سکتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ حالتِ جنابت میں غسل ضروری ہے اگر غسل کرنا واقعی نقصان دہ

اور مرض کے طول کھینچنے کا سبب ہو تو پورے جسم کا مسح کرنا ضروری ہے۔ اور اگر مسح کرنا بھی نقصان دہ ہو تو تیمم ضروری ہے۔

زکام والوں کے لئے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سر کا بھیگونا نقصان دہ ہوتا ہو مگر جسم کا بھیگونا مضر نہ ہو تو ایسی صورت میں پورے جسم کا دھونا یا بھیگونا ضروری ہے اور سر پر مسح کرنے کی رخصت ہے۔ یعنی مریض کے ضرر کے مطابق شریعتِ مطہرہ اس کے لئے سہولتیں فراہم کرتی ہیں۔

امام المحققین صاحب دلائلِ قاہرہ کثیرہ امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ رحمۃ المولی الغنی اپنے فتاویٰ مبارکہ (العطایا النبویۃ فی فتاوی الرضویۃ) میں فرماتے ہیں۔

اِن ضرغسل راسہ لاغیر مسحہ وغسل سائرجسدہٖ وَاِنْ ضرالاغتسال بماءٍ باردٍ اغتسلَ بحارٍ اَوْفاتراِن قدرَ وَالّایتمّم اَوْمسح راسہ وغسل بدنہ جسمًا یقتضیہ حالہ اھ ص۱۶۰/۱	اگر صرف سر کا دھونا نقصان دہ ہو تو سر کا مسح کرے اور دیگر اعضاء بدن کو دھوئے۔ اور اگر ٹھنڈے پانی سے غسل کرنا نقصان دہ ہو تو گرم یا نیم گرم پانی سے غسل کرے اگر میسر ہو ورنہ تیمم کرے۔ یا سر کا مسح کرے اور باقی جسم کو دھولے۔ مرض کی جو کیفیت ہو اس کی رعایت کرے۔

امید ہے کہ آپنے پورے طور پر مسئلہ کو سمجھ لیا ہوگا۔ اگر کوئی دقت ہو تو دوبارہ سوال کرسکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ خادم الافتاء والخطیب نوری مسجد آمسٹرڈم ہالینڈ
۲۵ر نومبر ۱۹۸۵ء

عورتیں اگر بغیر جوڑا کھولے غسل جنابت کریں

مسئلہ ۸۲۸: امین عبدالرؤف، نارتھ آمسٹرڈم
۱۹۸۶-۱-۵ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورتیں کبھی اپنے بالوں کو

بالکل کھلا ہوا رکھتی ہیں، کبھی چوٹی گوندھ کر (جعدہ) اور کبھی جوڑا باندھ کر (ضفرہ) بنالیتی ہیں سوال یہ ہے کہ غسل جنابت میں چوٹی یا جوڑا کا کھولنا ضروری ہے یا نہیں؟ کیا جوڑا باندھے ہوئے بھی غسل ہو سکتا ہے؟ بینوا وتوجروا

۸۶/۹۲ **الجواب بعون المجیب الوھاب**

جوڑا اور چوٹی کھولے بغیر بھی عورتوں کا غسل جنابت اتر سکتا ہے صحیح مسلم شریف میں ام المومنین حضرت سیدتنا ام سلمیٰ رضی اللہ تبارک و تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اپنے بال گندھواتی ہوں کیا نہانے میں کھول دیا کروں؟ تو رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

انما یکفیك ان تحثی علیٰ راسك ثلث حثیاتٍ — اپنے سر پر تین چلو پانی ڈال لیا کرو یہی تیرے لئے کافی ہے۔

ابوداؤد شریف باب المرأۃ هل تنقض شعرها عند الغسل میں ہے۔

اما المرأۃ فلا علیها ان تنقضه لتغرف علی راسها ثلث غرفات یکفیها۔ — عورت پر ضروری نہیں کہ اپنے گندھے بالوں کو کھولے۔ اس کے لئے کافی ہے کہ تین لپ پانی اپنے سر پر ڈال لے۔

اور مسلم شریف ہی میں سیدہ طیبہ طاہرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ارشاد موجود ہے۔

لقد کنتُ اغتسل انا ورسولُ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم مِن اِناءٍ واحدٍ ومَا ازید علی اَن افرغ علی رَاسی ثلث افراغات (ص۱۵۰) — فرماتی ہیں کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے نہایا کرتے۔ اور میں اپنے سر پر صرف تین بار چلو سے پانی ڈالتی (جعد مبارک کو نہ کھولتی تھی)

⁂ ⁂ ⁂

ان احادیث کریمہ کی روشنی میں روشن تر ہوا کہ عورتوں کو جوڑے یا چوٹی کی حالت

میں اگر غسل واجب ہو جائے تو انہیں جوڑے اور چوٹی کھولنے کی ضرورت نہیں سارے جسم کو دھو کر سر پر تین لپ پانی بہائے غسل ہو جائے گا۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ نوری مسجد آمسٹرڈم۔ ہالینڈ

ماءِ قلیل کو پاک کرنے کا طریقہ

مسئلہ ۸۲۹: شاکر حسین شار دھا کرائیت یورخ
22-8-1987

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ میں کہ یورپ کے غسل خانوں میں عموماً پلاسٹیک یا سیمینٹیڈ چھوٹے چھوٹے حوض ہوتے ہیں جو کسی طرح بھی 10 × 10 (دہ در دہ) نہیں ہوتے۔ اگر وہ پانی سے بھرا ہوا ہو اور کوئی جنبی یا مُحدِث غسل یا وضو سے پہلے پانی سے ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے اپنا ہاتھ یا پاؤں اس میں ڈال دے تو کیا اس پانی سے وضو یا غسل کر سکتے ہیں؟ اگر نہیں کر سکتے ہیں تو اس ماءِ مستعمل کو قابلِ غسل و وضو بنانے کا شرعی طریقہ کیا ہے؟ کیونکہ اس قدر پانی کو ضائع کرتے ہوئے طبیعت پر گراں گزرتا ہے۔

۷۸۶ / ۹۲ الجواب بعون الجواد الوھاب

صورتِ مسئولہ میں حوض مذکورہ کا پانی مستعمل ہو گیا کہ خود پاک ہے مگر نجاستِ حکمیہ کے پاک کرنے کی صلاحیت اب اس میں باقی نہ رہی۔ پس اس پانی سے نہ تو غسل کر سکتے ہیں نہ ہی وضو۔ اور اگر کوئی کرے تو نہ اس سے غسل اترے نہ وضو کی پاکی حاصل ہو۔ جیسا کہ فتح القدیر، بابُ الماءِ الّذی یَجُوزُ بِہِ الوُضُوءُ وَمَا لَا یَجُوزُ" ص۸۹ جلد اوّل میں ہے۔

اِنْ وَقَعَ الکُوزُ فِی الجُبِّ فَادخَلَ یَدَہٗ اِلَی المِرفَقِ لِاِخرَاجِہٖ لَایَصِیرُ مُستَعمَلًا نَصَّ عَلَیہِ فِی الخُلَاصَۃِ۔ قَالَ	اگر لوٹا کنویں (ہینٹی) میں گر پڑا اور اس کو نکالنے کے لئے اپنا ہاتھ کہنیوں تک کنویں میں ڈالنا پڑا تو پانی مستعمل نہیں ہوگا۔ یہ مسئلہ "خلاصہ" میں منصوص ہے، بخلاف اس بات

بِخِلَافِ مَا لَوْ اُدْخَلَ یَدَهٗ لِلتَّبَرُّدِ لِعَدَمِ الضَّرُوْرَةِ۔	کہ اگر ہاتھ کو کنویں میں صرف ٹھنڈک حاصل کرنے کیلئے ڈالا تو اس کا پانی مستعمل ہو جائے گا کیونکہ یہ ضرورت (شرعی) نہیں ہے۔

❊ ❊ ❊ ❊

جو پانی مستعمل ہو جائے اُسے پاک اور قابلِ استعمال (مُطہّر) بنانے کے دو طریقے ہیں۔

۱۔ جتنا پانی حوض میں ہے اُس سے زیادہ مقدار میں طاہر و مطہّر پانی اس میں ملا دیا جائے تو سارا کا سارا پانی طاہر و مطہّر (قابلِ وضوء وغسل) ہو جائے گا جیسے اس سے نجاستِ حقیقیہ کو پاک کیا جا سکتا ہے اسی طرح نجاستِ حکمیہ بھی پاک کیا جا سکتا ہے

۲۔ اس حوض کے پانی کو جاری پانی بنا دیا جائے یعنی حوض کے ایک طرف سے اس میں پاک پانی ملایا جائے اور دوسری طرف سے نکالا جائے۔ اگرچہ ادخال و اخراج میں کمی بیشی ہو جب بھی وہ سب کا سب پانی طاہر و مطہّر ہو جائے گا۔ کما فی الدّرّ المختار والرّدّ المحتار ص۱۲۴ ج۱۔

غلبۃ المخالط لو مماثلاً کمُستعمَلٍ فبالاجزاء فانّ المُطلق اکثر مِنَ النّصف جاز التطھیر بالکلّ والّا لا۔۔	ملنے والے پانی کا غلبہ اگر ماءِ مستعمل کے مثل ہو تو اعتبار مقدار کا ہوگا۔ اگر ماءِ مطلق نصف سے زائد ہے تو سب سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے۔ ورنہ نہیں
بمجرد جریانہ بان یدخل من جانب ویخرج من اٰخر حال دخولہ وان قلّ الخارج "بحر" ولا یلزم ان یکون مُمتلأ اوّل وقت الدخول لانّہ اذا کان ناقصاً فدخل	صرف اس کے جاری ہونے سے، کہ ایک طرف سے داخل کیا جائے اور دوسری طرف سے نکالا جائے۔ اس کے داخل ہونے کی حالت میں۔ اگرچہ خارج کم ہو "بحر" یہ ضروری نہیں کہ داخل ہوتے وقت برتن بھرا ہوا ہو کیونکہ جب ناقص ہوگا اور پانی داخل ہو کر

الماء حتی امتلأ وخرج بعضہ طہر ایضا... | برتن بھر جائے پھر پانی اس سے نکل جائے تب بھی وہ پانی پاک ہو جائے گا۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری وارد حال جامع مسجد پارا ماری بو سورینام جنوبی امریکہ

زیادہ ٹھنڈا یا گرم پانی کا استعمال وضو و غسل میں

مسئلہ ۸۳۰: ایل منگل آلمیرہ نیدرلینڈ ۱۹۸۹-۳-۷ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ۔ یورپ میں اکثر و بیشتر ٹھنڈے اور گرم پانی کی ٹونٹیں دکران، غسل خانہ اور باورچی خانہ میں استعمال کی جاتی ہیں۔ ٹھنڈا پانی اس قدر ٹھنڈا ہوتا ہے کہ بغیر گرم پانی کی ملاوٹ کے اس کا استعمال نہایت دشوار مکروہ معلوم ہوتا ہے۔ اور گرم پانی اس قدر گرم ہوتا ہے کہ اگر اس میں چائے کی پتی ڈال دی جائے تو چائے تیار ہو سکتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس قدر ٹھنڈے یا گرم پانی سے وضو یا غسل درست ہے یا نہیں؟

۸۶/۹۲ الجواب اللھم ہدایۃ الحق والصواب

زیادہ ٹھنڈا یا زیادہ گرم پانی جس سے تکمیل سنت نہ ہو سکے مکروہ ہے۔ اور اگر وہ تکمیل فرض ہی سے روکے تو اس کا استعمال حرام و بدانجام ہے۔ نہ اس سے وضو ہو نہ غسل....... یہاں نیدرلینڈ میں جو گرم پانی نلوں کے ذریعہ آتا ہے وہ الیکٹرک یا گیس کے ذریعہ گرم کیا ہوا ہوتا ہے۔ اس کا حکم وہی ہے جو آفتاب کی گرمی سے گرم شدہ پانی کا ہے بلکہ ضرر رسانی میں وہ زیادہ ہے۔

آفتاب کی گرمی سے گرم شدہ پانی کا حکم احادیث کریمہ میں منصوص ہے ——

چنانچہ سنن دارقطنی، باب الماء المسخن ص۳۹ میں ہے۔

عَنْ اُمِّ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنَّھَا سَخَّنَتْ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَاءً فِی الشَّمْسِ فَقَالَ لَا تَفْعَلِی | ام المومنین حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے دھوپ میں پانی گرم کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا اے حمیرا!

يَا حُمَيْرَاءُ فَإِنَّهُ يُورِثُ الْبَرَصَ۔ آئندہ ایسا مت کرنا کیونکہ اس سے برص پیدا ہوتا ہے۔

عَنْ عُمَرَ الْفَارُوقِ دار قطنی نے حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ

مَوْقُوفًا لَا تَغْتَسِلُوا بِالْمَاءِ الشَّمْسِ سے موقوفاً یہی روایت کی کہ تم لوگ دھوپ سے گرم کئے

فَإِنَّهُ يُورِثُ الْبَرَصَ ہوئے پانی سے غسل مت کرو کہ اس سے برص پیدا ہوتا ہے۔

لہٰذا یورپ یا غیر یورپ میں جہاں دونوں نلیں ساتھ ساتھ ہوں۔ وہاں دونوں پانی کو آپس میں ملا لینا چاہئے۔ جب گرم پانی کی گرمی اور ٹھنڈے پانی کی ٹھنڈک ختم ہونے کے قریب ہو جائے اور استعمال کرنے میں کوئی دشواری نہ رہے تو اس پانی سے بلا کراہت وضو و غسل کر سکتے ہیں۔

یورپ میں برص کی بیماری کثرت سے ہے جسکے وجوہات میں سے دو وجہ تقریباً عام ہے ایک تو سوّر کے گوشت اور چربی کا استعمال دوسرے نہایت گرم پانی سے غسل۔ العیاذ ناﷲ تعالیٰ وایاکم۔ واللہ سبحانہٗ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء، مدینۃ الاسلام ہالینڈ۔

غسل میّت کے بعد غسل کرنا

۸۳۱
مسئلہ: قربان علی امستردم مغربی۔
۸-۳-۱۹۸۹ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں میّت کو غسل دینے والا شخص اگر موقع نہ ملنے کی وجہ سے غسل نہیں کر سکا صرف وضو کر کے نماز جنازہ میں شریک ہو گیا تو اس کی نماز صحیح ہو گی یا نہیں؟ جبکہ میّت کے غسل کا پانی (ماء مستعمل) غسّال کے جسم اور کپڑے کے بعض حصّوں پر پڑا ہو۔

۸۶/۹۲
الجواب اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

میّت کے غسل دینے والوں پر غسل کرنا نہ واجب ہے نہ فرض، بلکہ صرف مستحب ہے۔ کما فی الدُّرّ المختار وغیرہ۔ کیونکہ موت اگرچہ عند الجمہور نجاستِ حقیقیہ کا سبب ہے جس میں استعمال کیا ہوا پانی ماءِ مستعمل ہی نہیں

بلکہ ناپاک ہے، لیکن عام فقہاء کرام کے نزدیک وہ نجاستِ حکمیہ ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے تو اس تقدیر پر جو پانی جسم میت سے گزر کر بہا یا غسل دینے والوں کے جسم یا کپڑے پر لگا وہ ناپاک نہیں بلکہ ماء مستعمل ہی ہے اور ماء مستعمل اگرچہ مطہر نہیں لیکن جہاں لگے گا اسے ناپاک بھی نہیں کرے گا۔ بنابریں علماء محققین کے نزدیک میت کے نہلانے والوں پر نہانا صرف مستحب ہے اور ترکِ استحباب مواخذہ کا سبب نہیں۔ لہٰذا شخص مذکور کی صحتِ نمازِ جنازہ میں کوئی کلام نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء مدینۃ الاسلام ہالینڈ

محدث کی مونچھوں کے لگنے سے پانی مستعمل ہوتا ہے یا نہیں؟

مسئلہ ۸۳۲: فیصل رحمت، دی ہیگ۔ ۶ ۲-۳-۲۰۰۱ء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک مولوی صاحب نے اپنی مونچھوں کو قلندرانہ ہیئت اختیار کرنے کے شوق میں کافی بڑھالیا ہے کہ اس کی لمبائی تین سینٹی میٹر (تقریباً دو انچ) سے کم نہ ہوگی۔ جب وہ پانی پیتے ہیں تو مونچھ کے بالائی حصے پانی میں آجاتے ہیں۔ اور پانی کے بعض قطرے مونچھوں پر چمکنے لگتے ہیں۔ ایسی صورت میں انہوں نے جگ (واٹر کانت) سے منہ لگا کر پانی پیا۔ تو باقی ماندہ پانی کو دوسرا شخص بطور تبرک استعمال کرسکتا ہے یا نہیں؟ نیز اس پانی سے وضو کرسکتا ہے یا نہیں؟

۷۸۶/۹۲ **الجواب ھو الہادی الی الصواب**

شرع شریف میں مونچھوں کو گھٹانے اور داڑھی کو بڑھانے کا حکم صریح ہے "اَعْفُوا اللُّحٰی وَقُصُّوا الشَّوَارِب" مونچھیں بڑھانا ہنود اور نصاریٰ کا مذہبی شعار ہے جس کی مخالفت اہل اسلام کو لازم ہے۔ ارشاد گرامی ہے خَالِفُوا الْيَهُوْدَ وَالْمُشْرِكِيْنَ۔ (الحدیث)

مولوی صاحب مذکور فی السؤال کو نصیحت کی جائے کہ وہ مشرکین ونصاریٰ کے شعار کو اپنانے سے قطعی گریز کریں۔ اگر وہ نصیحت ماننے کو تیار ہوجائیں اور مونچھوں کو کترواکر حدِ شرع میں لے آئیں تو وہ قابلِ عزت واحترام ہیں اور اگر وہ قصّوا الشوارب کی مخالفت پر کمربستہ رہیں تو مسلمانوں کو چاہئے کہ ایسے نام نہاد مولوی شریعت کے معاند سے تعلق توڑلیں اور اسلامی قطع تعلق کریں۔

آدمی کا جوٹھا (خواہ وہ جنبی ہو یا کافر) پاک ہے لیکن ہر پاک چیز کا طیّب وطاہر اور لائقِ اکل وشُرب ہونا ضروری نہیں۔ مثلاً تھوک، رینٹھ وغیرہ۔

پھر اگر وہ محدث تھا اور اس نے اسی حال میں پانی پیا کہ اسکی مونچھیں پانی کو چھوگئیں تو وہ پانی بھی مستعمل ہوگیا۔ یعنی اب اس کا پینا مکروہ اور اس سے نجاستِ حکمیّہ دور نہیں کیا جاسکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ دارالافتاء اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

ماءِ قلیل میں اگر بچہ ہاتھ پاؤں ڈالدے؟

مسئلہ ۸۲۳ : محمد شریف لیلی ستتاد نیدرلینڈ ۶-۴-۱۹۸۶ء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اگر باتھ روم (غسل خانہ) کے حوضِ صغیر (M 2×½) میں کسی نابالغ بچہ نے مثلاً اپنا ہاتھ یا پاؤں ڈال دیا تو کیا اس حوض کے پانی سے وضو وغسل کرنا جائز و درست ہے یا نہیں؟ مدلل جواب سے نوازنے کی زحمت کریں۔ M.S. Zulfan

الجواب ۸۶/۹۲ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

جب تک اس بچہ کے ہاتھ پاؤں پر نجاست کا لگنا یقینی طور پر معلوم نہ ہو۔ وہ پانی قابلِ طہارت ہے کیونکہ نابالغ اگر اپنے پورے جسم کے ساتھ بھی چھوٹے حوض میں داخل ہوجائے تو حوض کا پانی مستعمل نہیں ہوگا اس لئے کہ اس کے مرفوع القلم ہونے کی وجہ سے اس کے حدث قربت کا وجود کالعدم ہے۔

فتاویٰ ہندیہ (فصل فیما لایجوز بہ الوضوء) ص۲۵ میں ہے

اِذَا اَدخَلَ الصَّبِیُّ یَدَہٗ فِی کُوزِ مَاءٍ اَو رِجلَہٗ فَاِنْ علم اَنَّ یَدَہٗ طَاھِرَۃٌ بِیَقِین یَجُوزُ التَّوَضُّوءُ بِہٖ وَاِن کَانَ لَایَعلَمُ اَنَّھَا طَاھِرَۃٌ اَو نَجِسَۃٌ فَالمُستَحَبُّ اَن یَّتَوَضَّاءَ بِغَیرِہٖ وَمَعَ ھٰذَا لَو تَوَضَّاءَ اَجزَاہُ کَذَا فِی المُحِیط۔

اگر بچہ نے اپنے ہاتھ یا پاؤں کو کوزہ میں ڈالا تو اگر یہ یقین سے معلوم ہے کہ اس کا ہاتھ پاک ہے تو اس پانی سے وضو جائز ہے۔ اور اگر یقین سے نہیں معلوم ہے کہ اس کا ہاتھ پاک تھا یا ناپاک تو مستحب یہ ہے کہ دوسرے پانی سے وضو کیا جائے اور اگر دوسرا پانی ہونے کے باوجود کسی نے اسی پانی سے وضو کرلیا تو جائز ہے۔ کذا فی المحیط۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ دارالافتاء مدینۃ الاسلام ہالینڈ

کھلیان کے اناج پر جانوروں کا پیشاب کر دینا

مسئلہ ۸۳۴ :۔ مولانا محمد الیاس انجم علیم آباد اہیاری بہار (انڈیا) ۵-۱۱-۱۹۸۵ء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اس مشینی دور میں بھی دیہاتوں کے اندر دھان یا ربیع وغیرہ کے دانوں کو ان کے پودوں سے چھڑانے (مالش یا دونی کرنے) کے لئے بیلوں یا سانڈھوں کا استعمال ہوتا ہے۔ اور مالش کے درمیان وہ جانور اناج ہی پر عموماً پیشاب، پاخانہ کرتے رہتے ہیں۔ اور وہ اناج ایک دوسرے سے ملوّث ہوتے رہتے ہیں۔ گویا پورے کا پورا اناج مشکوک بالنجاسۃ ہو جاتا ہے لیکن جب مالش ختم ہو جاتی ہے تو کاشتکار اپنے اس مالش شدہ اناج میں سے دو چار کیلو (بنام رسولی یا صدقہ یا فقیرانہ) نکال کر علیحدہ رکھ دیتے ہیں کبھی وہ اناج تکیہ دار شاہ صاحبان کو دے دیا جاتا ہے اور کبھی فقیر، مسکین یا کسی مسجد و مدرسہ کو دے دیا جاتا ہے۔ واضح ہو کہ بنام رسولی اناج نہ تو عشر ہوتا ہے نہ ہی صدقۂ واجبہ۔ سوال یہ ہے کہ اس اناج کے نکال دینے سے بقیہ اناج جس پر جانوروں نے پیشاب اور لید کیا وہ شرعاً پاک اور لائق اکل ہو جاتا ہے؟ یا اس کے پاک

کرنے کا کوئی اور طریقہ ہے؟ کیا وہ اناج امام مسجد یا مدرسین مدرسہ کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟ محمد الیاس انجم علیم آباد اہیاری ضلع دربھنگہ، بہار، انڈیا

۷۸۶/۹۲ **الجواب** بعون الملک الوہاب ھو الہادی الی الصواب

مسئلۂ مذکورہ غالباً منصوص نہیں بلکہ قیاسی ہے اور مقیس علیہ وہ جزیہ ہے جس کی وضاحت محرّر مذہب مہذّب حضرت سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیر کبیر میں فرمائی، کہ ہم نے ایک قلعہ فتح کیا جس میں یقینی طور پر ایک ذمّی ہے جسے پہچانتے نہیں۔ اس کے علاوہ اس قلعہ میں تمام کفار حربی ہیں، شرعاً ان کفار کا قتل حرام ہے (اگرچہ وہ مسلمانوں سے مقابلہ کرتے ہوئے قلعہ بند ہو چکے ہوں) کہ مبادا اسی ذمّی کا قتل نہ ہو جائے۔ ہاں اگر اس قلعہ میں سے بعض نکل بھاگیں یا کسی وجہ سے قتل کر دیئے جائیں تو اب باقی کا قتل کرنا جائز ہو جائے گا کیونکہ خروج یا قتل نے ذمّی کی موجودگی میں شک پیدا کر دیا۔ اور یقین مجہول شک سے زائل ہو گیا۔ غنیۃ المستملی ص۲۰ میں ہے۔

اِذَا فَتَحْنَا حِصْنًا وَفِیْهِمْ ذِمِّیٌّ لَا یُعْرَفُ لَا یَجُوْزُ قَتْلُهُمْ لِقِیَامِ الْمَانِعِ بِیَقِیْنٍ فَلَوْ قُتِلَ الْبَعْضُ اَوْ اُخْرِجَ حَلَّ قَتْلُ الْبَاقِیْ لِلشَّكِّ فِیْ قِیَامِ الْمُحَرَّمِ۔	اگر ہم نے ایک قلعہ فتح کیا اور اس میں ایک ذمّی ہے مگر معلوم نہیں وہ کون ہے، تو اس قلعہ میں رہنے والوں کو قتل کرنا جائز نہیں کیونکہ مانع یقین موجود ہے۔ اور ان میں سے بعض کو قتل کر دیا گیا یا اس سے نکال دیا گیا تو باقی کو قتل کرنا جائز ہے کیونکہ محرّم (ذمّی) کی موجودگی میں شک ہے۔

اسی بیانۂ قیاس پر سیر کبیر کے شارح حضرت علامہ اسبیجابی علیہ الرحمہ نے کئی مسائل محدثہ کو قیاس کیا اور اس قیاس کو اپنے شیخ تاج الملۃ والدین امام احمد بن عبد العزیز کی طرف مرفوع کیا.... پس صورتِ مسئولہ میں جبکہ بیل وغیرہ کے پیشاب نے اناج کے ایک حصہ کو یقیناً ناپاک کر دیا مگر بعد میں متعین نہیں رہا کہ کون سا حصہ ناپاک ہے۔ پھر اسی اناج میں سے کچھ اناج ہبہ یا صدقہ کر دیا (خواہ کسی نام سے ہو)

تو وہ سارا اناج پاک ہو گیا، کیونکہ نجس اناج کی موجودگی میں شک واقع ہو گیا۔ اور اناج میں طہارت اصل ہے جو شک کی وجہ سے زائل نہیں ہو گا۔ الاشباہ والنظائر میں ہے "اَلْیَقِیْنُ لَا یَزُوْلُ بِالشَّکِّ" اور یہ اصولِ فقہ کا مشہور قاعدہ ہے۔ لہٰذا وہ اناج پاک بھی ہے اور لائقِ اکل بھی۔ جب وہ نکلا ہوا اناج عشر یا صدقۂ واجبہ نہیں تو بدل کے طور پر یا بصورت ہبہ امام و مدرس سب کو دے سکتے ہیں۔ نہ انہیں دینے میں کوئی حرج شرعی ہے۔ نہ لینے میں کوئی قباحت۔ واللہ تعالیٰ و رسولہ الاعلیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ

نوری دار الافتاء آمسٹرڈم۔ ہالینڈ۔

ماءِ مستعمل کا استعمال

مسئلہ ۸۳۵:- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ کسی معظم دینی مثلاً پیر و مرشد، استاذ دینی اور عالم دین کے غسل یا وضو میں استعمال کیا ہوا پانی جسے ماءِ مستعمل کہتے ہیں، مریدوں، شاگردوں یا معتقدوں کے لئے پینا اور اس سے برکت حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں، دلیل میں صلح حدیبیہ کے موقع سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا ماءِ مستعمل استعمال کرنا پیش کیا جاتا ہے یہ درست ہے یا نہیں؟ بعض عورتیں انتہاءِ عقیدت کی وجہ سے اپنے پیر یا عالم دین کے پاؤں کو دھو کر اس پانی سے آٹا گوندھتی ہیں تاکہ روٹی کھانے والے سارے لوگ اس سے برکت حاصل کر سکیں یہ درست ہے یا نہیں؟ محمد اسلم لالہ موسیٰ، گجرات، پاکستان

۹۲۶ الجواب ـــــــ ھو الھادی الی الصواب ـــــــ

حصولِ طہارت اور دفعِ نجاست کے لئے جو پانی استعمال کیا گیا یا حالتِ حدث میں جو پانی بدن کے کسی حصے سے گزر گیا وہ ماءِ مستعمل ہے اس کے متعلق علماءِ احناف کے تین قول ہیں ۱۔ وہ نجاستِ غلیظہ ہے۔ ۲۔ وہ نجاست خفیفہ ہے۔ ۳۔ وہ طاہر

غیر مطہّر ہے۔ یعنی وہ خود پاک ہے کہ بدن یا کپڑے کے جس حصّہ پر پڑجائے گا ناپاک نہیں کرے گا مگر خود وہ پانی وضو یا غسل کے لائق نہیں اور نہ ہی کسی ناپاکی کو پاک کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ لہٰذا ماءِ مستعمل کو حصولِ برکت کے لئے بھی پینا جائز نہیں بلکہ مکروہ تحریمی ہے۔ درمختار میں ہے جلد ۱ صفحہ ۱۴۷ رشیدیہ وَھُوَ طَاھِرٌ ولو من جنب وھو الظاھر ۔ اور وہ "ماءِ مستعمل" پاک ہے اگرچہ جنبی کا ہو اور یہی قول ظاہر ہے۔ لکن یکرہ شربہ والعجن بہ اھ ۔ لیکن اس کا پینا یا اس سے آٹا گوندھنا مکروہ تحریمی ہے۔

درمختار کی اس عبارت پر علامہ ابن عابدین شامی نے یہ حاشیہ تحریر فرمایا۔

واقرّہ النّھر بحمل الکراھۃ علی التحریمیّۃ لان المطلق منھا ینصرف الیھا...... اور صاحب نہر نے اس کراہت کو کراہتِ تحریمی پر محمول فرمایا ہے۔ اسلئے کہ جب لفظ کراہت مطلق ذکر کیا جائے تو وہ کراہت تحریمی کی طرف لوٹتا ہے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر حضور پُرنور سیّد کائنات علیہ ازکی التسلیمات کے ماءِ مستعمل اور کلّی شریف وغیرہ کا استعمال کیا جانا اور اس کے ایک ایک قطرہ کے حصول کے لئے صحابۂ عظام کا آپس میں لڑجانا یہ ان تخصیصی واقعات میں سے ہے جو صرف حضور اکرم سیّد عالم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کی ذات بابرکات کے ساتھ خاص ہے جیسے بعض مواقع پر آپ کے پیشاب مبارک یا جسم مبارک سے نکلے ہوئے بہتے ہوئے خون کا پیا جانا۔ اب ان واقعات کو کوئی کسی اور کے پیشاب یا بہتے ہوئے خون کی حلّت کے لئے پیش نہیں کرسکتا ہے کیونکہ یہ سب خصائص کبریٰ سے متعلق ہیں۔ پس ماءِ مستعمل کو واقعۂ حدیبیہ پر محمول نہیں کیا جائے گا۔ جو لوگ ایسی جرأت کرتے ہیں غلطی پر ہیں۔

ماءِ مستعمل سے آٹا گوندھنا بھی جائز نہیں ہے جیسا کہ گزرا۔ ہاں اگر وہ عالم یا پیر مُحدِث یا جُنبی نہیں تھا تو اس کے پاؤں پر بہایا گیا پانی مستعمل نہیں ہوا۔ اور جب وہ مستعمل نہیں ہوا تو وہ غلیظہ، خفیفہ یا غیر مطہّر بھی نہیں ہے بلکہ طاہر و مطہّر ہے اس کو جس کام میں چاہیں استعمال کرسکتے ہیں۔ اگر نفیس طبیعت پر گراں نہ گزرے تو اس سے

آٹا بھی گوندھ سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: عبدالواجد قادری غفرلہٗ۔ مجلس علما، ہیدرلینڈ

۲۷ صفر المظفر ۱۴۲۵ھ

مسئلہ ۸۳۶ بار بار غسل کرنا

کیا فرماتے ہیں حضراتِ مفتیانِ کرام اس مسئلہ میں کہ یورپ میں خواہ سردی کا موسم ہو یا گرمی کا اکثر لوگ دو دو بار تین تین یا کم از کم ایک بار غسل کرتے ہیں کیا ایسے لوگ عند الشرع پانی کو فضول خرچ کرنے والوں میں شمار ہوں گے یا نہیں؟ اور کیا شریعت کے نزدیک ایسا کرنا جائز و درست ہے؟

محمد طاہر شار دھالیلی ستاد

۹۴۲ الجواب ــــــ ھو الھادی الی الصواب ــــــ

صفائی وستھرائی یا گرمی کی وجہ سے ٹھنڈک حاصل کرنا کوئی بری بات نہیں۔ اور اگر بدن نجس ہو تب تو طہارت حاصل کرنا ضروری ہے۔ غسل فرض اور سنت تو شریعتِ مطہرہ میں مامور ہے۔ ویسے بھی صفائی و پاکیزگی اسلامی شریعت میں محبوب و مطلوب ہے۔ لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام "اَلطُّھُوْرُ شَطْرُ الْاِیْمَانِ" پاکیزگی آدھا ایمان ہے۔ ہاں یونہی جی بہلانے اور بے ضرورتِ شرعی و طبعی بار بار غسل کرنا کوئی پسندیدہ کام نہیں ہے کہ تضیعِ اوقات کے علاوہ پانی کا اسراف (فضول خرچی) بھی ہے۔ حدیث پاک میں اس سے نہی وارد ہے۔ "لَا تُسْرِفُوْا فِی الْمَاءِ وَاِنْ کُنْتُمْ عَلٰی شَطِّ نَھْرٍ جَارٍ" کہ پانی میں اسراف مت کرو اگرچہ تم جاری نہر کے کنارے بیٹھ کر پانی کو استعمال کر رہے ہو۔

یہ ٹھیک ہے کہ یورپ کے غسل خانوں یا باورچی خانوں میں پانی کی کمی نہیں ہوا کرتی ہے لیکن کثرتِ استعمال سے اس کا میٹر تو زیادہ اٹھتا ہے جس کی وجہ سے پیسے زیادہ بھرنے پڑتے ہیں اور یہ مسلمانوں کا مالی خسارہ ہوا۔ پس پانی کے استعمال میں بھی احتیاط ہی شرع کو محبوب ہے۔ ضرورت محسوس ہو تو روزانہ بھی نہا سکتے ہیں اور بے ضرورت

صرف انہی غسلوں پر اکتفا کیا جائے جو شرع میں مامور ہے۔ مثلاً جنابت کا غسل، جمعہ وعیدین کا غسل اور اگر چاہیں تو غسل مستحب کو بھی اس میں شامل کر سکتے ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم　کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ۔ اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۱۵ ربیع النور ۱۴۲۵ھ

منی کے نکلنے پر غسل واجب کیوں؟

۸۳۷

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ میں کہ اگر گلاس دو گلاس پیشاب کیا جائے تو ادائے نماز کے لئے صرف وضو ہی فرض ہے لیکن دو چار قطرے اگر منی کے نکل جائیں تو غسل واجب ہو جاتا ہے اور منی ہی کی مثل اگر مذی یا ودی خارج ہو تو بجائے غسل کے صرف وضو ہی کیوں ہے؟ امید کہ تشفی بخش جواب دیکر مشکور فرمائیں گے۔　سائل: اسلم گجراتی چودھری مقیم دی ہیگ، ہالینڈ۔

۸۹۷/۹۲

الجواب ـــــــــ ھوالھادی الی الصواب ـــــــــ

مطلقاً منی کے نکلنے سے آدمی جنبی نہیں ہوتا نہ اس پر غسل واجب ہوتا ہے بلکہ اس کا حکم بھی ودی یا مذی کی طرح ہے۔ یعنی ان سبھوں میں سے کسی ایک کے نکلنے سے وضو جاتا رہتا ہے۔ ہاں غسل واجب ہونے کے لئے "عَلٰی وَجْہِ الدَّفْقِ وَالشَّھْوَۃِ" منی کا شہوت کے ساتھ اچھل کر نکلنا یا نکلنے کی کوشش کرنا ہے جس سے تمام بدن میں جھرجھری آجائے بخلاف مذی وودی اور پیشاب وغیرہ کے کہ ان کے نکلنے میں نہ تو شہوت کا غلبہ ہوتا ہے نہ ہی وہ اچھل کر نکلتے ہیں اور نہ ہی ان کے نکلنے سے پورا بدن متمتع ہوتا ہے ۔۔۔۔ جب یہ بات آپ کی سمجھ میں آگئی کہ جس منی کے اخراج سے غسل واجب ہوتا ہے وہ وہ ہے جس سے سارا جسم متمتع اور فیضیاب ہوتا ہے لہٰذا اسی نعمتِ الٰہی کے حصول کے بعد شکریہ کے طور پر پورے جسم کا غسل واجب ہوتا ہے۔

تفسیر روح البیان مصری جلد دوئم میں ہے۔

انما وجب غسل جمیع البدن　منی کے نکلنے سے پورے جسم کا دھونا بالضرورت

بخروجِ المنی ولم یجب بخروج البول والغائط وانّما وجب غسل الاعضاء المخصوصة لاغیر بوجوہ۔ احدھا انّ قضاء الشھوة بانزال المنی استمتاع بنعمة یظھر اثرھا فی جمیع البدن وھو اللذة فامر بغسل جمیع البدن شکرًا لھٰذہ النعمة وھٰذا لا یتقرر فی البول و الغائط الخ۔۔۔۔۔

واجب ہوجاتا ہے جبکہ پیشاب اور پاخانہ کے ہونے پر پورے جسم کا غسل واجب نہیں بلکہ صرف بعض خاص اعضا کا ہی دھونا (وضو کرنا) ضروری ہوتا ہے۔ اسکی چند وجہیں ہیں، پہلی وجہ یہ ہے کہ منی کے نکلنے میں تکمیلِ شہوت اور حصولِ لذت ہے اور یہ ایسی نعمت ہے کہ اس کا اثر پورے جسم کو متأثر بلکہ متمتع کرتی ہے جس سے جسم لذت یاب ہوتا ہے۔ اسی سبب سے شریعتِ اسلامیہ نے پورے جسم کو دھونے کا حکم دیا تاکہ اس نعمتِ الٰہی کا شکریہ ادا ہو۔ بخلاف اس کے پیشاب پاخانہ سے یہ لذّت واستمتاع حاصل نہیں ہوتی۔

(وایضًا فی البدائع الصنائع جلد اول) واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبـــــــــــہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۸ رشعبان المعظم ۱۴۲۲ھ

حدث اصغر سے غسل واجب کیوں نہیں؟

مسئلہ ۸۳۸: حضرت مفتی صاحب قبلہ! السّلام علیکم۔ ایک ضروری سوال یہ ہے کہ پاخانہ جو غلاظت ونفرت میں منی سے زیادہ غلیظ اور قابلِ نفرت ہے۔ اس کے نکلنے پر غسل واجب نہیں اور منی اگر شہوت کے ساتھ نکل جائے تو غسل واجب ہوجاتا ہے آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ سوال تو غالبًا مہمل ہے مگر بجائے غصہ ہونے کے جواب باصواب سے نوازنے کی زحمت فرمائیں۔

میں آپ کا دیرینہ خادم۔ محسن صدیق ہوں آجکل کُردوبہ (قرطبہ) اسپین میں مقیم ہوں۔ والسلام

۹۲۷ الجواب ـــــــ ھو الھادی الی الصواب ـــــــ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پیشاب، پاخانہ اور منی تینوں نجاستِ غلیظہ ہیں مگر پیشاب پاخانہ کے وقوع سے حدثِ اصغر (وضو ٹوٹنا) لاحق ہوتا ہے اور شہوت کے ساتھ منی کے اخراج سے جنابت (غسل کا لازم ہونا) لاحق ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حدثِ اصغر کا وقوع بکثرت اور عام ہے اگر حدثِ اصغر کے وقوع پر غسل لازم قرار دیا جائے تو یہ آسانی و نرمی (الدین یسر وسہل) کے خلاف ہوگا۔ اور جنابت تو کبھی کبھی لاحق ہوتی ہے۔ اس پر غسل کا وجوب بندگانِ الٰہی پر گراں نہیں گزرے گا۔ بلکہ اخراجِ منی کے بعد جو اعصاب میں افسردگی اور طبیعت میں درماندگی قدرتی طور پر پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کا علاج غسلِ بدن سے بہتر اور کچھ نہیں ہے۔ اسلئے شریعتِ مطہرہ نے اخراجِ منی کے بعد غسل کا حکم دیا ہے ..... اور پھر اسلئے بھی کہ قرآن پاک میں احکام جنب سے متعلق مبالغہ کا صیغہ آیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا جنابت کے بعد حکمِ طہارت میں بعض اعضاء کو خاص نہیں فرمایا گیا جیسا کہ وضو میں بعض اعضاء کو خاص کیا گیا ہے۔ اس سے روشن ہوا کہ پورے بدن کی طہارت شریعتِ مطہرہ کو مطلوب ہے جس کو غسل کہا جاتا ہے۔ واللہ سبحانہٗ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ اسلامک فونڈیشن۔ نیدرلینڈ

۸ محرم الحرام ۱۴۲۵ھ

مصنوعی دانت کے ساتھ غسل

مسئلہ ۸۳۹: کیا فرماتے ہیں علماء حقانی و مفتیانِ ربانی اس مسئلہ کے درمیان کہ آجکل یورپ و امریکہ میں لوگ بطور ضرورت یا بطور فیشن مصنوعی دانت لگانے لگے ہیں، جو قدرتی دانتوں کے مقابلہ میں زیادہ صاف و شفاف ہوتے ہیں سوال یہ ہے کہ وضو یا غسل کے وقت ان دانتوں کو نکالنا ضروری ہے یا نہیں؟

دل روشن۔ آمسٹرڈم ہالینڈ۔

۴۸۶/۹۲ الجواب ــــــ ھوالہادی الی الصّواب ــــــ

ضرورتاً مصنوعی دانتوں کے لگانے اور اس کے استعمال کرنے میں شرعاً کوئی حرج و قباحت نہیں ہے۔ وضو تو بہرحال ہوجائے گا کہ وضو میں کلّی سنّت ہے، اگر منہ میں پانی نہ بھی پہنچے تو کراہتاً ہی سہی وضو ہوجائے گا۔ البتہ غسلِ فرض میں کلّی کرنی فرض ہے۔ اور کلّی کا مطلب ہے منہ کے تمام اندرونی پُرزوں، حلقوں میں پانی کا اچھی طرح بہہ جانا۔ اگر وہ مصنوعی دانت اس طرح موزوں کئے گئے ہیں کہ وقتِ ضرورت نکال سکتے ہیں یا تھوڑی مشقّت کے بعد نکل جاتے ہیں تب تو غسلِ فرض کے وقت ان کو نکالنا ضروری ہے۔ اور پانی کو کھلے ہوئے مسوڑھوں میں پہنچانا ضروری ہے۔ اور اگر مصنوعی دانت اس طرح فٹ کئے گئے ہیں کہ نکل نہیں سکتے یا نکالنا بہت دشوار ہے تو غسل ہوجائے گا اُسے نکالنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے "الضّرورۃ تبیح المحظوراۃ"۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ۔ اسلامک فونڈیشن۔ نیدرلینڈ
۷/ ذی قعدہ ۱۴۲۲ھ

کافر کا جوٹھا

۸۴۰ مسئلہ:۔ اس مسئلہ میں ــــ حضرت مفتی صاحب قبلہ کا کیا ارشاد گرامی ہے کہ نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی امتیوں کے لئے ناپاک چیزوں کو حرام اور پاک چیزوں کو حلال فرماتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشادِ خداوندی ہے وَ يُحِلُّ عَلَيْهِمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ۔ اب یہ بتایا جائے کہ کافر و مشرک کا جوٹھا مذہب حنفی میں پاک ہے یا ناپاک؟ اگر پاک ہے تو اس کا جوٹھا کھانا حلال و درست ہے یا نہیں؟ امید کہ جواب سے نواز کر احسان فرمائیں گے۔ المستفتی۔ عبدل، راؤل حنیف شیخ۔ ہالینڈ

۴۸۷/۹۲ الجواب ــــــ وھوالہادی الی الصواب ــــــ

قرآنِ عظیم کے آیات و جمل کو نہایت احتیاط کے ساتھ صحیح صحیح لکھنا ضروری ہے

کہ مبادا تحریف قرآنی کا بھیانک الزام نہ آجائے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ اصل میں وہ جملہ مبارکہ جو سوالنامہ میں ہے یوں ہے " وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ۔ الاعراف (۱۵۷)

صورت مسئولہ میں یہ کہنا تو صحیح ہے کہ حلال وحرام کا اختیار اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو تفویض فرمایا ہے کہ وہ پاکیزہ اشیاء کو حلال اور ناپسندیدہ اشیاء کو اہل ایمان کے لئے حرام فرماتے ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جن پاک چیزوں کو حلال نہیں فرمایا وہ بھی اہل ایمان کے لئے حلال ولائق اکل ہوجائے۔ مثلاً حلال پرندوں کی بیٹ عندالشرع پاک ہے مگر اس کا کھانا حلال نہیں بلکہ حرام ہے۔ زمین سے نکلنے والی بیشتر اشیاء، مثلاً مٹی، پتھر، معدنیات وغیرہا کہ یہ سب پاک ہیں بلکہ پاک کرنے والے ہیں لیکن ان سب کا کھانا حلال وجائز نہیں۔

یہ بات بالکل صحیح ہے کہ آدمی کا جوٹھا پاک ہے (سُؤْرُ الْآدَمِیِّ طَاهِرٌ) لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان سب کے جوٹھوں کا کھانا پسندیدہ اور لقمۂ تر بھی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر آدمی کا جوٹھا کپڑے یا بدن پر لگ جائے اور اس کو صاف کئے بغیر کوئی نمازی نماز پڑھ لے تو اس نماز کو دُہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

یہ قاعدہ کلیہ ہماری شریعت نے وضع نہیں فرمایا ہے کہ "کسی چیز کا پاک ہونا اسکے حلال ولائقِ اکل ہونے کو مستلزم ہے" یہ تو صرف اپنا وہم وخیال ہے جو باطل ہے.... کافر ومشرک بھی کہلانے کو آدمی ہیں اور ان کا جوٹھا مذکورہ معنیٰ میں پاک ہے (بشرطیکہ ان کے ہونٹوں پر شراب کا اثر نہ ہو نہ اُن کی مونچھیں اتنی لمبی ہوں جن پر شراب کا اثر رہ جاتا ہے) ان کا جوٹھا کپڑے یا بدن میں لگ جانے سے کپڑا یا بدن نجس نہیں ہوگا یہی حکم ان کے پسینے کا بھی ہے۔ باقی رہا اس کے جوٹھے کو لقمۂ تر سمجھنا تو یہ اس کام و دہن کے لئے مناسب وپسندیدہ نہیں جسے نغماتِ لاہوتی وسرمدی بوسے دے رہے ہوں اور عام مسلمانوں کے لئے بھی اس سے احتراز ہی مناسب ہے۔ واللہ تبارک وتعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ، اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ

معذور کے لئے شرعی سہولتیں

مسئلہ ۸۴۱: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مثلاً زید کو گیسٹیک کی بیماری ہے ایک عرصہ سے اس کا علاج کرا رہا ہے مگر کامل طور پر افاقہ نہیں ہوتا ہے۔ زید کی کیفیت یہ ہے کہ ہر چند منٹ پر ریاح (ہوا) خارج ہوتا رہتا ہے۔ یعنی اتنا موقع اسے نہیں ملتا کہ وہ دو چار رکعت نماز بغیر ریاح خارج کئے ہوئے پڑھ لے۔ ایسی صورت میں زید کے نماز پڑھنے کا طریقہ کیا ہوگا؟ اور اس کے لئے شریعت میں کیا سہولت ہے؟　　بینوا وتوجروا

سائل: اصغر علی ویلفریٹ عبدل عرف اناں آمسٹرڈم ہالینڈ

الجواب ۹۲/۸۶ ــــــ ھوالھادی الی الصوا ــــــ

ایسا شخص جس کا وضو بار بار ٹوٹ جاتا ہے خواہ ریاح کے نکلنے سے خواہ پیشاب کے قطرے آنے سے خواہ کسی زخم سے خون وغیرہ بہنے سے یا بار بار منہ بھر قے ہونے وغیرہ سے تو وہ عندالشرع معذور ہے۔ اس کو آپ یوں بھی سمجھ سکتے ہیں کہ کسی نماز کا وقت داخل ہونے کے بعد اگر اس شخص کو اتنی مہلت نہیں ملتی ہے کہ وہ کامل وضو کرنے کے بعد اس وقت کی فرض نماز بغیر عذر کے لاحق ہوئے ادا کرلے تو وہ شخص معذور ہے اور شریعت میں معذور کے لئے جو سہولتیں ہیں ان کا وہ مستحق ہے

یعنی اب جبکہ اس کا عذر ثابت ہوگیا تو وہ اس وقت تک معذور رہے گا جب تک نماز کا ایک وقت کامل عذر کے لاحق ہوئے بغیر نہ گزر جائے۔

معذور کے لئے شریعت نے یہ سہولت دی ہے کہ ہر نماز کے پورے وقت کے لئے اس کا ایک ہی وضو کافی ہے۔ کہ پورے وقت میں اگر وہی عذر جس کے سبب وہ معذور قرار دیا گیا ہے سیکڑوں بار لاحق ہو جائے جب بھی وضو نہیں ٹوٹے گا۔ ہاں اگر دوسرا ناقض وضو لاحق ہو جائے تو البتہ وضو جاتا رہے گا۔ مثلاً ایک شخص کثرتِ ریاح کی وجہ سے شرعاً معذور ہو گیا پھر اس نے وقت نماز داخل ہونے پر وضو کر لیا۔ اور وقت نماز کے خارج

ہونے سے پہلے اگر اسے ایک قطرہ بھی پیشاب کا آگیا یا جسم کے کسی حصہ سے خون نکل کر بہہ گیا تو اس کا وضو جاتا رہا۔ صرف سبب عذر وقت کے اندر اس کے وضو کو نہیں توڑے گا بقیہ جو بھی نواقض وضو ہیں سب سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ معذور ایک وضو سے جس قدر نوافل وسنن اور فرض نمازیں چاہے پڑھ سکتا ہے، قرآن عظیم چھو سکتا ہے مسجدوں سے گزر سکتا ہے۔ جب نماز کا وقت نکلے گا تو معذور کا وضو بھی نکل جائے گا۔ دوسرے وقت نماز کے داخل ہونے پر اسے دوسرا وضو کرنا پڑے گا۔ هٰذِهِ المسئلة كلها في كتب الفقه متونًا وشروحًا وحاشيةً۔ واللہ تبارک وتعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۳۔ ذی الحجہ ۱۴۲۲ھ

مستحاضہ کی نماز

مسئلہ ۸۴۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کو ہر ماہ مثلاً پانچ دنوں تک حیض آنے کی عادت ہے مگر کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ پانچ دنوں کی مدت گزر جانے کے بعد بھی پانچ دنوں تک تھوڑا تھوڑا خون آتا رہتا ہے کیا ان دنوں میں بھی اس کی نمازیں معاف ہیں اور روزوں کی قضا کرسکتی ہے۔ اگر نمازیں معاف نہیں ہیں تو وہ نمازیں کس طرح پڑھی گی یعنی ہر نماز کے لئے غسل کرے گی یا غسل کا مسح؟ یا صرف وضو کے ساتھ نمازیں ادا کرلے گی؟ بینوا وتوجروا!

نوٹ: استحاضہ کی حالت میں وہ ہمبستری کرسکتی ہے یا نہیں؟

فیصل حسین علی آپل دورن وست۔ ہالینڈ

۸۴۲ الجواب ــــــ ھو الھادی الی الصواب ــــــ

تمام عورتوں کے حیض کے ایام برابر نہیں ہیں مگر کسی بھی عورت کو تین شب روز سے کم اور دس شب وروز سے زیادہ حیض نہیں آتا۔ اب جس کی جتنے دنوں کی عادت ہوگئی وہی اس کے لئے وقت معتاد ہے۔ خون تین دنوں سے کم آئے یا وقت معتاد سے زیادہ

آئے دونوں صورتوں میں وہ استحاضہ ہے یعنی حیض کا خون نہیں ہے۔ بلکہ رگوں سے نکلنے والا خون ہے۔ جب ایام مقررہ سے زیادہ خون ہندہ کو آتا ہے تو وہ مستحاضہ ہے۔ مستحاضہ پر واجب ہے کہ حیض کے ایام سے فارغ ہونے کے بعد غسل طہارت (جو فرض ہے) کرے۔ پھر ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرے۔ اور ایک وضو ایک وقت کی تمام نمازوں، تلاوتوں وغیرہ کے لئے کافی ہے۔ یعنی اس کے لئے وہی شرعی سہولتیں ہیں جو کسی معذور کیلئے ہیں۔

بخاری ومسلم میں حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ

جَاءَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ اَبِی حُبَیْشٍ	فاطمہ بنت حبیش بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئی اور عرض
اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ	کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک مستحاضہ
فَقَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ اُسْتَحَاضُ	عورت ہوں پاک نہیں رہتی کیا میں نماز کو چھوڑ دوں؟
فَلَا اَطْهُرُ اَفَاَدَعُ الصَّلٰوةَ؟ قَالَ لَا۔	آپ نے ارشاد فرمایا نہیں وہ تو رگ سے بہنے والا خون ہے
اِنَّمَا ذٰلِكَ عِرْقٌ وَلَیْسَ بِحَیْضٍ	حیض نہیں ہے۔ ہاں جب تم کو حیض آئے تو نماز چھوڑ
فَاِذَا اَقْبَلَتْ حَیْضَتُكِ فَدَعِی الصَّلٰوةَ	دو۔ اور جب حیض ختم ہو جائے تو خون کی نجاست کو
وَاِذَا اَدْبَرَتْ فَاغْسِلِیْ عَنْكِ الدَّمَ	دور کرنے کیلئے غسل کر لو پھر ہر نماز کے لئے
ثُمَّ تَوَضَّئِیْ لِكُلِّ صَلٰوةٍ حَتّٰی یَجِیْئَ	وضو کرو (اور نماز پڑھ لو) یہاں تک کہ حیض کا دوسرا
ذٰلِكَ الْوَقْتُ۔	وقتِ مقررہ آجائے۔

جس طرح کسی معذور کا وضو نماز کا وقت نکلنے سے ٹوٹ جاتا ہے اسی طرح استحاضہ والی عورتوں کا وضو ٹوٹ جائے گا لیکن وقت داخل ہونے کے بعد جب اس نے وضو کر لیا تو جب تک وہ وقت باقی ہے اس وضو سے نماز فرض وسنت ونفل جس قدر چاہے پڑھ سکتی ہے، قرآن پاک کی تلاوت کر سکتی ہے اس کو بغیر حائل کے چھو سکتی ہے۔

نوٹ: حالت استحاضہ میں جہاں تک ممکن ہو سکے ہم بستری (مجامعت) سے بچنا احسن واولیٰ ہے مگر کر لیا تو ناجائز وحرام نہیں ہے۔ زمانۂ رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں بیویوں سے ان کے شوہر مجامعت فرماتے تھے جو اس کے جواز وحلت کی دلیل ہے لہٰذا کراہت تنزیہی کے ساتھ اس حالت میں وطی کرنا

جائز و مباح ہے۔　　واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ۔ اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۱۷ رجب المرجب ۱۴۲۱ھ

نائیلون کے موزوں پر مسح

مسئلہ ۸۴۳ :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آجکل بیشتر نیلون یا اونی سوتی موزے استعمال ہوتے ہیں۔ نیلونی موزے اس قدر مضبوط اور دیر پا ہوتے ہیں کہ بغیر جوتے کے اسے تنہا پہن کر میلوں میل پیدل چلا جاسکتا ہے اور وہ پھٹنے کا نام نہیں لیتا۔ اسی طرح بعض اونی موزے بھی مضبوط اور ضخیم ہوتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ان موزوں پر سردی کے موسم میں مسح کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور اس مسح کی وجہ سے چوبیس گھنٹے تک بغیر پاؤں دھوئے نماز ادا کرنے کی سہولت شرعی طور پر مل سکتی ہے یا نہیں؟　　بینوا و توجروا

سائل :- کبیرالدین بنگالی۔ مقیم حال آسٹرڈم ویسٹ۔ ہالینڈ

۸۶/۹۲ الجواب ــــــــ وھوالھادی الی الصواب ــــــــ

مذہب حنفی کے مطابق جن موزوں پر مسح کرنا جائز و درست ہے وہ وہ موزے ہیں جو چمڑے سے بنے ہوں یا ان کا تلا چمڑے کا ہو۔ یا پھر ایسی دبیز (مثلاً کیرمیچ) چیز سے بنا ہو کہ اس پر مسح کرتے وقت پانی کی تری (نمی) قدم کی جلد تک نہ پہنچے۔

سائل نے جن موزوں کا ذکر کیا ہے ان میں سے کوئی موزہ ایسا نہیں جن پر مسح کرنا شرعاً درست ہو۔

حضرت شیخ الاسلام برہان الملۃ والدین ابوالحسن علی علیہ الرحمۃ نے اپنی مشہور آفاق تصنیف "ہدایہ اول" کتاب الطہارت میں تحریر فرمایا۔

ولا یجوز المسح علی الجوربین　　امام اعظم علیہ الرحمۃ کے نزدیک غیر جلدی موزوں

عند ابی حنیفۃ الا ان ... پر مسح کرنا جائز نہیں ہاں جو موزے چمڑے کے
یکون مجلدین او منعلین ۔ ہوں یا انکا تلوا چمڑے کا ہو تو مسح جائز ہے ۔

موزوں پر مسح صحیح ہونے کے لئے ایک اور بھی شرط ہے اور وہ یہ
کہ موزے ایسے ہوں جو پنڈلی تک ہوں ۔ خود بخود نیچے نہ آجائیں ۔

واللہ سبحانہٗ اعلم وعلمہ اتم واحکم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ مجلس علماء نیدرلینڈ

۲۱ / صفر المظفر ۱۴۲۵ھ

احکام شرع کا اجمالی بیان

احکام شرع کی قسمیں

مسئلہ ۸۴۴ :- مولانا سید عبد المنان جامعی روٹرڈم، نیدرلینڈ
۵-۱۲-۱۹۸۵ء

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ احکام شرع کی کتنی قسمیں ہیں؟ اور ان کا علیٰحدہ علیٰحدہ حکم کیا ہے؟ امید قوی ہے کر ہر قسم کو الگ الگ تحریر فرما کر اس کے حکم سے آگاہ فرمانے کی زحمت گوارہ کریں گے۔

الجواب ۷۸۶/۹۲ بعون الملک الوھاب ھو الھادی الی الصواب

اس باب میں ائمہ کرام مختلف ہیں اور کلام فقہا مضطرب ہے۔ مسلم الثبوت نے مشہور احکام شرع کی تعداد پانچ بتایا۔

واجب۱ ۔ مندوب۲ ۔ مکروہ۳ ۔ حرام۴ اور مباح۵

مگر یہ تقسیم احکام نہایت اجمالی اور مذہب شوافع کے ممد و معاون ہے کیونکہ ان کے نزدیک فرض و واجب اور سنت و نفل میں فرق نہیں ہے۔

اسی لئے بعض فقہاء احناف نے اپنے مذہب مہذب کی رعایت کرتے ہوئے احکام شرع کو سات قسموں پر تقسیم کیا ہے۔ فرض۱ ۔ واجب۲ ۔ سنت۳ ۔ نفل۴ ۔ حرام۵ مکروہ۶ اور مباح۷ ۔ اور اس کا ذکر بھی مسلم الثبوت میں موجود ہے۔

پھر فقہاء متاخرین میں اہل تحقیق و تخریج حضرات (مثلاً صاحب درمختار، ردالمحتار، بحرالرائق اور منحۃ الخالق وغیرہم) نے احکام شرع کو نو قسموں پر تقسیم کیا اور ہر ایک کا حکم واضح کیا۔

لیکن سب سے عمدہ تحقیق انیق اور تصحیح و تطبیق امام اہل سنت مجدد دین و

ملت، صاحب حجۃ قاہرہ مؤید ملت طاہرہ امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ رحمۃ الغنی کی ہے۔ انہوں نے اپنے فتاویٰ مبارکہ جلد اوّل میں احکام شرع کی ایسی تقسیم فرمائی جو تمام خلل و اضطراب سے پاک اور اس باب میں گویا ایسا عطر مجموعہ ہے جو فقہاء احناف کے تمام نصوص و تصریحات پر مشتمل ہے۔ اور وہ یہ ہے
فرض[۱]، واجب[۲]، سنّت[۳] مؤکدہ، سنّت[۴] غیر مؤکدہ، مستحب[۵]، حرام[۶]، مکروہ تحریمی[۷]
اسائت[۸]، مکروہ تنزیہی[۹]۔ خلافِ[۱۰] اولیٰ اور مباح[۱۱]۔

تقسیم بالا پر غور و فکر کرنے سے معلوم ہوا کہ جانب فعل (امر) میں احکام کی پانچ قسمیں ہیں جس کے بالمقابل جانبِ ترک (نہی) میں بھی پانچ قسمیں ہیں۔ اور ہر ایک قسم قسمِ اوّل کے بالمقابل اور نظیر ہے۔ اور گیارہویں قسم مباح خالص کی ہے۔ یعنی کل احکامِ شرع گیارہ ہیں جنکی اجمالی تعریف و حکم یہ ہے۔

① **فرض**۔ وہ حکم شرع ہے جو بہ نص قطعی جزماً ثابت ہو اور جس کو ادا کئے بغیر مسلمان بری الذمہ نہ ہو۔ اگر اس کا حکم کسی عمل میں ہے تو اسکے بغیر وہ عمل کالعدم اور باطل قرار پائے گا اس کا تارک خواہ عادتاً ہو یا نادراً مستحق عذاب نار ہے پھر اگر فرض فرض اعتقادی ہو تو اس کا منکر ائمہ حنفیہ کے نزدیک مطلقاً کافر ہے۔ اور اگر اس کی فرضیت عام و خاص پر روشن ہو تو ایسی فرضیت کا منکر اجماعًا قطعًا کافر ہے۔

② **واجب**۔ وہ حکم شرع ہے جو دلائلِ شرع سے بطورِ ظنیت ثابت ہو۔ اگر وہ واجب اعتقادی ہے تو اس کا منکر فاسق و گمراہ ہے۔ اور اگر وہ واجب عملی ہے تو اس کی ادائیگی عمل میں ضرور ہے بغیر اس کے عمل ناقص اور واجب الادا رہے گا۔ عادتاً اس کا چھوڑنے والا مستحقِ عذابِ نار اور نادراً چھوڑنے والا گنہ گار ہے۔

③ **سنّتِ مؤکدہ**۔ جس کے کرنے کی تاکید سنّت سے ثابت ہو یا سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود ہمیشہ وہ عمل کیا ہو مگر بیانِ جواز کے

لئے کبھی اُسے ترک بھی فرمادیا ہو۔ اس کا چھوڑ دینا وجہ عذاب وعتاب ہے۔ یعنی عادتًا چھوڑنے والا مستحقِ عذاب اور نادرًا چھوڑنے والا مستحق عتاب ہے اور اسی کو اصطلاح میں اسائت بھی کہتے ہیں جو سنّتِ مؤکدہ کے بالمقابل ہے۔

(۴) **سُنّتِ غیر مؤکدہ**: اسی کو سنّتِ زائدہ بھی کہتے ہیں جس کے بجالانے کی تاکید سنّت سے ثابت نہ ہو خواہ حضور اقدس سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ اس پر عمل فرمایا ہو یا نہیں۔ اس کو بجالانا ثواب اور چھوڑ دینا اگرچہ عادتًا ہو وجہ عذاب نہیں ہاں مورثِ نفرت وعتاب ہے۔

(۵) **مستحب**۔ جس کی بجاآوری عند الشرع محبوب وپسندیدہ ہو اور اس کا ترک کردینا عذاب وعتاب کا سبب نہ ہو۔ خواہ اس عمل نے سیّدِ کائنات علیہ الصلوات والتسلیمات کی عملی زندگی میں باریابی حاصل کی ہو یا نہیں کسی عمل کے مستحب ومندوب ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ اس کو ائمہ اسلام یا علماء کرام نے پسند فرمایا ہو اس کا کرنا وجہ ثواب اور نہ کرنا وجہِ عتاب وسرزنش نہیں۔

نوٹ: یہ پانچوں وہ افعالِ شرعیّہ ہیں جن کی بجاآوری شرع کے نزدیک مقصود ومطلوب ومحبوب ہے اور ان کے مقابل پانچ ممنوعاتِ شرعیّہ ہیں جن کا ترک عند الشرع مطلوب ومحبوب ہے۔

(۶) **حرام**: یہ فرض کے بالمقابل ہے جس کی ممانعت بہ نصّ قطعی ثابت ہو۔ لہٰذا اس سے بچنا ضروری (فرض) ہے۔ اور اس فعل کا مرتکب ہونا خواہ عادتًا ہو یا نادرًا استحقاقِ عذاب کو لازم کرتا ہے۔ کیونکہ شرعًا اس کا ارتکاب گناہِ کبیرہ اور فسق ہے۔

(۷) **مکروہِ تحریمی**: وہ ہے جس کی ممانعت دلائلِ شرعیّہ سے بطور دلیل ظنّی ثابت ہو۔ یہ واجب کے مقابل ہے۔ اس کا فاعل مستحق عذاب اور گنہ گار ہوتا ہے مگر اس کا گناہ حرام سے کم ہے۔ اگر کسی عبادت میں واقع ہو تو عبادت

کو ناقص بنا دیتی ہے لہٰذا اس عبادت کا اعادہ عند الشرع مطلوب ہے۔

⑧ **اِساءَت:** یہ مکروہ تحریمی اور مکروہ تنزیہی کے درمیان گویا برزخ ہے یعنی تحریمی سے کچھ خفیف اور تنزیہی سے کچھ زیادہ مخش۔ لہٰذا یہ سنّت مؤکدہ کے بالمقابل ہے۔ عادتًا اس کے فاعل پر عذاب اور نادرًا اس کے فاعل پر عتاب ہے۔

⑨ **مکروہ تنزیہی:** وہ ہے جس کا کرنا شرع شریف کو پسند نہیں۔ لیکن اگر کوئی اس کا مرتکب ہو جائے تو وہ مستحق عذاب نہیں ہوگا۔ ہاں قابلِ سرزنش ہو سکتا ہے۔ یہ سنّت غیر مؤکدہ کے مقابل میں ہے۔

⑩ **خلاف اولیٰ:** یہ مستحب کے مقابل ہے یعنی نہ کرنا بہتر ہے اور کر لینے پر کوئی عذاب و عتاب یا سرزنش نہیں۔

⑪ **مباح:** جس کی حلّت و حرمت، وجوب و کراہت وغیرہا پر کوئی دلیل شرع موجود نہ ہو، جس کا کرنا اور نہ کرنا شریعت کے نزدیک برابر ہو۔ لہٰذا اس کے فاعل و تارک پر نہ ثواب مرتّب ہوگا اور نہ عذاب و عتاب۔

بجملۂ اُخریٰ امر بالمعروف کی تعبیر یوں بھی ہو سکتی ہے کہ مستحب سے زیادہ اہم سنّتِ غیر مؤکدہ ہے، اور سنّتِ غیر مؤکدہ سے زیادہ اہم و اکد سنّتِ مؤکدہ ہے۔ اور سنّتِ مؤکدہ سے زیادہ ضروری واجب، اور واجب سے بہت زیادہ ضروری فرض ہے۔ اسی طرح نہی عن المنکر کی جانب بھی کہہ سکتے ہیں کہ خلافِ اولیٰ سے بُرا مکروہ تنزیہی ہے اور مکروہ تنزیہی سے زیادہ بُرا اساءت ہے اور اساءت سے بدتر مکروہ تحریمی ہے اور مکروہ تحریمی سے زیادہ اور بڑا گناہ کا کام حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ مسجد نوری آمسٹرڈم ہالینڈ

مفتی کی تعریف

مسئلہ ۸۴۵: مولانا سید عبد المنان جامعی روٹرڈم
۲۶-۱-۱۹۸۶ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع ادام اللہ تعالیٰ ظلالہم علینا و علیٰ جمیع اہل السنۃ والجماعۃ اس مسئلہ میں کہ مفتی کسے کہتے ہیں؟ اور اس کی علمی لیاقت کیا ہونی چاہیئے؟ آجکل عموماً کسی مدرسہ کے فارغ التحصیل کو مفتی کا لقب دے دیا جاتا ہے اور عوام لقبی مفتی یا خاندانی مفتی اور اصل مفتی شرع میں فرق نہیں کر پاتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کے اس طرزِ عمل سے مفتی شرع کی ہتک ہوتی ہے۔ احکام شرع سے متعلق نہایت واضح اور روشن جواب نے سرفرازی عطا فرمایا میں نے اپنے جامعہ کے اساتذۂ کرام کو بھی دکھلایا جس کو پڑھ کر بہت زیادہ متاثر ہوئے اور آپ کو ڈھیروں دعائیں دیتے رہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان حضرات کی پُرخلوص غائبانہ دعاؤں کو قبول فرمائے اور آپ کے علمی و فنی فیضان کو عام سے عام تر کرے۔ آمین۔　　　طالب دعا۔ عبدالمنان جامعی

۸۶/۹۲ **الجواب اللّٰھم اھدنا الصواب**

اصل میں مجتہدین کرام ہی مفتی ہوتے تھے جن کو فقیہ کہا جاتا تھا اور جس کے اندر اجتہادی قوت یا اجتہادی بصیرت کا فقدان ہوتا اسے فقیہ (مفتی) کہلانے کا کوئی حق نہیں تھا۔ چنانچہ "البحر الرائق" جلد اول میں ہے۔

فلیس الفقیہُ الّا المجتَہِد عندَھُم وَاطلاقہ علی المُقلِّد الحَافظ المسائِل مَجازاً　　　کہ مجتہد ہی اصل میں فقیہ (مفتی) ہوتا ہے اور غیر مجتہد (مقلّد) پر فقیہ کا اطلاق اگرچہ وہ مسائل شرعیہ کا حافظ ہو صرف مجازاً ہے۔

مفتی کے اندر اعلیٰ درجہ کی شرعی علمی لیاقت، حکیمانہ فکر و نظر اور مجتہدانہ بصیرت بایں معنیٰ ضروری ہے کہ وہ مسائل محدثہ میں اپنی اجتہادی بصیرت اور قوتِ علمیہ فقہیہ سے کوئی ایسی رائے قائم کر سکے جس کا ثواب خطا پر غالب ہو۔ صرف فقہی جزئیات و مسائل کے حافظ و عالم کو مجازاً تو مفتی کہا جا سکتا ہے لیکن علماء اصولیین کی نظر میں وہ مفتی نہیں ہوگا۔

لیکن آپ نے جس زبوں حالی پر افسوس کا اظہار کیا ہے وہ جائے افسوس ہی

نہیں لائق مذمت ہے کہ جن حضرات کو شرعی علم سے کوئی مس نہیں مقصدِ شرع کا ادراک نہیں۔ بلاد و عباد کے احوال سے دور کا واسطہ نہیں انہیں نہ صرف مفتی وفقیہ کہا جاتا ہے بلکہ رئیس الافتاء، فقیہ النفس، مفتی اعظم اور نہ معلوم کیا کیا کہا اور لکھا جاتا ہے۔ الامان والحفیظ۔

اعلیٰحضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ نے اپنے فتاویٰ مبارکہ میں بار بار اس اہمیت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ "تفقہ کا رکن اعظم مقصدِ شرع کا ادراک اور احوالِ بلاد و عباد پر نظر ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ نئے مسائل صرف عبادات وعقائد، حلت وحرمت طہارت ونجاست ہی سے متعلق نہیں ہوتے بلکہ معاملات ومعاشرت، اخلاق و عادت اور اس سے بھی آگے سیاسی تصورات اور حکومتی انتظامات وغیرہا سے متعلق ہوسکتے ہیں۔ پھر ان میں سے بہت سے معاملات کا حصہ بین الاقوامی قوانین اور اس کے اصولوں سے جڑا ہوا ہوتا ہے۔

اس لئے ایک مفتی ان احوال ومتعلقات سے بے نیاز ہوکر اور کسی گوشۂ تنہائی میں سوکر اپنے فرائض کو پورے طور پر انجام نہیں دے سکتا۔ لہٰذا مفتی کے لئے یہ بھی ناگزیر ہے کہ وہ ملکی اور بین الاقوامی قوانین اور اس کی تبدیلیوں پر بھی نگاہ رکھے۔ اور معاملاتی ومعاشرتی تغیرات کا بھی اسے علم ہوتا رہے۔ یعنی احوالِ بلاد وعباد سے وہ باخبر رہے۔

اعلیٰحضرت امام اہلسنّت علیہ الرحمۃ نے مفتی کی ایسی جامع تعریف وتوصیف فرمائی ہے کہ اس کے بعد اس پر کچھ اور اضافہ کرنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہ جاتی ہے۔ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں۔

> "تفسیر، حدیث، اصول وادب، ہیئات وہندسہ، توقیت (بقدر ضرورت) کتب فقہیہ کا کثیر مشغلہ، اشغالِ دنیویہ سے یکگونہ فراغ، قلب اور توجہ الی اللہ، نیت لوجہ اللہ اور ساتھ ہی ساتھ توفیق من اللہ اور مہارت اتنی ہو کہ اس کی اصابت اس کی خطا پر غالب ہو اور جب خطا د

واقع ہو تو رجوع سے عار نہ کرے جو ان شرائط کا جامع ہو اور اس بحرِ ذخار میں شناوری کرسکتا ہو وہ مفتی ہوسکتا ہے۔" ۱۵

ان تمام خوبیوں کے علاوہ مفتی ہونے کے لئے اس بات کی بھی اشد ضرورت ہے کہ وہ کسی کہنہ مشق تجربہ کار مفتی کی خدمت میں رہ کر افتاء کے اسرار و رموز اور زبان و بیان کی نوک و پلک کی درستگی کا فن سیکھے۔ بایں ہمہ وہ اپنے کو مفتی نہیں بلکہ سچے دل سے ناقل سمجھے اور مفتیانِ کرام کا خادم۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس سے پہلے کا جواب آپ نے ملاحظہ فرمایا پسند آیا جس کے لئے مشکور ہوں۔ باری تعالیٰ آپ کے طفیل مجھے بھی سمجھ بوجھ کی دولتِ عظمیٰ سے نوازے آمین۔ وصلی اللہ تبارک وتعالیٰ علی حبیبنا و سیدنا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ

خادم الافتاء، نوری مسجد آمسٹرڈم، ہالینڈ

نوٹ:۔ اگر مفتی، افتاء، اور فتویٰ وغیرہ سے متعلق آپ مزید معلومات حاصل فرمانا چاہتے ہیں نیز اصولِ افتاء وغیرہ سے پوری پوری واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو فقیر پُر تقصیر کی مختصر تالیف "الاصل الفقہی من افادات الرضوی" ۲۰۰۲ یعنی فتویٰ نویسی کے رہنما اصول، کا ضرور مطالعہ کریں۔

عبدالواجد قادری غفرلہ

کتاب الصلوٰۃ
(نمازوں کا بیان)

نیدرلینڈ کی بعض راتوں میں عشاء کا وقت نہیں آتا ہے

× **مسئلہ** ۸۴۶ :- ارمان، نیدرلینڈ اسلامک سوسائٹی آمسٹرڈم
۱۹۸۶-۷-۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہالینڈ وغیرہ چند یورپین ممالک میں تقریباً دو مہینے شفق ابیض کے غائب نہ ہونے کی وجہ سے نمازِ عشاء کی فرضیت و عدم فرضیت کے متعلق علمائے اہلسنت کے درمیان اختلاف ہوا بعض علماء نے نمازِ عشاء بہ نیت قضا پڑھنے کا حکم دیا اور بعض نے شفقِ احمر کے بعد ہی نمازِ عشاء کی فرضیت کا قول کیا۔ آخرالذکر قول کی تحریری تائید یورپ میں مقیم اکثر علماء نے کی۔ بعض علماء نے توجوشِ تائید میں یہاں تک لکھا کہ "فرضیتِ عشاء کا قول (شفق ابیض کے غروب سے قبل) مسلکِ حق مذہب اہلسنت کے بالکل مطابق ہے اور اس کی فرضیت کا منکر حد شرع کو توڑنے والا اور منکر نماز ہے۔

جواب طلب امر یہ ہے کہ اس طرح تائید کرنے سے امام اعظم علیہ الرحمہ اور ان کے ہم مذہب کی عظمت خداداد تو مجروح نہیں ہوتی؟ اور کیا اس طرح تائید کرنے سے مؤیدین پر کوئی شرعی حکم تو نافذ نہیں ہوتا؟

۹۲/۴۸۶ **الجواب** اللّٰھمّ ھدایۃ الحق والصواب

واقعی یورپ کے چند ممالک بشمول ہالینڈ کی اڑسٹھ راتوں میں شفق ابیض [illegible] نہیں ہوتے پاتا ہے کہ سورج مائل بطلوع ہو جاتا ہے یعنی صبح صادق ہو جاتی

و

ہے نمازوں کی فرضیت چونکہ وقت کے ساتھ مؤقت ومقید ہے جب وقت ہی نہیں آیا تو فرضیت کا سوال ہی نہیں ہوتا ہے جیسے عصر کے وقت میں مغرب اور مغرب کے وقت میں عشاء کی نماز نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ وقت نہ آنے کی وجہ سے ابھی وہ فرض نہیں ہوئی ہے جیسا کہ قرآن پاک میں صاف صریح ارشاد خداوندی ہے۔

"إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا ه

(ایمان والوں پر وقت کے ساتھ نماز فرض ہے) اور یہ بھی مسلّم ہے کہ امّتِ مسلمہ پر روزانہ (چوبیس گھنٹے میں) پانچ وقت کی نمازیں فرض ہیں۔ لہٰذا مذکورہ راتوں میں عشاء کا وقت مقدر ماننا پڑے گا اور اس کو بہ نیت قضا پڑھنی ہوگی۔ اس کی تقدیر یوں ہے کہ قربِ قیامت میں خروجِ دجّال کا پہلا دن ایک سال کے برابر ہوگا۔ جس میں نمازوں کے اوقات کو مقدر ماننے کا حکم حدیث پاک سے منصوص ہے۔ لہٰذا جن علماء کرام نے ان مخصوص راتوں میں عشاء کی نمازیں بہ نیت قضا پڑھنے کا حکم دیا۔ انہوں نے مذہب حنفی کے مطابق صحیح حکم دیا۔ اور جن علماء نے اس حکم کی تغلیط کی یا اُسے مذہب مہذب حنفی کے یا مذہب اہلسنت کے خلاف کہا۔ یا ایسا حکم دینے والوں کو فرضیت نماز کا منکر (العیاذ باللہ تعالیٰ) کہا۔ دراصل وہی حضرات مذہب حنفیت کی حدوں کو پار کرجانے والے ہیں۔ کیونکہ شفقِ احمر کے غائب ہونے پر امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک عشاء کا وقت آتا ہی نہیں۔

"كَمَا فِي فَتَاوٰى قَاضِي خَان وَالْهِنْدِيَّة قَالَ أَبُوْ حَنِيْفَة رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى هُوَ الْبَيَاضُ الَّذِي يَلِي الْحُمْرَةَ حَتّٰى لَوْ صَلَّى الْعِشَاءَ بَعْدَ مَا غَابَتِ الْحُمْرَةُ وَلَمْ يَغِبِ الْبَيَاضُ الْمُعْتَرِضُ الَّذِي يَكُوْنُ بَعْدَ الْحُمْرَةِ وَلَا يَجُوْزُ عِنْدَهُ۔"

یہ عبارت قاضی خاں کی ہے جو شفق ابیض کی غیوبت سے قبل عشاء کی نماز کے عدم جواز پر صراحتًا دال ہے۔ اور یہ قول امام مذہب کا ہے۔

اور فتاویٰ ہندیہ میں صاف وصریح ارشاد ہے۔

وَمَنْ لَّمْ یَجِدْ وَقْتَ الْعِشَاءِ وَالْوِتْرِ بِاَنْ کَانَ فِیْ بَلَدٍ یَطْلَعُ الْفَجْرُ فِیْهِ کَمَا یَغْرُبُ الشَّفَقُ اَوْ قَبْلَ اَنْ یَّغِیْبَ الشَّفَقُ لَمْ یَجِبَا عَلَیْهِ هٰکَذَا فِی التَّبْیِیْن۔

جن ملکوں میں شفق ابیض غائب ہوتے ہی یا غائب ہونے سے پہلے ہی صبح صادق طلوع ہو جاتی ہے ان ملکوں میں نماز عشاء اور نماز وتر واجب نہیں ہے۔ ایسا ہی تبیین میں بھی ہے۔

بعض حضرات کا یہ دعویٰ کہ امام اعظم علیہ الرحمہ نے اپنے مذکورہ قول سے رجوع فرمایا ہے مگر عند التحقیق آپ کا رجوع فرمانا صحیح نہیں ہے۔ کما فی فتح القدیر۔

دریں صورتِ حال مؤیدین حضرات کا بآں جملہائے مذکورہ تائید کرنا جُرْأۃٌ عَلَی الشَّرِیْعَۃ یا ناواقفیت پر دال ہے، انہیں اپنے تائیدی جملوں کے نازیبا کلمات سے رجوع کرتے ہوئے اُن علمائے کرام سے معافی طلب کرنی چاہئے جنہوں نے صحیح مسئلہ کی وضاحت واشاعت کی۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء

وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ

نوٹ:۔ ممالک مذکورہ میں جب عند الامام عشاء و وتر کا وقت چند راتوں میں آتا ہی نہیں تو بجائے دوسرے ائمہ مذاہب کی تقلید کے حضرات صاحبین علیہما الرحمہ کے قول (شفقِ احمر کی غیوبت کے بعد) عشاء کا وقت مقدر مانا جائے اور اسی کے مطابق ان ممالک کا ٹائم ٹیبل (اوقات الصلوٰۃ) تیار کیا جائے۔

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ نوری دارالافتاء آمسٹرڈم ہالینڈ

یکم شوال ۱۴۰۶ھ

سوال ۴۶ کی تائید وتوثیق نائب مفتیٔ اعظم تاج العلماء حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خانصاحب عرف ازہری میاں خلفِ اسعد و اعلم حضور سیدی مفسر اعظم ہند و نبیرۂ امجد سیدی اعلیحضرت عظیم البرکت نے فرمائی۔ لیکن جب سوالِ مذکور بیان حضرت والا مدظلہ العالی سے جواب طلب کیا گیا تو مندرجہ ذیل جواب عنایت فرمایا جو نہایت معلوماتی اور مفید ہے لہٰذا اہلِ علم کے استفادہ کے لئے فتاویٰ یورپ میں شامل

کیا جارہا ہے۔ (مرتب)

۴۸۶/۹۲ الجواب: فی الواقع ہمارے امام اعظم ہمام اقدم سراج الائمۃ ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب مہذب یہ ہے کہ عشاء کا وقت شفق ابیض کے غروب کے بعد شروع ہوتا ہے، اور یہی مذہب اجلہ صحابۂ کرام مثل صدیق وابوہریرہ وعائشہ صدیقہ اور تابعی جلیل عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہے۔ بلکہ غالباً عامۃ الصحابہ کا یہی مذہب ہے اور شفق احمر کی روایت کو ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سوا کسی نے روایت نہیں کیا اور اس قول سے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رجوع ثابت نہیں۔ اور قول امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی احوط ہے تو وہی من حیث الدلیل اقویٰ ہے جس سے بلا ضرورت عدول جائز نہیں۔ ردّ المحتار میں فرمایا۔

قوله (واليه رجع الامام) اى الى قولهما الذى هو رواية عنه ايضا وصرح فى المجمع بان عليه الفتوى وردّه المحقق فى الفتح بانه لايساعده رواية اودراية الخ وقال تلميذه العلّامة قاسم فى تصحيح القدورى ان رجوعه لم يثبت لما نقله كافة من لدن الائمّة الثلاثة الى اليوم من حكاية القولين ودعوى عمل عامة الصحابة بخلافه خلاف المنقول. قال فى الاختيار الشفقُ البياض هو مذهب الصدّيق ومعاذ بن جبل وعائشة رضى الله تعالىٰ عنهم قلت رواه عبد الرزّاق عن ابى هريرة وعن عمر بن عبد العزيز ولم يروالبيهقى الشفق الاحمر الاعن ابن عمر وتمامه واذا تعارضت الاخبار والآثار فلا يخرج

وقت المغرب بالشك كما في الهداية وغيرها قال العلامة قاسم فثبت ان قول الامام هو الاصح ومشى عليه في البحر مؤيداً له بما قدمناه عنه من انه لا يعدل عن قول الامام الا لضرورة من ضعف دليل او تعامل بخلافه كالمزارعة وفي السراج قولهما اوسع وقوله احوط ... ملخصاً۔

اور جب قول امام سے بے ضرورت عدول جائز نہیں اور ضرورت مفقود۔ اور یہ عذر کہ نماز کو قضا ہونے سے بچاتا ہے۔ ضرورتِ شرعیہ نہیں جس کے سبب امام اعظم کے مذہب مہذّب سے عدول جائز ہو۔ حالانکہ وہی مِنْ حَيْثُ الدَّلِيل اقویٰ ہے اس لئے کہ وہی احوط ہے۔ جیسا کہ ابھی تصریح ردّ المحتار سے گزری اور اس سے عدول میں مقتضائے احتیاط کا خلاف لازم آتا ہے۔ اور وقت سے پہلے نماز عشاء پڑھ لینے کا شبہۂ قویہ موجود ہے جس سے بچنے کی ضرورت ہے۔ تو ثابت ہوا کہ ضرورت بھی امام اعظم کے قول پر عمل کی طرف داعی ہے۔ اور اس کے خلاف فتویٰ محلِ نظر ہے۔ اور اس کی تائید وہ بھی اس طور پر کہ یہ قول مسلکِ حقہ اہلسنت کے بالکل مطابق ہے۔ مبالغہ سے خالی نہیں۔ اور دوسرے قول کی نسبت یہ تعریض بھی اس سے ظاہر ہے کہ وہ معاذ اللہ مسلکِ اہلسنّت کے مطابق نہیں۔ حالانکہ وہ قول قولِ امام ہے۔ اور اس قولِ مخالف پر فرضیتِ عشاء ایسی قطعی ماننا کہ قولِ مؤید "اس کی فرضیت کا منکر حدِ شرع کو توڑنے والا اور منکر نماز ہے" بہت سخت ہے کہ خلافیت میں نوبت بتکفیر مسلم پہنچاتا ہے۔ اور تکفیر مسلم کا ہرگز یہاں کوئی محل نہیں۔ نہ اس کا یہاں ادنیٰ شبہہ موجود۔ تو یہ سخت جرأت ہے اور ضرور امام اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان پر جسارت و بے باکی پہنچی۔ علماء کرام تو یہ احتیاط فرمائیں کہ قائل کے کلام جس کے ظاہری معنی کفری ہوں مگر اس میں کوئی پہلو وہ بھی ہو جو کفری نہ ہو تو وہ اس کے کفر کا فتویٰ نہ دیں بلکہ منع فرمائیں۔ درمختار میں ہے۔

اذا کان فی المسئلۃ وجوہ توجب الکفر وواحد یمنعہ فعلی المفتی المیل لما یمنعہ" ردّ المحتار میں ہے " لا یکفی بکفر مسلم امکن حمل کلامہ علی محمل حسن او کان فی کفرہ خلاف ولو روایۃ ضعیفۃ اھ

اور جوش تائید میں مؤید صاحب کا یہ حال کہ ایک مسئلۂ خلافیہ میں جس میں کفر کا ادنیٰ شائبہ بھی نہیں، تکفیر مسلم پر جرأت فرمائیں اور امام اعظم کا بھی خیال نہ فرمائیں واللہ تعالیٰ ھو الھادی وھو تعالیٰ اعلم مؤید پر اس سے توبہ لازم ہے۔ واللہ تعالیٰ۔ فقیر محمد اختر رضا خاں ازہری قادری غفرلہٗ [مہر ازہری میاں]

۶ ذی قعدہ ۱۴۲۶ھ [مہر مرکزی دار الافتاء]

قبلہ اگر سمتِ نقیضین پر واقع ہو

مسئلہ ۸۴۷: فیضان الرحمٰن سبحانی کرن تور کیرلا۔ ۲۰۰۶-۷-۳

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیانِ شرع اس مسئلہ میں کہ زید دنیا کی ایسی جگہ پر ہے جہاں سے مکہ مکرمہ کی مسافت دونوں سمت سے برابر ہے یعنی جس جگہ کا طول 140° ڈگری اور عرض 25.21 درجہ ہو (یہ جگہ بحر الکاہل میں ہے) اس جگہ سے زید کس رخ ہو کر استقبالِ قبلہ کرے گا؟ بطورِ نقشہ میں اسے واضح کئے دیتا ہوں تاکہ سوال کی وضاحت ہو جائے

سبحانی متعلم شرعی کالج مرکز الثقافۃ السنیہ کالی کٹ۔

الجواب ۸۶/۹۲

اگر وہاں پہلے سے سمتِ قبلہ متعین ہے تو اسی کا اتباع کیا جائے " کما فی ردّ المحتار علی الدر المختار " اور اگر سمتِ قبلہ متعین نہیں ہے تو مقامی دیندار

لوگوں سے سمتِ قبلہ معلوم کیا جائے کما فی الشامی ایضاً۔ اور اگر مذکورہ دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت میسر نہ ہو کر وہاں انسانی آبادی ہی نہ ہو اور احیاناً لوگ سیر و تفریح کی نیت سے وہاں پہنچ جاتے ہوں۔ تو جن قرائن و دلائل (مثلاً ستاروں اور چاند سورج کے ذریعہ یا اصطرلاب کے ذریعہ) سے قبلہ کا تعین ہو سکے کرے اور اسی کے مطابق عمل پیرا ہو۔

اور قرائن و دلائلِ معلومہ سے بھی قبلہ کا تعین نہ ہو سکے تو آخری صورت تحرّی کی ہے جس طرف دل جمے اور دل کا فتویٰ ہو اسی طرف نمازی کا قبلہ ہے۔

لیکن سائل کے سوال سے مفہوم ہوتا ہے کہ اسے سمتِ قبلہ معلوم ہے لیکن وہ ایسے مساوی اور معتدل مقام پر ہے جہاں سے دونوں مخالف سمتیں جہت قبلہ کے رُخ پر ہیں۔ اس صورت میں سائل یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ وہ دونوں سمتوں میں سے کس سمت نماز میں متوجہ ہو؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ارشادِ باری تعالیٰ کے مطابق وہ دونوں سمتوں میں سے جس سمت بھی رخ کرے گا اس کی نماز ہو جائے گی "فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ" کیونکہ صحتِ نماز کی شرط توجّہ الیٰ شَطرِ المسجدِ الحَرام ہے جو دونوں سمتوں میں سے ہر ایک سے حاصل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ویسے اس مسئلہ کا تعلق اُصطرلاب سے ہے اگر ہمارے جواب سے آپ کو اطمینان نہ ہو تو مناسب ہوگا کہ اس فن کے ماہرین کی طرف رجوع کیا جائے۔ برصغیر ہند و پاک میں اب اس کے جانکار بہت کم رہ گئے ہیں جو بھی ہیں غنیمت ہیں ان سے معلومات حاصل کی جائے مثلاً انڈیا میں بحر العلوم مفتی عبد المنان صاحب اعظمی اور خواجۂ علم و فن علامہ خواجہ مظفر حسن صاحب وغیرہما کو اس فن میں خاصا دسترس ہے خواجہ صاحب حصولِ علم و فراغت میں اگرچہ میرے ساتھی ہیں مگر میں ان کا احترام اپنے بزرگوں کی طرح کرتا ہوں کہ انہوں نے اپنے ذوقِ علمی کی بنیاد پر کئی ایسے فنون حاصل کئے جن کو انھوں نے پڑھا نہیں تھا انہیں میں سے اُصطرلاب بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے

فیوضِ علمی کو عام فرمائے۔ آمین۔

کتبہ عبد الواجد قادری اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۱۲ر جمادی الاخریٰ ۱۴۲۲ھ

جہاں چھ مہینے کے دن و رات ہوں وہاں اوقاتِ نماز کا تعین

مسئلہ ۴۲۸:۔ فیضان الرحمٰن سبحانی، کرنتور، کیرلا۔ ۳۰-۷-۲۰۰۲ء

کیا فرماتے ہیں علمائے ذی وقار و مفتیانِ والا تبار اس مسئلہ میں کہ اگر زید ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں چھ مہینے کی رات اور چھ مہینے کا دن ہوتا ہے اور ایسا غالباً دنیا کے انتہائی شمال وجنوب (نورتھ پول، ساؤتھ پول) میں ہوتا ہے جہاں کثرتِ برفباری کی وجہ سے انسانوں کا قیام قریب ناممکن ہے لیکن زید گرمی کے موسم میں بغرض تفریح وہاں پہنچ گیا تو وہ اپنی پنجوقتی نمازیں کس طرح ادا کرے گا؟

سائل سبحانی متعلم شرعی کالج مرکز الثقافۃ السنیہ کالی کٹ۔

الجواب ۷۸۶/۹۲ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

اس سوال کا واضح جواب اُس حدیث پاک میں ہے جو علامات قیامت کے طور پر ارشاد ہوئی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دجّال کے خروج کا پہلا دن ایک سال کے برابر ہوگا۔ الخ

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا، کیا اس طویل دن میں صرف پانچ نمازیں کافی ہوں گی؟ تو سیّدِ کائنات علیہ التحیۃ والتسلیمات نے ارشاد فرمایا۔ نہیں بلکہ وقت کا اندازہ کرنا۔ (بخاری ومسلم وغیرہما)

جب حدیث پاک میں ایک سال کی نمازوں کو اندازہ کے ساتھ ادا کرنے کا حکم ہوا تو چھ ماہ کی نمازوں کو بھی اندازہ ہی سے ادا کرنا ہوگا۔

اندازہ کے مختلف طریقے ھیں

مثلاً نمبر ۱ اَقْرَبُ الْاَیَّامِ الْمُعْتَدِلَہ کا اندازہ۔ یعنی چھ ماہ کی رات ہونے

سے پہلے جو رات و دن ایسا تھا جس میں پانچوں نمازوں کا وقت چوبیس[۲۴] گھنٹے میں جتنے جتنے وقفہ سے آتا تھا اسی وقفہ کا اندازہ لگا کر ہر ایک نماز کو وقت کی پابندی کے ساتھ ادا کرنا ہوگا۔

اس طرح چھ ماہ کی ایک رات میں تقریباً ایک سو ستہتر[۱۷۷] بار نمازِ مغرب اور اسی قدر نماز عشاء پڑھنی ہوگی۔ پھر اسی طرح دن کا بھی اندازہ لگا کر فجر و ظہر اور عصر کی نمازوں کا وقت مقرر کرنا ہوگا اور انھیں بھی تقریباً مقدارِ مذکورہ ہی میں ادا کرنا ہوگا۔

۲۔ اقربُ المقامات کا اندازہ۔ یعنی گلوب کے جس فرضی خط پر وہ مقام (نورتھ پول اور ساؤتھ پول) واقع ہے اسی خط پر شمال یا جنوب میں (طولاً لا عرضاً) جو قریب ترین معتدل مقام ہو جہاں ہر پانچ نماز کا وقت اوقاتِ نماز کی علاماتِ شرعیہ کے مطابق آتا ہے۔ پس اسی کے ساعات و دقائق کا اندازہ لگا کر اپنے یہاں بھی اوقاتِ نماز کا تعین کر لیا جائے۔

نوٹ: اقربُ الایّام المعتدلہ یا اقربُ المقاماتِ المعتدلہ میں اگر اوقاتِ نماز کی علاماتِ شرعیہ کا ظہور متمیز نہ ہو سکے جیسے یورپ و امریکہ کے بعض ممالک میں چند ایام سرما کے اندر کسی شئے کا سایہ سایۂ اصلی کے علاوہ دو چند تو بڑی بات ہے ایک چند بھی نہیں ہونے پاتا کہ سورج غروب ہو جاتا ہے۔ یا بعض لیالی گرما میں شفقِ ابیض کے غروب سے بہت پہلے صبح صادق جلوہ بار ہو جاتی ہے تو وہاں گھڑیوں سے بھی اوقاتِ نماز کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی النبی الامی وآلہ وسلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ خادم الافتاء مجلس علماء نیدرلینڈ

اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ ۔ ۱۲ر جمادی الاخریٰ ۱۴۲۳ھ

نیدرلینڈ میں جمعہ و اعیاد

مسئلہ ۸۴۹: لیاقت علی دل محمد آمسٹرڈم ـ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ یورپ کے بہت سارے ممالک جہاں کبھی بھی اسلامی قوانین کا حکومتی سطح پر اجراء نہیں ہوا، ان ملکوں میں جمعہ اور عیدوں کی نماز کے قیام کا کیا حکم ہے؟ جب کہ یہاں کی کسی حکومت نے اسلامی احکام پر عمل کرنے سے مسلمانوں کو نہیں روکا۔ بلکہ اسلامی اعمال کی بجاآوری میں بایں طور مسلمانوں کی ممد و معاون رہی کہ اگر پبلک کی کسی متعصب جماعت نے اسلامی عبادت گاہوں کی توڑ پھوڑ کرنا چاہی تو حکومتوں نے اس کی حفاظت کی اور توڑ پھوڑ سے بچایا۔ جواب باصواب عطا فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔ نقط۔

۷۸۶/۹۲ **الجواب**

جمعہ و اعیاد کی صحت و جواز اور قیام کے لئے اسلامی شہر ہونا ضروری ہے ممالکِ مذکورہ جہاں کبھی اسلامی سلطنت سایہ فگن نہیں ہوئی وہاں جمعہ و عیدین کی نمازوں کا قیام باطل ہے۔ ظہر کی فرضیّت مسلمانوں کے سروں سے نہیں ٹلتی اور مسلمان اس خوش فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ نماز جمعہ کی وجہ سے وہ نمازِ ظہر سے بری الذمہ ہو گیا۔ حالانکہ حقیقتاً ایسا نہیں۔

ہاں عامۃ الناس جو ان ملکوں میں قدیم زمانہ سے جمعہ و عیدین کی نمازیں پڑھتے آرہے ہیں انہیں جمعہ سے نہیں روکا جائے کہ ممکن ہے وہ بدعقیدگی کا شکار ہو جائیں اور کبھی وہ جو خدا اور رسول (جلّ جلالہٗ وصلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا نام لیتے ہیں اس سے بھی محروم ہو جائیں گے۔ علماء کو چاہئے کہ مصلحتاً اس مسئلہ کی وضاحت مجمعِ عام میں نہ کریں بلکہ حکمت اور موعظت حسنہ کے ساتھ انفرادی طور پر مسلمانوں کو صحیح مسئلہ کی طرف بلاتے رہیں۔ کلّموا النّاس علٰی قدرِ عقولھم۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ نوری مسجد آسٹرڈم ۔ ۶؍ ربیع الاول ۱۴۰۶ھ

نوٹ: سوال نمبر ۸۳۴ سائلِ مذکور کی طرف سے مرکزی دارالافتاء، رضا نگر، بریلی انڈیا بھیجا گیا جس کا جواب نائب مفتئ اعظم، نبیرۂ امجد اعلیحضرت، خلفِ اسعد حضور مفسّر اعظم، حضرت علامہ مفتی شاہ محمد اختر رضا خاں صاحب ازہری میاں نے اپنے قلم فیض

برقم سے عطا فرمایا جس کی تصویب و توثیق علامہ قاضی عبدالرحیم صاحب بستوی نے کی وھو ھٰذا۔ (مرتب)

۹۲/۹۶ **الجواب:** فرضیت وصحت وجوازِ جمعہ سب کے لئے اسلامی شہر ہونا شرط ہے۔ جو شہر اسلامی نہیں جیسے روس، فرانس کے بلاد ان میں نہ جمعہ فرض ہے نہ صحیح نہ جائز بلکہ ممنوع و باطل و گناہ ہے اس کے پڑھنے سے فرض ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔ جہاں سلطنتِ اسلامی کبھی نہ تھی نہ اب ہے وہ اسلامی شہر نہیں ہو سکتے نہ وہاں جمعہ وعیدین جائز ہوں۔ اگرچہ وہاں کے کافر سلاطین شعائرِ اسلامیہ کو نہ روکتے ہوں (فتاویٰ رضویہ جلد ۳ ص ۷۱۶-۷۱۵) اور دار الحرب میں سکونت مکروہ ہے جبکہ کوئی منفعت جائزہ دینی یا دنیوی مظنون نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فقیر محمد اختر رضا خاں ازہری قادری غفرلہ
۱۷ / جمادی الآخرہ ۱۴۰۶ھ

مہر

الجواب صحیح والمجیب نجیح۔ واللہ تعالیٰ اعلم
قاضی عبدالرحیم بستوی غفرلہ

موسم سرما میں ہالینڈ کے اندر نماز عصر

مسئلہ ۸۵۰: فیروز احمد خاں آمسٹرڈم
۱۱-۶-۱۴۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ یورپ کے کئی ملکوں میں سردی کی مخصوص تاریخوں میں کسی مستطیل شئی کا سایہ سایۂ اصلی کے علاوہ دو مثل نہیں ہونے پاتا کہ سورج غروب ہو جاتا ہے (یعنی جس طرح گرمی کی مخصوص راتوں میں سورج اٹھارہ ڈگری کو مس نہیں کر پاتا کہ صبح صادق طلوع ہو جاتی ہے) ظاہر ہے دریں صورت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک ظہر کا وقت نہیں نکلتا اور عصر کا وقت داخل نہیں ہوتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان دنوں میں عصر کی نماز غروب آفتاب کے بعد پڑھی جائے گی یا پہلے؟ نیت قضا کی ہوگی یا ادا کی؟

یا پھر یہاں کے باشندوں پر ان دنوں کے عصر کی نماز فرض ہی نہیں ہے ؟۔

سائل: فیروز سکریٹری نوری مسجد نیدرلینڈ اسلامک سوسائٹی آمسٹرڈم

۸۶/۹۲ **الجواب اللھم ھدایۃ الحق والصواب**

صورتِ مسئولہ میں نمازِ عصر کی فرضیت وعدم فرضیت کے باب میں علماء کرام کا اختلاف ہے جیسا کہ ان شہروں کے اندر ایامِ گرما کی بعض راتوں میں نمازِ عشاء کی فرضیت وعدم فرضیت کے باب میں۔ لیکن اس باب میں مختار ومناسب ومعتمد قول یہ ہے کہ عصر وعشاء کی نمازیں فرض ہیں اور نمازِ عصر کے لئے غروب آفتاب سے پہلے اندازہ سے وقت مقرر کرلیں (جیسا کہ نیدرلینڈ میں مقیم علماء اہلسنت نے حضرت استاذی المکرم بحر العلوم مفتی سید افضل حسین صاحب مونگیری کے تعاون سے اوقاتُ الصلوٰۃ ترتیب دیا ہے) اور انہیں اندازہ کردہ اوقات میں عصر وعشاء کی نمازیں ان مخصوص دنوں میں بہ نیت قضا پڑھ لیا کریں۔ درمختار میں ہے

(وفاقد وقتھما مکلف بھما فیقدر لھما بہ یفتی البرھان الکبیر واختارہ الکمال وتبعہ ابن الشحنۃ اھ)

اور ردالمحتار میں ہے

اِذَا عَلِمتَ ذٰلِکَ ظھرلک اَن مَنْ قَالَ بِالوُجُوبِ یَقُولُ بِہٖ عَلٰی سَبِیلِ القَضَاءِ لَا الاَدَاءِ۔"

اس قولِ معتمد کی تائید حدیث اسراء سے بھی ہوتی ہے جن میں وارد ہے کہ بالآخر پانچ نمازیں فرض رہیں اور اس میں کسی خطۂ زمین اور موسم کا فرق نہیں کیا گیا ہے۔

اور اس حدیث پاک سے بھی اس قول مختار کی تائید ہوتی ہے جس میں دجّالِ لعین کا ذکر ہے کہ اس کے خروج کا پہلا دن "یوم کسنۃ" دوسرا دن "یوم کشھرٍ" تیسرا دن "یوم کجمعۃ" اور بقیہ ایام "کایامکم" ہوگا صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ جو دن ایک سال کے برابر ہوگا کیا اس میں ایک دن کی

نمازیں کافی ہیں۔ تو حاکمِ شرع، شارع شریعت علیہ السلام والتحیت نے ارشاد فرمایا۔ " لَا اقدروالہ " نہیں بلکہ اوقاتِ نماز کا اندازہ لگالینا ــــ حضرت علامہ محقق فتح القدیر میں اور علامہ شامی علیہما الرحمہ فتاویٰ شامی میں فرماتے ہیں فقد اوجب اکثر من ثلاث مائۃ عصر قبل صیرورۃ الظل مثلاً او مثلین وقس علیہ الخ

یعنی خروج دجال کے اس پہلے ایک دن میں سایہ کے ایک یا دو مثل ہونے تک تین سو سے زائد عصر کی نمازیں واجب ہوجائیں گی اور اسی طرح دوسری نمازیں بھی دوسرے وقتوں میں ...... ان تمام شواہد ودلائل کی روشنی میں یہ زیادہ مناسب رہیگا کہ ان دنوں میں جبکہ کسی شئی کا سایہ سایۂ اصلی کے علاوہ دوگنا نہیں ہوپاتا۔ عصر کی نماز سورج ڈوبنے سے آدھ گھنٹہ قبل پڑھ لیا کریں۔ واللہ تبارک وتعالیٰ اعلم۔

کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہٗ نوری دارالافتاء، آمسٹرڈم
۱۱ رجادی الآخرہ ۱۴۰۶ھ

شافعی امام کی اقتدا کن صورتوں میں درست ہے؟

مسئلہ ۸۵۱: جمیع حنفی طلبہ مرکز الثقافۃ السنیہ ۲۰۰۱-۸-۱۶

۷۸۶/۹۲ ذوالمجد والکرم والمحتشم حامیٔ سنت، ماحیٔ بدعت، پیر طریقت، مفتیٔ شریعت حضرت مفتی صاحب قبلہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ وبرکاتہٗ

ہم لوگ شمالی ہندوستان کے وہ طلبا ہیں جو حصولِ علم کے شوق میں "مرکز الثقافۃ السنیہ کالی کٹ کیرلا" کے اندر زیر تعلیم وتربیت وتعلم ہیں۔ یہاں کے طلبا اور اساتذۂ کرام صدفی صد شوافع ہیں۔ ہم حنفیوں کو بھی نمازوں میں ان کی اقتدا واتباع کرنی پڑتی ہے۔ وضو کے بعض مسائل میں وہ حنفیت کی رعایت کرتے ہیں۔ مگر مندرجہ ذیل باتوں کی وجہ سے ہم لوگوں کی طبیعت متوحش رہتی ہے اور یہ شبہ ہوتا ہے کہ معلوم نہیں نماز ہوتی ہے یا نہیں؟۔

(۱) امام صاحب کی ڈاڑھی حنفی حد شرع کے مطابق نہیں بلکہ چھوٹی ہے۔

(۲) امام صاحب مائک پر نماز پڑھاتے ہیں اور بیشتر مقتدی مائک ہی کی آواز پر رکوع و سجود کرتے ہیں۔

(۳) امام صاحب لوہے کی چین والی گھڑی (خواہ دستی ہو یا جیبی) استعمال فرماتے ہیں نماز اور غیر نماز میں بھی۔

(۴) سورۂ فاتحہ کے اختتام پر امام صاحب اتنا لمبا وقفہ کرتے ہیں کہ بآسانی ایک یا دو بار سورۂ فاتحہ پڑھی جاسکتی ہے۔

(۵) امام صاحب کے پیچھے پہلی اور دوسری صفوں میں کافی نابالغ بچے رہتے ہیں، اسکے پیچھے بھی بالغوں کی صفیں رہتی ہیں، وغیرہ وغیرہ

ان تمام باتوں کی وجہ سے ہم لوگوں کو شبہ رہتا ہے۔ اس لئے حضور والا سے گذارش ہے کہ مدلل جوابات عنایت فرماکر ہم لوگوں کو اطمینان بخشیں اور بتائیں کہ ہم لوگوں کی نمازیں ہوتی ہیں یا نہیں؟

سائلین: جمیع حنفی طلبا، مرکز الثقافۃ السنیہ، کرن تور، کالی کٹ، کیرلا، ہند

۸۶/۹۲ **الجواب** بعون الملک المجیب الوھاب

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ

فہم جواب سے قبل جن امور میں اشکال وشبہات ہیں ان کا جواب ذہن نشین کرلیا جائے تاکہ متعلق سوالوں کا جواب بآسانی سمجھ میں آجائے۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ وَإِلَيْهِ الْمَرْجِعُ وَالْمَآب۔

(۱) ڈاڑھی (ریش) کا ایک مشت طول وعرض میں رکھنا واجب ہے۔ حضرت شیخ محقق سیدنا عبدالحق بخاری محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ھیں

"گذاشتن آں بقدر قبضہ واجب ست (اشعۃ اللمعات ص۲۱۲)

اور ایک مشت یعنی چار انگل سے کم کرنا یا کرانا حرام ہے۔

درمختار فقہ حنفی کی مشہور کتاب مع ردالمحتار ص۲۶۱ میں ہے۔

یحرم علی الرجل قطع لحیتہ" وہو تعالیٰ اعلم

(۲) مائک (آلۂ مکبر الصوت) پر جماعت کی نماز پڑھانا مکروہ ہے کہ وہ سنّتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم (نصب مکبرین) کا ہادم اور اس سے بے نیاز کرنے والا ہے۔ پھر اس کی آواز بھی ضرورت سے زیادہ بلند ہوتی ہے جو خشوعِ نماز کے خلاف ہے۔

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ۝

مائک کی صدا پر ارکانِ نماز میں انتقالات سے متعلق علماء اہلسنّت کے درمیان نماز کی صحت وعدمِ صحت کا مسئلہ ہر چند کہ مختلف فیہا ہے لیکن مائک کے انجینیروں اور اسکی معلومات رکھنے والوں کی راجح تحقیق یہ ہے کہ مائک سے نکلی ہوئی آواز متکلم کی بعینہٖ آواز نہیں ہے بلکہ صدا ہے یعنی جو آواز مائیکروفون میں داخل ہوتی ہے بعینہٖ وہی آواز نہیں نکلتی بلکہ اس میں مشینی طاقتیں (الیکٹرک کی رو) ملکر اس آواز کو بڑھا دیتی ہیں اور اب آواز صرف متکلم کی آواز نہیں ہوتی بلکہ متکلم ومشین کی مشترک آواز ہوتی ہے. لہٰذا فقہاء کرام نے وضاحت فرمائی کہ اس کی آواز صدا ہے (کسی چیز سے ٹکرائی ہوئی آواز) اور صدا پر نہ سجدۂ تلاوت واجب اور نہ ہی انتقالاتِ ارکانِ نماز درست۔ لہٰذا جماعت کی نماز میں اس کا استعمال چند در چند خرابیوں بلکہ فسادِ نماز کا باعث ہے۔

لیکن موجودہ دور میں عموم بلویٰ کی وجہ سے عام مسلمانوں کی نمازوں کے فساد کا فتویٰ دینا محتاط تقاضوں کے خلاف ہے لہٰذا اس مسئلہ پر اربابِ علم وفن صاحبانِ تقویٰ وطہارت علماء کرام کو سر جوڑ کر بیٹھنے اور مثبت اقدام کی ضرورت ہے کیونکہ مائک کی ممانعت کا مسئلہ کوئی منصوص مسئلہ نہیں ہے اسی لئے اس میں اباحت کی گنجائش ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) گھڑی کی زنجیریں (چین) خواہ چاندی کی ہوں یا سونے کی یا پھر وہ ہاتھوں میں استعمال

کی جاتی ہوں یا جسموں میں لٹکا کر یا پھر گلوں میں سب مردوں کو حرام ہے اور دیگر دھاتوں کی بھی ممنوع ہیں کیونکہ سوناروں کے یہاں چین یکے از قسم زیورات ہے اور زیورات میں صرف ایک انگوٹھی بشرطیکہ صرف ایک نگ والی ہو اور ساڑھے چار ماشہ (چار گرام) سے زائد وزن کی نہ ہو مردوں کو حلال ہے۔ باقی زیورات کا استعمال حرام ہے۔ اور جن چیزوں کا استعمال ممنوع ہو انہیں پہن کر نماز ادا کرنا یا امامت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ ھکذا فی احکام شریعت للامام احمد رضا قدس سرہ۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

(۴) عند الاحناف سورۂ فاتحہ کے اختتام پر اتنی دیر تک خاموش رہنا کہ تین بار سُبْحٰنَ اللّٰہِ کہا جا سکے ترک واجب ہے جو موجب سجدۂ سہو ہے۔ کما نصّ علیہ فی التنویر وغیرہ

(۵) صرف نابالغ ہونا قطع صف کو مستلزم نہیں ہاں اگر نابالغ کے ساتھ ناسمجھ (تقریباً ۶، ۷ سال کے) بھی ہوں یا اگر بالغ ہے مگر مجنون ہے تو اس پوری صف والوں کی نماز مکروہ ہوگی۔ کہ صبیانیّت ومجنونیّت وجہِ قطعِ صف ہے اور قطعِ صف وجہ کراہتِ نماز ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم ——— خلاصۂ جواب۔ شافعی امام کی اقتداء کے تین احکام ہیں۔

(۱) اگر وہ امام مذہب حنفی کے فرائض وشرائط نماز۔ اور شرائطِ وضو وامامت کی رعایت کرتا ہو اگرچہ واجبات وسنن کی رعایت نہ کرتا ہو تو اسکی اقتداء جائز ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔ قولہ ان یتقن المراعات ای فی الفرائض من شروط وارکان فی تلک الصلوٰۃ وان لم یراع فی الواجبات والسنن کما ھو ظاھر سیاق کلام البحر وظاھر کلام شرح المنیۃ ایضاً ص۴۱۶۔ پھر اسی فتاویٰ شامی میں ہے " ان علم الاحتیاط منہ فی مذھبنا فلا کراھۃ فی الاقتداء بہ (ص۴۴۸) لیکن جوازِ اقتداء کی اس صورت میں بھی بعض امور کے اندر اس کا اتباع مکروہ ہے

مثلاً رفع یدین، آمین بالجہر وغیرہا میں ...... اور اگر مذکورہ رعایتوں کے باوجود وہ نماز وتر دو سلاموں کے ساتھ پڑھتا ہو یعنی دو رکعتوں کے بعد فصل کرتا ہو، تب بھی اس کی اقتدا صحیح نہیں ہے "صح الاقتداء فیه بشافعی لم یفصله بسلام ..... لا ان فصله علی الاصح (شامی باب الوتر ص۴۴۵)

(۲) اگر وہ امام فرائض و شرائطِ نماز حنفی اور طہارت کی رعایت نہیں کرتا تو اس کی اقتداء ہی جائز نہیں۔

(۳) اگر اس امام کے بارے میں رعایت وعدم رعایت کا کچھ بھی حال معلوم نہ ہو تو اس کی اقتداء مکروہ ہے۔ (کما فصله فی البحر الرائق ص۳۶)

صورت مسئولہ میں جن پانچ باتوں سے متعلق سائلین نے وضاحت کی ہے ان میں اکثر ترک وجوب پر دال ہیں، ترکِ فرائض و شرائط پر نہیں۔ اور سنی صحیح العقیدہ شافعی کا واجبات وسنن میں حنفیت کی رعایت نہیں کرنا عدم صحتِ اقتداء کو مستلزم نہیں، لہٰذا جو نمازیں بصورتِ مذکورہ ان کی اقتداء میں ادا کی گئیں صحیح ہوئیں۔ البتہ اعلیحضرت امام اہلسنّت مجدد دین وملت علیہ الرضوان والرحمۃ نے اس مسئلہ کی توضیح وتنقیح فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا " اگر اقتداء جائز بھی ہو تو افضل یہ ہے کہ مل سکے تو موافق المذہب کی اقتداء کرے" (فتاویٰ رضویہ ترتیب جدید ص۵۰۵)۔

واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم

کتبہ عبد الواحد قادری غفرلہٗ ۲۵ راگست ۲۰۰۱ء

خادم الافتاء مجلس علماء نیدرلینڈ واسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

شرائط امامت

مسئلہ ۸۵۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ۔

ہمارے شہر لیلی ستاد میں ایک طویل عرصہ سے ایک شخص جو زبانِ اردو اور قرآن شریف پڑھنے سے واقف ہے البتہ فن تجوید سے کماحقہ آگاہ نہیں ہے۔ امامت

کرتا ہوا آرہا ہے۔ محفل میلاد شریف، نیاز فاتحہ، اور دیگر امور دینیہ وہی انجام دے رہا ہے، البتہ تین سالوں سے ہم لوگوں نے ایک عالم کو ان کاموں کے لئے مقرر کر رکھا ہے۔ اور پرانے امام کو شہر کی اکثریت نے نائب امام کی جگہ پر مقرر کر دیا ہے چنانچہ امام صاحب کی غیر موجودگی میں وہ امامت کرتے ہیں۔ ادھر ایک عالم کا یہ کہنا ہے کہ مسجد کا نائب امام چونکہ قرآن شریف صحیح نہیں پڑھتے ہیں لہٰذا اگر کوئی اس کی اقتداء میں نماز پڑھ لے تو اس کی نماز نہیں ہوگی، بلکہ اگر کسی عالم کی موجودگی میں مذکورہ نائب امام نماز پڑھائے تو کسی بھی مقتدی کی نماز نہیں ہوسکتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ نائب امام مذکور کے پیچھے صرف عالم کی نماز نہیں ہوگی یا سارے مقتدیوں کی؟ جبکہ یہ عوام کا مقرر کردہ نائب امام ہے۔　　بینوا وتوجروا۔

اراکین مجلس الفردوس لیلی ستاد ۶ر جولائی ۲۰۰۰ء

۸۶/۹۲ الجواب　　بعون الملک الوھاب

صحت امامت کے لئے مسائل طہارت و نماز کا جاننا اور قرآن پاک کا صحیح پڑھنا ضروری ہے اگر کوئی عالم دین بھی تلاوت قرآن میں ایسی غلطیاں کرے جس سے معنیٰ بدل جائے یا حروف کی تبدیلی سے لفظ قرآن مہمل بن کے رہ جائے یا معنیٰ میں تغیر فاحش راہ پائے تو ان صورتوں میں خود اس کی نماز نہ ہوگی تو دوسرے مقتدیوں کی خواہ وہ عالم ہو یا عامی کیسے نماز ہوسکتی ہے؟ کیونکہ مقتدیوں کی صحت نماز کا دارومدار امام کی صحت نماز پر ہے۔ "فان صلوٰۃ المأموم مبنیۃ علی صلوٰۃ الامام (فتاویٰ رضویہ)

صورت مسئولہ میں جس نائب امام سے متعلق استفسار ہے اگر وہ قرآن پاک ایسا پڑھتا ہے جس سے اس کی نماز ہو جاتی ہے تو اس کی اقتداء کرنے والے سبھی عالم و عامی کی نمازیں ہو جائیں گی اگرچہ دوسرے لوگ مخارج حروف کی ادائیگی میں اس سے زیادہ قادر و مشاق ہوں۔ ہاں عند الشرع محبوب و مطلوب اور افضل و اولیٰ یہ ہے کہ جو مخارج حروف کی ادائیگی زیادہ صحت کے ساتھ ادا کرتا ہو وہ احق امامت ہے۔

کمافی فتاوےٰ الرضویۃ " لان الامام کلما کان اکمل کان افضل اھ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ۔ ۲/ ربیع الآخر ۱۴۲۱ھ ۶/ جولائی ۲۰۰۰ء
خادم الافتاء، القرآن اسلامک فاؤنڈیشن نیدرلینڈ

نماز میں صحتِ اعراب کا خیال

مسئلہ ۸۵۳:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی امام یا منفرد اپنی نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھتے وقت رَبِّ العَالَمِیْنَ، کو رَبُّ العَالَمِیْنَ پڑھے تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے۔ بینوا وتوجروا

السائل، محمد ممتاز علی۔ ایم کرامت علی۔ لاماسٹراٹ ۱۲ 1338 HX آلمیرہ

۸۶/۹۲ **الجواب** ـــــــــ بعون الملک الوھاب

تلاوت کے اندر چند طریقوں سے غلطیاں واقع ہوتی ہیں جن میں سے ایک اعراب کا بدل جانا بھی ہے۔ یہ بات ذہن نشیں رہے کہ بدل جانا اور بدل دینا میں بُعدالمشرقین ہے۔ اگر کسی تالیٔ قرآن نے عمداً قرآن پاک کے اعراب کو بدل دیا تو فسادِ نماز سے پہلے اس پر فسادِ ایمان کا حکم نافذ ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ تحریف ہے جو عندالشرع کفر ہے۔ اور جب ایمان ہی نہیں تو نماز کیسی؟........ اگر سہواً اعراب بدل گیا ہے تو یہ دیکھا جائے گا کہ اعراب کے بدلنے سے اس لفظ یا عبارت کا معنیٰ فاسد ہوا یا نہیں؟ اگر معنیٰ فاسد (خراب ہونا بگڑ جانا) نہیں ہوا تو نماز ہو جائے گی اور اگر معنیٰ فاسد ہو گیا ہو تو نماز نہیں ہوگی ـــــ پھر یہ بھی دیکھا جائے گا کہ تالیٔ قرآن کی زبان سے واقعی بدلا ہوا اعراب ادا ہوا ہے یا صرف سننے والوں کو بدلا ہوا معلوم ہوا اگر پڑھنے والے نے اعراب صحیح ادا کیا اور سننے والوں کو بدلا ہوا معلوم ہوا اگرچہ لفظ مسموع کا معنیٰ فاسد ہو پھر بھی نماز ہو جائے گی کہ غلطی تالی کی نہیں بلکہ سامعین کی سماعت کی ہے اور اگر تالی کی زبان سے بدلا ہوا اعراب ادا ہوا ہے جس سے معنیٰ فاسد ہو جاتا

ہے تو نماز ہوگی ہی نہیں۔ اس نماز کا پھر سے پڑھنا فرض ہے۔ بلکہ بعض اعرابی غلطیوں پر تو کفر تک کا حکم نافذ ہوجاتا ہے ایسی صورت میں تالی قرآن پر فرض ہے کہ صحتِ اعراب کی ہر ممکن کوشش کرے اور جب تک صحتِ اعراب وصحتِ مخارج حروف پر قادر نہ ہو جائے امامتِ نماز کی جرأت نہ کرے بلکہ صحتِ تلاوت پر قادر ہونے سے پہلے اپنی نمازیں بھی کسی صحیح خواں کی اقتداء میں ادا کرے۔

صورتِ مسئولہ میں عَالِمْ اور عَالَمْ کا فرق ہے۔ عَالَمْ کا معنیٰ ماسوا اللہ (ساری مخلوقات) اور عَالِمْ کا معنیٰ کسی چیز کی حقیقت جاننے والا ہے، عَالَمْ کی جمع حالتِ جر میں عَالَمِیْن اور عَالِمْ کی جمع عَالِمِیْن ہے اور یہ دونوں الفاظ قرآنی ہیں دریں صورت معنیٰ فاسد تو نہیں ہوا البتہ اس سے ربوبیتِ الٰہیہ کی یگونہ تحدید مفہوم ہوئی لہٰذا اس امام یا منفرد پر فرض ہے کہ اپنی اعرابی غلطیوں کی تصحیح کرے۔ صورتِ مذکورہ میں فسادِ معنیٰ متحقق نہیں ہوا تو اس کی نماز کے عدمِ صحت کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ ھکذا فی الفتاویٰ الھندیہ والرضویہ وغیرھا۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء والقضاء

القرآن اسلامک فاؤنڈیشن نیدرلینڈ۔ ۴ جمل، دسمبر ۱۴۲۱ھ / ۲۰۰۰ء

امام اگر مکبّر بھی ہو

مسئلہ ۸۵۴: ممتاز علی کرامت علی۔
۵-۱۲-۹۵ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تکبیر اقامت اگر امام خود کہہ رہا ہو تو مقتدیوں کو صفوں کی درستگی اور نماز شروع کرنے کے لئے کس وقت کھڑا ہونا چاہئے یعنی حَیَّ عَلَی الصَّلوٰۃ پر یا حَیَّ عَلَی الفَلاح پر؟

سائل: امام مسجد رضوی فرید الاسلام، رنتن بلخ سٹراٹ، آمسٹرڈم

۸۶/۹۷ **الجواب بعون الملک الوھاب**

جب امام ہی تکبیر اقامت کہہ رہا ہے یعنی مؤذن وامامت کی ذمہ داری ایک ہی

شخص ادا کر رہا ہے تو جب تک تکبیر اقامت کے مکمل کلمات (لا الٰہ الا اللہ تک) امام نہ کہہ لے اس وقت تک مقتدی کو صف کی درستگی یا نماز شروع کرنے کی نیت سے کھڑا نہیں ہونا چاہئے جیسا کہ

ھکذا فی الھندیہ والمحیط	فتاویٰ ہندیہ اور محیط میں ہے کہ اگر مؤذن
"وان کان المؤذن والامام واحدًا	اور امام ایک ہی ہے پس اگر اس نے مسجد کے
فان اقام فی المسجد فالقوم لا یقومون	اندر ہی تکبیر اقامت کہی تو قوم اسوقت تک کھڑی نہ
مالم یفرغ عن الاقامۃ ۔	ہو جبتک وہ تکبیر اقامت سے فارغ نہ ہو جائے (ص ۵۷)

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ ۵ دسمبر ۱۹۹۵ء

تکرار سورت یا قرأۃ معکوس

مسئلہ ۸۵۵: قاری حفیظ الرحمٰن ۱۹-۷-۸۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر چار رکعتوں والی بعض سنت نماز کی پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ الناس زبان پر جاری ہوگئی اور ایک یا دو آیتوں کے بعد اس کا خیال آیا تو کیا بقیہ تینوں رکعتوں میں سورۂ الناس ہی پڑھے یا اس سے اوپر والی سورتوں کو ملائے؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ ایک عالم دین امام مسجد نے سورت تراویح میں پہلی رکعت میں سورۂ نصر اور دوسری میں عمداً سورۂ اخلاص پڑھا تو اس سے نماز میں فساد یا کراہت آئی یا نہیں؟ المستفتی امام مسجد الکرم، آمسٹرڈم ووست

الجواب ۸۶/۹۲

قرأۃ معکوسہ (ترتیب سورت کے خلاف پڑھنا) زیادہ سخت ہے تکرار سے لہٰذا اگر عمداً بھی پہلی رکعت میں سورۂ الناس کو پڑھا ہو تو بقیہ رکعتوں میں سورۂ الناس ہی پڑھنا چاہئے۔

۲۔ نماز تراویح میں کوئی مضائقہ نہیں البتہ فرض نمازوں میں ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے

ھکذا فی رد المحتار والفتاوی الرضویہ ص۲۶۶۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہ ۱۹ رجولائی ۱۹۸۶ء

نوری دارالافتاء، نوری مسجد آمسٹرڈم

نماز میں قرأتِ مسنونہ

مسئلہ ۸۵۶: لطیف یوسف گمان ۳-۳-۸۶ء

حضور مفتی صاحب قبلہ! اکثر اماموں سے سننے میں آتا ہے کہ فلاں نماز میں طوال مفصل اور فلاں نماز میں قصار مفصل پڑھنا چاہئے۔ یہ سب کیا چیز ہیں؟ وضاحت کے ساتھ بتانے کی زحمت گوارہ کریں۔ ہوسکے تو مثالوں کے ساتھ تحریر فرمائیں تاکہ ہم لوگ آسانی سے سمجھ سکیں۔ ایل یوسف گمان، نوری مسجد، آمسٹرڈم

الجواب ۸۶/۹۲ ھو الھادی الی الصواب

چند سورتوں کے مجموعہ کا نام طوالِ مفصل ہے۔ پھر چند سورتوں کے مجموعے کا نام اوساط مفصل ہے اور آخری چند سورتوں کے مجموعے کا نام قصار مفصل ہے یعنی چھبیسویں پارہ کی سورہ حجرات ۴۹ سے تیسویں پارہ کی سورۂ بروج ۸۵ تک کی تمام سورتیں طوالِ مفصل کہلاتی ہیں اور سورۂ بروج ۸۵ سے سورۂ بینہ ۹۸ تک کی تمام سورتیں اوساطِ مفصل کہلاتی ہیں جبکہ سورۂ بینہ ۹۸ کے بعد سے سورۃ الناس ۱۱۴ تک کی تمام سورتیں قصار مفصل کہلاتی ہیں۔

درمختار میں ہے:

من الحجرات الیٰ اٰخر البروج	سورۂ حجرات سے اخیر سورۂ بروج تک طوال۔ اور
طوالہ ومنھا الیٰ اٰخر لم یکن	سورۂ بروج سے سورۂ لم یکن تک اوساط اور بقیہ
اوساطہ وباقیہ قصارہ۔	سورتیں آخر تک قصار کہلاتی ہیں۔

تنویر الابصار اور درمختار میں یہ بھی ہے کہ۔

یسنّ فی الحضر لامام و منفرد طوال	مقیم ہونے کی صورت میں امام و منفرد دونوں کیلئے
المفصل فی الفجر والظھر و	فجر اور ظہر میں طوالِ مفصّل اور عصر و عشاء میں

اوساطہ فی العصر والعشاء و اوساطِ مفصل اور مغرب میں قصار مفصل
قصارہ فی المغرب ای فی کل کی ایک پوری سورۃ کا ایک رکعت میں پڑھنا
رکعۃٍ سورۃ ۱۵ سنت ہے۔

ائمہ مساجد کے کہنے کا یہی مطلب ہوا کہ مثلاً فجر وظہر میں ان سورتوں کو پڑھنا سنت ہے جو طوالِ مفصل ہیں اور نماز عصر وعشا میں ان سورتوں کو پڑھنا سنت ہے جو اوساطِ مفصل ہیں اور نمازِ مغرب میں ان سورتوں کا پڑھنا سنت ہے جو قصار مفصل کہلاتی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ نوری دارالافتاء ۳؍مارچ ۱۹۸۶ء

ترکستانی حکومت کے ائمہ کی اقتداء

مسئلہ ۸۵۷: فیصل رحمت آمسٹرڈم ۱۳-۵-۸۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہالینڈ کے اندر ترکی حنفی مسلمانوں کی درجنوں مساجد ہیں لیکن ان میں دو طرح کے امام ہیں۔ ایک وہ جن کو ترکی کی گورنمنٹ مقرر کرتی اور وہی ان کے مشاہرہ وغیرہ کا انتظام کرتی ہے۔ یہ ائمہ مساجد عموماً داڑھی نہیں رکھتے۔ اپنی گورنمنٹ کے فیصلہ کے مطابق عیدین وغیرہ کرتے ہیں خطبۂ جمعہ بھی وہی پڑھتے ہیں جو ان کی حکومت بھیجتی ہے۔ یعنی احکام شرع پر احکام حکومت کو عملاً فوقیت دیتے ہیں۔ اور دوسرے وہ امام ہیں جن کو اپنے ملک سے عام ترکی مسلمان بلواتے ہیں وہ وہ ہوتے ہیں جن کو ترکی کی جماعتِ صوفیہ (عموماً نقشبندی حضرات) یہاں بھیجتے ہیں یہ ائمہ مساجد حنفی حد شرع کے مطابق داڑھی رکھتے ہیں صوفیوں کے سے اوراد و اشغال میں مصروف رہتے ہیں ترکی کے متدین صوفی علماء کے فیصلوں کے مطابق عیدین کرتے ہیں حالات کے مطابق خطبۂ جمعہ وعیدین دیتے ہیں اور ہند وپاک کے علمائے احناف سے رابطے بھی رکھتے ہیں اور بحوث دینیہ میں شریک بھی ہوتے ہیں سوال یہ ہے کہ ان دونوں قسم کے اماموں کی اقتداء میں نماز جائز ہے یا نہیں؟۔

المستفتی: فیصل رحمت۔ خیرن ستین ۱۷، آمسٹرڈم

الجواب ۹۶/۹۷

صورتِ مسئولہ میں ترکی گورنمنٹ کی جانب سے مقرر کردہ اماموں کی اقتداء جائز نہیں کہ ترکِ واجب کی وجہ سے وہ فاسق معلن ہیں اور فاسقِ معلن کی امامت مکروہِ تحریمی ہے جس کی اقتداء میں پڑھی گئی نمازوں کا لوٹانا واجب ہے کما فی فتاویٰ الحجۃ والغنیۃ وغیرھما من الاسفار الکثیرہ پھر موجودہ ترکی گورنمنٹ اہلِ اہوا بھی ہے جس کے عیدین کا فیصلہ عموماً سعودی گورنمنٹ کے ماتحت ہوتا ہے جس کو رویتِ ہلال یا اصولِ شرع سے کوئی واسطہ نہیں ہے اسکے فیصلوں پر آنکھ بند کر کے عمل کرنا اہلِ ہوا ہی کا کام ہوسکتا ہے۔ اور اہلِ ہوا کی اقتدا ناجائز ہے۔ فتح القدیر باب الامامۃ ص۲۴۴ میں ہے۔

لا تجوز الصلوٰۃ خلف اھل الاھواء اہلِ ہوا کے پیچھے نماز جائز نہیں۔

ہاں جو ائمہ مساجد حد شرع کے مطابق ڈاڑھی رکھتے ہیں اور دیگر اعتبار سے بھی صالح امامت ہیں ان کی اقتداء جائز و درست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ ۱۳ مئی ۱۹۹۶ء

خادم الافتاء، ورلڈ اسلامک مشن نیدرلینڈ

خدمت امامت پر اجرت لینا

مسئلہ ۸۵۸: حاجی محمد یوسف، مقیم دی ہیگ
۵-۸-۹۹۶

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کے امام صاحب دو ماہ کی چھٹی لیکر مکان چلے گئے۔ اس مسجد کے صدر یا سکریٹری نے کسی عالم دین سے عارضی طور پر نماز جمعہ پڑھانے کی درخواست کی، دو ماہ گزرنے کے بعد مسجد کی طرف سے اس عالم دین کو ایک رقم دیدی گئی جس کو انہوں نے قبول کرلیا، دوبارہ سہ بارہ بھی ایسا ہی ہوا۔ یعنی عالم دین کو معلوم ہے کہ آمد و رفت کے اخراجات کے علاوہ

بھی کچھ ملے گا۔ تو کیا وہ رقم اس عالم دین کے لئے حلال ہے اور اس عالم دین کی اقتداء میں نماز درست ہے؟　　حاجی محمد یوسف مقیم مسجد غوثیہ دینہ ہاخ

۴۸۶/۹۲ الجواب

اذان و امامت اور تعلیم قرآن و فقہ پر اجرت کو علماء متاخرین نے ضرورتاً جائز قرار دیا ہے۔ لہٰذا اجرت امامت خواہ صراحۃً ہو یا دلالۃً جائز ہے۔ کما نصّوا علیہ فی الکتب الکثیرۃ۔ صورت مسئولہ میں رقم مذکور عالم مذکور کے لئے جائز و حلال ہے اور اس کی اقتداء درست ہے۔ اسے اجارۂ فاسدہ نہیں سمجھنا چاہئے کیونکہ قرائن سے اجرت کی تعیین معلوم ہے۔　　واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری ۵/۸ ۱۹۹۶ء

دارالافتاء جامعہ مدینۃ الاسلام ہالینڈ

نماز اور لاؤڈ اسپیکر

مسئلہ ۸۵۹ ۲۰۰۲-۸-۱۶ : مولانا نور احمد نیس، فرانس

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جمعہ و اعیاد کی بڑی جماعتوں میں تکبیراتِ انتقالات کے لئے مکبرین کو قائم کرنا سنّت سے ثابت ہے یا نہیں؟ بجائے مکبرین کے اسی کام کے لئے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال ہو تو جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کی صدا پر مقتدیوں کا رکوع و سجود کرنا صحتِ نماز کے لئے کافی ہے یا نہیں؟ امید کہ ہر سوالات کے مدلل جوابات سے نوازکر شکریہ کا موقع دیں گے۔

المستفتی: (مولانا) نور احمد حقانی، جامع مسجد اہلسنت حنفی نیس فرانس

۴۸۶/۹۲ الجواب ــــــــ بعون المجیب الوھاب ــــــــ

نماز عیدین کی بڑی جماعتوں کے لئے مکبرین کا نصب فرمانا سنّت سے ثابت نہیں ہاں ظہر کی نماز میں ایک مرتبہ ۵ھ میں اور دوسری مرتبہ ۱۱ھ میں حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اقتداء سید کائنات علیہ التسلیمات میں تکبیراتِ انتقالات کو بذاتِ خود عام صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تک پہنچانا ثابت ہے اس

وجہ سے اسے سنّتِ صدیقی کہہ سکتے ہیں، پھر اس فعل حسن پر سیّد المرسلین علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیم کا سکوت فرمانا نہ صرف اسکے جواز کی بلکہ استحباب واستحسان کی بیّن دلیل ہے۔ امام طحاوی کی روایت ہے۔

صلّٰی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم الظہر	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو ظہر کی نماز پڑھائی۔

اور مسلم شریف کی روایت ہے وھو قاعد وابوبکر یسمع الناس تکبیرہ کہ سرکار دوعالم نے یہ نماز بیٹھ کر پڑھائی اور حضرت ابوبکر، سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکبیر کی آواز لوگوں کو سناتے رہے ...... اور اسی حدیث پاک کے ذیل میں فتح الباری میں ہے ص۱۴۱ ان ھٰذہ القصّۃ کانت فی ذی الحجّہ سنۃ خمس من الھجرۃ، کہ یہ ۵ھ ماہ ذی الحجّہ میں واقع ہوا۔

اور دوسرا واقعہ ماہ ربیع الاوّل شریف ۱۱ھ کا ہے کہ وصالِ مبارک سے صرف دو ایک دن قبل ظہر کی نماز کے وقت حضرت عباس اور ایک دوسرے صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کندھوں کو سہارا دیتے ہوئے مسجد نبوی میں تشریف لائے تو سیّدنا صدّیق اکبر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کے حکم سے نماز پڑھا رہے تھے لیکن جب عین نماز ہی میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تشریف آوری کا احساس ہوا تو مصلّیِ امامت سے پیچھے ہٹنے لگے مگر امام المرسلین علیہ وعلیہم السلام نے اشارہ سے منع فرمادیا تو حضرت ابوبکر اپنی جگہ پر ٹھہر گئے پھر سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم مصلّیِ امامت پر جلوہ بار ہوکر نماز ظہر پڑھانے لگے حضرت ابوبکر جو امامت کی نیت فرما چکے تھے اب سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرنے لگے اور آپ کی تکبیرات کی آواز سن کر اس آواز کو دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تک پہنچاتے لگے۔ بخاری شریف ص۹۵ میں ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وجد من نفسہ خفّۃ فخرج	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیماری میں افاقہ محسوس فرمایا تو حجرۂ عائشہ سے نماز ظہر کے

بین رجلین احدھما العباس	لئے دو صحابیوں کو جن میں ایک حضرت عباس
لصلوٰۃ الظھر وابوبکر یصلی	تھے سہارا دیتے ہوئے مسجد نبوی کی طرف رخ
بالناس فلمارأہ ابوبکر ذھب	فرمایا۔ درانحالیکہ حضرت ابوبکر لوگوں کو نماز پڑھا
لیتأخر فاومی الیہ النبی صلی اللہ	رہے تھے۔ جب حضرت ابوبکر نے سرکار دوعالم کو
علیہ وسلم بان لایتأخر فقال	دیکھا تو مصلیٰ امامت سے پیچھے ہٹنا چاہا، تو سرکارِ
اجلسانی الی جنبہ فاجلساہ	دوعالم نے پیچھے ہٹنے سے اشارتًا روک دیا۔ اور
الی جنب ابی بکر قال فجعل	ان دونوں صاحبوں سے فرمایا مجھے ابوبکر کے بغل
ابوبکر لیصلی وھو یاتم بصلوٰۃ	میں بٹھا دو چنانچہ ان حضرات نے حضرت ابوبکر
النبی صلی اللہ علیہ وسلم	کے بغل میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بٹھا دیا۔ اب
والناس بصلوٰۃ ابی بکر۔	حضرت ابوبکر پیارے نبی علیہ السلام کی اقتدا فرمانے
(بخاری ص۹۵ و مسلم جلد اول ص۱۷۸)	لگے اور دیگر نمازی حضرت ابوبکر کی۔

مسلم شریف میں یہ بھی ہے کہ وابوبکر یسمعھم التکبیر کہ حضرت ابوبکر عام مصلیوں کو تکبیراتِ انتقالات سناتے رہے۔ ص۱۷۹۔

ان حدیثوں سے مکبّر کے جواز و استحسان کا ثبوت ملتا ہے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جب امام کے تکبیر کی آواز مقتدیوں تک نہ پہنچ سکے تو مقتدی اپنی تکبیرات کی آواز بلند کرسکتا ہے۔

لاؤڈ اسپیکر ایجاداتِ نو میں سے ایک نو ایجاد آلہ ہے جس کا حکم شرع شریف میں منصوص نہیں۔ لہٰذا اس کے ذریعہ نکلی ہوئی آواز کو صدا، بازگشت یا تلقین عن الخارج پر محمول کرتے ہوئے بعض علماء نے اسکے اتباع کو ناجائز اور مفسدِ نماز قرار دیا اور بعض علماء نے ذرا نرم گوشہ اختیار کرتے ہوئے اسے بادم سنّت بدعت مکروہ اور عبث قرار دیا جبکہ بعض علماء اس کی اباحت و جواز کے قائل ہوئے بلکہ مفید و معاون ہونے کی وجہ سے بڑی جماعتوں کے لئے اسے مستحسن گردانا۔ حضور مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمہ والرضوان تاحیات نماز میں اس کے استعمال کو ناجائز و عبث اور اس کی صدا پر انتقالاتِ ارکان نماز کو مفسدِ نماز فرماتے رہے۔ ہند و پاک کے بیشتر علماء اہلسنّت حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ

کی پیروی کرتے ہوئے اس کے عدم جواز کے قائل رہے ہے۔ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے
تربیت یافتہ اور مجاز و ماذون خلافت بحر العلوم حضرت علامہ مفتی سید افضل حسین
صاحب علیہ الرحمہ سابق صدر المدرسین دار العلوم رضویہ منظر اسلام بریلی شریف لاؤڈ اسپیکر
پر نمازوں کے جواز و صحت پر فتویٰ دیتے رہے ہے۔ ہندو پاک کے مقتدر اور صاحبانِ
افتا، حضرات حضرت بحر العلوم کی پیروی میں اسپیکر کی صدا پر جواز و صحت کے قائل رہے ہے
فقیر بھی ۱۳۷۶ھ سے اب تک (۱۴۲۳ھ) مکبّر الصوت اور اسکی صدا پر اقتدا، کا وہی
حکم سائلین کو بتاتا رہا جو حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کا تھا۔ لیکن ہالینڈ میں مقیم علما، ہندو
پاک اور ائمہ مساجد اتراک و مغاربہ کی آپسی بحث و تمحیص کے بعد لاؤڈ اسپیکر سے متعلق
یہ مآل و نتیجہ سامنے آیا کہ عالمی طور پر مائک کے استعمال نے عموم بلویٰ کی شکل اختیار
کر لی ہے۔ اور جہاں اس مسئلہ میں شدت ہے وہاں عام طور پر مسلمانوں میں افتراق
وانتشار ہے اور شریعت میں عموم بلویٰ کو نصوص کی حیثیت حاصل ہے۔

پھر لاؤڈ اسپیکر کا بدعتِ مکروہہ ہونا بھی اصولِ شرع کے مطابق ثابت نہیں کہ
مکبرین کا نصب کرنا اور اس کا سنتِ نبویہ ہونا ثابت نہیں ہوا کہ وہ بادمِ سنّت قرار
پائے۔ باقی رہی اسکی آواز کا صدا ہونا تو زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ صدا، پر
سجدۂ تلاوت واجب نہیں لیکن اگر کوئی سجدہ کرلے یا پوری جماعت آیت سجدہ کی
صدا پر سجدۂ تلاوت کرے تو کیا یہ سجدہ کرنا ناجائز و گناہ ہوگا؟ ہرگز نہیں۔ برصغیر کی
پرانی بیشتر مسجدیں اور ترکی جو مسجدوں کا ملک ہے اس کی اکثر مسجدیں گنبد دار ہیں
جن میں تلاوت کے علاوہ تکبیروں کی آوازیں بھی گونجتی ہیں اور مقتدی ان آوازوں یا امام
وصدا کی مشترک آوازوں پر رکوع و سجود کرتے ہیں۔ لیکن آج تک کسی عالم دین یا مفتی نے
مسجدوں میں گنبدوں کی تعمیر کو ناجائز نہیں کہا نہ ہی اسکی صدا پر پڑھی گئی نمازوں کو
لوٹانے کا حکم دیا۔ لہٰذا احتیاط اس میں نہیں ہے کہ عامۃ المسلمین کی نمازوں کو فاسد قرار
دیکر مسلمانوں کو گنہ گار ثابت کیا جائے۔ بلکہ مسلمانوں کی بہی خواہی اور احتیاط اس میں ہے
کہ نمازوں کو فساد اور مسلمانوں کو گنہ گار ہونے سے بچایا جائے اسلئے میں اس میں بھلائی دیکھتا

ہوں کہ لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کو اذان وخطباتِ جمعہ واعیاد وغیرہم کی طرح نماز باجماعت (جبکہ امام کی آواز مقتدیوں تک نہ پہنچتی ہو) میں جائز قرار دیا جائے لَعَلَّ اللّٰہُ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا۔

لاؤڈ اسپیکر سے متعلق مقدمہ بالا تمہید اس کی آواز پر نماز کے ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہونے کے جواز وصحت کی جانب رہنمائی کرتا ہے اس لئے جو حضرات نماز میں اسے استعمال کرتے ہیں میں اسے منع کر کے عندالشرع زیر بار ہونا نہیں چاہتا کہ ممانعت دلیل شرع کی محتاج ہے اور اباحت کے لئے سکوتِ شرع کافی ہے۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

کتبہ عبدالواجد قادری ۵ر جمادی الاخریٰ ۱۴۲۳ھ
۶ر اگست ۲۰۰۲ء دارالافتاء اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

تراویح سے پہلے وتر

مسئلہ: ۸۶۰ فیروز احمد ۱۸-۳-۱۴۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے رمضان المبارک میں عشاء کی نماز جماعت سے پڑھی مگر تراویح کی چند رکعتیں نقضِ وضو کی وجہ سے چھوٹ گئیں۔ تراویح کے بعد وتر کی جماعت شروع ہوگئی اب زید چھٹی ہوئی تراویح پڑھے یا وتر کی جماعت میں شریک ہوجائے۔ خلاصہ جواب سے سرفراز فرمائیں۔ بیّنوا وتوجروا المستفتی حافظ فیروز احمد امام غوثیہ مسجد آمسٹرڈم

الجواب ۸۶/۹۲ ــــــــــــ ھو الھادی الی الصواب

زید جب فرضِ عشاء جماعت سے پڑھ چکا ہے تو وہ وتر جماعت کے ساتھ پڑھ سکتا ہے۔ تراویح کی چھوٹی ہوئی رکعتیں وہ وتر کے بعد پوری کرلے۔ کیونکہ تراویح کا وقت عشاء کے وقت کے بعد سے صبح صادق تک ہے، یونہی وتر کا وقت بھی، لیکن تراویح وتر سے پہلے اور وتر کے بعد بھی پڑھ سکتے ہیں۔ نمازِ تراویح سے متعلق

فتاویٰ ہندیہ ص۱۱۶، فتاویٰ قاضی خاں ص۱۱۱ اور تبیین الحقائق ص۱۷۸ میں ہے والصحیح ان وقتھا ما بعد العشاء الی طلوع الفجر قبل الوتر و بعدہ۔ صحیح یہ ہے کہ تراویح کا وقت عشاء کے بعد سے صبح صادق تک ہے خواہ وتر سے پہلے پڑھے یا بعد میں۔ اور منیۃ شرح غنیۃ میں ہے وھو المختار کہ یہی قول پسندیدہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہٗ نوری دارالافتاء ہالینڈ

۱۸ ربیع الاوّل شریف ۱۴۰۸ھ

فرض نمازوں کی قرأت

مسئلہ ۸۶۱: محمد شریف گلاب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فرض نمازوں کی ہر ایک رکعت میں ایک سورۃ کریمہ کا پڑھنا ضروری ہے؟ یا ایک سورۃ کی کچھ آیتیں پہلی رکعت میں اور کچھ آیتیں دوسری رکعت میں پڑھنی چاہئے۔ نیز یہ بھی واضح کیا جائے کہ فجر کے فرض میں کم از کم کتنی آیتیں اور زیادہ سے زیادہ کتنی آیتیں پڑھنی چاہئے؟

المستفتی: محمد شریف گلاب، امام سول مسجد، ہالینڈ

۸۶/۹۲

الجواب ــــــــــ ھو المعین الی الصواب

فرض کی ہر ایک رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد (ان سورتوں میں سے جنہیں مختلف نمازوں میں پڑھنا مسنون ہے) پوری ایک سورۃ کریمہ کا پڑھنا افضل و مستحب ہے، "والافضل ان یقراء فی کل رکعۃ الفاتحۃ وسورۃ کاملۃ فی المکتوبۃ (عالمگیری ص۷۸)" اور اگر ایک ہی سورۃ کی بعض آیتیں پہلی رکعت میں اور بعض آیتیں دوسری رکعت میں پڑھے یا دو سورتوں میں سے پڑھے جب بھی بلاکراہت جائز و صحیح ہے "ولو قراء بعض السورۃ فی رکعۃ وباقیھا فی رکعۃ قیل یکرہ والصحیح انہ لا یکرہ (غنیہ ص۳۶۲)

فجر کی فرض نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد دونوں رکعتوں کے اندر کم از کم چالیس درمیانی آیتیں (نہ بہت بڑی ہوں نہ بہت چھوٹی) اور زیادہ سے زیادہ سو آیتیں پڑھنی سنّتِ مستحبہ ہے یہ ان لوگوں کے لئے ہے جو مقیم ہوں اور وقت میں وسعت ہو۔

البحر الرائق ص۳۴۰، فتح القدیر اور منیۃ المصلی مع شرح غنیہ میں ہے۔

"فالسنّۃ فی حضرۃ ان یقرأ فی صلوٰۃ الفجر فی الرکعتین باربعین اٰیۃ وسطا ھو الادنیٰ وخمسین اوستین وھو الاوسط والاعلیٰ علی الزیادۃ علی الستین الیٰ المائۃ (منیۃ ص۳۰۳) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ، ربیع ۱۴۰۹ھ نوری دار الافتاء، آمسٹرڈم

نماز میں نبی علیہ السلام کا نام سنکر درود پڑھنا

مسئلہ ۸۶۲: فیصل مدارن، آمسٹرڈم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک امام صاحب نے قراۃ جہری میں "وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا" پڑھا تو مقتدیوں کی زبان سے بے عزم و ارادہ کے جہرًا "اَللّٰهُ اَكْبَرُ" نکل گیا اور جب اسی امام نے دوسری رکعت میں "مَاكَانَ مُحَمَّدٌ" پڑھا تو سِرًّا اس نے صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیا۔ پھر اس کے بعد "اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ" پڑھا اب امام کو تشویش ہے کہ نماز ہوئی یا نہیں؟ جب امام سے پوچھا گیا کہ کیا آپ نے عمدًا درود شریف پڑھا تھا یا سہوًا زبان سے نکل گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ نہ عمدًا نہ سہوًا بلکہ اسم گرامی سننے کے بعد عادتًا کہدیا اس میں میرے ارادہ کا کوئی دخل نہیں تھا۔ سوال یہ ہے کہ ان دونوں صورتوں میں نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ بدلائل شرعیہ جواب سے نواز کر شکریہ کا موقع دیں۔

فیصل مدارن۔ عارضی امام مسجد غوثیہ رضویہ، ہالینڈ۔

۸۶/۹۲ الجواب ھو الھادی الی الصواب۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ یا صیغۂ درود ایسا کلام نہیں

ہے جس سے نماز میں نقصان ہو۔ اگر ان کلماتِ مبارکہ کا صدور مقتدی یا امام سے عمداً بھی ہوتا تو فساد نماز کا حکم ہرگز نہیں دیا جاتا بلکہ زیادہ سے زیادہ خلافِ اولیٰ کہا جاتا۔ صورتِ مسئولہ میں جبکہ مقتدی نے بے ساختہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہا اور امام نے عادۃً صلی اللہ علیہ وسلم کہا تو نماز صحیح ہوگئی کوئی خرابی نہیں آئی۔ فتاویٰ عالمگیریہ ص۵ میں ہے۔

ولوقال اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ اوقال اَللّٰہُ اَکْبَرُ لا تفسد صلوٰته بالاجماع ان لم یرد به الجواب اھ۔ اور دو صفحہ کے بعد اسی فتاویٰ میں ہے " ولوقراء رجل مَاکَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وصلیٰ رجل فی الصلوٰۃ لا تفسد صلوٰته اھ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ ۶ شعبان ۱۴۱۴ھ

خادم الافتا، جامعہ مدینۃ الاسلام ہالینڈ

مقتدی اگر امام کو جھوٹا گمان کرے

مسئلہ ۸۶۳: مولانا عبدالغفار نورانی ۲-۲-۱۴۲۵

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی مقتدی کے گمان میں امام جھوٹا ہے تو کیا اس مقتدی کی نماز اس امام کی اقتداء میں درست ہے؟

سائل: عبدالغفار نورانی۔ سکریٹری جنرل مجلس علماء نیدرلینڈ

الجواب بعون الملک الوھاب ۸۶/۹۲

کسی مسلمان سے متعلق بدگمانی حرام ہے اور اپنے امام سے بدگمان ہونا اشد حرام نہایت بدانجام ہے۔ قال عزوجل " اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ " وقال تعالیٰ " وَلَا تَجَسَّسُوْا " لہٰذا اس مقتدی پر توبہ لازم ہے۔ بالفرض اگر اس شخص کا گمان اپنے امام سے متعلق صحیح ہو تو اس جھوٹے امام کی اقتداء کسی مسلمان کو جائز نہیں۔ کہ وہ جھوٹ کے سبب عند الشرع فاسق و فاجر ہے۔ قال علیہ الصلوٰۃ والسلام " اَلْکِذْبُ فُجُوْرٌ وَالْفُجُوْرُ یَجْرِیْ

اِلَی النَّارِ" اور فاسق وفاجر کو امام بنانا گناہ ہے اسکے پیچھے پڑھی ہوئی نمازوں کو لوٹانا واجب ہے۔

اور اگر مقتدی مذکور کا گمان صحیح نہیں ہے اور صحت امامت کے شرائط امام مذکور میں موجود ہیں تو دیگر تمام مقتدیوں کی نمازیں اس کی اقتدا میں صحیح ہیں۔ مگر اس بدگمان مقتدی کی نماز اپنی بدگمانی کی وجہ سے واجب الاعادہ ہوگی۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ ۲ صفر المظفر ۱۴۲۲ھ ۲۶ اپریل ۲۰۰۱ء

امام اگر حروف کے مخارج میں امتیاز نہ کرے

مسئلہ ۸۶۴: حافظ وقاری غلام مصطفےٰ ربانی ۶-۴-۲۰۰۲

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ ایک عالم صاحب ہیں جو امامت کرتے ہیں لیکن ان کا تلفظ صحیح نہیں ہے۔ جیم کی جگہ زاء کی آواز اور ظا کی جگہ جیم کی آواز نکلتی ہے۔ اسی طرح ہائے ہوز کی جگہ حائے حطی اور الف کی جگہ عین کی آواز نکلتی ہے ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب ۸۶۷/۹۲ ـــــــــ ھو الھادی الی الصواب

نماز کے صحیح ہونے کے لئے صحیح تلفظ کے ساتھ قرآن عظیم کی قرأت ضروری ہے جب قرأت ہی صحیح نہیں تو عالم مذکور کی خود اپنی نماز ہی صحیح نہیں ہوتی ہے۔ اور جب اپنی نماز ہی صحیح نہیں ہوتی ہے تو مقتدیوں کی نماز کب صحیح ہوگی؟

عالم مذکور فی السوال پر لازم ہے کہ وہ اپنی نماز صحیح کرنے کے لئے کسی صحیح خواں سے صحت مخارج کے ساتھ حروف کی ادائیگی کے طریقے سیکھنے کی ہر ممکن کوشش کرے جب تک اس کی کوشش جاری رہے گی خود اس کی اپنی نماز جائز ہوگی۔ جبتک وہ صحت مخارج پر قادر نہیں ہو جائے اس سے پہلے وہ امامت نہیں کر سکے گا۔ اور اگر وہ بالجبر امامت کرنا چاہے تو قوم کو اس کی اقتدا کرنی جائز نہیں ہے۔ صاحب دلائل قاہرہ مؤید ملت طاہرہ امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ الغنی اپنے فتاویٰ میں ارشاد

فرماتے ہیں۔ ''اگر (امام) ایسی غلطیاں کرتا ہے کہ معنیٰ میں فساد آتا ہے مثلاً حروف کی تبدیل جیسے ع، ط، ص، ح، ظ کی جگہ ا، ت، س، ہ، ز، پڑھنا کہ لفظ مہمل رہ جائے یا معنیٰ میں تغیّر فاحش راہ پائے جس طرح بعض جہّال نستعین کو نستاعین پڑھتے ہیں ...... تو ہمارے ائمہ متقدمین کے مذہب صحیح ومعتمد پر مطلقاً خود اس کی نماز باطل ہے۔ کما حققہ ورجحہ المحقق فی الفتح۔ والحلبی فی الغنیۃ وغیرہما فی غیرہما اور جب اس کی اپنی نہ ہوگی تو قواعد داں وغیر قواعد داں کسی کی اس کے پیچھے نہ ہوسکے گی۔ فانّ الصّلوٰۃ مبنیّۃ علیٰ صلوٰۃ الامام'' الخ

پس صورتِ مسئولہ میں کسی مقتدی کی نماز جائز نہیں جس جس نے پڑھی ہو سب کا لوٹانا واجب ہے۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ عبدالواجد قادری خادم الافتا، مجلس علما نیدرلینڈ۔ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ

اگر دو چار آدمی ملکر نماز پڑھیں تو کسطرح کھڑے ہوں

مسئلہ ۸۶۵: سبحانی، کالیکوٹ، کیرلا، ہند ۶-۱۰-۲۰۰۶

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ بعض شوافع بلکہ اکثر شوافع جب کسی کو تنہا نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہیں تو ازدیاد ثواب کی نیّت سے اسکے پیچھے کھڑے ہوجاتے ہیں پھر دوسرا، تیسرا شخص آتا ہے اور ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے اسی کے ساتھ کھڑا ہوجاتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اس طرح کھڑے ہونے کی شرعی اجازت ہے یا نہیں؟ شوافع حضرات سے پوچھنے پر وہ کہتے ہیں کہ مسئلہ تو ایسا ہی ہے لیکن دلیل کی ہمیں خبر نہیں۔ اور احناف کے نزدیک یہی طرز عمل اختیار کرنا درست ہے یا نہیں؟ امید کہ جواب سے نواز کر مشکور وممنون فرمائیں گے۔

الف سبحانی۔ مرکز الثقافۃ السنیۃ۔ کیرلا۔

۸۶
۹۲ الجواب اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الحق والصّواب

احناف کے نزدیک بھی یہ مسئلہ اسی طرح ہے جیسا سائل نے بیان کیا کہ اگر تنہا نمازِ فرض پڑھنے والا امامت کی صلاحیت بھی رکھتا ہے تو بعد میں آنے والا اس کی اقتدا کر سکتا ہے لیکن اس کے لئے مسئلہ (شرعی طریقہ) یہ ہے کہ اگر مقتدی تنہا ہے تو امام کے داہنی جانب کھڑا ہو جائے ـــــ اور اگر مقتدی دو یا دو سے زائد ہوں تو امام کے پیچھے کھڑے ہوں کیونکہ امام کے اغل بغل یا ایک ہی جانب دونوں کا کھڑا ہونا مکروہ ہے۔

اور اگر امام کے پیچھے جگہ نہ ہو تو امام کو آگے بڑھ جانا چاہئے اگر وہ آگے نہ بڑھے تو کسی طرح اشارہ کر دیا جائے تاکہ اس کو اطلاع ہو جائے اور وہ از خود آگے بڑھ جائے۔۔

...... تنہا تنہا نماز کے مقابلہ میں جماعت کی نماز بیس[۲۰] سے ستائیس درجوں تک (باختلافِ روایت) فضیلت و فوقیت رکھتی ہے۔ اور یہ امر محقق ہے کہ دو یا دو سے زائد اشخاص اگر ملکر نماز پڑھیں تو وہ عندالشرع جماعت کی نماز ہے۔ کما رواہ ابن ماجہ و امام احمد والطبرانی عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اثنان فما فوقہما جماعۃ ورواہ امام احمد عن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اثنان خیر من واحد، وثلثۃ خیر من اثنین، واربعۃ خیر من ثلثۃ، فعلیکم بالجماعۃ، ورواہ الامام محمد بن حسن شیبانی فی کتاب الآثار من استاذہ الکریم الامام الاعظم سیدنا ابی حنیفۃ النعمان عن سیدنا ابراھیم قال اذا زاد علی الواحد فی الصلوٰۃ فھی جماعۃ۔

محرّرِ مذہب حضرت سیّدنا امام محمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ہم اسی قول کو اختیار کرتے ہیں کیونکہ یہی امام اعظم کا مذہب ہے۔ (قال وبہ ناخذ وھو قول ابی حنیفۃ)

صحیح البہاری (مرتبہ ملک العلماء تلمیذ الرشید امام اہل السنۃ مجدد الملۃ علیہما الرحمہ) "باب بحکم تکون جماعۃ" اور ابو داؤد و نسائی میں حضرت سیدنا ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ دو آدمیوں کا مل کر نماز پڑھنا اکیلے نماز پڑھنے سے بہتر ہے جیسا کہ امام احمد کی روایت سے بھی معلوم ہوا ہاتھ سے اشارہ کر کے آگاہ کر دینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے تاکہ وہ تنہا نماز پڑھنے والا امامت کا قصد کر لے۔ ابھی آپ لوگوں کا ذوقِ تجسس بیدار ہے اور علمی مشغلہ بھی جاری ہے اگر خود سے تتبع کریں تو کثیر دلائل اکٹھا کر سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ۔ اسلامک فاؤنڈیشن نیدرلینڈ۔ ۹ رشعبان المعظم ۱۴۲۳ھ

وتر کی نماز تین رکعتیں ہیں یا ایک رکعت

مسئلہ ۸۶۶: طلبا، حنفی مرکز الثقافۃ السنیہ کیرلا۔
۱۲-۶-۱۴۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علماء ذی اوصاف و مفتیانِ احناف اس مسئلہ میں کہ زید چونکہ حنفی المذہب ہے۔ بہ یک نیت وتر کی تین رکعتیں پڑھتا ہے مگر بکر اس پر معترض ہے اور کہتا ہے کہ تین رکعتیں پڑھنا حکم رسول علیہ السلام کے سراسر خلاف ہے اضہار اپنے دعویٰ پر یہ حدیث پاک پیش کرتا ہے "عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال "لا توتروا بثلاث واوتروا بخمس او بسبع ولا تشبھوا بصلوٰۃ المغرب۔ لیکن جب زید حنفی نے اس حدیث شریف کے سننے کے بعد حضرت اُبی ابن کعب اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی یہ روایت پیش کی۔

" کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوتر بثلاث " تو بکر کہنے لگا کہ امر درجہ میں فعل سے زیادہ قوی ہوتا ہے لہٰذا امر پر عمل ہوگا نہ کہ فعل پر؟ امید ہے جواب شافی وکافی عطا فرما کر ہم لوگوں کی مشکلات کو حل فرمائیں گے۔

طلبا حنفی، شرعی کالج مرکز الثقافۃ السنیہ، کیرلا، ہند۔

۸۶/۹۲ الجواب اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

نماز وتر باختلاف ائمہ واجب بھی ہے اور سنت بھی، مگر دلائل ظنی الثبوت کے پیش نظر اس کا وجوب ہی مؤکد ومرجح ہوتا ہے۔ ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ وغیرہم کتب احادیث میں ہے۔

عن ابی ایوب الانصاری قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الوتر حق واجب علی کل مسلم	حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وتر لازم واجب ہے ہر مسلمان پر ۔

ابوداؤد اور حاکم نے حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

قال سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم یقول الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا۔	انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ وتر پڑھنا ضروری ہے جو وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔

بزار نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا

قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم الوتر واجب علی کل مسلم	انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر مسلمان پر وتر کا پڑھنا واجب ہے۔

ان واضح اور غیر مبہم ارشادات عالیہ کے علاوہ بھی درجنوں احادیث کریمہ کتب احادیث میں مرقوم ومروی ہیں جن سے نماز وتر کا واجب ومؤکد ہونا ثابت ہوتا ہے۔

بہر حال اختلاف ائمہ کی وجہ سے اگر کوئی احتیاطاً اس کی نیت میں واجب و سنت مؤکدہ کی قید نہ لگا کر صرف وتر کا ارادہ ونیت کرتا ہے تو وہ قابل اعتراض نہیں بلکہ بہتر ہے۔

وتر کی رکعات میں بھی ائمہ اربعہ کا اختلاف ہے اور ہر ایک اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اپنے مذہب کی تائید و توثیق احادیث کریمہ سے کرتے ہیں۔ پھر ہر ایک مقلد و مقتدی اپنے اپنے امام کی تقلید و اقتداء میں اسی کی تفضیل و ترجیح کا بھی قائل ہے۔

لیکن اصول و انصاف یہ ہے کہ جب کسی مسئلہ میں ائمہ اور علماء راسخین کا اختلاف ہو جائے تو ایسی راہ اختیار کرنا افضل و مناسب ہے جس سے ممکن حد تک اختلاف علماء سے بچا جا سکے۔ مثلاً نماز تراویح احادیث کریمہ کی روشنی میں کسی کے نزدیک آٹھ رکعتیں ہیں، کسی کے نزدیک بارہ اور کسی کے نزدیک بیس رکعتیں تو بیس والے قول کو اختیار کرنا اس لئے افضل و مناسب ہے کہ اس میں اختلاف ائمہ کا رفع ہے۔ یعنی آٹھ اور بارہ والے اقوال از خود بیس میں داخل ہو گئے اور بیس والے قول کی بھی تائید ہو گئی۔ بخلاف آٹھ یا بارہ پر عمل کرنے سے کہ اس میں ایک دو اقوالِ ائمہ کا خلاف ضرور لازم آئے گا......

یہی حال نماز وتر کا ہے یعنی ایک یا تین رکعتوں کا ثبوت درجنوں احادیث کریمہ سے ہے اور بعضے احادیث کریمہ کی روشنی میں تین سے زائد رکعتوں کا بھی ثبوت ملتا ہے (اپنی اپنی سمجھ کے مطابق) لیکن ائمہ اربعہ میں سے کسی نے بھی تین سے زائد کا قول نہیں کیا، تو معلوم ہوا کہ ثواب ایک یا تین میں منحصر ہے۔ وتر کی تعداد رکعات سے متعلق ائمہ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال و مذاہب کا جائزہ لیجئے تو حق واضح ہو کر سامنے آجاتا ہے۔ (وھی ھٰذا ملخصا)

مذہب مالکی: حضرت قاضی ابوالولید محمد بن رشد مالکی اندلسی (م ۵۹۵ھ) اپنی ممتاز و مطوّل تصنیف ھدایۃ المجتھد جلد اول میں فرماتے ہیں۔

فان مالکاً رحمہ اللہ استحب ان یوتر بثلاث یفصل بینھا بسلام (الی قولہ)	امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ تین رکعتیں وتر پڑھی جائیں اور ان میں سلام کے ساتھ فصل کیا جائے۔

ان الوتر ثلاث رکعات لا یسلم الا فی آخرھن عندنا (الی قولہ)

وتر صرف تین رکعتیں ہیں کہ ہمارے نزدیک تیسری رکعت میں سلام پھیرا جاتا ہے (اس درمیان میں تین رکعتوں کے ثبوت میں تین حدیثیں بیان فرماتے ہیں)

رأی عمر رضی اللہ عنہ سعدًا یوتر برکعة فقال ما ھذا "البتیراء"... وانما قال ذالک لان الوتر اشتهر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نهی عن "البتیراء" وقال ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ واللہ ما اجزأت رکعة قط ولانہ لو جاز الاکتفاء برکعة فی شیء من الصلوات لدخل فی الفجر قصر بسبب السفر....

اور جب حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد کو ایک رکعت وتر پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا یہ تم کیسی دُم بریدہ نماز پڑھتے ہو؟ حضرت عمر نے یہ بات اسلئے کہی تھی کہ وتر کے بارے میں یہ مشہور ہو چکا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُم بریدہ نماز (ایک رکعت) سے منع فرمایا ہے۔ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا خدا کی قسم میں ہرگز ایک رکعت نماز کے جواز کا قائل نہیں ہوں۔ اگر ایک رکعت نماز شروع ہوتی تو سفر کی وجہ سے فجر کی نماز میں قصر کا حکم ہوتا اور فجر کی نماز ایک رکعت پڑھی جاتی......

البتیراء: دم بریدہ نماز (ایک رکعت) کی ممانعت احادیث کریمہ میں اس قدر کثرت سے ہے کہ ان سبھوں کو جمع کرنے کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔ ہاں جس کو تفصیل درکار ہو وہ علامہ زیلعی کی نصب الرایہ، حافظ ابن حجر کی درایہ، علامہ عینی کی عمدۃ القاری، علامہ شوکانی کی نیل الاوطار، علامہ امام محمد بن حسن شیبانی کی موطا اور حافظ نورالدین ہیثمی کی مجمع الزوائد وغیرہا کتب شرعیہ کا مطالعہ کرے۔

اور جہاں تک وتر کے تین رکعت ہونے کی بات ہے اگر ائمہ اربعہ کے مذاہب کا انصاف سے مطالعہ کیا جائے تو واضح ہوگا کہ کسی نے بھی تین رکعت کی ممانعت نہیں کی۔ بلکہ کسی نے تین رکعت کی طرف جواز کا اشارہ کیا تو کسی نے اسے کامل کا درجہ دیا۔ اور کسی نے تین پر عدم حرج کی مہر لگادی ـــــ البتہ مذہب حنفی اور اس کے ائمہ نے

ایک رکعت کی ممانعت ومخالفت کی اور اس کو احادیث کثیرہ سے ثابت کیا۔ پس احتیاط اسی میں ہے کہ ایسا راستہ اختیار کیا جائے جس میں ائمہ اربعہ میں سے کسی کی مخالفت لازم نہ آئے۔ اور وتر کی ایک رکعت پڑھنے میں باختلاف روایت چاروں اماموں کی مخالفت لازم آتی ہے۔ کیونکہ وتر کے بارے میں مذاہب اربعہ کی یہ تفصیل گزر چکی ہے۔

(۱) وهو يشتمل على شفع ووتر (وہ جفت وطاق رکعتوں پر مشتمل ہے۔) عند المالكى۔ (۲) وادنى كماله ثلاث ركعات (اس کا درجۂ کمال کم از کم تین رکعتیں ہیں) عند الشافعى۔ (۳) وان اوتر بثلاث (اور اگر تین رکعتیں پڑھے تو اس میں کوئی حرج نہیں) عند الحنبلى۔ (۴) انّ الوتر ثلاث ركعات (وتر کی صرف تین رکعتیں ہیں) عند الاحناف۔

اور اگر ایک رکعت پڑھنے میں مذاہب ثلاثہ کی شق اول کی تائید ہوتی ہے تو شق ثانی کی تردید ہوتی ہے اور سب سے بڑھ کر "صلوٰۃ البتیراء" جس کی ممانعت منصوص ومصرح ہے اس پر عمل کی جرأت ہوتی ہے۔ اور تین رکعت پڑھنے میں کسی کا خلاف لازم نہیں آتا۔ بلکہ ہر ایک کے قول ومذہب کے مطابق عامل عہدہ برآ ہو جاتا ہے۔

سائل نے جس حدیث پاک کو وتر کی تین رکعتوں کے خلاف پیش کیا ہے اس کو حافظ علی ابن عمر (۳۸۵ھ) نے اپنے مجموعہ احادیث "سنن دارقطنی ص۲۵" میں بروایت حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرمایا ہے لیکن یہ حدیث پاک ائمہ ثلاثہ کے مذہب کے خلاف بھی ہے جیسا کہ ائمہ مذاہب کے اقوال سے ابھی ابھی روشن ہوا۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ حدیث ان احادیث کریمہ کے معارض وخلاف ہے جو اس سے زیادہ قوی اور ثقہ راویوں کی روایت سے مشہور ترین کتب احادیث میں مرقوم ومروی ہیں۔ مثلاً بخاری، ترمذی، ابوداؤد وغیرہا میں۔ تیسری بات یہ ہے کہ خود سنن دارقطنی میں اسکے خلاف روایتیں موجود ہیں۔ جس صفحہ پر یہ حدیث مسطور فی السوال دارقطنی میں مذکور ہے اس کے تین ہی صفحات کے بعد ص۲۸/۲ پر حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت معترض کو نظر نہیں آئی تعجب ہے۔

عن عبد اللہ بن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وتر اللیل ثلاث کوتر النھار صلوٰۃ المغرب۔	رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جیسے دن کے وتر (نماز مغرب) کی تین رکعتیں ہیں ویسے ہی رات کے وتر کی تین رکعتیں ہیں۔

اس حدیث پاک نے " لاتشبھوا بصلوٰۃ المغرب" کا جواب بھی دے دیا کہ مشبہ اور مشبہ بہ کے اندر تمام صفتوں فضلوں اور عادتوں میں متحد و یکساں ہونا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ مشابہت کے لئے کسی ایک صفت میں متحد ہونا کافی ہوتا ہے مثلاً کوئی شخص زید کو شیر کے مشابہ کہے یا لومڑی کے مشابہ بننے سے روکے" تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ زید کو شیر کی طرح پنجہ، دم اور دانت وغیرہ بھی ہے۔ یا لومڑی کی طرح وہ شیر کے ارد گرد چوکری بھرتا ہے۔ لومڑی کی طرح شیر کا پسماندہ کھاتا ہے، لومڑی کی طرح اپنے جسم کی بناوٹ رکھتا ہے وغیرہ۔ بلکہ اس مشابہت کا صرف یہ مطلب ہے کہ زید شیر کی طرح طاقتور جواں ہمت ہے۔ اور یہ کہ لومڑی کی طرح مطلبی خودغرض چالاک نہیں ہونا چاہئے۔

لاتشبھوا بصلوٰۃ المغرب میں اس تشابہ سے روکا گیا ہے کہ مغرب کی تیسری رکعت میں کسی سورت یا چھوٹی تین آیتوں کا ملانا واجب نہیں جبکہ وتر میں ملانا واجب ہے۔ عمداً اگر نہیں ملایا تو نماز ہی نہیں ہوگی اور سہواً نہیں ملا سکا تو بعدم سجدۂ سہو نماز نہیں ہوگی۔

تو وتر کی تیسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورت ملانے سے لاتشبھوا بصلوٰۃ المغرب کے حکم عالی کی پیروی ہو جاتی ہے جو ہر وتر پڑھنے والا کرتا ہے۔

اور حدیث مذکور (عن ابن مسعود) میں نماز مغرب سے مشابہت کا حکم ہے یعنی وہ بھی تین رکعتیں ہیں تو وتر بھی تین رکعتیں ہیں۔ لہٰذا مشابہت و عدم مشابہت دونوں طریق پر مسلمانوں کا عمل ہے۔

معترض کو "لاتوتروا بثلاث" تو یاد رہا مگر "اوتروا بخمس" وغیرہ یاد نہیں رہا۔ اگر واقعی

ایسے امرِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام پر عمل کرنے کا ذوق ہے تو اپنے ہی مذہب کے مطابق وہ وتر کی گیارہ رکعتیں پڑھا کرے۔

بکر (شافعی) صرف یہ کہہ سکتا ہے کہ لا توتروا بثلاث میں صیغۂ نفی کے ساتھ ممانعت ہے اور نہی عن البتیرا میں نہی کے ساتھ ممانعت ہے اور نہی کی کثرت کے مقابلہ میں نفی شاذ ہے لہٰذا اب وہ خود ہی فیصلہ کرے کہ فوقیت واہمیت نفی کو حاصل ہے یا نہی کو؟ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء مجلس علماء ہیڈرلینڈ

اسلامک فونڈیشن ہیڈرلینڈ۔ ۱۲ جمادی الآخرۃ ۱۴۲۳ھ

ہجڑے کی تجہیز و تدفین

مسئلہ ۸۶۷: غلام سرور خاں۔ ساؤتھ ہال، انگلینڈ۔ ۱۵-۸-۱۴۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک ہجڑا آدمی جو تقریباً تیس سال کا ہے اس میں عورت و مرد میں سے کسی ایک کی پوری پوری علامت نہیں ہے یعنی اس کو ڈاڑھی کے بال بھی نہیں ہیں اور پستان کا ابھار بھی نہیں ہے معلوم کرنے پر معلوم ہوا کہ پیشاب کرنے کا آلہ بھی عورت یا مرد کی طرح نہیں ہے۔ اگر اس کا انتقال ہو جائے تو اس کو مرد غسل دے یا عورت؟ کفن تین دیا جائے یا پانچ؟ جنازہ کی وہ مسنون دعائیں جو تذکیر و تانیث کی ضمیروں کے ساتھ ہیں ان میں مذکر کی ضمیریں استعمال کی جائیں یا مؤنث کی؟ امید کہ پوری وضاحت کے ساتھ جواب سے شاد کام فرمائیں گے۔ المستفتی غلام سرور خاں، مسلم ریسٹورنٹ ساؤتھ ہال

الجواب ۸۶۷/۹۲ **ھو المجیب الی الصواب**

غالباً سائل کو اچھی طرح معلوم ہے کہ اگر ہجڑے میں نر کی علامت واضح ہے تو اس کا حکم نر کا ہے اور اگر اس میں مادہ کی علامت واضح ہے تو اس کا حکم مادہ کا ہے یعنی تغسیل و تدفین و تکفین میں عورت و مرد کا فرق ملحوظ رکھا جائے گا اور نمازِ

جنازہ کی نیّت ودعاء میں تذکیر وتانیث کا امتیاز برتا جائے گا۔

اور اگر علاماتِ متعارضہ ظاہر ہوں یعنی کچھ علامتیں مرد کی اور کچھ عورت کی تو ایسوں کو فقہ کی زبان میں خنثیٰ مشکّل کہا جاتا ہے اور خنثیٰ مشکّل کا ظاہر روایت میں حکم یہ ہے کہ اُسے بجائے غسل کے تیمم دیا جائے پھر اگر اس کا تیمم دینے والا اس کا محرم (مرد عورت) ہو مثلاً باپ بھائی، ماں بہن تو اسے تیمم کرانے کیلئے ہاتھوں پر کپڑا وغیرہ لپیٹنے کی ضرورت نہیں ہے، اور اگر تیمم کرانے والا غیر محرم ہو تو ہاتھوں پر کپڑا لپیٹ کر تیمم کرائے، اور کفن عورتوں کی طرح پانچ عدد دیا جائے (عام عورتوں کو ریشمی کفن بھی دے سکتے ہیں لیکن خنثیٰ مشکّل کو ریشمی کفن نہیں دیا جائے گا)۔ درمختار اور ردّالمحتار جلد اوّل میں ہے۔

ویتیمم الخنثیٰ المشکّل لومراھقًا الخ شامی ص۸۰۶ ج۱ — اور خنثیٰ مشکّل جب قریب البلوغ ہوجائے تو اُسے تیمم کرائے۔

اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل ص۸۲ میں ہے۔

الخنثیٰ یکفن کما تکفن المرأۃ احتیاطًا ویجتنب الحریر الخ — خنثیٰ مشکّل کو احتیاطًا عورتوں کی طرح کفن دیا جائے البتہ ریشمی کفن سے گریز کیا جائے۔

دعاء جنازہ تو عورت ومرد دونوں کے لئے ایک ہی ہے جب اس کو پڑھے تو کسی لفظ یا ضمیر کو ادل بدل کرنے کی ضرورت نہیں ہے ہاں اگر نماز جنازہ میں بعض وہ مسنون ومروی دعائیں پڑھی جائیں جن میں مذکر مؤنث کی ضمیریں ہیں جو عورت ومرد کے لئے الگ الگ ضمیروں کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں، تو خنثیٰ مشکّل کے لئے مذکّر کی ضمیریں استعمال کی جائیں گی کہ اصل تذکیر ہی ہے۔ اس لئے فقہ کی کتابوں میں کہیں خنثیٰ مشکلۃ نہیں کہا گیا بلکہ تذکیر ہی کے ساتھ اس کا ذکر آیا ہے۔ ردالمحتار معہ درّمختار جلد خامس ص۶۳۶ میں ہے

لم یقل مشکلۃ لانہ لم یتعین احد الامرین فجاء علی الاصل وھو تذکیر۔

البتہ دفن کے وقت عورت کی طرح اس کی قبر پر پردہ کرلیا جائے گا اور ممکن ہوسکے تو اس کے محارم اسے قبر میں اتاریں گے۔ کمافی الشامی علی الدرالمختار ص۸۳۸ ج۱

وندب تسجیۃ قبرہ اور اسکی قبر کو کپڑے سے ڈھک دینا مستحب ہے

واللہ تعالیٰ اعلم و رسولہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ۔ ۱۵ شعبان ۱۴۰۵ھ

نوری دارالافتاء، نوری مسجد، آمسٹرڈم

مردہ کا چہرہ کون کون دیکھ سکتا ہے؟

مسئلہ ۸۶۸: عبدالجبار بیچن، ڈی ہیگ۔
۲۲-۴-۱۴۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ میّت کا دیدار مرد و عورت میں سے کون کون کر سکتے ہیں؟ تفصیل کے ساتھ بیان فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ عبدالجبار بیچن ڈی ہیگ، ہالینڈ

SCHALKBURGERSSTRAAT 90 2372 AN - DENHAAG

۸۶
۹۲ **الجواب** بعون الملک الوھاب

اصل یہ ہے کہ جس طرح مرد کا اجنبیہ عورتوں کو دیکھنا جائز نہیں ایسے ہی عورت کا اجنبی مردوں کو دیکھنا بھی جائز نہیں ہے۔ کما رواہ الترمذی و احمد ابوداؤد عن امّ المومنین سیّدتنا امّ سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

مردہ عورت کے لئے اس کا شوہر اور مردہ مرد کے لئے اسکی بیوی بھی اجنبی ہے لِانقطاع النّکاحِ بالموتِ" بایں ہمہ شوہر اپنی مردہ بیوی کو دیکھ سکتا ہے اور بیوی اپنے مردہ شوہر کو دیکھ یا چھو سکتی ہے بلکہ غسل بھی دے سکتی ہے۔ کما فی الدرّالمختار والمعتمداتِ الاسفار۔

یمنع زوجھا من غسلھا و مسّھا لامن النظر الیھا علی الاصح وھی لا تمنع من ذٰلک الخ	شوہر کو منع کر دیا جائے گا بیوی کو غسل دینے اور چھونے سے البتہ اسکو دیکھنے کی اجازت ہوگی صحیح قول کی بنا پر اور بیویوں کو غسل دینے اور چھونے کی اجازت ہوگی۔

اور موت سے جس طرح نکاح منقطع ہوتا ہے اسی طرح رشتۂ ونسب بھی کما فی الحدیث الشریف ہاں وہ لوگ دیدار کرسکتے ہیں جن سے زندگی میں پردہ کرنا درست نہیں تھا مثلاً باپ دادا نانا، بھائی بھتیجا بھانجا، چچا ماموں بیٹا پوتا اور نواسہ وغیرہ۔

اور جن لوگوں سے پردہ کرنا حیات میں واجب تھا انہیں چاہیئے کہ میت کا دیدار کرکے اُسے اذیّت نہ پہنچائیں کہ جن باتوں سے زندگی میں اذیت پہنچی ہے ان سے بعدِ موت بھی اذیت پہنچتی ہے۔ اور وہ لوگ یہ ہیں جنہیں دیدارِ میّت کی اجازت نہیں ملنی چاہیئے۔ کفّار و مشرکین، بدمذہب و مرتدین، چچا ماموں خالہ اور پھوپھی کے بیٹے، بہنوئی، دیور، جیٹھ اور جوان داماد و خسر وغیرہم۔ محرمات کی تفصیل کتب فقہ سے حاصل کریں کہ اسے یہاں نقل کرنا طوالت کا سبب ہے۔

اور وہ اجنبیہ عورتیں جو مرد سے اس کی زندگی میں پردہ کرتی تھیں یا پردہ کرنا ان پر واجب تھا ایسے مردہ مرد کا دیدار اجنبیہ عورتیں نہ کریں کہ اس سے مردہ کو اذیّت ہوتی ہے۔ حضرت علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ درمختار کے حاشیہ ردّالمحتار میں فرماتے ہیں لان المیّت یتأذّی بما یتأذّی بہ الحیّ (جس سے زندوں کو تکلیف ہوتی ہے اس سے مُردے بھی ایذا پاتے ہیں)۔ مختصر یہ کہ عورتوں کے حق میں بہتر یہ ہے کہ نامحرم اس کا دیدار نہ کرے۔ اور مردوں کے لئے بہتر یہ ہے کہ اجنبیہ عورتیں اسے نہ دیکھیں۔ اور دونوں کے حق میں بہتر یہ ہے کہ رُونمائی کی وجہ سے نماز جنازہ یا تدفین وغیرہ میں تاخیر نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ و رسولہ الاعلیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء مجلس علماء نیدرلینڈ

۲۳ ربیع الآخر ۱۴۲۲ھ - ۱۵-۷-۲۰۰۱ء

سُوال نکیرین کے جواب میں عبدالقادر جیلانی کہنا

مسئلہ ۸۶۹: عابد علی۔ دی ہیگ ——————

۱۴۲۱ھ-۱۱-۱۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وہ واقعہ جو حضور غوث اعظم کے دھوبی سے متعلق ہے کہ جب اس کا انتقال ہو گیا تو قبر میں نکیرین نے اس سے مشہور سوالات کئے اور اس دھوبی نے تینوں سوالوں کے جواب میں "عبدالقادر جیلانی کہا" پھر اسکے لئے جنت کی کھڑکیاں کھول دی گئیں۔ اس واقعہ کی کوئی اصل ہے یا نہیں اور یہ کس کتاب میں ہے؟ حاجی خدابخش، آمسٹرڈم، ہالینڈ

۸۶/۹۲ **الجواب ــــــ هو الهادی الی الصواب ــــــ**

غالباً یہی واقعہ یا اس کے مثل "تفریح الخاطر" میں ہے لیکن اسکے بیان میں تحقیق ضروری ہے۔ یونہی مبہم طور پر بلا توضیح کے بیان کرنا خلاف احتیاط ہے جس سے بچنا ضروری ہے۔ وہو اعلم۔

غیر مسلم کے جنازہ میں شریک ہونا

مسئلہ ۸۷: عابد علی، دی ہیگ
۱۴۱۵-۱۱-۱۴۲۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ غیر مسلم کے جنازہ میں شریک ہونا اور تعزیت کے لئے اسکے یہاں جانا کیسا ہے؟ عابد علی، دی ہیگ۔

۸۶/۹۲ **الجواب ــــــ هو الهادی الی الصواب ــــــ**

غیر مسلم سے مراد اگر کافر مرتد ہے مثلاً قادیانی وغیرہ تو اسکے جنازہ و تعزیت میں جانا حرام حرام اشد حرام نہایت بد انجام ہے۔ اگر اسے مسلمان سمجھ کر (العیاذ باللہ) اس کے جنازہ و تعزیت میں کوئی شریک ہوا تو شریک ہونے والے پر نہ صرف خوف کفر ہے بلکہ اس پر تجدید ایمان اور اگر بیوی رکھتا ہو تو تجدید نکاح لازم ہے کہ مرتد کو مسلمان سمجھنا عند الشرع کفر ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ ــ اور اگر غیر مسلم سے مراد کافر اصلی ہے یعنی نسلاً بعد نسلٍ وہ کافر ہے اور اس سے مسلمان کو کوئی قربت نہیں یعنی نہ وہ اس کا باپ ہے نہ بیٹا نہ بھائی وغیرہ تو اس کے بھی کسی کام میں خواہ جنازہ ہو یا تعزیت ہرگز شریک نہ ہو...... اور اگر اس سے قربت قریبہ ہے تو حق قرابت کی ادائیگی کے

لئے اس کے جنازہ کے ساتھ مگر دور دور چلنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اور زبانی تعزیت میں بھی (جبکہ تاسف قلبی نہ ہو) حرج نہیں۔ حاشیہ طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح میں ہے " ویتبعہ جنازتہ من بعید۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری خادم الافتاء اسلامک فونڈیشن ہیڈ لینڈ

۱۴ ذی قعدہ ۱۴۲۱ھ ۹ فروری ۲۰۰۱ء

مردے کو کب تک روکا جائے؟

قبر پر کوئی علامت قائم کرنا

۸۷۱-۸۷۲ مسئلہ محمد شریف گلاب زولہ ۶-۴-۱۴۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ اگر کوئی مسلمان وفات پائے تو اس کی میت کو کب تک روک سکتے ہیں؟ یعنی اسے جلد سے جلد دفن کر دینے کا حکم ہے یا اس کے رشتہ داروں کے آنے کا انتظار کیا جائے گا خواہ اس انتظار میں دو ایک دن کی دیر ہی کیوں نہ ہو جائے؟

۲۔ مسلمانوں کی قبر پر بطور علامت کوئی پتھر لگانا اور اس پتھر پر اس مردہ کا نام تاریخ پیدائش و وفات لکھنا جائز ہے یا نہیں دونوں سوالوں کا جواب حدیث پاک کی روشنی میں دیں۔ محمد شریف گلاب ۱۵۲ ۸۰۱۲ TE زولہ۔

۷۸۶/۹۲ الجواب اللهم هداية الحق والصواب

جب موت کا کامل یقین ہو جائے تو میت کو جتنی جلد ممکن ہو سکے اس کی منزل (قبر) تک پہنچا دینے کا اسلامی حکم ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ارشاد ہوا۔

عن عبد الله بن عمر قال سمعت	حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے
النبي صلى الله تعالى عليه وسلم	وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
يقول اذا مات احدكم فلا تحبسوه	کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب کوئی تم میں سے مر جائے
واسرعوا به الى قبره (رواه البيهقي في شعب الايمان)	تو اسے دیر تک مت روکو بلکہ اسے اسکی قبر تک جلد پہنچا دو

اور بخاری و مسلم کی روایت ہے

عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اسرعوا با لجنازة فان تك صالحة فخیر تقدمونها الیه وان تك سوی ذلك فشر تضعونه عن رقابكم۔ (بخاری و مسلم)	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جنازہ کو اسکی منزل تک پہنچانے میں جلدی کرو کہ اگر وہ نیک ہے تو بھلائی ہے اسکی جسکی طرف تم اُسے لے جا رہے ہو اور اگر وہ نیک نہیں ہے تو وہ ایک بُری چیز ہے جسے تم اپنی گردن سے اتار رہے ہو۔

اسی سلسلہ کی ایک اور روایت اس طرح ہے۔

عن حصین ابن وحوح ان طلحة بن البراء مرض فاتاه النبیّ صلّی الله علیه وسلم یعوده فقال انی لاری طلحة الاّ قد حدث به الموت فاذنونی به وعجّلوا فانه لاینبغی لجیفة مسلمان تحبس بین ظهرانی اهله۔ (رواہ ابوداؤد)	حضرت حصین ابن وحوح سے روایت ہے کہ طلحہ ابن براء بیمار ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بیمار پُرسی کے لئے تشریف لائے پھر ارشاد فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ طلحہ کی موت کا وقت قریب آگیا ہے۔ بعد موت مجھے اس کی خبر کر دی جائے اور (تجہیز و تدفین میں) جلدی کی جائے کیونکہ کسی مسلمان کی میّت کے لئے مناسب نہیں ہے وہ اپنے گھر والوں کے درمیان دیر تک رہے

اس مضمون کی اور بھی احادیث کریمہ ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ مردہ کو زیادہ دیر تک نہیں روکنا چاہئے۔ جہاں تک ممکن ہوسکے جلد سے جلد اسے اُس کی قبر تک پہنچا دینا چاہئے۔ تدفین موتیٰ کے لئے یورپ کے ممالک میں خاص کر چھٹی کے ایام میں دشواریاں ضرور ہیں اور اگر چھٹی کے ایام میں دفن ہی کرنا چاہیں تو بّرِ صغیر کی کرنسی میں لاکھوں روپیہ کا خسارہ برداشت کرنا پڑتا ہے اس سے دل برداشتہ ہونے کی ضرورت نہیں، اگر وارثانِ میّت اس خرچ کو بآسانی برداشت کر سکتے ہوں تو برداشت

الیہ مَنْ مَاتَ اھلی (ابوداؤد) کو دفن کروں گا۔ (رواہ ابوداؤد)

روایتوں سے ثابت ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون ہی کے قریب حضور پرنور سیّد عالم صلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے شہزادہ حضرت ابراہیم اور اپنی شہزادی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دفن فرمایا۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم۔

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ خادم الافتاء جامعہ مدینۃ الاسلام ہالینڈ

۵ دسمبر ۱۹۹۶ء مطابق ۶ ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ

بے نمازی کی نمازِ جنازہ

مسئلہ ۸۷۳:- امین قربان، نوری مسجد۔
۸-۵-۱۴۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وہ مسلمان جس نے جان بوجھ کر اپنی نمازوں کو چھوڑا، روزوں کو ترک کیا مگر مسلمانیت کا دعویٰ کرتا رہا بالآخر اس نے خودکشی کرلی کیا اس کے جنازہ کی نماز مسلمانوں پر فرض ہے؟ بعض علماء اور مفتیانِ کرام کا کہنا ہے کہ اس کے جنازہ میں شریک نہیں ہونا چاہئے۔ صحیح مسئلہ سے آگاہ کریں۔ المستفتی:- امین قربان، نوری مسجد۔

۸۷/۹۲ الجواب بعون الستار الوھاب:- کثیر صحابۂ کرام اور ائمہ حنابلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک بے نمازی کافر ہے اور اس کے کفر کی تائید میں درجنوں صحیح حدیثیں ہیں۔ لیکن ائمہ ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک بے نمازی کافر تو نہیں البتہ فاسق فاجر مستحق عذاب نار وغضب قہار میں گرفتار اور سخت سزاؤں کا سزاوار ہے۔ اس نے اپنی شامتِ اعمال کی وجہ سے اپنا فرض ادا نہیں کیا مسلمانوں کو کیا پڑی ہے کہ اپنا فرض چھوڑ دیں مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے کہ اس کو غسل وکفن دیں۔ نمازِ جنازہ پڑھیں اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کریں۔ درمختار باب صلوٰۃ الجنائز میں ہے۔ ھی فرض علیٰ کلّ مسلم مات، خلاف اربعۃ بغاۃ وقطاع طریق اذا قتلوا فی الحرب، ومکابر فی مصر لیلا، وخناق

کرنا ہی چاہئے کہ وہ قبر کا کرایہ تو مستقل طور پر ادا کرتے ہی رہتے ہیں اور اگر چھٹی کے دنوں میں تجہیز و تدفین کے المضاعف خرچ کو بآسانی برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے ہوں یا خرچ نہیں کرنا چاہتے ہوں تو شریعت اس کے لئے انہیں مجبور نہیں کرے گی کیونکہ میّت کو پھولنے پھٹنے سے محفوظ رہنے کے لئے کمپنی یا گورنمنٹ ایسا انتظام کردیتی ہے کہ نعش کو ہفتہ عشرہ تک کوئی نقصان نہ پہنچے۔ وہو تعالیٰ اعلم

جوابِ ۲: جی ہاں قبروں پر بطور علامت پتھر لگانا جائز اور سنّت سے ثابت ہے پتھر پر میّت کا نام اور تاریخِ وفات وغیرہ لکھنا علمائے اسلام کے نزدیک جائز و مستحب ہے اور ممانعتِ کتابت کی حدیث منسوخ ہے۔ کما حققہ الحاکم، علامتی پتھر لگانے پر یہ حدیث صحیح دلیل صریح ہے۔

عن المطّلب بن ابی وداعة قال لمّا مات عثمانُ بن مظعون اخرج بجنازته فدفن امر النّبی صلے اللہ علیہ وسلم رجلًا ان یاتیہ بحجر فلم یستطیع حملھا فقام الیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحسر عن ذراعیہ قال المطّلبُ قال الّذی یخبرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کانّی انظر الیٰ بیاض ذراعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین حسر عنہما ثم حملھا فوضعھا عند راسہ وقال اعلم بھا قبر اخی وادفن

حضرت عبدالمطلب ابن وداعہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب حضرت عثمان ابن مظعون نے وفات پائی تو ان کا جنازہ لاکر دفن کیا گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو پتھر لانے کا حکم دیا مگر اسے اٹھا نہ سکا تو پھر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُدھر تشریف لے گئے اور اپنی آستینیں چڑھائیں۔ راوی کہتے ہیں کہ جس شخص نے مجھے اس واقعہ کی خبر دی وہ کہتے تھے کہ گویا میں ابھی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی کہنیوں کی سفیدی دیکھ رہا ہوں۔ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کھولا۔ پھر اس پتھر کو خود ہی اٹھا لائے اور قبر کے سرہانے رکھ دیا۔ اور فرمایا کہ اس سے اپنے بھائی کی قبر کا نشان لگاتا ہوں اور انہیں کے پاس اپنے فوت ہونے والے گھر والوں

خنق غیر مرۃ الخ ہر مسلمان مردہ کی نماز جنازہ فرض کفایہ ہے سوائے چار آدمیوں کے، باغی، ڈاکو جبکہ ڈکیتی کی حالت میں مارے جائیں، راتوں کو شہر میں غنڈہ گردی کرنے والا، اور گلا گھونٹنے والا جس نے کئی بار گلا گھونٹ کر لوگوں کو مار ڈالا ہو۔ علماء کرام اور مفتیانِ اسلام بغرض زجر و تنبیہ بے نمازیاں خود اس جنازہ میں شریک نہ ہوں مگر عامۃ المسلمین کو جنازہ سے نہ روکیں تو اس میں حرج نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔ عبد الواجد قادری غفرلہٗ ۸ رجب ۱۴۰۸ھ

نمازِ جنازہ اور دفن کے بعد دعا کرنا

مسئلہ ۸۷۴ :۔ فیصل ننھے خاں۔ آمسٹرڈم
۱۵-۵-۱۴۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ جنازہ کی نماز ہو جانے کے بعد اسی میت کے لئے خصوصًا دعا کرنی اور پھر میت کے دفن کرنے کے بعد قبر کے ارد گرد کھڑے ہو کر یا کچھ دور چلنے کے بعد اسی میت کے لئے خصوصًا دعا کرنی ازروئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب نمازِ جنازہ میت کے لئے دعا ہی ہے تو پھر جنازہ کے بعد پھر دفن کے بعد پھر کچھ دور چلنے کے بعد بار بار دعا کرنا عبث بلکہ خدا کی رحمت سے ناامیدی پر دال ہے۔ برائے مہربانی شرعی دلائل کے ساتھ جواب عنایت فرما کر شکریہ کا موقع دیں نوازش ہوگی۔

فیصل کیر اوف مسجد نوری آمسٹرڈم، ہالینڈ۔

الجواب ۸۶/۹۲ اللّٰھمّ ھدایۃ الحق والصواب

دعا، وہ خصوصی عبادت بلکہ مغز عبادت ہے کہ اس کا حکم و جواز زمان و مکان اور تعداد کی قید و بند سے آزاد ہے "وَادْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ" کسی آیت و حدیث، اجماع و قیاس سے مقاماتِ مذکورہ میں دعا کرنا ممنوع نہیں بلکہ ان مقامات پر دعاؤں کے عموم و شمول کی تائید صریح ادلّۂ شرعیہ سے ثابت ہے۔ حضرت امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ شرح الصدور مصری صفحہ ۱۲۷ میں فرماتے ہیں۔

قد نقل غیر واحد الاجماع	متعدد حضرات نے اس پر اجماع نقل فرمایا ہے کہ
علیٰ انّ الدعاء ینفع المیّت و	بیشک دعا میّت کو نفع دیتی ہے اور اسکی دلیل
دلیله من القرآن قوله تعالیٰ	قرآن پاک سے یہ ارشاد خداوندی ہے۔
"وَالَّذِیْنَ جَاؤُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ	اور وہ لوگ جو ان کے بعد آئے عرض کرتے ہیں اے
یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا	ہمارے پروردگار! ہماری مغفرت فرما اور ہمارے ان
الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ"	بھائیوں کی بھی مغفرت فرما جو ہم سے پہلے ایمان لائے۔

حضرت سیدنا ملا علی قاری علیہ الرحمہ "شرح فقہ اکبر مصری ص۱۱۱" میں فرماتے ہیں

انّ دعاء الاحیاء للاموات	بیشک زندوں کی دعائیں مردوں کے لئے
تنفع لهم۔	نفع بخش ہیں۔
وقد توارث السلف واجمع	سلف صالحین اور خلف راشدین سب کا
علیه الخلف۔	اس پر اتفاق واجماع ہے۔
اتّفق اهل السّنة ان الاموات	(استدلال کثیرہ کے بعد فرمایا) کہ اہلسنّت کا اس پر اتفاق ہے
ینتفعون من سعی الاحیاء	کہ مردے زندوں کی سعی (دعا، استغفار) سے نفع اٹھاتے ہیں۔

بالفرض اگر دعا سے متعلق یہ سب تصریحات ہمارے اسلاف کرام کے یہاں نہیں ہوتیں تو بھی ہمارے عمل کے لئے اسی قدر کافی ہوتا کہ اس کی ممانعت شرع شریف میں وارد نہیں ہے لیکن اندھے معترض کے اعتراض کو سامنے رکھتے ہوئے ان حقائق کا انکشاف ضروری معلوم ہوا جس سے ہمارے اسلاف کا دستورِ مسلّم معلوم ہو جائے.....

ورنہ معترض کو بھی اچھی طرح معلوم ہے کہ دعا کی تکرار و تعدد و تکثیر بہرحال مطلوبِ شرع ہے۔ ورنہ صرف دو رکعت نماز میں اپنی جگہ سے ہٹنے اور سلام پھیرنے سے پہلے بار بار کلماتِ دعاء کا ورد کیا جانا کیا معنی رکھتا ہے؟

حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیشہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دعاؤں کی ترغیب و تاکید فرمائی اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین شب و روز، صبح و شام، ہر ساعت و آن دعاؤں میں مصروف رہا کرتے۔

حضرت امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ "کشف الغمۃ مصری" ص۱۷۴ میں فرماتے ہیں۔

کان رسول اللّٰہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یحث علی الدعاء والصدقۃ والقرب المہداۃ للاموات من اقاربھم واخوانھم و یقول ان ذٰلک ینفعھم۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابہ کرام کو ان دعاؤں، صدقوں اور نیکیوں کا شوق وذوق دلایا کرتے جو اموات کے لئے بطور ہدیہ ان کے رشتہ داروں اور بھائیوں کی طرف سے بھیجی جاتی تھی اور فرماتے تھے بیشک یہ سب انہیں نفع دیتا ہے۔

ان دلائل کی روشنی میں صرف یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ زندوں کی دعائیں مردوں کے لئے نہایت نفع بخش اور مشکل کشا ہیں لیکن اب وہ دلائل شرعیہ مطالعہ کیجئے جن کی روشنی میں نماز جنازہ کے بعد خصوصی دعاء کا ثبوت واضح ہوتا ہے۔

سنن ابی داؤد، ابن ماجہ اور بیہقی شریف میں حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے۔

اِذَا صَلَّیْتُمْ عَلَی الْمَیِّتِ فَاخْلِصُوْا لَہُ الدُّعَاءَ	جب میت پر نماز پڑھ چکو تو اخلاص کے ساتھ اس کے لئے دعا کرو۔

بدائع الصنائع ص۳۱۱ میں ہے کہ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک جنازہ پر نماز پڑھا چکے تو سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر آئے وہ تنہا نہ تھے بلکہ ان کے ساتھ صحابہ کرام کی ایک جماعت تھی۔ جنازہ چونکہ موجود تھا اس لئے سیدنا فاروق اعظم نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ دوبارہ نماز جنازہ پڑھنا چاہی تو نبی کریم رؤف ورحیم علیہ التحیۃ والتسلیم آقا نے ارشاد فرمایا۔

اَلصَّلٰوۃُ عَلَی الْجَنَازَۃِ لَا تُعَادُ وَلٰکِنِ ادعُ لِلْمَیِّتِ وَاسْتَغْفِرْ لَہٗ	جنازہ پر دوبارہ نماز نہیں پڑھی جاتی ہاں اس میت کے لئے دعاء واستغفار کرلو۔

علامہ سرخسی کی مبسوط ص۶۷ مصری میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک جنازہ پر قدرے تاخیر سے تشریف لائے کہ نماز جنازہ ہو چکی تھی تو جنازہ کے قریب تشریف فرما ہو کر اس کے لئے دعاء استغفار فرمایا نیز اسی مبسوط

میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت سیدنا فاروق اعظم امام العادلین کے جنازہ میں تاخیر سے حاضر ہوئے تو حاضرین سے فرمایا۔

ان سبقتمونی بالصلوٰۃ علیہ | آپ لوگوں نے نماز جنازہ میں مجھ سے پہل کرلی تو
فلاتسبقونی بالدعاء لہ | ان کے لئے دعا کرنے میں مجھ سے پہل مت کیجئے۔

معلوم ہوا کہ نماز جنازہ کے بعد تنہا یا اتفاقاً دعا نہیں کی جاتی تھی بلکہ نماز جنازہ ہی کی طرح اہتمام اور جماعت کے ساتھ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم دعا فرماتے تھے۔

علامہ ابن ابی شیبہ اپنے مصنف میں رقمطراز ہیں کہ حضرت سیدنا مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے نمازِ جنازہ میں چار تکبیریں کہیں۔

ثم مشی حتی اتاہ وقال اللّٰھم | پھر چل کر میت سے نزدیک تر ہوئے اور عرض کیا
عبدك وابن عبدك نزل بك | بارالٰہا! یہ تیرا بندہ اور بندہ کا بیٹا ہے آج تیری بارگاہ
الیوم فاغفرلہ ذنبہ ووسع | میں حاضر ہوا تو اس کے گناہوں کو بخش دے اور
مدخلہ فانا لانعلم منہ | اس کی قبر کو کشادہ فرمادے ہم اسکی بھلائی کے سوا
الاخیرا وانت اعلم بہ۔ | کچھ نہیں جانتا اور تو اسکے احوال سے زیادہ باخبر ہے۔

نماز جنازہ کے بعد جس طرح احادیث کریمہ سے مکرر دعا کرنے کا ثبوت ملتا ہے اسی طرح دفنِ میت کے بعد بھی احادیث پاک اور نصوص فقہیہ سے دعا خاص کرنے کا ثبوت ملتا ہے، لیکن جو عمل ہی نہیں کرنا چاہے تو آپ اس کو ہزار سمجھائیے اور دلیل پر دلیل پیش کرتے رہئے اسے عمل نہیں کرنا ہے نہیں کرے گا۔ بلکہ عمل کرنے والوں کو ورغلانے کی کوشش کرے گا۔ اللہ تعالیٰ سنی صحیح العقیدہ مسلمانوں کو شیطانی تزویر اور بدمذہبوں کی فریب کاریوں سے بچائے۔ آمین۔

ابوداؤد شریف ص۱۰۳، بیہقی شریف ص۵۶، مستدرک ص۳۷ میں بجملۂ متقاربہ یہی عبارت ہے مگر یہ کلمات بیہقی کے ہیں۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم | جب سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی میت کے
اذا فرغ من دفن المیت قال | دفن سے فارغ ہوتے تو ارشاد فرماتے۔ اپنے میت

استغفروا لمیتکم وسلوا له التثبیت فان الآن یسئل ۔ کیلئے استغفار کرو، اور اسکے ثابت القول رہنے کیلئے خدا سے سوال کرو۔ اسلئے کہ وہ ابھی ابھی سوال کیا جائے گا۔

سراج المنیر شرح جامع الصغیر میں " التثبیت " کا معنیٰ ہے ای اطلبوا له منه ان یثبت لسانه وجنانه لجواب الملکین " یعنی تم سب مل کر دعاء کرو کہ نکیرین کے سوالوں کا جواب دیتے وقت اس کی زبان لڑکھڑانے سے اور دل متوحش ہونے سے محفوظ رہے ۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وصیت صحیح مسلم شریف ص۷۶ میں محفوظ ہے کہ

ثم اقیموا حول قبری قدر ما تنحر جزور ویقسم لحمها حتی استانس بکم وانظر ماذا اراجع به رسل ربه ۔ دفن کے بعد میری قبر کے گرد اگر داتنی دیر تک ٹھہرے رہنا کہ اونٹ نحر (ذبح) کیا جائے اور اس کا گوشت تقسیم کیا جائے تاکہ میں تمہارے ساتھ انس حاصل کرتا ہوں۔ اور دیکھ لوں کہ منکر نکیر کو کیا جواب دیتا ہوں۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں " استانس بکم " کی شرح اس طرح ہے " ای بدعائکم واذکارکم وقرأتکم واستغفارکم " یعنی تمہاری دعاؤں، ذکروں، قرآن خوانی اور کلماتِ استغفار سے ۔ ان احادیث کریمہ سے روشن ہوا کہ دفنِ میت کے بعد عزیز و اقارب خصوصًا دعاء و درود خوانی، قرآن خوانی، اور کلماتِ استغفار میں اتنی دیر تک مشغول رہیں کہ سوالاتِ نکیرین ہو جائیں اور اس کا اندازہ وہی ہے جو وصیتِ بالا میں ارشاد فرمایا گیا ۔

پھر یہ کہ صرف اسی وقت دعا کرنے کو کافی نہ سمجھ لے بلکہ مسلسل میت کی بخشائش اور بلندئ درجات کے لئے دعاء کی جاتی رہے تاکہ مُردوں کی دعاء سے زندے اور زندوں کی دعاء سے مُردے فائدہ اٹھاتے رہیں ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواحد قادری غفرلہ خادم الافتاء جامعہ مدینۃ الاسلام دی ہیگ ہالینڈ

۱۵ رجمادی الآخرہ ۱۴۱۴ھ

قبر پر اذان کہنا

مسئلہ ۸۷۵:- کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ میں کہ ہم سورینامی مسلمانوں میں نسلاً بعد نسلٍ یہ ہوتا آیا ہے کہ اپنے مردوں کو دفنانے کے بعد عام لوگ فاتحہ پڑھکر رخصت ہوجاتے ہیں مگر ایک دیندار آدمی ٹھہر جاتا ہے جو چند منٹوں کے بعد قبر سے قریب کھڑے ہوکر اذان پکارتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اب جبکہ پاک وہند سے کچھ مسلمان یہاں ہالینڈ آکر مقیم ہوگئے ہیں اس اذان پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ بدعت وناجائز ہے۔

المستفتی: ابراہیم سدل معرفت حاجی فاروق، ایندہوفن

الجواب ۸۷۶/۹۲:- شریعتِ مطہرہ سے ہرگز اذانِ قبر پر ممانعت کی کوئی دلیل نہیں اور کسی امر سے شریعت کا منع نہ فرمانا اس امر کے جواز کی دلیل ہے۔ پس جو حضرات دفنِ میّت کے بعد قبر پر اذان کہتے ہیں وہ اپنے مردوں کو نفع پہنچاتے اور اپنے نامۂ اعمال میں ثواب کا اضافہ کرتے ہیں۔ جو اذان نہیں کہتے وہ کسی فرض وواجب کے تارک نہیں۔ البتہ فوائدِ نافعہ اور ثواب سے محروم ہوتے ہیں اور جو منع کرتے یا روکتے ہیں وہ مداخلت فی الشرع اور زبان کو بے لگام چھوڑنے کی وجہ سے شرعی گرفت میں آتے ہیں۔ امام اہلسنّت مجدّدِ دین وملّت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے اذان علی القبر کے جواز واستحسان پر احادیث کریمہ سے پندرہ اور عباراتِ فقہیہ سے درجنوں دلائل قاہرہ باہرہ پیش فرماکر اس کے فوائد کاملہ تامہ کو واضح فرمایا بلکہ آج سے سو سال پہلے خاص اسی مسئلہ کے استحسان وفوائد پر ایک رسالہ ”ایذان الاجر فی اذانِ القبر“ تحریر فرماکر عوام اہلسنّت پر احسانِ عظیم فرمایا۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ جزاءً کاملاً۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ خادم الافتاء نوری دارالافتاء

۲۸ر دسمبر ۱۹۸۵ء

بغیر وضو کے اذان دینا

مسئلہ ۸۲۶: کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ میں کہ بغیر وضو کے اذان کہنے میں کوئی شرعی حرج ہے یا نہیں؟ اگر کسی نے بے وضو کے اذان دیدی تو کیا اس اذان کو لوٹانا چاہئے؟ کیا اذان دینے کے لئے عالم ہونا شرط ہے؟

بیّنوا و توجروا

المستفتی: کریم اللہ شطاری غرناطہ (غرناطہ) اسپین

الجواب ۸۲۶ ۹۲ ـــــــ هوالهادی الی الصواب ـــــــ

بغیر وضو کے اذان کہنا کراہت سے خالی نہیں ہے۔ اور جو اذانیں کراہت کے ساتھ ہوئیں ان کا اعادہ شرع کو محبوب ہے۔ حضرت شیخ علامہ حسن بن علی شرنبلالی علیہ الرحمہ نے نور الایضاح میں لکھا "ویکرہ التلحین واقامۃ المحدث واذانہ" کہ گا گا کر اذان کہنا اور بے وضو کی اقامت و اذان مکروہ ہیں۔

علامہ سید احمد طحطاوی حنفی علیہ الرحمہ نے "طحطاوی علی مراقی الفلاح" حاشیہ نور الایضاح میں عبارت بالا کی تائید میں یہ حدیث پاک بیان کی "لایؤذن الا متوضی" باوضو شخص ہی اذان دے۔"

فقہاء کرام علیہم الرضوان نے جہاں جہاں مطلقاً لفظ کراہت استعمال فرمایا ہے عموماً اس کراہت سے مراد کراہتِ تحریمی ہے اور جو عمل کراہت مطلق کے ساتھ انجام دیا گیا ہو اس کو لوٹایا جائے گا۔ وھو المطلوب عند الشرع۔

اذان کہنے کے لئے مؤذن کا عالم دین ہونا شرط نہیں ہے البتہ اسے اوقاتِ نماز کا عالم ہونا چاہئے یعنی وہ جانے کہ مثلاً نمازِ فجر کا وقت کب شروع ہوتا ہے نماز ظہر کا وقت کب نکل جاتا ہے وغیرہ۔ فاسق کی اذان بھی مکروہ ہے خواہ وہ عالم ہی کیوں نہ ہو اور اسکی کہی ہوئی اذان بھی لوٹائی جائے گی۔ حاشیہ شامی باب الاذان میں ہے

ویکرہ اذان فاسق ولو عالما: فاسق کی اذان مکروہ ہے اگرچہ وہ عالم ہو۔ (عبارت درمختار)

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ۔ اسلامک فونڈیشن۔ ہیدرلینڈ

۱۳ / صفر المظفر ۱۴۲۴ھ

مسجد کے اندر اذان پکارنا

مسئلہ ۸۷۷:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ جمعہ کی اذانِ اوّل مسجد میں دینا کیسا ہے؟ خطبہ کے وقت کی اذان پہلی یا دوسری تیسری صف میں کہنا شرعًا درست ہے یا نہیں؟ حضرت مولانا مفتی اشرف القادری صاحب جو بہت دنوں تک پارا ماری بو (سرینام) میں رہ چکے ہیں وہ خطبہ کی اذان مسجد میں کہنے کو شدت سے منع کرتے ہیں کیا ان کا منع کرنا صحیح ہے؟

سائل:۔ حاجی جہام، یوتریخت ہالینڈ۔ جامعہ مدینۃ الاسلام دین ہاخ

۸۶/۹۲ **الجواب ـــــــ ھوالھادی الی الصواب ـــــــ**

احادیث کریمہ اور فقہ اسلامی کی روشنی میں کوئی بھی اذان خواہ پنجوقتہ نمازوں کی ہو یا جمعہ وخطبہ کی مسجد میں دینا خلافِ سنّت یعنی مکروہ ہے۔ حضور اقدس سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ مبارکہ اور سیّدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دورِ خلافت میں صرف خطبۂ جمعہ کے وقت نمازِ جمعہ سے پہلے ایک اذان ہوتی تھی اور وہ اذان مسجد نبوی کے دروازے پر ہوتی تھی۔ تحویل قبلہ کے بعد جب دروازہ سمت مخالف میں بنایا گیا جب بھی وہ اذان دروازۂ مسجد کریم ہی پر ہوتی تھی۔ ابوداؤد شریف حصہ اوّل کتاب الصلوٰۃ باب الندا یوم الجمعۃ ص۱۶۲ میں ہے۔

عَنِ السَّائب بن یزید قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد وابی بکر وعمر۔	حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جمعہ کے دن جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر اقدس پر تشریف فرما ہو جاتے تھے تو آپ کے سامنے مسجد کے دروازے پر اذان ہوتی تھی اسی طرح حضرت سیدنا ابوبکر و سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دورِ خلافت میں بھی ہوتا رہا....

پھر جب مدینہ منورہ اور اس کے ارد گرد مسلمانوں کی کثرت ہوگئی تو جمعہ کے خطبہ سے پہلے مدینہ شریف کے بازار میں (مقام زورا) ایک اور اذان کا اضافہ ہوا۔ اور اس کے اضافے

کا حکم حضرت سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیا۔ دورِ عثمانی سے آج تک وہ اذان ہوتی آرہی ہے کسی صحابی کسی تابعی، کسی مجتہد کسی امام یا کسی عالم دین نے اس کے مشروع ہونے کا انکار نہیں کیا۔ لہٰذا وہ سنّت متوارثہ قرار پائی۔ اب اسے اذانِ اوّل کہا جاتا ہے۔ ابوداؤد شریف ہی میں ہے۔

اخبرنی السائب بن یزید انّ	مجھے خبر دی حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ نے
الاذان کان اوّلہ حین یجلس	کہ پہلے جیل وہی اذان ہوتی تھی جبکہ امام خطبۂ جمعہ
الامام علی المنبر یوم الجمعۃ	کے لئے منبر پر بیٹھ جاتا تھا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ
فی عہد النّبی صلی اللہ علیہ	علیہ وسلم اور حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما
وسلم وابی بکر وعمر فلما	کے زمانۂ مبارکہ میں۔ پھر جب خلافت عثمانی کا
کان خلافۃ عثمان وکثر	دور آیا اور لوگ زیادہ ہوگئے تو انہوں نے جمعہ
النّاس امر عثمان یوم الجمعۃ	کے دن مقام زوراء پر تیسری اذان کا حکم دیا۔
بالاذان الثالث فاذن بہ علی	پھر اسی پر عمل ہونے لگا۔۔ الیٰ
الزوراء فثبت الامر علی ذٰلک اھ	یَومِنَا ھٰذَا۔

واضح رہے کہ حدیثِ سائب میں اذانِ اوّل کو تیسری اذان کہا گیا ہے یہ دراصل اقامت کے حساب سے ہے یعنی اقامت نماز سے متصل ہونے کے اعتبار سے اذانِ اوّل ہے اور اذانِ خطبہ اذانِ ثانی ہے اور اس سے پہلے کی اذان اذانِ ثالث یعنی تیسری اذان ہے۔ وہو اعلم۔

فقہ کی درجنوں قابلِ اعتبار واعتماد کتابوں میں اذانوں کے خارج مسجد ہونے کا حکم اور داخلِ مسجد ہونے کی ممانعت وکراہت موجود ہے۔ بندۂ ناچیز نے ۱۹۵۸ء میں ایک مختصر رسالہ بنام "احیاءِ سنّت" ترتیب دیا تھا جسمیں فقہ حنفی کی معتمد علیہا کتبِ فتاویٰ کے حوالوں سے کسی بھی اذان کا خصوصًا اذانِ خطبہ کا داخلِ مسجد ہونا خلافِ سنّت (مکروہ) واضح کیا تھا۔ جس کو بعد میں مخلص حضرات نے بڑے اشتہار کی شکل دے کر ہزاروں کی تعداد میں چھپوا کر تقسیم کیا۔

مختصر یہ کہ اذانِ خطبہ یا کسی بھی اذان کا پہلی یا دوسری تیسری کی صف میں ہونا یا حدودِ مسجد کے اندر ہونا مکروہ ہے۔ ہدایہ کی شرح فتح القدیر جلد دوئم باب صلوٰۃ الجمعہ ص۲۹ میں علامہ امام ابن الہمام کمال الملۃ والدین لکھتے ہیں۔

کراھۃ الاذان فی داخلہ ÷ کہ مسجد کے اندر اذان دینا مکروہ تحریمی ہے۔

حضرت العلام مولینا مفتی اشرف القادری زید مجدہٗ اشرفہ اللہ تعالیٰ فی الدارین ایک جید سنی عالمِ دین اور مرشد طریقت ہیں وہ اگر مسجد میں اذان کو منع فرماتے ہیں تو احادیث وفقہ اسلامی کی روشنی میں منع فرماتے ہیں اور وہ اس منع کرنے میں مُصیب ومثاب ہیں۔ اللہ تعالیٰ حق گوئی کی دولتِ عظمیٰ ہر مسلمان خصوصًا علماء دین کو نصیب فرمائے آمین یا رب العالمین ببرکۃ النبی الکریم الامین صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلےٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء مدینۃ الاسلام۔ دی ہیگ

۹ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۲ھ - ۱۸ دسمبر ۱۹۹۲ء

کیا ہر اذان کا جواب واجب ہے؟

مسئلہ ۸۲۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ۔ کیا ہر اذان کا جواب دینا چاہئے یا صرف ان اذانوں کا جو نمازوں کے لئے دی جاتی ہیں؟ اس مسئلہ کو کئی مولویوں سے ہم نے دریافت کیا تو مختلف جواب ملتا ہے۔ بعض نے کہا کہ اذانوں کا جواب عملی طور پر دینا واجب ہے یعنی اذان سنکر مسجد کے لئے روانہ ہونا، یا اذان کے بعد نماز میں مصروف ہو جانا۔ لیکن آندھی کی اذان، یا نومولود کے کانوں میں اذان، یا بعد دفن عند القبر کی اذان کے بعد چونکہ کوئی نماز یا جماعت نہیں ہے لہٰذا اس کا جواب بھی نہیں سوال یہ ہے کہ یہ جواب صحیح ہے یا نہیں؟ محمد شبیر خدابخش ہاردرویک، ہالینڈ

الجواب ۹۲۶ ـــــــ هوالهادی الی الصواب ـــــــ

جوابِ اذان سے متعلق احادیث متعدد کہ اتنی عام ہیں کہ ان کا ظاہری تقاضا تمام

اذانوں کے جوابوں کو بھی ثابت کرتا ہے۔ اور جواب اذان کا وجوب عند الفقہا قولی طور پر بھی روشن ہے چنانچہ بحر الرائق ص۲۹۵ ۔ درمختار ص۳۷ اور عالمگیری ص۲۹ وغیرہا کتب فتاویٰ میں ہے والظاهر وجوبها باللسان لظاهر الامر فی حدیث اذا سمعتهم المؤذن فقولوا مثل ما یقول الخ کہ ظاہر مذہب یہی ہے کہ اذان کے جواب کا وجوب قولی طور پر ہے جیسا کہ حدیث پاک کے ظاہری الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ "جب تم مؤذن کی آواز سنو تو ویسے ہی کہو جیسا کہ وہ کہتا ہے۔

بہرحال یہ حکم وجوبی ہو یا استحبابی لیکن کسی خاص اذان کے ساتھ مقید نہیں ہے تو بے دلیلِ شرع اسے اذانِ نماز کے لئے متعین کر دینا بے اصل ہے۔

ہمارے معتمد علیہم مفتیانِ کرام کی رائے یہی ہے کہ خواہ آندھی کے وقت کی اذان ہو یا نومولود کے کانوں میں دی جانے والی۔ یا پھر دفن میت کے بعد کہی جانے والی اذانیں سب کا جواب دینا اس شخص پر ہے جو مؤذن کی آواز سن رہا ہے۔

فتاویٰ شامی ص۳۶۹ میں ہے۔

هل یجیب اذان غیر الصلوٰۃ کالاذان للمولود لم ارہ لائمتنا والظاهر نعم ولذا یلتفت فی حیعلتیه کما مر وهو ظاهر الحدیث	کیا نماز کے علاوہ والی اذانوں کا بھی جواب دینا ہے جیسے بچہ کی ولادت کے وقت کی اذان کا؟ میں نے اپنے ائمہ کرام کا اس سلسلہ میں کوئی ارشاد نہیں دیکھا لیکن ظاہر یہی ہے کہ ان سب کا بھی جواب دینا چاہئے اور اسی طرح ہر اذان میں حیّ علی الصلوٰۃ اور حیّ علی الفلاح کے وقت دائیں بائیں مڑنا چاہئے یہی ظاہری الفاظ حدیث کا مفاد ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ نوری دارالافتاء۔ نوری مسجد آمسٹرڈم ۔ ۷ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ

اذان سے قبل درود وسلام

مسئلہ ۸۲۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

یورپ کی اکثر مسجدوں میں اذان پکارنے سے پہلے مؤذن " الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یاحبیب اللہ۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یانبی اللہ بلند آواز سے کہتا ہے مسجد میں موجودہ حضرات بھی مؤذن کا ساتھ دیتے ہوئے ان کلمات کی تکرار کرتے ہیں ..... پھر اس کے بعد مؤذن اذان پکارتا ہے جس کا جواب حضار مسجد دیتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اذان یا تکبیر اقامت سے پہلے مذکورہ صلوٰۃ وسلام پڑھنا کیا از روئے شرع درست ہے یا ناجائز وحرام؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ اذان کا جواب صرف مسجد میں موجود لوگوں پر ضروری ہے یا دوسرے مسلمان پر بھی؟

بینوا وتوجروا　　　محمد الیاس پولن اینڈ ہوفن۔ ہالینڈ

۹۶۷ الجواب ـــــــ هو الهادی الی الصواب ـــــــ

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ گرامی میں مطلقاً درود وسلام پڑھنے کا حکم قرآن مجید میں موجود ہے۔ اس حکم میں کسی خاص ہیئت یا وقت کی ممانعت نہیں ہے۔ اور حکم مطلق کو اپنی طبیعت سے مقید کر دینا اہل ایمان کا شیوہ نہیں۔ اذان واقامت کے وقت درود وسلام پڑھنے کی اباحت وجواز کے لئے اس قدر کافی ہے کہ اس کی ممانعت شریعت میں نہیں۔ اور اباحت وجواز حسن نیت کی وجہ سے استحباب کے دائرہ میں آجاتا ہے لہٰذا اس کے کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ اذان سے پہلے یا بعد میں درود وسلام کا پڑھنا یا تکبیر اقامت سے پہلے پڑھنا مستحب ہے۔

جو اس کے عدم جواز یا حرام ہونے کا مدعی ہے دلائل وبراہین کا پیش کرنا اس پر لازم ہے۔ لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اَلْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِي الخ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ۔

اذان کا جواب صرف مسجد میں حاضر باش مسلمانوں ہی پر نہیں بلکہ جو بھی مسلمان اذان کے کلمات سنیں سب پر جواب دینا ضروری ہے۔ ہاں اگر متعدد اور مسلسل اذانوں کی آوازیں آرہی ہوں تو صرف پہلی اذان کا جواب دینا ضروری ہے اور بس۔　　واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۲ ررجب المرجب ۱۴۲۵ھ

نام اقدس سنکر انگوٹھا چومنا

مسئلہ ۸۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اذان یا اقامت میں نام اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سنکر صلوٰۃ وسلام پڑھنا اور انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں سے لگانا از روئے شرع شریف جائز و درست ہے یا نہیں؟ بعض حضرات اس پر عامل ہیں اور بعض حضرات منع کرتے ہیں دونوں میں کون صحیح ہے؟ حالتِ نماز یا حالتِ خطبہ میں اگر نام مبارک سُنا جائے تو سننے والوں کو دُرود شریف پڑھ کر انگوٹھوں کو چومنا اور آنکھوں سے لگانا کیسا ہے؟ بعض لوگ فاتحہ اور ایصالِ ثواب کے وقت جو قرآن مقدس کی مختلف بافضیلت آیاتِ مبارکہ پڑھی جاتی ہیں اس میں نام مبارک آتا ہے اُس وقت نام مبارک سنکر دُرود پڑھنے اور انگوٹھوں کو چومنے آنکھوں سے لگانے کو منع کرتے ہیں کیا یہ منع کرنا صحیح ہے۔ امید کہ ہر ایک سوال کا علیحدہ علیحدہ جواب عطا فرماکر شکریہ کا موقع دیں گے۔

سائل:۔ عبد الرؤف نورانی بکھم بیورکھ بلجیم ۲۶ رجب ۱۴۲۳ھ

الجواب ۹۲/۸۶ ــــــــ **هوالهادی الی الصّواب** ــــــــ

(۱) اذان واقامت کے کلمات میں اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ سنکر درود وسلام پڑھنا پھر انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں سے لگانا نہ صرف جائز و درست بلکہ مستحب ومندوب اور ہمارے اسلاف علیہ الرحمہ کا محبوب عمل ہے۔

فتاویٰ شامی باب الاذان کتاب الصلوٰۃ میں ہے۔

یستحب ان یقال عند سماع الاولیٰ من الشهادة "صَلَّی اللّٰہ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللّٰہ" وعند الثانیة منها "قُرَّتْ عَیْنِیْ بِكَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ" ثُمَّ یقولُ "اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِیْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ" بعد وضع ظفری	مستحب یہ ہے پہلی بار اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ سنتے وقت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللّٰہ اور دوسری بار اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہ سنتے وقت قُرَّةُ عَیْنِیْ بِكَ یَارَسُوْلَ اللّٰہ کہے پھر دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں کو دونوں آنکھوں پر رکھ کر اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِیْ بِالسَّمْعِ

الْاِبْهَامَيْنِ عَلَى الْعَيْنَيْنِ فَاَنَّهٗ وَالْبَصَرِ کہے جو ایسا کرے گا حضور اقدس عَلَيْهِ السَّلَام يَكُوْنُ قَائِدًا لَّهٗ اِلَى صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اسکی قیادت الْجَنَّةِ " (ص ۲۹۳ رشیدیہ) فرماؤں گا جنت کی طرف جاتے میں۔

اگر آپ کو اس کا تفصیلی جواب چاہئے تو اعلیٰ حضرت عظیم البرکۃ امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کا رسالہ مبارکہ " تقبیل الابہامین " کا مطالعہ کیجئے جو فتاوی رضویہ شریف میں شامل ہے۔

(۲) جو حضرات نام اقدس حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سنکر درود پاک پڑھتے انگوٹھوں کو چومتے اور آنکھوں سے لگاتے ہیں وہ بشارت بالا مذکورہ کے انشاء اللہ تعالیٰ مستحق ہوں گے۔ قیامت کے دن دخولِ جنّت کے لئے مالک جنّت ساقی کوثر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کی قیادت فرماتے ہوئے جنت میں لے جائیں گے اور جو اس سے منع کرتے ہیں وہ بشارت بالا سے محروم رہیں گے صحیح وہ ہے جو اسلاف کرام منعم علیہم حضرات کی روش پر چل رہا ہے۔ اور غلط وہ ہے جو ان کا مخالف ہے۔

(۳-۴) حالتِ نماز، تلاوتِ قرآن پاک، خطبۂ جمعہ وغیرہا میں خاموش رہنے اور قراۃ کو سننے کا حکم ہے۔ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ جب قرآن پاک کی تلاوت کی جائے تو اُسے غور سے سنو اور خاموش رہو تاکہ رحم کئے جاؤ..... اذا خرج الامام (ای للخطبۃ) فلا صلوٰۃ ولا کلام خطیب جب خطبہ دینے کے لئے منبر پر آجائے تو اس کے بعد نہ کوئی نماز ہے نہ ہی کوئی بات چیت ہے۔

اگر کوئی شخص تلاوت کے وقت یا حالتِ نماز میں درود وسلام پڑھنے لگا پھر انگوٹھوں کو چومنے اور آنکھوں سے لگانے لگا تو قرآنی حکم کے خلاف عمل ہوا جو حرام ہے۔ یہی کام اگر خطبہ کے درمیان واقع ہوا تو حکم شرع اور آداب خطبہ کے خلاف ہوا جو ناجائز ہے لہٰذا جہاں جہاں ممانعتِ شرعی موجود ہے وہاں درود وسلام پڑھنے اور تقبیل ابہامین سے گریز کیا جائے گا اور جہاں شرع نے منع نہیں فرمایا وہاں اس پر عمل ہوگا کہ مستحب ہے۔

جو لوگ قل شریف کے وقت یا خطبہ کی اذان کے وقت یا خطبہ و نماز کے دوران ان باتوں سے روکتے ہیں صحیح کرتے ہیں کہ شریعتِ اسلامیہ ہی نے منع فرمایا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ، اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۵ رشعبان المعظم ۱۴۲۳ھ

کھاتے وقت اذان کا جواب دینا

مسئلہ ۸۸۱: کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ میں کہ اگر اذان کے وقت کوئی مسلمان کھانا کھانے، افطاری کرنے، یا بیت الخلاء کے اندر قضائے حاجت میں مصروف تھا تو اس اذان کا جواب کس طرح اور کب دینا چاہیے۔ یا اُسے اذان کا جواب دینے کی حاجت نہیں؟ جواب باصواب دیکر شکریہ کا موقع دیں۔

نور الاسلام بٹ، آمسٹرڈم اوست۔ ہالینڈ

الجواب ۹۲۶ ـــــ هو الهادی الی الصواب ـــــ

یہ سب اعذار شرعی ہیں لہٰذا ان لوگوں کو اذان کا جواب نہیں دینا چاہئے۔ ہاں اگر کھانا کھانے، افطاری کرنے اور قضاء حاجت سے وہ اذان کے فوراً بعد فارغ ہوگئے ہوں تو جواباً کلماتِ اذان کو کہہ لیں اور اگر دیر سے فارغ ہوئے ہوں تو جواب دینے کی حاجت نہیں ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی نے درمختار کی شرح ردالمحتار میں لکھا۔

هل يجب بعد الفراغ من هذه المذكورات ام لاينبغى انه ان لم يطل الفصل فنعم وان طال فلا۔ (ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب الاذان)	اعذار شرعی کے ختم ہونے کے بعد کیا معذورین جواب دیں گے یا نہیں؟ جواباً فرماتے ہیں کہ اگر اذان ہوئے زیادہ دیر نہیں گذری تو جواب دیں گے۔ اور اگر زیادہ دیر گذر گئی تو جواب نہیں دیں گے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ، مجلس علماء نیدرلینڈ

۷ رشعبان المعظم ۱۴۲۳ھ

تکبیر اقامت بیٹھکر سنے یا کھڑا ہو کر؟

مسئلہ ۸۸۲: کیا فرماتے ہیں علمائے حقانی و مفتیانِ ربانی کثر اللہ تعالیٰ امثالہم۔ اس مسئلہ میں کہ سورینام سے ہم لوگ ہالینڈ آکر مقیم ہوگئے ہیں لیکن سورینام یا ہالینڈ میں سنّیوں حنفیوں کی کسی مسجد میں ہم لوگوں نے نہیں دیکھا کہ تکبیر اقامت کے وقت امام یا مؤذن نماز کے لئے کھڑے رہتے ہیں۔ سبھی حضرات حیّ علی الصلوٰۃ سننے کے بعد کھڑے ہوتے ہیں اور اختتام تکبیر سے پہلے اپنی صفوں کو درست کر لیتے ہیں۔ پھر کبھی امام صفوں کی درستگی کی تاکید فرما کر نماز شروع کر دیتے ہیں..... ادھر چند برسوں سے جبکہ ہم لوگوں نے ہندوستان آنا جانا شروع کیا ہے تو وہاں دیکھا کہ سُنّیوں کی بعض مسجدوں میں تکبیر اقامت کے وقت امام و مقتدی بیٹھے رہتے ہیں اور حیّ علی الصلوٰۃ کے وقت نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اور بعض مسجدوں میں دیکھا کہ امام و مقتدی سب ہی تکبیرات سے پہلے ہی کھڑے ہو جاتے ہیں بلکہ جبتک امام اپنی جگہ پر کھڑا نہیں ہوتا ہے اُس وقت تک تکبیر شروع نہیں کی جاتی ہے اُن لوگوں سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ حضرات بھی سنّی ہیں قادیانی یا غیر مقلد نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ سنّی حنفی ہونے کے اعتبار سے ہم لوگوں کا عمل صحیح ہے یا ہندوستان میں بعض مدّعیانِ سنّی کا؟ اگر دلائل شرعیہ کے ساتھ جواب عنایت فرمائیں تو ہمارے وثوق و اطمینان قلبی کا زیادہ باعث ہوگا۔ ویسے آپ مفتی ہیں ہاں، نہ میں بھی جواب دیگر سے کیدوش ہو سکتے ہیں اور ہمیں مطالبۂ دلیل کا حق نہ ہوگا۔ فقط

المستفتی حاجی محمد ابراہیم عبدل
صدر "انجمن" فیض الاسلام دی ہیگ ہالینڈ

۸۶/۹۲ **الجواب ـــــــ هو الهادی الی الصواب ـــــــ**

ضابطۂ شرعیہ، عباراتِ فقہیہ اور سنّتِ سنیّہ حضراتِ صحابۂ کرام و اسلاف عظام کے مطابق آپ لوگوں کا عمل صحیح و مستحب ہے اور جن مدّعیانِ سنیّت کا آپ نے ذکر کیا ان کا عمل غیر صحیح اور مکروہ ہے۔

جہاں تک مسئلہ مذکورہ کے دلائلِ شرعیہ و عقلیہ کا سوال ہے تو اس سلسلہ میں

درجنوں کتابیں دلائل شرعیہ سے معمور ہیں۔ بندۂ ناچیز نے بھی "احیاء سنت" نامی رسالہ میں اس مسئلہ کو مدلل کیا ہے۔ من شاء فلیرجع الیہا

تکبیر اقامت کہنے کی مختلف صورتیں ممکن ہیں جیسے مکبّر و امام ایک ہی شخص ہو یا مکبّر امام کے علاوہ ہو (اور عموماً ایسا ہی ہوتا ہے) پھر یہ کہ تکبیر کے وقت امام مسجد میں ہو یا مسجد سے باہر پھر تکبیر کے وقت امام مصلّیٰ امامت پر مصلّیوں مقتدیوں کے سامنے سے آتا ہے یا پیچھے یا اغل بغل سے یہ ساری صورتیں ممکن ہیں۔

اگر مکبّر و امام ایک ہی شخص ہے تو جبتک تکبیر کے کلمات پورے طور پر ختم نہ ہوجائیں نہ امام مصلّیٰ امامت پر بڑھے اور نہ مقتدی نماز کے لئے کھڑے ہوں۔

فتاویٰ ہندیہ جزء اوّل مطبوعہ کوئٹہ پاکستان ص۵۷ میں ہے۔

وان کان المؤذن والامام واحدًا فان اقام فی المسجد فالقوم لایقومون مالم یفرغ من الاقامۃ اھ	اگر مؤذن اور امام ایک ہی شخص ہو اور وہ تکبیر اقامت مسجد کے اندر کہہ رہا ہے تو حاضرین اس وقت تک کھڑے نہ ہوں جبتک وہ تکبیر اقامت سے فارغ نہ ہوجائے۔

اور اگر مکبّر و امام علیحدہ علیحدہ دو شخص ہیں تو تکبیر کے وقت امام مسجد میں موجود ہے یا نہیں؟ اگر موجود نہیں ہے اور تکبیر شروع ہوگئی پھر امام مصلّیٰ امامت پر حاضرین کے سامنے سے آیا جیساکہ مسجد نبوی شریف وغیرہ مساجد میں اس کا اہتمام ہے۔ تو جیسے ہی امام پر حاضرین کی نگاہ پڑے سارے حاضرین کو بیک وقت کھڑا ہوجانا چاہئے۔ علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی بدائع الصنائع میں تحریر فرماتے ہیں۔

ثمّ ان دخل الامام من قدّام الصّفوف فکلّما رأوہ قاموا لانّہ کما دخل المسجد قام مقام الامامۃ اھ	پھر اگر امام صفوں کے سامنے سے داخل ہو تو جس وقت مقتدی امام کو دیکھیں کھڑے ہوجائیں اسلئے کہ جب امام مسجد میں داخل ہوگیا تو وہ امامت کی جگہ پر پہنچ گیا۔

اور فتاویٰ عالمگیری مطبوعہ کوئٹہ پاکستان الجزء الاول ص۵۷ میں ہے۔

وان کان الامام دخل المسجد من قدامھم یقومون کما راؤا الامام اھ
اور اگر امام مسجد کے اندر صفوں کے آگے سے داخل ہوا تو سارے مقتدی کھڑے ہو جائیں جیسے ہی امام کو دیکھیں۔

پھر اگر امام اور مقتدی سب ہی مسجد میں موجود ہیں اور مکبّر نے تکبیر کہنا شروع کر دیا تو ابتداء تکبیر کے وقت کھڑا ہونا نہیں چاہئے بلکہ جب مکبّر حیّ علی الصّلوٰۃ یا حیّ علی الفلاح پر پہنچے تو امام و مقتدی سب ہی کو نماز کے لئے کھڑا ہو جانا چاہئے یہی عبارات فقہیہ کا مفاد یہی ضابطۂ شرعیہ اور یہی صحابہ و اسلاف رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سنت سنیہ ہے۔

فتاویٰ عالمگیری المعروف فتاویٰ ہندیہ جزء اوّل ص۵۷ مطبوعہ کوئٹہ پاکستان میں ہے۔

وان کان المؤذن غیر الامام وکان القوم مع الامام فی المسجد فانّہ یقوم الامام والقوم اذا قال المؤذن حیّ علی الفلاح عند علماءنا الثلاثۃ وھو الصّحیح۔
اور اگر مؤذن (اور تکبیر اقامت کہنے والا) امام کے سوا کوئی دوسرا شخص ہے اور سارے نمازی امام کے ساتھ مسجد ہی میں موجود ہوں، تو تمام مقتدیوں کے ساتھ امام نماز کیلئے اسوقت کھڑا ہو جب مؤذن (مکبّر) حیّ علی الفلاح کہے۔ ہمارے تینوں علماء (امام اعظم ابوحنیفہ قاضی الاسلام امام یوسف، مدوّن مذہب امام محمد) کے نزدیک اور وہی صحیح ہے.....

✣ ✣ ✣

فقہ کی مشہور کتاب دُرِّ مختار میں ہے۔

والقیام لامام ومؤتم حین قیل حیّ علی الفلاح خلافا لزفر فعندہ عند حیّ علی الصّلوٰۃ
امام و مقتدی کا قیام (کھڑا ہونا) اسوقت ہے جبکہ حیّ علی الفلاح کہا جائے۔ امام زفر اسکے خلاف ہیں کیونکہ انکے نزدیک حیّ علی الصّلوٰۃ کے وقت کھڑا ہونا ہے"

فقہ کی معتمد و مستند کتاب "ملتقی الابحر" اور اسکی شرح "مجمع الانہر" میں ہے

واذا قال المؤذن فی الاقامۃ حیّ علی الصّلوٰۃ قام الامام والجماعۃ عند علمائنا الثلاثۃ اھ
جب مؤذن اقامت میں حیّ علی الصّلوٰۃ کہے تو اس وقت امام اور جماعت کے لوگ کھڑے ہوں ہمارے تینوں اماموں کا یہی مذہب ہے۔

کنز الدقائق میں اس عمل کو مستحب کہا گیا ہے۔

قولہ والقیام لانہ امر بہ یستحب المسارعۃ الیہ اطلقہ فیشمل الامام والماموم ان کان الامام بقرب المحراب الخ

یعنی حیّ علی الفلاح پر کھڑا ہونا اسلئے ہے کہ اقامت کہنے والے نے اقامت کا حکم دیا ہے تو کھڑے ہونے کیلئے اس وقت امام ومقتدی کو جلدی کرنا مستحب ہے، یہ حکم اسوقت ہے جب امام مصلّی امامت کے قریب موجود ہو۔

اور اگر مقتدی حضرات مسجد میں موجود ہیں مگر امام موجود نہیں ہے اور تکبیر اقامت شروع ہوگئی پھر امام مقتدیوں کے پیچھے یا اغل بغل سے مسجد میں داخل ہوا تو ایسی صورت میں کھڑے ہونے کیلئے تکبیر کے ختم ہونے یا مکبّر کے حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ یا حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کہنے کا انتظار نہیں کیا جائے گا بلکہ امام جس جس صف سے گزرتا ہوا مصلّی امامت پر پہنچے گا ان ان صفوں کے مقتدیوں کو امام کو دیکھتے ہی کھڑا ہوجانا چاہئے۔

درمختار کتاب الصلوٰۃ میں ہے۔ فیقوم کل صف ینتھی الیہ الامام علی الاظھر۔

اگر امام مسجد میں نہیں ہے بلکہ اقامت کے وقت باہر سے مسجد میں داخل ہوا تو جس صف کے قریب سے گزرتا جائے اس صف والوں کو چاہئے کہ کھڑے ہوجائیں۔ قول اظہر یہی ہے

اور بدائع الصنائع کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مصر ص۲۰۰ میں ہے۔

وان دخل من وراء الصفوف فالصحیح انہ کلما جاوز صفا قام ذلک الصف اھ

اور اگر امام تکبیر اقامت کے وقت صفوں کے پیچھے سے مسجد میں داخل ہوا تو صحیح یہ ہے کہ جس صف کے پاس گزرے اس اس صف کے لوگ کھڑے ہوتے جائیں

اخیر میں دو باتوں کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں تاکہ اجمالی طور پر سہی مگر جواب مکمل ہوجائے اور سائل کی سمجھ میں پوری طرح بات آجائے۔

۱: بعض ائمہ احناف کے نزدیک حیّ علی الصلوٰۃ کے وقت کھڑے ہونے کا حکم ہے جبکہ بعض ائمہ احناف کے نزدیک حیّ علی الفلاح کے وقت کھڑے ہونے کا قول ہے ..... ان دونوں قولوں میں درحقیقت کوئی اختلاف ومغائرت نہیں ہے۔ بلکہ حیّ علی الصلوٰۃ پر کھڑا ہونا شروع کرے اور حیّ علی الفلاح پر پوری طرح کھڑا ہوجائے پس دونوں قول پر عمل

ہوجائے گا۔ اگر اٹھنے میں جلدی ہوگئی جب بھی صحیح مذہب پر عمل ہوا اور تاخیر ہوگئی جب بھی۔

۲۔ اگر کوئی نمازی مسجد میں اسوقت داخل ہوا کہ مکبّر نے تکبیر کہنی شروع کردی ہے تو آیا وہ دوسرے نمازیوں کے اٹھنے کا انتظار کھڑے کھڑے کرے یا بیٹھ جائے اور دوسرے نمازیوں کے ساتھ حیّ علی الصلوٰۃ یا حیّ علی الفلاح پر کھڑا ہو؟ اس سوال کے جواب میں فقہائے اسلام نے فرمایا کہ اسے کھڑے کھڑے نماز کے شروع ہونے کا انتظار کرنا مکروہ ہے اسے چاہئے کہ ایسی صورت میں وہ مسجد کے اندر داخل ہوتے ہی بیٹھ جائے اور جب مکبّر حیّ علی الصلوٰۃ پر پہنچے تو وہ کھڑا ہو۔

فتاویٰ عالمگیری مطبوعہ مکتبۂ ماجدیہ پاکستان جزء اوّل ص۵۷ میں ہے۔

اذا دخل الرّجل عند الاقامة	اگر کوئی نمازی مسجد کے اندر تکبیر اقامت کے وقت
یکرہ لہ الانتظار قائمًا ولکن	داخل ہوا تو اس کے لئے نماز کے شروع ہونے کا انتظار
یقعد ثمّ یقوم اذا بلغ المؤذن	کھڑے ہوکر کرنا مکروہ ہے۔ بلکہ وہ بیٹھ جائے پھر اس وقت
قولہ حیّ علی الفلاح کذا فی	کھڑا ہو جب مؤذن تکبیر میں حیّ علی الفلاح کہے
المضمرات۔	ایسا ہی مضمرات میں ہے۔

میں نے آپکے سوال کے جواب میں یہ بھی کہا ہے کہ تکبیر اقامت کے وقت بیٹھے رہنا اور حیعلتان کے وقت کھڑا ہونا سنّتِ سلف اور سنّتِ صحابہ ہے اُس کا سنّتِ سلف ہونا تو عبارت فقہیّہ بالا سے ثابت ہے۔ باقی رہا سُنّتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہونا تو اس سلسلہ میں عمدۃ القاری شرح بخاری کتاب الاذان۔ باب متیٰ یقوم النّاس مطبوعہ بیروت ص۱۵۳ جلد۵ کی یہ عبارت سامنے ہونی چاہئے فرماتے ہیں۔

وکان انس رضی اللہ عنہ یقوم	کہ حضرت سیّدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز کے
اذا قال المؤذن قد قامت	لئے اس وقت کھڑے ہوتے تھے جب مؤذن
الصّلوٰۃ۔ الخ	قَدْ قَامَتِ الصَّلوٰۃ کہتا تھا۔

یہ وہی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جنہوں نے مسلسل دس سال تک حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت کرنے کا شرف حاصل کیا اور

آپ کے شبانہ یوم معمولات سے فیضیاب ہوتے رہے۔ ان سے ایک ہزار دو سو چھیاسی حدیثیں روایت ہیں۔ صرف بخاری و مسلم نے ان سے ایک سو اڑسٹھ حدیثیں لینے کا فخر حاصل کیا ہے۔ یہی وہ صحابیٔ رسول ہیں جن کی آل اولاد حضور اقدس سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی مقبول دعاؤں کی چھاؤں میں پھلتی پھولتی رہی۔ آپ کے سامنے آپ کی اولاد کی تعداد تقریباً سّو تھی۔ آپ بصرہ میں مقیم وہ آخری صحابی ہیں جن کی وفات ۹۱ھ میں ہوئی جن سے سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بار بار ملاقات کا شرف حاصل فرمایا۔ (تہذیب، تذکرۃ الحفاظ)

عمدۃ القاری شرح بخاری کے اسی صفحہ کی ایک اور عبارت ذہن نشین کیجئے۔ فرماتے ہیں۔

وفی المصنف کرہ هشام یعنی	اور مصنف میں ہے کہ حضرت ہشام بن عروہ
ابن عروۃ ان یقوم حتی یقول	مکروہ سمجھتے تھے۔ اقامت کے وقت قد قامت
المؤذن قد قامت الصلوٰۃ۔	الصلوٰۃ سے پہلے کھڑے ہونے کو۔

مختصر یہ کہ صحابۂ کرام سے لیکر ائمہ متاخرین بلکہ صاحبانِ فتاویٰ حضرات تک کسی نے یہ قول نہیں کیا کہ تکبیر اقامت کے شروع ہی سے نماز کے لئے کھڑا ہونا چاہئے اور یہ بھی نہیں کہا کہ حیّ علی الصلوٰۃ یا اس کے بعد کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ ہاں یہ ضرور کہا گیا ہے کہ تکبیر اقامت کے وقت امام اور مقتدی بیٹھے رہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حیّ علی الصلوٰۃ یا حیّ علی الفلاح سے پہلے یا قد قامتِ الصلوٰۃ سے پہلے کھڑا ہونا مکروہ ہے..... اس کراہت سے بچنے کے لئے ان تینوں قولوں میں سے کسی ایک پر عمل کر لینا گویا استحباب کے ثواب کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اس مسئلہ میں دیوبندی مذہب کے لوگ کچھ زیادہ ہی شدت برت رہے ہیں کیونکہ ان کے بعض مولویوں نے صفوں کو سیدھی کرنے کا بہانہ بنا کر تکبیر اقامت کے شروع وقت سے ہی کھڑے رہنے کی اجازت دیدی ہے۔ جیسا کہ مولوی اشرف علی کے بعض فتاؤں۔ مولوی محمد شفیع دیوبندی کے "رفع الملامہ عن القیام عند اول الاقامہ" اور مولوی رشید احمد لدھیانوی کے "ارشاد الانام بجواب ازالۃ الاوہام" رسالوں سے

ظاہر و باہر ہے۔ لیکن میں دیوبند مدرسہ کے ایک سابق مفتی اور استاذ الادب مولوی اعزاز علی دیوبندی کی ایک ایسی عبارت پیش کردوں جو" مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری" ثابت ہو اور دیوبندیوں کے لئے راہ فرار مسدود ہوجائے۔

نورالایضاح مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ص۲۷ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ

قولہ والقیام ای ومن الادب قیام القوم والامام ان کان حاضرًا بقرب المحراب وقت قول المقیم حی علی الفلاح لان المقیم فی ضمن قولہ ھذا امر بالقیام فیجاب	قوم اور امام اگر محراب کے قریب ہیں (یعنی مسجد میں موجود ہیں) تو ادب میں سے یہ ہے کہ وہ اقامت کہنے والے کے قول حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ پر کھڑے ہوں کیونکہ اقامت کہنے والے کے اس قول کے ضمن میں قیام کا حکم موجود ہے پس اس کا جواب دو (عملاً)

خدا کا شکر ہے دیوبند مدرسہ کے استاذ الادب کو حی علی الفلاح کے وقت امام و مقتدی کے کھڑے ہونے کو ادب (مستحب) کہنے کی توفیق تو ملی۔ کاش کہ اسی ادب کو حاصل کرنے کے لئے اس مسئلہ کے اختلاف کو ختم کر دیا جاتا۔ واللہ تعالیٰ الموفق الی الصواب۔

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۱۹ رجب المرجب ۱۴۲۲ھ

مسجد اور اس کے متعلق مسائل

مسئلہ ۸۸۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک جگہ مسلم آبادی کے درمیان ایک چھوٹی سی مسجد تھی لیکن آہستہ آہستہ آبادی بڑھتی گئی اور نمازیوں کے لئے مسجد تنگ ہوتی گئی، برسات اور گرمی کے موسم میں نمازیوں کو ادائے نماز میں بیحد تکلیف ہونے لگی اور آبادی ایک جانب اتنی بڑھ گئی کہ وہ مسجد آبادی کے کنارہ پر آگئی، مسلمانوں کی متفقہ رائے سے موجودہ آبادی کے درمیان ایک وسیع وعریض

مسجد کی بنیاد ڈال دی گئی ہے اور اس کی تعمیر بھی شروع ہو چکی ہے۔ یہاں کی مسلم آبادی کو مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات شرعی طور پر درکار ہیں اور یہ کہ پہلی فرصت میں مدلل جواب عنایت فرماکر شکریہ کا موقع دیں گے۔

۱۔ ایک مسجد کے ہوتے ہوئے اگرچہ وہ نمازیوں کے لئے تنگ ہو دوسری مسجد کی تعمیر جائز ہے یا نہیں؟

۲۔ پرانی مسجد (جو تنگ اور ناکافی ہے) کو شہید کرکے اس جگہ دینی مدرسہ یا اسکول یا پنچایت گھر کی تعمیر ہو سکتی ہے یا نہیں؟

۳۔ پرانی مسجد کے کارآمد اور بوسیدہ سامانوں کو بیچنا، خریدنا اور اپنے مکان وغیرہ میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

۴۔ فروخت شدہ سامان کی رقم نئی مسجد یا اسلامی مدرسہ میں دی جا سکتی ہے یا نہیں؟

۵۔ نئی مسجد میں جو الیکٹرک پنکھے اور روشنی کا انتظام کیا گیا ہے کیا اس کے پنکھے اور دوسرے سامان ضرورت کے وقت امام صاحب یا مسجد کمیٹی کے دوسرے افراد اپنے گھر لیجاکر استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا

محمد سمیع الزماں خاں، شیب پور، جمہوریہ الہند

۹۲ الجواب ـــــــ ھو الھادی الی الصواب ـــــــ

۱۔ مسلمانوں کے اعداد و شمار اور اسکی ضرورت کو دیکھتے ہوئے ایک آبادی میں متعدد مسجدیں تعمیر ہو سکتی ہیں۔ لیکن اس بات کا خیال ہمیشہ رکھنا چاہئے کہ دوسری مسجد کی تعمیر کہیں پہلی مسجد کی ویرانی کا سبب نہ بن جائے۔ خدانخواستہ اگر ایسا ہو تو دوسری تیسری مسجدوں کی تعمیر حرام ہوگی کہ یہ مسجدیں پہلی مسجد کی ویرانی و خرابی کا سبب بن گئیں قال تبارک وتعالیٰ

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا ۝

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو مسجدوں میں ذکر الٰہی سے منع کرے اور اس کی خرابی میں کوشش۔

وَسَعٰی فِیْ خَرَابِھَا " ویرانی میں کوشش کرنا" کی تفسیر معتمد علیہم مفسرین کرام کے نزدیک یہ ہے کہ یا تو مسجد کو منہدم کر دیا جائے یا اُسے نمازیوں سے محروم (معطل) کر دیا جائے۔ چنانچہ تفسیر جلالین اور تفسیر بیضاوی میں ہے " وَسَعٰی فِیْ خَرَابِھَا ای بالھدم او التعطیل " وہو اعلم

۲۔ جب کوئی جگہ ایک مرتبہ مسجد شرعی کے حکم میں آگئی تو وہ ہمیشہ کے لئے مسجد ہو جاتی ہے اب اس کو ویران کرنا، اسے مسمار کرکے اس جگہ کوئی دوسری عمارت بنانا خواہ وہ عمارت مدرسہ و خانقاہ کے نام سے ہو یا اسکول و پنچایت کے نام سے حرام بدانجام ہے۔ چنانچہ ہدایہ، فتح القدیر، درمختار، شامی اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے (یہ عبارت درمختار کی ہے)

ولو خرب ماحوله واستغني عنه يبقى مسجداً عند الامام ابداً الى قيام الساعة و به يفتى اھ	اور اگر کسی مسجد کا ماحول (اردگرد) ویران ہو جائے (مسلمانوں سے خالی ہو جائے) پھر بھی امام اعظم کے نزدیک اسکی مسجدیت تاقیام قیامت باقی رہے گی۔ اور یہی قول مفتیٰ بہ ہے۔

سوالنامہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس آبادی میں مسلمانوں کی کثرت ہے لہٰذا پُرانی مسجد کے ماحول میں جو مسلم آبادی ہے ان پر لازم ہے کہ وہ پنجوقتی نمازوں سے اس کو آباد و معمور رکھیں۔ ورنہ اس سزا کا انتظار کریں جو مسجد کو ویران کرنے والوں سے متعلق قرآن پاک میں بتائی گئی۔

لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔	ان کے لئے دنیا میں ذلت و رسوائی ہے اور آخرت میں بڑا عذاب۔

وہو اعلم

۳۔ صحیح حدیث پاک میں اضاعۃ المال (مال کو برباد کرنے) سے منع فرمایا گیا ہے (بخاری ص ۹۵۵/۲) لہٰذا پُرانی مسجد کا جو استعمال شدہ پُرانا سامان ہے یا جو مال بوسیدہ ہو گیا ہے اگر کوئی مسلمان اسے خرید کر کسی پاک جگہ میں لگانا چاہے تو خرید بھی سکتا ہے اور مقام اہانت سے بچکر اسے لگا بھی سکتا ہے۔ اور نیت خیر کے ساتھ مسجد کی نفع رسانی کے لئے اسے بیچا بھی جا سکتا ہے۔

لیکن مسجد کے سامانوں کی خرید و فروخت کوئی فرد واحد اپنی مرضی سے نہیں کرسکتا ہے۔ بلکہ یہ کام مسجد کی کمیٹی کے آپسی صلاح و مشورے سے ہو یا قاضی شہر کی اجازت سے اگر قاضی شہر نہ ہو تو اعلم علماء بلد کی اجازت سے۔ پھر اگر فروخت شدہ اشیاء سے حاصل شدہ رقم کی ضرورت پرانی ہی مسجد کو ہو تو اولاً اس رقم کو پرانی ہی مسجد میں لگائی جائے اور اگر اس رقم کی حاجت پرانی مسجد کو نہیں ہے تو اس کو نئی مسجد میں بھی لگا سکتے ہیں۔

فتاویٰ شامی ص۵۱۳ جلد ۳ میں ہے۔

فیباع نقضہ باذن القاضی	تو مسجد کا پرانا سامان قاضی کی اجازت سے
ویصرف ثمنہ الی بعض	بیچ دیا جائے اور اس کی موصولہ قیمت مسجدوں
المساجد	میں لگا دی جائے۔

ہدایہ مع فتح القدیر درمختار مع ردالمحتار میں ہے۔

وان تعذر اعادۃ عینہ الی	اشیاء مسجد کا استعمال اگر ان ہی جگہوں میں دوبارہ
موضعہ بیع وصرف ثمنہ	ممکن نہ ہو تو فروخت شدہ اشیاء کی قیمت اسی
الی الحرمۃ صرفاً للبدل	مسجد پر صرف کی جائے کہ گویا انہی اشیاء کا صرف
الی المبدل۔	کرنا ہے کیونکہ بدل مبدل عنہ کا عوض ہوتا ہے۔

۴ اگر پرانی مسجد کو اس کی ضرورت نہیں ہے تو نئی مسجد کو دی جاسکتی ہے جیسا کہ ابھی فتاویٰ شامی سے گذرا۔ ہاں اگر موصولہ رقم کے خرد برد ہو جانے کا اندیشہ ہو اور پرانی مسجد کو اسکی حاجت نہ ہو تو مدرسۂ اسلامی کی ضروریات میں بھی اس رقم کو خرچ کیا جاسکتا ہے یا مدرسہ کے ارباب حل وعقد کے ذریعہ وہ رقم مدرسہ کو دی جاسکتی ہے۔

ردالمحتار میں ہے

ینبغی متابعۃ المشائخ المذکورین	مشائخ مذکورین مثلاً علامہ ابوشجاع اور امام حلوانی
فی جواز النقل بلا فرق بین	وغیرہما کی اس باب میں پیروی کرنی چاہئے کہ ایک
مسجد اوحوض کما افتی	مسجد کی اشیاء فروخت شدہ کی رقم دوسری مسجد
بہ ابوشجاع والامام	یا حوض میں لگانا جائز ہے جیسا کہ انہوں نے

الحلوانی اھ یہی فتویٰ دیا ہے۔۔

جب وقت ضرورت حوض میں اس رقم کے لگانے کا جواز ہے تو مدرسئہ اسلامی میں کیوں نہ ہوگا؟ وہو اعلم

۵ نہیں ہرگز نہیں۔ مسجد کا کوئی سامان امام یا مسجد کمیٹی کے افراد اپنے گھر لے جا کر استعمال میں نہیں لاسکتے کہ یہ حرام ہے اور مسجد میں بھی اتنی ہی دیر تک استعمال کرسکتے ہیں جتنی دیر عام نمازیوں کو استعمال کرنے کی ضرورت ہوتی ہے یہاں تک کہ اگر امام نے مسجد کے اندر درس و تدریس کا سلسلہ قائم کر رکھا ہے تو مسجد کا پنکھا یا مسجد کی روشنی صرف اتنی ہی دیر استعمال کرسکتا ہے جتنی دیر عام نمازی استعمال کرسکتے ہیں۔

بحر الرائق ص۲۵۰ جلد ۵ میں ہے۔

متولی المسجد لیس لہ ان یحمل سراج المسجد الی بیتہ۔ اھ	مسجد کے متولی کے جائز نہیں ہے کہ وہ مسجد کا چراغ اپنے گھر میں لیجائے۔

اور فتاویٰ قاضی خاں میں ہے

ان اراد انسان ان یدرّس الکتاب بسراجِ المسجد (الی ان قال)، وفی ما زاد علےٰ ثلث اللّیل لیس لھم تاخیر الصّلوٰۃ فلا یکون لھم حق التدریس اھ	اگر کوئی شخص مسجد کی روشنی میں کسی کتاب کے پڑھانے کا ارادہ کرے۔ تو ایسا کرنے کی اجازت تہائی رات سے زیادہ کی نہیں ہے کہ عشاء مستحب کا آخری وقت ہے تو اسکے بعد مسجد کی روشنی میں اسے پڑھانے کا حق نہیں ہوگا۔

اور یہ حکم صرف مسجد کی روشنی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ہر وہ سامان (مال و متاع) جو مسجد کی ملکیت ہے اس میں ذاتی مفاد کے لئے کوئی تصرف نہیں کرسکتا ہے۔ وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ۔

واللہ سبحانہ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۱۸ ؍ ذی الحجہ ۱۴۲۲ھ

عورتوں کا مسجد وغیرہ میں جانا

مسئلہ ۸۸۴ :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زمانۂ موجودہ کے حالات کو دیکھتے ہوئے۔ عورتوں کو خواہ جوان ہوں یا بوڑھی نماز جمعہ وعیدین ادا کرنے کے لئے مسجدوں میں جانے کی اجازت ہے یا نہیں؟

زمانۂ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں عورتوں کو مسجدوں اور عیدگاہوں میں جانے کی اجازت تھی بلکہ جس عورت کے پاس اوڑھنی یا حجاب کے کپڑے نہیں ہوتے وہ اپنی سہیلیوں سے ادھار مانگ کر استعمال کرتیں اور مسجد نبوی یا عیدگاہ میں جاتی تھیں۔ موجودہ زمانہ میں ہماری بہو بیٹیاں حسبِ ضرورت دکانوں، بازاروں میں جایا کرتی ہیں۔ بلکہ اسلامی محافل (جلسۂ سیرت النبی، جلسۂ میلادالنبی، تبلیغی جلسہ دعوتِ اسلامی، حلقۂ ذکر، اسلامی درس، اور اعراس بزرگانِ دین وغیرہم) میں بے روک ٹوک جایا کرتی ہیں بلکہ بعض جلسہ وجلوس میں انہیں دعوت دیکر بلایا جاتا ہے پھر کیا وجہ ہے کہ صرف ادائے نماز کے لئے مسجدوں سے انہیں روکا جاتا ہے؟ جبکہ بخاری شریف کی حدیث میں ہے "لا تمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ" (کتاب الجمعہ) اللہ تعالیٰ کی بندیوں کو مسجدوں سے مت روکو۔

امید ہے کہ کافی شافی جواب عطا فرما کر شکریہ کا موقع دیں گے۔

سائل۔ محمد فیصل مدارن۔ ڈیفنتر۔ ہالینڈ

۹۷۶ الجواب ـــــــــ ھوالھادی الی الصواب ـــــــــ

حکم شرع تو آپ بعد میں سماعت فرمائیں گے، چونکہ آپ نے ایک حدیث پاک یاد دلادی ہے تو میں چاہتا ہوں کہ احادیث کریمہ ہی کی روشنی میں پہلے اپنے سوال کا جواب سمجھ لیجئے پھر ائمہ اسلام رحمہم اللہ تعالیٰ نے ان احادیث مبارکہ سے جو عطر کشید فرمائی ہے اس کی خوشبو سے مشام ایمان کو معطر کرنے کی سعی کروں گا۔ وباللہ التوفیق

صحیح بخاری، باب الجمعۃ۔ باب ھل علی من لا یشھد الجمعۃ میں ہے۔

① لَا تَمنَعُوا اِمَاءَ اللہ مَسَاجِدَ اللہ — اللہ کی بندیوں کو مسجدوں میں جانے سے نہ روکو۔

ابوداؤد شریف کتاب الصّلوٰۃ۔ "باب ماجاء فی خروج النسآء الی المسجد" میں ہے۔

② لاتمنعوا نساءکم المساجد و بیوتهن خیر لهن — مسجدوں سے اپنی عورتوں کو منع مت کرو۔ اور اُن کے گھر ان کے لئے بہتر ہیں۔

ابوداؤد شریف۔ کتاب الصّلوٰۃ۔ باب ماجاء فی خروج النسآء الی المسجد" میں ہے۔

③ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال صلوٰۃ المرأۃ فی بیتها افضل من صلوٰتها فی حجرتها وصلوٰتها فی مخدعها افضل من صلوٰتها فی بیتها۔ — حضرت ابن مسعود روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورت کا اپنے کمرہ میں نماز پڑھنا اس کے گھر میں نماز پڑھنے سے افضل ہے اور کمرے کے گوشہ (چھوٹی کوٹھری) میں اسکا نماز پڑھنا زیادہ افضل ہے اسکے گھر (کمرہ) میں نماز پڑھنے سے۔

ابوداؤد شریف کتاب الصلوٰۃ باب ماجاء فی خروج النسآء الی المسجد" کی ایک روایت یہ بھی ہے۔

④ قال لاتمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ ولکن لیخرجن وهن تفلات — ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی باندیوں کو مسجدوں میں آنے سے مت روکو لیکن وہ اپنے عام استعمالی (میلے کچیلے) کپڑوں میں نکلیں۔

مسلم شریف جلد اوّل کتاب الصّلوٰۃ۔ باب خراج النسآء الی المسجد میں ہے

⑤ قال لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا شهدت احدیٰکن المسجد فلا تمس طیبًا۔ — ہم سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی عورت مسجد میں آئے تو خوشبو کو ہاتھ نہ لگائے۔

مسلم شریف کتاب الصلوٰۃ ہی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

⑥ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایّما امرأۃ اصابت بخورًا فلا تشهد معنا العشاء الاٰخیرۃ — رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو عورت خوشبو لگائے وہ ہمارے ساتھ عشاء کی نماز میں شریک نہ ہو۔

اور آخیر میں ایک اور حدیث پاک سماعت کر لیجئے جس کو صحیح مسلم شریف نے کتاب الصلوٰۃ میں حضرت عمرۃ بنت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ

(۷) تقول لو ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأی ما احدث النسآء لمنعهن المسجد کما منعت نسآء بنی اسرائیل الخ

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عورتوں کی موجودہ جدت (بناؤ سنگھار) کو ملاحظ فرما لیتے تو ان کو مسجد میں آنے سے ضرور منع فرما دیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کر دیا گیا تھا۔

ان تمام احادیث مبارکہ کو اگر سامنے رکھئے تو موجودہ زمانہ کی عورتوں (الاماشاء اللہ) کا جو حال اور نت نئے فیشنوں کا جال ہے آپ کا دل خود پکار اٹھے گا کہ ائمہ اسلام نے ان پر جو ممانعت کا پہرہ بٹھایا ہے وہ اجازت استحبابی اور نہی تنزیہی کے مقابلہ میں زیادہ ضروری تھا۔۔۔

جیسا کہ اس کا کامل احساس صدر اول ہی میں حضرۃ ام المومنین سیدہ طیبہ طاہرہ عائشہ صدیقہ اور خلیفہ ثانی امام العادلین سیدنا عمر فاروق اعظم اور بعض دوسرے صائب الرائے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو ہو چکا تھا اور انہوں نے اجازت نبوی کے باوجود اس زمانہ مبارکہ کی ان عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے روکا جو عورتیں اسلامی پیکر کا نمونہ تھیں اور صحبت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بلا واسطہ فیضیاب ہو چکی تھیں کیونکہ حضرات مانعین کے سامنے احادیث کریمہ کی وہ روایتیں بھی تھیں جن میں عورتوں کو خلوت کی ترغیب دی گئی ہے۔

حضرت سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ عورتیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یارسول اللہ مرد لوگ جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ لیکر ہم پر سبقت لے گئے ہیں ہم یہ ثواب کس طرح پائیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا تم میں سے جو عورت گھر میں بیٹھے گی وہ مجاہدین فی سبیل اللہ کا ثواب پائے گی۔ (روح المعانی جلد ۲۲)

آج کل عورتیں جس قدر دیدہ زیب بلکہ نظر فریب لباسوں میں ملبوس ہوکر اور دلکش خوشبوؤں سے معطر ہوکر تقاریب، محافل اور بازاروں کے لئے نکلتی ہیں اگر خدانخواستہ یہی حال زمانِ سعادت نشان میں بھی ہوتا تو کیا انھیں مسجدوں اور عیدگاہوں میں جانے کی اجازت ہوتی۔ ہرگز نہیں جیسا کہ سیدہ طیبہ طاہرہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ نے اپنا اظہارِ خیال فرمایا..... پھر یہ کہ نماز کا مقصد رضائے الٰہی اور ثواب کا حصول ہے جو عورتوں کو مسجد سے زیادہ اس کے مکان کے صحن میں اور صحن سے زیادہ مکان کے اندر اور مکان سے زیادہ خاص کمرہ میں اور کمرہ سے زیادہ کمرہ کے کسی گوشہ میں حاصل ہے پھر خواہی نخواہی اسے مسجد ہی میں جانے کی کیا حاجت ہے؟

باقی رہا حصول علم دین کے لئے کسی مسجد کسی مدرسہ اور مکتب وغیرہ میں جانا اور کسی دیندار معلّمہ سے علم دین حاصل کرنا یہ تو صرف جائز ومباح ہی نہیں بلکہ مسلمہ عورتوں کے لئے بھی ویسے ہی واجب ہے جیسے مردوں کے لئے۔ لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام "طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلمٍ ومسلمۃٍ" علم دین کا سیکھنا ہر مسلمان مرد وعورت پر ضروری ہے۔" اور جہاں تک سینما اور تھیٹر ہاؤس وغیرہ میں جانے کا تعلق ہے تو یہ فاسقات عورتوں کا شیوہ ہے۔

ضرورتِ شرعی کی وجہ سے عورتیں بغیر محرم کے اپنے محلّے، اپنے شہر وآبادی اور بازار میں جا سکتی ہیں۔ ہاں حالتِ مسافرت میں اسکے ساتھ شوہر یا کسی محرم کا ہونا لازمی وضروری ہے۔ واللہ تبارک وتعالیٰ اعلم۔

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ۔ خادم اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۱۲؍ شعبان المعظم ۱۴۲۳ھ

مخضب اللحیۃ وامامتہ

مسئلہ ۸۸۵: ما قولکم ایہا العلماء الدین المتین وحامل الفتیاء الشرع المبین رحمکم اللہ عزوجل فی ہٰذہ الامر

انّ امامنا الصّلوٰۃ الجمعۃ خاصۃ۔ وھو یعمل فی معمل النصاریٰ و یخضّب اللّحیہ بالسّوداء فی کل الاسبوع۔ وھو یترک صلوٰۃ الظھر والعصر عمومًا و یترک صلوٰۃ المغرب احیانًا لعمل المعمل۔ ولٰکن اذا جاء فی الدار فیصلی صلوات الفوائت کلھا قبل صلوٰۃ الوقتیۃ۔

فھل لنا صلوٰۃ الجمعۃ وصلوٰۃ الوقتیۃ باقتدائہ صحیح جائز ام لا؟ بیّنوا وتوجروا

عیسیٰ بن ابان مغربی رباطی مقیم بالامستردام، ہولنڈ

۹۲/۸۶ الجواب ــــــ ھو الہادی الی الصواب ــــــ

الاختضاب بالسواد جائز للمجاھدین فقط ولغیرھم حرام کما ثبت مع صحۃ الحدیث بتحریمہ لغیر اھل الجہاد۔

فلہ الاختضاب بالسواد حرام۔ وترک الصلوٰۃ بغیر عذر حرام وتارکھا فاسق۔ والعمل فی معمل النصاریٰ اھل الخسارۃ لیس بعذر عند الشرع۔ فالامام المذکور مرتکب الحرام عمدًا متوالیًا فوجب اھانتہ علی المسلمین شرعًا۔ وفی تقدیمہ للامامۃ تعظیمہ وھو حرام۔ کما قال الامام العلامہ لابن العابدین شامی فی فتاواہ جلد ۱ ص۵۲۳ "لان فی تقدیمہ للامامۃ تعظیمہ وقد وجب علیھم الاھانۃ شرعًا" وفی الغنیۃ اضافہ علیھا "وفیہ اشارۃ الی انھم لو قدموا فاسقون یأثمون"

فیا ایھا الاخی السّائل لا تصلّ باقتدائہ صلوٰۃ الجمعۃ وغیرھا من صلوات الخمس لان اقتدائہ اثم وفی ھولنڈہ صحۃ الصلوٰۃ الجمعۃ مشکوکۃ لفقد الشرط من شرائطھا

كعدم السلطان وبلد الاسلام - فعليك صلوٰة الظهر يا اخی !
وان اديت صلوتا فی اقتدائه فوجبت اعادتها والتوبه
علیٰ من صلیّ خلفه - والله تبارك وتعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ نوری دار الافتاء مسجد نوری امسٹرڈم
۲۱ ذی قعدہ ۱۴۱۱ھ

پندرہ سال کے حافظ کی امامت

مسئلہ ۸۸۶ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکا گذشتہ سال جامعہ سے حافظ قرآن ہوا۔ قرآن پاک بہت ہی صحت کے ساتھ پڑھتا ہے نماز کا بھی پابند ہے۔ ابھی اس کی عمر پندرہ سال نو مہینہ کی ہے لیکن اُس کو ایک سال پہلے سے احتلام ہوتا ہے جیسا کہ خود اسی حافظ کا بیان ہے۔ البتہ اب تک اس کے چہرے پر ڈاڑھی کا آغاز نہیں ہوا ہے جس کی وجہ سے اس کی امامت کی صحت میں لوگوں کو شک ہے۔ خود ہمارے امام صاحب کا کہنا ہے کہ نمازِ تراویح کے لئے اس کی امامت درست ہے لیکن فرض و واجب نمازیں وہ نہیں پڑھا سکتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ حافظ مذکور کی امامت شرعًا درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے تو صرف نماز تراویح میں یا فرض و واجب تمام نمازوں میں؟ خلاصہ جواب سے مشکور و ممنون فرمائیں۔ اسحٰق روزن - تیل بورخ - ہالینڈ

۹۲/۹۷ الجواب ـــــــ ھو الھادی الی الصواب ـــــــ

سوالنامہ کے مندرجات سے یہ بات متحقق ہوگئی کہ حافظ مذکور عند الشرع بالغ ہے کہ اس کی عمر پندرہ سال مکمل ہو چکی اور یہ کہ وہ محتلم بھی ہے اور شریعت کے نزدیک ان دونوں میں سے کسی ایک کا پایا جانا بالغ ہونے کے لئے کافی ہے۔ اگر وہ صحت تلاوت کے ساتھ ساتھ مسائلِ طہارت وصلوٰۃ سے بھی واقف ہے تو وہ صالح امامت ہے۔ ہر ایک نماز کی وہ امامت کر سکتا ہے۔ اس کی امامت پر لوگوں کا اعتراض جہالت و نادانی

ہے۔ اور امام مذکور کی جانب سے حافظ مذکور کی امامت کی تفریق بیجا ہے۔ جب اس کی اقتدا میں نماز تراویح درست ہے تو دوسری نمازیں بھی درست ہوں گی۔

تنویر الابصار اور درمختار میں ہے۔

بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال و الانزال (الی ان قال) فان لم یوجد فیھما فحتی یتم لکل منھما خمس عشرۃ سنۃ بہ یفتی وقررہ فی الدر۔۔	لڑکے کے بالغ ہونے کی پہچان اس کا احتلام و انزال اور حاملہ کرنا ہے، اگر احتلام و انزال نہ ہو مگر اس کی عمر پندرہ سال ہو جائے جب بھی وہ بالغ ہے۔ اسی قول پر فتویٰ ہے۔

امام ہونے کے لئے بالغ ہونا شرط ہے۔ صحیح البہاری ص۴۶۵ میں ہے۔

ونھانا (امیر المومنین عمر بن الخطاب) ان یؤمنا الا المحتلم۔	امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لڑکے کی امامت سے منع فرمایا ہے یہاں تک کہ وہ محتلم ہو جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔

لا یؤم الغلام حتی یحتلم (کشف الغمہ)	لڑکا امامت نہ کرے حتی کہ اسے احتلام ہونے لگے۔

ان دونوں ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ علامتِ بلوغیت پائے جانے سے قبل کوئی لڑکا امامت نہ کرے۔ اور جب حافظ مذکور کے اندر بلوغیت کی علامت ایک سال قبل سے پائی جارہی ہے تو اس کی امامت میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ باقی رہا اس کے چہرہ پر ڈاڑھی کا نہ ہونا تو یہ عند الفقہاء شرط بلوغیت نہیں ہے۔ ہاں اگر ڈاڑھی ہوتی اور یہ اسے صاف کرادیتا تو مجرم تھا۔۔۔۔۔ امرد کی امامت کو فقہاء کرام نے مکروہِ تنزیہی لکھا ہے۔ مگر مکروہِ تنزیہی کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی امامت ناجائز یا غیر صحیح ہے بلکہ اس کا مفاد صرف خلاف اولیٰ ہے۔ پھر اُس امرد کی امامت خلاف اولیٰ ہے جس کو دیکھ کر ذلیل و نفس پرست لوگ شیطانی اور شہوانی خیالات میں پڑتے ہوں لیکن حافظ صاحب مذکور سے متعلق سوالنامہ میں ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ ان کی امامت پر کراہت تنزیہی کا حکم

لگایا جائے۔ علامہ شامی اپنے فتاویٰ ص۵۲۵ میں لکھتے ہیں۔

الظاهر انّها تنزيهية ايضًا و الظاهر ايضًا كما قال الرحمتى ان المراد به الصبيح الوجه لانه محل الفتنة (وفيه ايضًا) علّة الكراهة خشية الشهوة وهو الاظهر...	امرد کی امامت کا مکروہ ہونا قول ظاہر کے مطابق مکروہ تنزیہی ہے۔ جیسا کہ علامہ رحمتی نے فرمایا کہ امرد سے مراد حسین وجمیل چہرہ والا ہے کہ محل فتنہ ہے۔ اور ردالمحتار ہی میں ہے کہ کراہت کی وجہ شہوۃ کے غالب ہونے کا خوف ہے اور یہی زیادہ ظاہر ہے۔

اور فتح القدیر جلد اوّل ص۳۰۰ میں ہے۔

ومرجعها... الى خلاف الاولى	کراہت کا مرجع خلاف اولیٰ کی طرف ہے مطلق کی طرف نہیں۔

واللہ تعالیٰ ورسولہ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ
۷/شوال المکرم ۱۴۱۹ھ

اسکرٹ کے ساتھ نماز

مسئلہ ۸۸۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آج کل عورتوں کی قمیص کا بازو ایسا بنتا ہے کہ پہننے کے بعد بازو کا ایک چوتھائی حصہ کھلا رہتا ہے اور اسکرٹ (SKIRT) میں بھی پنڈلی کا نچلا حصہ کھلا رہتا ہے۔ ان دونوں لباسوں کے ساتھ نماز صحیح ہو جائے گی یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

سیدہ رمضان علی، ہیلفرسوم ہالینڈ

الجواب ۹۲/۷۸۶ ــــــ ھو الھادی الی الصواب ــــــ

پردہ عورتوں کے لئے واجب ہے خواہ وہ نماز میں ہو یا غیر نماز میں۔ اس میں سستی کاہلی جائز نہیں۔ اور خاص کر یورپ کے ملکوں میں مسلمان مرد اور عورتیں اسلام کا سفیر اور نمائندہ ہیں جہاں انہیں اسلامی بنیادی اصولوں کو عمدگی کے ساتھ پیش کرنے کی ضرورت ہے۔

عورتوں کو ایسے لباس کے ساتھ نامحرموں کے سامنے جانے کی اجازت ہی نہیں جس سے بے پردگی ہوتی ہو۔ پھر حالتِ نماز میں تو اس کی اہمیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ جن لباسوں کا ذکر سوالنامہ میں ہے اور جس سے بازو اور پنڈلی کا کچھ حصّہ عریاں رہتا ہے اگر اس کے اوپر سے کوئی ایسا کپڑا نہیں ہے جو مکمل بازو اور پنڈلی کو ڈھانک لے تو اس قمیص کے ساتھ عورت کی نماز باطل ہوگی اور اس اسکرٹ (سایہ، لہنگا) کے ساتھ بھی۔ اور اگر اسی حال میں اس کو کسی غیر محرم نے دیکھ لیا تو گنہ گار بھی ہوئی۔ ہاں اگر کوئی عذر شرعی ہو تو جواز کا فتویٰ ہوگا۔ لقولہٖ تبارک وتعالےٰ: لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ اللہ تعالیٰ کسی ذات کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا (البقرہ) واللہ تعالیٰ اعلم ورسولہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ۔ القرآن اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۱۲ر محرم الحرام ۱۴۲۱ھ

نمازی کے جیب میں اگر تصویریں ہوں

۸۸۸ مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ موجودہ دور میں تصاویر سے الگ تھلگ رہنا مشکل ہوگیا ہے۔ شاید باید ہی کوئی ایسا مسلمان ہوگا کہ حالت نماز میں اس کے پاس تصویریں نہ ہوں۔ یورپ کی بات تو الگ ہے۔ مسلم ممالک کہلانے والے مثلاً پاکستان، سعودی عرب اور عرب امارات وترکی وغیرہم میں نوٹوں اور سکوں پر وہاں کے سربراہوں کی تصویریں ہوتی ہیں اور حالت نماز میں نمازیوں کے جیب اور منی بیگ میں وہ نوٹ اور سکّے موجود ہوتے ہیں۔ لہٰذا پوچھنا یہ ہے کہ ایسی صورت میں نماز ہوجاتی ہے یا نہیں؟ سرفراز گلزار۔ آمسٹرڈم۔ ہالینڈ۔

۹۴۶ الجواب ــــــــ ھو الھادی الی الصواب ــــــــ

تصاویر کھینچنے اور کھنچانے کی حرمت احادیث مشہورہ متواترہ سے ثابت ہے اور نصوصِ ممانعت کے ہوتے ہوئے بغیر عذر شرعی کے اس کی اباحت کی کوئی صورت

نہیں بنتی ہے۔ لہٰذا جن نام نہاد اسلامی ممالک کے سربراہوں نے اپنی رضا سے تصویریں کھنچوائیں اور انہیں عام کیا وہ سب اس حرام کے مرتکب ہوئے۔ ہاں اگر وہ سب اس کی اباحت کے بھی قائل ہوں تو اس کا حکم نہایت سنگین ہوگا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ

ضروری کاغذات (نوٹ، ڈرائیونگ لائیسنس، دوکانوں یا درآمد و برآمد کے لائیسنس، پاسپورٹ اور ویزا وغیرہم) اور سکّے وغیرہ جن پر ملکی قانون کے مطابق تصویریں ہوتی ہیں، ان سب کو جیب یا پرس میں رکھکر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ وہ ان چیزوں کو ساتھ رکھنے پر مجبور ہے اس لئے اس کا کوئی اثر نماز پر نہیں ہوگا۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ۔ اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۱۷ محرم الحرام ۱۴۱۹ھ

حیض کی حالت میں نماز پڑھنا

مسئلہ ۸۸۹ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ حیض والی عورتوں کے لئے کلمات طیبات اور تسابیح واذکار کا ورد جائز ہے یا نہیں؟ کوئی حائضہ عورت درجنوں عورتوں کے ساتھ، مسائلِ دینیہ سیکھنے کے لئے ایک مجلس میں شریک ہوئی، دورانِ اجلاس جب نماز کا وقت آیا تو عورتیں نماز میں مصروف ہوگئیں اور وہ حائضہ عورت بھی شرم وغیرت کی وجہ سے دوسری عورتوں کے ساتھ نماز میں شریک ہوگئی اور اُٹھ بیٹھ کرنے لگی۔ سوال یہ ہے کہ حائضہ کے لئے نماز میں شریک ہوجانا از روئے شرع درست ہے یا نہیں؟

ہمشیرہ محمد شفیق نورخان، نوردیک، لائیڈن

الجواب ۹۴/۹۶ ـــــــ ھوالھادی الی الصواب ـــــــ

بیشک حائضہ عورتوں کے لئے کلمات اسلام، درود و استغفار اور تسبیح واذکار کا پڑھتے رہنا جائز اور وجہ ثواب ہے بلکہ قرآنی آیاتِ دعائیہ بہ نیت دعا، پڑھنا بھی جائز ہے۔ البتہ تلاوتِ کلام پاک پھر اس کا چھونا، مسجد سے گزرنا اور نماز پڑھنا حالت حیض میں حرام ہے، کیونکہ اس کی شدید ممانعت احادیث صحیحہ میں موجود ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انی لا اُحِلُّ المسجدَ لحائض ولا لجنب (رواہ ابوداؤد)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں مسجد کو نہ تو حائضہ عورتوں کے لئے حلال کرتا ہوں اور نہ ہی جنبیوں کے لئے۔

نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کے دین میں کمی کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

اَلَیْست اِحْدَاکُنَّ اِذَا حَاضَتْ لَا تَصُوْمُ وَلَا تُصَلِّیْ (بخاری)

کیا ایسا نہیں ہے کہ تم میں کی کوئی عورت جب حائضہ ہوتی ہے تو نہ وہ روزہ رکھتی ہے اور نہ ہی نماز ادا کرتی ہے۔

حضرت سیدہ طیبہ طاہرہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ

کنّا نحیض علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنؤمر بقضاء الصوم ولا نؤمر بقضاء الصلوٰۃ (رواہ البخاری والمسلم)

عہد رسالت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں جب ہم عورتیں حائضہ ہوتی تھیں تو ہمیں روزہ کے قضا کا حکم دیا جاتا تھا اور نماز کی قضاء کا حکم نہیں دیا جاتا تھا۔

حیض چونکہ عموماً ہر ماہ عورتوں کو آتا ہے اسلئے اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر خاص رحم وکرم فرما کر اس سے نماز کا وجوب ختم فرما دیا تاکہ وہ مشقت میں نہ پڑیں البتہ روزہ بارہ مہینوں کے اندر صرف ماہِ رمضان المبارک میں فرض ہوتا ہے اس لئے برائے رحمت ومہربانی حیض کی حالت میں اس کو ساقط کر دیا اور بعد میں بحالت طہارت اس کے قضا کا حکم دیا۔

حائضہ عورتوں پر نماز روزہ، مسجد سے گذرنا اور قرآن حکیم کو چھونا، پڑھنا وغیرہ حرام ہے۔ صرف شرم وحیا کی وجہ سے یہ حرام باتیں عورتوں کو حلال نہیں ہو جائینگی۔ اِنِ الحکم اِلَّا لِلّٰہِ، حکم تو صرف شریعت کا چلتا ہے جس عورت نے شرم وغیرت کی وجہ سے دکھلاوے کی اٹھک بیٹھک کی۔ اس نے شریعت کی دی ہوئی رعایت ورحمت کا عملاً انکار کیا اور اپنے ہم جنسوں کو دھوکہ دیا۔ وہ اپنے اس غلط فعل پر بارگاہِ الٰہی میں توبہ کرے اور معافی

طلب کرے۔　　واللہ سبحانہٗ اعلم　کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ۔ اسلامک فونڈیشن

نیدرلینڈ۔　۵ / شوال المکرم ۱۴۲۱ھ

نمازی کے آگے سے گذرنا

مسئلہ ۹۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین حاملانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید مسجد میں نماز پڑھ رہا ہے اور اس کے آگے قبلہ کی دیوار ہے اُس کے اور دیوار کے درمیان کوئی سترہ نہیں ہے ایسی صورت میں ایک بچہ بار بار زید کے آگے سے آتا جاتا ہے۔ یا کوئی مصلّی اپنی دنیاوی ضرورت کی وجہ سے زید کے آگے سے گذر جانا چاہتا ہے تو کیا شرع کی طرف سے اُسے گذرنے کی اجازت ہے؟

مشتاق احمد بٹ۔ بلیر پلین۔ آمسٹرڈم زد،اُو۔ ہالینڈ

۹۲/۸۶ الجواب ــــــــــ ھوالھادی الی الصواب ــــــــــ

شریعت کے نزدیک بچے، پاگل اور نیند میں سوئے ہوئے لوگ مرفوع القلم ہوتے ہیں یعنی ان پر شریعت کے احکام نافذ نہیں ہوتے۔ اگر بچے کسی نمازی کے آگے سے گذر جائیں تو اُن کے لئے معافی ہے۔ اور نمازی کی نماز میں بھی کوئی خرابی نہیں آئیگی...... اگر قبلہ کی دیوار اور زید (مصلّی) کے درمیان اتنا فاصلہ ہے کہ خاشع مصلّی کی نگاہ حالت نماز میں عادتاً دیوار تک نہیں پہنچ پاتی ہے تو دیوار کی طرف سے کوئی بھی آدمی گذر سکتا ہے۔ اور اگر اتنا فاصلہ نہیں ہے بلکہ پلکوں کو کشادہ کر دینے پر دیوار تک نظر آجاتی ہے تو نمازی اور دیوار کے درمیان سے گذرنا جائز نہیں ہے۔ نبیٔ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ذیشان ہے۔

لو یعلم المار بین یدی المصلی ماذا علیه لکان یقف اربعین خیرٌ له من ان یمرّ بین یدیه	اگر نمازی کے آگے سے گذرنے والا جان لے کہ اس پر کیا گناہ ہے تو اپنے لئے چالیس (سال) تک ٹھہرے رہنے کو بہتر خیال کرے۔

اس حدیث پاک سے کسی نمازی کے آگے سے گذرنے کی شناعت معلوم کی جاسکتی ہے۔ محدثین کرام نے اربعین سے مراد اربعین سنۃ (چالیس سال) کیا ہے۔ واللہ تبارک و تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ۔ دارالافتا مجلس علما ہند لینڈ
۱۳ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ

خطبۂ جمعہ اور اس سے متعلق مسائل

۸۹۱ مسئلہ: کیا حکمت شریعت اسلامیہ کا اس مسئلہ میں کہ خطبۂ جمعہ اول و آخر عربی میں ہو مگر عوام مسلمین کو مسائل دینیہ سکھانے کے لئے درمیان میں اگر مقامی زبان (مثلاً ڈچ، انگلش، اردو، پنجابی وغیرہ) استعمال کی جائے تو شرعی طور پر اس کی اجازت ہے یا نہیں؟ دوسری بات یہ ہے کہ درمیانِ خطبہ سامعین کو کسی دینی بات کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟ اور تیسری بات یہ ہے کہ ایک نمازی ایسے وقت مسجد میں داخل ہوا کہ خطبہ کی اذان ختم ہو رہی ہے اور خطیب خطبہ شروع کرنے والا ہے اور آنے والے شخص کو اسی وقت یاد آیا کہ آج اس نے فجر کی نماز نہیں پڑھی ہے تو کیا وہ اسی وقت فجر کی قضا پڑھ سکتا ہے۔ امید ہے کہ تینوں سوالوں کا جواب باصواب عنایت فرما کر عنداللہ مشکور ہوں گے۔ سائل: مجیب الحق رجب
سخیپول (ائیرپورٹ) ولیسٹ آمسٹرڈم

۸۹۲ الجواب ــــــ ھو الھادی الی الصواب ــــــ

خطبۂ جمعہ میں کسی بھی غیر عربی زبان کی ملاوٹ سنت متوارثہ کے خلاف یعنی مکروہ ہے۔ ہر خطیب کو اس سے بچنا چاہئے اور اسی روش پر چلنا چاہئے جس پر خیر القرون کے خطبا کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم چلتے رہے۔

اگر مسائل دینیہ کی تعلیم صحیح معنوں میں مقصود ہے تو خطبہ سے قبل یا نماز کے بعد اس کا صحیح وقت ہے۔ جن جن دلوں میں دین کی وقعت و اہمیت ہوگی اور دین سیکھنے کا جذبہ ہوگا وہ خطبہ سے پہلے آجائیں گے یا نماز کے بعد ٹھہرے رہیں گے۔

۲؎ خطبہ سننا بھی عبادت ہی ہے اسی لئے فقہاء اسلام نے درمیانِ خطبہ سلام، کلام یہاں تک کہ تلاوت کلام پاک اور نماز سے بھی منع فرمایا ہے۔

منحۃ الخالق میں ہے۔

یکرہ الکلام حال الخطبۃ وکذا قرأۃ القرآن وکذا الصلوٰۃ وکذا مایشغل عن سماع الخطبۃ۔	خطبہ کے درمیان بات چیت کرنا، قرآن پاک کی تلاوت کرنا، نماز پڑھنا اور ایسے ہی ہر اس کام میں مشغول ہونا جو خطبہ سننے میں مخل ہو مکروہ تحریمی ہے۔

اور شرح زاہدی میں ہے۔

یکرہ لمستمع الخطبۃ ما یکرہ فی الصلوٰۃ من اکل وشرب وعبث والتفات ونحو ذلک (وفی الخلاصۃ) کل ما حرم فی الصلوٰۃ حرم حال الخطبۃ اھ	خطبہ سننے والے کے لئے ہر وہ کام مکروہ تحریمی ہے جو نماز میں مکروہ ہے خواہ وہ کام کھانے پینے سے متعلق ہو خواہ کھیل کود سے خواہ ادھر اُدھر متوجہ ہونے سے اور فتاوی خلاصہ میں ہے کہ جو کام حالتِ نماز میں حرام ہے وہ سب خطبہ سننے کی حالت میں بھی حرام ہے۔

۳؎ خطبہ کے وقت ہر نماز کی ممانعت ہے۔ مگر قضا نمازوں میں ترتیب واجب ہے لہٰذا اگرچہ خطبہ ہو رہا ہو تو آنے والا شخص پہلے اپنی قضا نماز (نماز فجر) ادا کرے گا پھر خطبہ سنے گا۔ اور اگر آنے والا شخص بعونہ تعالیٰ صاحب ترتیب ہے تو جب تک وہ اپنی قضا نماز یا نمازوں کو ادا نہیں کرے گا خطبہ یا نماز جمعہ میں بھی شریک نہیں ہو سکتا ہے ہاں اگر ظہر کا وقت نکل جانے کا گمان غالب ہو تو ظہر کی نماز فرض پہلے پڑھ لے گا پھر بقیہ قضا پڑھے گا۔　واللہ تبارک وتعالیٰ اعلم　کتبہ عبد الواحد قادری غفرلہٗ اسلامک فونڈیشن ہنڈرلینڈ

۲۵؍ رجب المرجب ۱۴۲۵ھ

تراویح میں تین بار سورۂ اخلاص پڑھنا

مسئلہ ۸۹۲ کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ میں کہ اکثر ہیں نے ختم تراویح میں

دیکھا ہے کہ حافظ صاحب جس رات کو قرآن پاک ختم فرماتے ہیں تو سورۂ اخلاص (قل ہو اللہ شریف) کو بسم اللہ کے ساتھ تین بار پڑھتے ہیں۔ چونکہ دوسری نمازوں میں ایسا نہیں دیکھا جاتا ہے اسلئے یہ شبہ ہوتا ہے کہ ایسا کرنا شرعاً جائز و درست ہے یا نہیں؟ جواب باصواب کے ساتھ تشفی فرمانے کی زحمت گوارہ کریں۔

سائل:۔ شیخ محمد شفیق۔ آلمیرہ ہاؤن۔ ہالینڈ

۹۲/۸۶ الجواب ـــــــ هوالهادی الی الصواب ـــــــ

نماز تراویح چونکہ سنّت ہے فرض نہیں، اور فرض وواجب نمازوں کے علاوہ میں سورۂ فاتحہ کے علاوہ کسی دوسری سورۃ کی تکرار (بار بار پڑھنا) ناجائز و مکروہ نہیں بلکہ اس کے استحسان میں علماء کرام اور ائمہ اسلام کا اختلاف ہے۔ یعنی بعض علماء نے اسے مستحسن مانا اور بعض نے مستحسن نہیں مانا۔ لیکن مستحسن نہیں ماننے کا یہ مطلب نہیں کہ ایسا کرنا ناجائز یا نادرست ہے۔ بلکہ صرف یہ کہ ایسا کرنا خلافِ اولیٰ ہے۔

غنیہ شرح منیہ میں ہے۔

لایکرہ تکرار السورۃ فی التطوع لان باب النفل اوسع الخ	غیر فرض نمازوں میں کسی سورت کا بار بار پڑھنا مکروہ نہیں ہے کیونکہ نفل کا معاملہ وسیع تر ہے۔

پھر اسی میں ہے۔

قراۃ قُل ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ثلث مرّاۃ عند ختم القرآن لم یستحسنھا بعض المشائخ وقال الفقیہ ابو اللیث ھذا الشئ استحسنه اھل القرآن وائمۃ الامصار فلا بائس به	ختم قرآن کے وقت سورہ قُل ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ کے تین بار پڑھنے کو بعض مشائخ نے مستحسن نہیں جانا۔ ولیکن فقیہ ابو اللیث نے فرمایا کہ اہل علم حضرات اور ائمہ کرام نے اسے مستحسن جانا ہے تو ایسا کرتے ہیں کوئی حرج نہیں ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۲۷ رجب المرجب ۱۴۱۲ھ

کتاب الزکوٰۃ
(زکات کا بیان)

نصاب، حولانِ حول، چند نصابوں کی زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائے

مسئلہ ۸۹۳ :- حاجی محمد فاروق، اینڈہوفن، ہالینڈ ۷-۱-۱۹۸۶ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ موجودہ اوزان (کیلو، کیلوگرام) میں کتنی چاندی یا کتنا سونا کا ایک نصاب بنتا ہے؟ حولانِ حول سے شمسی سال مراد ہے یا قمری! اگر کوئی مسلمان چند نصابوں کا مالک ہو تو سونا چاندی میں اس کی زکوٰۃ کس حساب سے کتنی نکلے گی؟ پوری وضاحت کے ساتھ جواب عنایت فرمائیں تاکہ نیدرلینڈ کے مسلمانوں کی آسانی کے لئے میں اس کا ترجمہ ڈچ زبان میں کردوں، اس طرح حضور کے ساتھ میں بھی ثواب میں شریک ہو جاؤں گا۔

آپ کا خادم :- محمد فاروق صبور علی

۸۶/۹۲ **الجواب** اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

جو عاقل بالغ آزاد مسلمان (خواہ مرد ہو یا عورت) ساڑھے سات (۷½) تولہ سونا یعنی رائج الوقت وزن میں ستاسی گرام سینتیس پوائنٹ (۸۷-۳۷) سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی (چھ سو گیارہ گرام باسٹھ پوائنٹ چاندی) کا تنہا مالک ہو یا ان چاندی سونا دونوں میں سے کسی ایک کا مالک ہو وہ شریعتِ اسلامیہ کے نزدیک "صاحبِ نصاب"

کہلاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ساڑھے ستاسی[۸۷½] گرام سونا (تقریباً) کا ایک نصاب ہوتا ہے
یونہی چھ سو ساڑھے گیارہ گرام چاندی (تقریباً) کا ایک نصاب ہوتا ہے ـــــ ایک
نصاب سے کم سونا یا چاندی یا اس کی قیمت پر زکوٰۃ نہیں۔ یونہی ایک نصاب کے بعد جب تک
نصاب کے پانچویں حصہ تک سونا یا چاندی نہ پہنچ جائے اس کے درمیانی وزن پر زکوٰۃ
معاف ہے۔ جیسا کہ آنے والے نقشہ سے ظاہر ہوگا۔

[۳۵۵]
حولانِ حول سے مراد قمری سال ہے جس کا حساب چاند سے ہوتا ہے عموماً تین سو
پچپن دنوں کا ایک قمری سال ہوتا ہے۔ زکوٰۃ کے بارے میں شمسی سال کا اعتبار نہیں
ہے۔ ایک قمری سال گزر جانے کا نام حولانِ حول ہے۔ اور جب نصاب پر ایک قمری
سال گزر جاتا ہے تو اس کی زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے۔

... زکوٰۃ کی فرضیت بھی نماز روزے کی طرح قطعی ہے اس کا منکر عندالشرع کافر اور
اگر منکر نہ ہو لیکن صاحب نصاب ہو کر زکوٰۃ نہ نکالے یا زکوٰۃ نکالنے میں تاخیر اور بہانہ
بازی کرے تو وہ شریعت کے نزدیک فاسق و فاجر اور مستحق عذاب الیم ہے۔

عامۃ المسلمین کے سمجھنے کے لئے میں چاندی سونا کی زکوٰۃ کا ایک نقشہ پیش کر رہا
ہوں تاکہ اہل نصاب حضرات کو چاندی سونے کی زکوٰۃ نکالنے میں آسانی ہو اس نقشہ
میں دو مقداروں کے درمیان جو مقدار نہیں لکھی گئی ہے اس کی زکوٰۃ معاف ہے مثلاً
نقشہ کے پہلے خانہ میں ستاسی گرام سینتیس[۸۷-۳۷] پوائنٹ سونا کی مقدار ہے جس کی زکوٰۃ
دو گرام اٹھارہ[۲-۱۸] پوائنٹ ہے اس کے بعد ایک سو چار[۱۰۴-۸۴] گرام چوراسی پوائنٹ ہے جس کی زکوٰۃ
دو گرام باسٹھ[۲-۶۲] پوائنٹ ہے۔ اور ستاسی کے بعد ایک سو چار تک کوئی مقدار نقشہ میں
نہیں ہے۔ لہٰذا درمیانی مقدار کی زکوٰۃ معاف ہے مثلاً کسی کے پاس ایک سو چار[۱۰۴] گرام
سونا ہے تو اس کو صرف ستاسی گرام سینتیس پوائنٹ سونا ہی کی زکوٰۃ دینی ہوگی ـــــ
اسی طرح نقشہ میں جہاں جہاں دو مقداروں کے درمیان کسی مقدار کی وضاحت نہیں
ہے اس میں پہلی والی مقدار ہی کے مطابق زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

سونا کے ایک نصاب سے ایک کیلو سونا تک کی زکوٰۃ کا نقشہ

۵ زکوٰۃ پوائنٹ گرام	۵ سونا کی مقدار پوائنٹ۔گرام	۴ زکوٰۃ پوائنٹ گرام	۴ سونا کی مقدار پوائنٹ۔گرام	۳ زکوٰۃ پوائنٹ گرام	۳ سونا کی مقدار پوائنٹ۔گرام	۲ زکوٰۃ پوائنٹ گرام	۲ سونا کی مقدار پوائنٹ۔گرام	۱ زکوٰۃ پوائنٹ گرام	۱ سونا کی مقدار پوائنٹ۔گرام
۴۰-۲۱	۸۴-۸۵۵	۶۰-۱۶	۸۸-۶۶۳	۷۹-۱۱	۷۱-۴۷۱	۹۹-۶	۵۴-۲۷۹	۱۸-۲	۴۸-۸۷
۸۴-۲۱	۳۱-۸۷۳	۳-۱۷	۳۳-۶۸۱	۲۳-۱۲	۱۸-۴۸۹	۳۴-۷	۱-۲۹۷	۶۲-۲	۸۴-۱۰۴
۲۷-۲۲	۷۸-۸۹۰	۴۷-۱۷	۸۱-۶۹۸	۶۷-۱۲	۶۵-۵۰۶	۸۶-۷	۳۸-۳۱۴	۰۶-۳	۳۱-۱۲۲
۷۱-۲۲	۲۵-۹۰۸	۹۱-۱۷	۸-۷۱۶	۱۰-۱۳	۱۲-۵۲۴	۳۰-۸	۹۵-۳۳۱	۴۹-۳	۷۸-۱۳۹
۱۴-۲۳	۷۲-۹۲۵	۳۴-۱۸	۵۵-۷۳۳	۵۴-۱۳	۵۹-۵۴۱	۷۴-۸	۴۲-۳۴۹	۹۳-۳	۲۵-۱۵۷
۵۸-۲۳	۱۹-۹۴۳	۷۸-۱۸	۲-۷۵۱	۹۸-۱۳	۶-۵۵۹	۱۷-۹	۸۹-۳۶۶	۳۷-۴	۷۲-۱۷۴
۲-۲۴	۶۶-۹۶۰	۲۱-۱۹	۳۹-۷۶۸	۴۱-۱۴	۵۴-۵۷۶	۶۱-۹	۳۶-۳۸۴	۸۰-۴	۱۹-۱۹۲
۴۵-۲۴	۱۳-۹۷۸	۶۵-۱۹	۹۶-۷۸۵	۸۵-۱۴	۰۰-۵۹۴	۰۵-۱۰	۸۳-۴۰۱	۲۴-۵	۶۶-۲۰۹
۸۹-۲۴	۶۰-۹۹۵	۰۹-۲۰	۴۳-۸۰۳	۲۹-۱۵	۴۷-۶۱۱	۴۸-۱۰	۳۰-۴۱۹	۶۸-۵	۱۳-۲۲۷
۳۳-۲۵	۷-۱۰۱۳	۵۲-۲۰	۹۰-۸۲۰	۷۲-۱۵	۹۴-۶۲۸	۹۲-۱۰	۷۷-۴۳۶	۱۲-۶	۶۰-۲۴۴
		۹۶-۲۰	۳۷-۸۳۸	۱۶-۱۶	۳۱-۶۴۶	۳۶-۱۱	۲۴-۴۵۴	۵۵-۶	۷-۲۶۲

چاندی کے ایک نصاب سے ایک کیلو تک کی زکوٰۃ کا نقشہ

۳ زکوٰۃ کی مقدار پوائنٹ گرام	۳ چاندی کی مقدار پوائنٹ۔گرام	۲ زکوٰۃ کی مقدار پوائنٹ گرام	۲ چاندی کی مقدار پوائنٹ۔گرام	۱ زکوٰۃ کی مقدار پوائنٹ گرام	۱ چاندی کی مقدار پوائنٹ۔گرام
۵۲-۲۷	۹۰ — ۱۱۰۰	۴۱-۲۱	۲۶ — ۸۵۶	۲۹-۱۵	۶۲ — ۶۱۱
×	×	۴۶-۲۴	۵۸ — ۹۷۸	۲۵-۱۸	۹۴ — ۷۳۳

نوٹ۔ اگر کسی کے پاس ستاسی گرام سینتیس پوائنٹ [۸۷ / ۳۷] ہی سونا ہو تو صرف ایک نصاب

کی زکوٰۃ دو گرام اٹھارہ پوائنٹ نکالنی ہوگی۔ اور اس سے کم سونا کا وہ مالک ہے تو اس پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔ اسی طرح اگر چھ سو گیارہ گرام باسٹھ پوائنٹ سے کم چاندی کا مالک ہے تو اس پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔

نوٹ:۔ چاندی یا سونے پر جس دن سال پورا ہوگا اسی دن کے بازار نرخ کا اعتبار ہوگا۔ اگر سال کے اختتام سے پہلے یا بعد میں نکالی جائے تو ان دنوں کے نرخ کا اعتبار نہ ہوگا۔ مثلاً محرم ۱۴۲۴ھ کی بائیس تاریخ کو کوئی مسلمان صاحب نصاب ہو گیا تو اس نصاب پر ایک سال گزرنے کے بعد ۲۲ محرم ۱۴۲۵ھ کو زکوٰۃ واجب ہوگئی۔ اگر صاحبِ نصاب چاندی یا سونا ہی زکوٰۃ میں دینا چاہتا ہے جب تو بازار بھاؤ معلوم کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ ہاں اگر کرنسی نوٹوں یا کسی دوسری اشیاء میں زکوٰۃ دینا چاہے تو ۲۲ محرم ۱۴۲۵ھ میں چاندی، سونا کا عام بازار بھاؤ معلوم کرنا ہوگا اور اس دن جو چاندی، سونا کا نرخ ہوگا اسی حساب سے کرنسی نوٹوں کی ادائگی کرنی ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہٗ خادم الخطیب نوری مسجد آمسٹرڈم

۲ رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ

بینک میں جمع شدہ نوٹوں کی زکوٰۃ

مسئلہ ۸۹۴:۔ محمد عباس شیورتن فرید الاسلام ۱۵-۱۰-۱۹۹۵ء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی مسلمان کے پاس چاندی یا سونا کا نصاب نہیں صرف وہ کاغذی گلڈروں (نوٹوں) کا مالک ہے لیکن اس کے کاغذی نوٹ ہمیشہ بینک میں رہتے ہیں۔ حسبِ ضرورت کبھی کبھی وہ کچھ گلڈر بینک سے نکال بھی سکتا ہے لیکن کچھ گلڈر میعادی طور پر (فیکس ڈیپوزٹ) جمع ہیں جس کو میعاد پوری ہوتے پر نکال سکتا ہے۔ ایسی صورت میں اس مسلمان پر زکوٰۃ و فطر واجب ہے یا نہیں؟ اگر واجب ہے تو وہ کس طرح اور کب زکوٰۃ نکالے گا۔؟

خادم۔ محمد عباس

۸۶/۹۲ **الجواب** اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

اگر ایک سال سے اتنے گلڈر (ہالینڈ کی کرنسی) بینک میں جمع ہیں جس سے چاندی کا ایک نصاب (یعنی چھ سو بارہ گرام چاندی) خریدا جاسکتا ہے۔ تو وہ مسلمان صاحب نصاب ہے اور اس پر زکوٰۃ و فطرہ واجب ہے۔ اور جب وہ حسب ضرورت بینک سے اپنی کچھ رقم جب چاہے نکال لینے پر قادر ہے تو سال تمام ہونے کے بعد ہی اُس پر زکوٰۃ کی ادائیگی بھی واجب ہوجائے گی۔ اور ادائیگی میں تاخیر ہوتے پر گنہ گار ہوگا۔

ہاں جو رقم کسی میعاد کی پابندی کے ساتھ جمع ہے کہ اس سے پہلے نکالنا ممکن نہیں یا ممکن تو ہے مگر نہایت دشواریوں کے بعد تو اس میعادی جمع شدہ رقم کے ہر سال کے اختتام پر زکوٰۃ واجب ہوتی جائے گی۔ لیکن زکوٰۃ کی ادائیگی اُس وقت واجب ہوگی جب وہ بینک سے روپیہ نکالنے پر قادر ہوگا۔

اور یہ ضروری نہیں کہ کل رقم نکالنے کے بعد ہی زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہوگی بلکہ اگر نصاب کا ایک خمس نکالنے پر بھی قادر ہوگیا تو اس خمس کی زکوٰۃ کی ادائیگی اسی وقت واجب ہوجائے گی۔ والمسئلة کلها فی کتب الاسفار کالدرر والغرر ورد المحتار۔

واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہ خادم الافتا، جامعہ مدینۃ الاسلام، دی ہیگ، ہالینڈ

بدمذہبوں کو زکوٰۃ دینا

مسئلہ ۸۹۵: مولانا مطیع الرحمٰن اشرفی، گوپالپور
۲۱-۴-۱۴۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زکوٰۃ و فطرہ کی رقموں کو دیوبندی وہابی، رافضی، خارجی، نیچری، قادیانی، مودودی، تبلیغی وغیرہم کے مدارس میں دینا درست ہے یا نہیں؟ اور دینے والوں کے ذمّہ سے زکوٰۃ و فطرہ ادا ہوا یا نہیں؟ جو لوگ ان مدارس میں دیتے ہیں وہ یہ سوچ کر دیتے ہیں کہ وہاں بھی تو قال اللہ اور قال الرسول کی تعلیم ہوتی ہے۔ المستفتی، محمد مطیع الرحمٰن اشرفی گوپالپور ضلع سمستی پور۔

۸۹۲ **الجواب ـــــــ بعون الملک الوھاب ـــــــ**

جماعاتِ مذکورہ فی السوال کے اکثر اکابر رہنما کے اقوال کفریہ خبیثہ پر علماء عرب و عجم نے کفر و ارتداد کا فتویٰ دیا اور فرمایا جو ان کے کفریات پر مطلع ہوکر ان کے عذاب و کفر میں شک کرے وہ بھی انہیں میں سے کافر جہنمی ہے اور جماعاتِ مذکورہ کے متبعین کا حال اب تک یہی ہے کہ وہ اُن طواغیت کو اپنا ولی و رہنما اور دینی پیشوا گردانتے ہیں لہٰذا وہ سب کے سب فرقِ باطلہ میں سے ہیں۔ ان کی حمایت حرام اور اعانت نہایت بدانجام وجہ آثام ہے۔ قال تعالیٰ عزوجل وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ہ ان کے یہاں قال اللہ کی تعلیم عظمتِ الٰہی کے لئے نہیں بلکہ اہانتِ الٰہی اور کذبِ باری تعالیٰ ثابت کرنے کے لئے ہے اور قال الرسول کا درس تعظیم رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے نہیں بلکہ (معاذ اللہ تعالیٰ) انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام اور دیگر معظمین کے عیوب نقائص تلاش کرنے کے لئے ہے۔ جو حال اسرائیل کے یہودیوں، حیفہ و ربوہ کے مرزائیوں کی تعلیم و تربیت کا ہے وہی حال ان گروہوں کی تعلیمات کا ہے۔ لہٰذا ان کے مدارس میں زکوٰۃ و فطرہ کی رقمیں دینا حرام اور ان کے دیئے سے فطرہ و زکوٰۃ بھی ادا نہیں ہوگی کیونکہ ادائے زکوٰۃ کے لئے تملیک فقیر شرط ہے اور فقیر کا صاحب ایمان ہونا ضروری ہے اور وہاں تو ایمان ہی نہیں تملیک کیونکر متحقق ہو؟ تنویر الابصار ص ۹۴ میں ہے "لا یجوز صرفہا لاہل البدع"۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: عبد الواحد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء والقضاء مجلس علماء نیدرلینڈ

۲۱ ربیع الآخر ۱۴۲۲ھ - ۱۲ جولائی ۲۰۰۱ء

کرایہ پر چلنے والی گاڑیوں اور مکانات پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

مسئلہ ۸۹۶: عابد علی، دی ہیگ ۱۴۲۱ھ-۵-۱۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی مسلمان کے پاس اپنی رہائش کے علاوہ اور بھی مکانات ہیں جو کرائے پر لگے ہیں۔ اور استعمالی کار کے علاوہ دیگر کاریں

بھی ہیں جو ٹیکسی (کرایہ) میں چلتی ہیں تو کیا اُن مکانات کی مالیت یا کاروں کی قیمت پر بھی زکوٰۃ ہے؟ یا صرف ان کی آمدنیوں پر؟

المستفتی:۔ عابد علی بوساطت مجلس علماء نیدرلینڈ

الجواب بعون الملک الوھاب ۸۶/۹۲

وہ مکانات یا کاریں جو کرایہ پر چلتی ہیں یا کرایہ پر چلانے کے لئے خریدی گئی ہیں ان کی مالیت پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ ہاں اگر اتنی آمدنی ہو جاتی ہے جس سے سونے یا چاندی کا ایک نصاب بن جائے اور اس آمدنی پر سال بھی گزر گیا ہو (حولانِ حول) تو اُس پر زکوٰۃ ہے۔ رہائشی مکان یا استعمال کے لئے لی گئی کاروں پر یا اس کی مالیت پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ہاشمی حضرات مصرفِ زکوٰۃ کیوں نہیں؟

مسئلہ:۔ محمد عمران علوی مسجد عابدین آمسٹرڈم ۸۹ ۱۴۲۲-۵-۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مالِ زکوٰۃ جن لوگوں کو دینے کی ممانعت ہے اس میں سرفہرست ہاشمی مسلمان اور کفار و مشرکین آتے ہیں۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ساداتِ کرام کو کفار کے ساتھ کیوں گنایا جاتا ہے، جبکہ ایک قابلِ تعظیم ہے اور دوسرا لائقِ توہین؟ پھر زکوٰۃ کا مال ہاشمی سادات کو دینے سے کیوں زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی؟ سائل:۔ خادم السادات محمد عمران علوی کیر وف امام مسجد عابدین آمسٹرڈم

الجواب ۸۶/۹۲

خنزیر اور آدمی دونوں کا گوشت حرام ہے ایک انتہائے نجاست کی وجہ سے، دوسرا انتہائے کرامت کی وجہ سے۔ اگر یہ بات آپ کی سمجھ میں آسکتی ہے تو تعجب ہے کہ آپ کا سوال پھر اس کا جواب آپ کی سمجھ میں نہیں آتا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ دین کی اچھی سمجھ عطا فرمائے آمین۔

زکوٰۃ یہ اصل مال کا میل کچیل ہے جس کے نکال دینے سے سارا مال پاک صاف

ہو جاتا ہے۔ یہ انہی لوگوں کو دینا چاہئے جو اس کے مستحقین ہیں اور جس کی تفصیل قرآن پاک میں موجود ہے۔ ہاشمی حضرات نسبی اعتبار سے پاک صاف طیب طاہر ہیں جنکے آباء و اجداد کی طہارت مسلّم و مؤکد و مبیّن ہے لہٰذا انہیں مال کا میل کچیل دیگران کے پاکیزہ خدوخال کو مندمل کرنے کی جرأت نہیں کی جائے گی۔ اسی لئے شریعتِ طاہرہ نے انہیں صدقاتِ واجبہ دینے سے منع فرمایا ہے اور یہ تاکید فرمائی ہے کہ اگر ہاشمی حضرات میں سے کوئی عسرت کی زندگی گزار رہا ہو تو مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے پاک مال اور پاک کمائی سے نہایت ادب احترام کے ساتھ ان کی خدمتِ عالیہ میں نذر گزارنا چاہئے۔ اگر وہ اس نذر کو قبول فرمالیں تو ہمارے لئے سعادت دارین کا سبب ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۱۷ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ

صرف کاغذی نوٹوں پر زکوٰۃ وقربانی

مسئلہ ۸۹۸ :۔ عاشق حسین دیلی سلیوتر سٹراٹ نمبر ۳۲
۲۲-۱۲-۱۹۸۶ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و حاملانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ کاغذی کرنسی جیسے ہالینڈ میں گولڈن گلڈر (موجودہ یورو) کہا جاتا ہے وہ سونا کے مثل ہے یا چاندی وغیرہ معدنی قیمتی اشیاء کے؟

اگر کسی کے پاس اتنے گولڈن ہیں جس سے کئی نصاب چاندی کے خریدے جاسکتے ہیں لیکن سونا کا ایک نصاب بھی نہیں خریدا جاسکتا۔ تو ایسی صورت میں صرف کاغذی کرنسی رکھنے والا صاحبِ نصاب کہلائے گا یا نہیں؟ اور اس پر زکوٰۃ وقربانی اور صدقۂ فطر واجب ہوگا یا نہیں؟ بینوا و توجروا

الجواب ۷۸۶/۹۲ ھو الھادی الی الصواب

سونا اور چاندی دونوں ثمن حقیقی و خلقی ہیں۔ جبکہ کسی ملک کی کاغذی کرنسی خواہ اس کا نام جو کچھ بھی ہو نہ ثمن حقیقی ہے نہ ثمن خلقی بلکہ موجودہ حالات کے تناظر میں زیادہ سے

زیادہ اسے زرِ اصطلاحی اور ثمن عرفی کہا جا سکتا ہے کیونکہ وہ بھی ایک مستند اور متقوم مال ہے جس کا خاص و عام میں لین دین ہوتا ہے۔ سونا چاندی سے متعلق امام اہلسنت مجدد دین و ملت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

لانهما خلقا للثمنية ولا تبديل لخلق الله۔ (کفل الفقیہ)	چاندی، سونا ثمن ہونے کیلئے پیدا کئے گئے ہیں اور اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز بدلی نہیں جاتی۔

اور کاغذی کرنسی سے متعلق اسی "کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم" میں فرماتے ہیں۔

سلعة باصله لانه قرطاس و ثمن بالاصطلاح لانه يعامل به معاملة الاثمان وهذه الرقوم المكتوبة عليه تقديرات ثمنية بالثمن الاصلى كما علمت۔ فهو اصطلاح لا مضائقة فيه الخ	اصل میں یہ (نوٹ) ایک متاع ہے اسلئے کہ یہ کاغذ کا ایک پرچہ ہے اور ثمن اصطلاحی ہے۔ اس لئے کہ اسکے ساتھ ثمن کا سا معاملہ کیا جاتا ہے۔ اور یہ رقم جو اس پر مرقوم ہیں یہ اس کی ثمنیت کا ثمن اصلی سے اندازہ ہے جیسا کہ معلوم ہو چکا ...... تو یہ ایک ثمن اصطلاحی ہے اس میں کچھ بھی مضائقہ نہیں۔

مختصر یہ کہ نوٹ نہ ثمن حقیقی ہے نہ ثمن شلی ہے نہ ثمن دستاویزی وغیرہ ہے۔ اور نہ ہی سونا، چاندی یا کسی معدنی قیمتی اشیاء کے مثل و مشابہ ہے۔ ہاں وہ اپنے قدر و اہمیت کے اعتبار سے سونا کے ساتھ مربوط کیا جا سکتا ہے۔ مگر شریعت مطہرہ کی نظر میں چونکہ چاندی بھی ثمن حقیقی ہے اس لئے خاص صدقۂ فطر کے باب میں وہ شخص صاحبِ نصاب کہلائے گا۔ جو اپنی کرنسی نوٹوں کے ذریعہ چاندی کا ایک مکمل نصاب خرید سکتا ہو کیونکہ اس میں فقراء کا نفع ہے اور فقہاء کے نزدیک یہ بات متفق علیہ ہے کہ جس صورت میں فقراء کا فائدہ زیادہ ہو اسی کو اختیار کرنا انسب ہے۔

جب چاندی کا ایک نصاب ان نوٹوں سے خرید سکتا ہے تو وہ صاحب نصاب ہے۔ حولانِ حول کے بعد اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہوگی۔

قربانی کے باب میں یہ دیکھا جائے گا کہ چاندی کے جتنے نصاب اس کے پاس ہیں اس کی زکوٰۃ کی رقم سے ایک چھوٹا جانور یا بڑے جانور کا ساتواں حصہ خریدنا ممکن ہے یا نہیں اگر ممکن ہے تو اس پر قربانی واجب ہوگی ورنہ نہیں ..... مثلاً کوئی شخص صرف اتنے نوٹوں کا مالک ہے جس سے چاندی کا الگ الگ دو نصاب (بارہ سو تیئیس ۱۲/۲۳ گرام چوبیس ۲۴ پوائنٹ چاندی) خرید سکتا ہے جس کی زکوٰۃ تقریباً ساڑھے تیس ۳۰ گرام چاندی ہوتی ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ ۳۰ گرام چاندی یا اس کی قیمت سے ایک سالہ بکری یا کسی بڑے جانور (جس کی قربانی ہوتی ہے) کا ساتواں حصہ خریدا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر خریدا جا سکتا ہے تو قربانی واجب ہے ورنہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ، نوری مسجد امسٹرڈم ۲۲ ۱۲/۸۶ء

نوٹوں سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

مسئلہ ۸۹۹: ذاکر نتھے خاں، ویلی سلیو تر سٹراٹ ۲۲-۱۲-۱۹۸۶ء

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی آدمی سونا کے نصاب کا مالک ہو مگر اس کی زکوٰۃ نوٹوں میں نکالنا چاہے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ بیّنوا وتوجروا

الجواب بعون الوھاب ۹۲/۷۸۶

جی ہاں نوٹ بھی مال متقوم، ثمن اصطلاحی وعرفی ہے لہٰذا نوٹوں کے ذریعہ بھی زکوٰۃ وفطر کی ادائیگی ہو جائے گی خواہ فقیر و مسکین (مستحقین زکوٰۃ) اُن نوٹوں کو ابھی اپنے مصرف میں لایا ہو یا نہ لایا ہو۔ صرف اُن نوٹوں پر قبضہ ہو جانے یا ملکیت تفویض کر دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ ادائے زکوٰۃ کے لئے تملیک شرط ہے صرف اباحت کافی نہیں۔ لہٰذا زکوٰۃ نکالنے والوں پر ضروری ہے کہ مستحقین زکوٰۃ کو مال زکوٰۃ کا مالک بنا دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ، نوری مسجد

عُشر بٹائی دار پر یا مالکِ زمین پر؟

مسئلہ ۹۰۰: عبد العزیز الرحمٰن، نیس فرانس ۱۴۱۷ھ-۲-۱۲

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ میں کہ جن باغات اور کاشت کی آراضی کی پیداوار بٹائی پر منحصر ہے اس کا عُشر یا نصف عشر مالکِ زمین پر ہے یا بٹائی کرنے والے کاشتکار پر؟ یا دونوں پر؟ ...... اور عشر یا نصف عشر کاشت کے سلسلہ میں کئے گئے اخراجات وضع کرنے کے بعد ہے یا کل پیداوار پر؟ واضح جواب دیکر مشکور فرمائیں۔

الجواب بعون الوهاب

باغات اور کاشت کی زمین میں مزدوروں کی مزدوری، ہل، بیل اور مشین کا خرچہ اور اس کی سینچائی کی اجرت، علاقائی اصول وضوابطِ کاشتکاری کے مطابق زمین کے مالک یا بٹائی دار، یا دونوں ادا کریں گے ــــ البتہ عُشر یا نصف عشر ان دونوں (مالکِ زمین اور بٹائی دار) پر اپنے اپنے حصہ کے مطابق نکالنا ضروری ہوگا۔

ہوسکتا ہے کہ مالکِ زمین مسلمان ہو اور بٹائی دار غیر مسلم، یا دونوں مسلمان ہو بہرحال دونوں پر عشر یا نصف عشر نکالنا واجب ہے تاکہ "وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ" پر عمل ہوجائے کیونکہ ان دونوں میں سے اگر ایک عُشر نکالتا ہے اور دوسرا نہیں تو زمین کے ذریعہ جس قدر رزق اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا اس سب میں سے انفاق نہیں ہوا۔ اسی لئے فقہائے کرام نے ان سبھوں پر عشر یا نصف عشر واجب قرار دیا ہے جو زمین کی پیداوار میں حصہ دار ہیں۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

لاتحسب اجرة العمال ونفقة البقر وكرى الانهار وغير ذلك فيجب اخراج الواجب من جميع ما اخرجته الارض ...... اھ

مزدوروں کی مزدوری، ہل بیل کا خرچہ، سینچائی کی اجرت پیداوار سے محسوب نہیں ہوگی، زمین کی پیداوار سے جو کچھ حاصل ہوا اُن سب میں عُشر یا نصف عُشر نکالنا واجب ہے۔

اور بدائع ص۵۶ میں ہے

والعشر یجب فی الخارج والخارج بینھما فیجب العشر علیھما۔ پیداوار میں عشر واجب ہے اور جب پیداوار دونوں کے درمیان مشترک ہے تو عشر بھی ان دونوں پر واجب ہوگا۔

پھر اسی بدائع میں چند سطروں کے بعد ہے ولو عارھا من کافر فکذلک الجواز (یجب العشر علی المستعیر الکافر) عند ھما لان العشر عندھما فی الخارج علی کل حال اھ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہ، نوری دارالافتا، آمسٹرڈم

زکاۃ میں دی گئی رقم کا اگر کچھ حصہ گورنمنٹ واپس کرے

مسئلہ ۹۰۱:- عابد علی بوساطت مجلس علما، نیدرلینڈ۔
۱۱-۹-۲۰۱۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ صاحب نصاب نے شرعی حساب سے اپنی زکوٰۃ ادا کردی۔ مثلاً ایک ہزار گلڈر پر پچیس ۲۵ گلڈر بطور زکوٰۃ نکال کر مستحقین زکوٰۃ کو دے دیا۔ تو اس پچیس گلڈر کا کچھ حصہ (۲۵٪) یہاں کا انکم ٹیکس آفس بغیر کسی مطالبہ کے واپس دیتا ہے۔ کیا صاحب نصاب گورنمنٹ کی اس واپس کردہ رقم کو لے سکتا ہے؟ جواب باصواب سے نوازیں۔

المستفتی: عابد حسین بیجن دی ہیگ

الجواب ۹۲/۸۶ بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں جو رقم یہاں کی گورنمنٹ یا انکم ٹیکس آفس نے اپنی خوشی یا قانون ملکی کے مطابق زکوٰۃ دینے والوں کو واپس کی، اس کا لینا صاحب نصاب کے لئے جائز و مباح ہے۔ اور اگر مطالبہ کے بعد ملے جب بھی جائز ہے۔ کما فی الھدایہ المال الذی حصل عن الحربی (بای طریق ای بلاغدر) فھو مباح عند ابی حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہ خادم الافتا مجلس علما، نیدرلینڈ

شئی مرہون سے فائدہ اٹھانا

قرض کی زکوٰۃ مقروض پر یا قرض دینے والے پر؟

مسئلہ ۹۰۲: حاجی محمد جہانگیر، غنی پور، ترونی۔
۲-۶-۱۴۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ ایک کاشت کی زمین زید نے بکر سے ٹھیکہ پر لی اور اس کے بدلہ میں دس ہزار روپیہ بکر کو دیا۔ بکر نے ٹھیکہ کی کوئی میعاد مقرر نہیں کی بلکہ زید سے کہا کہ جب تک تمہارا روپیہ میں نہ لوٹا دوں تم اس زمین کی پیداوار سے فائدہ اٹھاؤ۔ سوال یہ ہے کہ اس زمین سے نفع حاصل کرنا زید کے لئے از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ اور زید کا روپیہ جو بکر کے پاس ہے اس کی زکوٰۃ زید پر واجب ہے یا بکر پر؟ بیّنوا توجروا۔ سائل: محمد جہانگیر، غنی پور، ترونی، بہار، انڈیا

الجواب ۷۸۶/۹۲ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

صورتِ مسئولہ میں نہ ٹھیکہ ہے نہ بٹائی بلکہ یہ صورت قرض و رہن کی ہے۔ بکر کی زمین دس ہزار روپے کے عوض زید کے پاس رہن ہے اور رہن سے فائدہ اٹھانا شرعاً جائز نہیں، اور قرض کا فائدہ سمجھ کر بکر کی زمین سے کچھ حاصل کرنا بھی جائز نہیں کہ اس کو فقہائے کرام نے احادیث کریمہ کی روشنی میں ربا شمار فرمایا ہے۔

زید کا روپیہ جو بکر کے پاس ہے اس کا مالک زید ہی ہے اس کی زکوٰۃ زید پر واجب ہوگی۔ لیکن ادائے زکوٰۃ اس وقت واجب ہوگی جب کل یا بقدر نصاب یا بقدر خمس نصاب رقم واپس ملے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ: عبدالواجد قادری، خادم الافتاء، اسلامک فونڈیشن، ہالینڈ

کسی جامعہ یا مدرسہ کو زکوٰۃ دینا

مسئلہ ۹۰۳: شکور، دی ہیگ، ہالینڈ
۶-۲-۱۹۹۶ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حضرت علامہ ارشد القادری

صاحب زید لطفہٗ نے نہایت محنت و کاوش کے بعد ہالینڈ کے مشہور شہر دی ہیگ میں اپنے احباب و مخلصین کے تعاون سے ایک عظیم الشان عمارت خریدی جس میں جامعہ مدینۃ الاسلام کے نام سے ایک دینی ادارہ کو قائم فرمایا۔ چند برسوں کے بعد موجودہ عمارت کو فروخت کر کے اس سے کہیں زیادہ عظیم الشان دوسری عمارت خریدی اور اس میں جامعہ کا کام وسیع پیمانہ پر چلنے لگا۔ ہالینڈ کے مختلف شہروں کے علاوہ بلجیم وغیرہ سے بھی حفظ و قرأت اور درس تفسیر و حدیث کے لئے طلباء کا داخلہ جامعہ میں لیا گیا، ملک بیرونِ ملک کے مدرسین و ملازمین کا تقرر ہوا۔ اب وہ جامعہ ایک کمیٹی کے ذریعہ چل رہا ہے۔ بیرونی مدرسین و طلباء کے قیام و طعام اور دیگر آسائش کا انتظام بھی جامعہ ہی کی طرف سے جامعہ میں ہوتا ہے۔ جو طلباء یہاں زیر تعلیم ہیں سب خود کفیل ہیں کیونکہ گورنمنٹ انہیں وظیفے دیتی ہے اور ان کے والدین بھی فقیر و مسکین نہیں ہیں۔ پھر ان طلباء کے کھانے پینے اور رہنے کا اہتمام جامعہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ زکوٰۃ و فطر کی رقم جامعہ مذکور میں دی جا سکتی ہے یا نہیں؟ اگر کوئی دیدے تو اس کی زکوٰۃ ادا ہو گی یا نہیں؟

سائل: شکور صاحب دین۔ دی ہیگ ہالینڈ

۲۸۶/۹۲ الجواب اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

کسی بھی اسلامی مدرسہ، جامعہ، انجمن کو زکوٰۃ و فطر کی رقم اس شرط پر دینی جائز ہے کہ اس کا مہتمم یا سکریٹری اس رقم کو خاص تملیک فقیر مسلم میں صرف کرے کیونکہ ادائے زکوٰۃ کے لئے کسی مسلمان فقیر یا مسکین کا اس مالِ زکوٰۃ پر قبضہ کرنا ضروری (شرط) ہے بالفرض اگر جامعہ کے مہتمم نے مالِ زکوٰۃ و فطر سے صرف مطبخ چلایا اور اس کا کھانا فقیر و مسکین طلباء کو کھلاتا رہا پھر بھی زکوٰۃ ادا نہیں ہو گی کیونکہ کھلانے میں صرف اباحت کی صورت پائی گئی ملکیت کی نہیں اور یہاں ملکیت ضروری ہے۔ زکوٰۃ و فطر کی رقم سے جامعہ یا مدرسہ دینیہ کی تعمیر فرش کا انتظام اور ملازمین و مدرسین کی تنخواہیں نہیں دی جا سکتی۔ اگر مہتمم و ناظم نے زکوٰۃ کے پیسہ سے یہ سب کام کیا تو وہ سخت گنہ گار مستحقین عذاب نار ہوئے اس پر واجب ہے کہ توبہ کریں اور جس سے زکوٰۃ کی رقم لی ہے انہیں واپس کریں۔

زکوٰۃ اسوقت تک ادا نہیں ہوتی ہے جب تک کہ زکوٰۃ کی رقم مصارف زکوٰۃ میں نہ پہنچ جائے اور اس پر تملیک فقیر ثابت نہ ہو جائے۔

اگر یہاں کے مسلمان اپنی قوتِ بازو سے جامعہ کا تعاون نہیں کر سکتے ہیں اور اس کو اچھی طرح چلانے کی سکت نہیں رکھتے ہیں تو اللہ و رسول جل وعلیٰ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا مال بطریق حیلۂ شرعی اس کی بقا، اور ترقی کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے یعنی زکوٰۃ وفطر وغیرہ صدقاتِ واجبہ کسی نیک و صالح بندۂ خدا کو جو مصرفِ زکوٰۃ بھی ہو بہ نیت زکوٰۃ دیکر اس کے ملک کر دیا جائے اور وہ بہ نیت ثواب غلہ جات یا کتابیں وغیرہ (جس جس چیز کی ضرورت جامعہ کو ہے) خرید کر جامعہ کے حوالہ کر دے۔ یا بطور چندہ جامعہ کو نقدی دیدے۔ پھر اراکین جامعہ جس طرح اور جس جائز کام میں چاہیں اسے خرچ کریں۔ اس طرح زکوٰۃ والوں کی زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی اور یہ دونوں فریق بھی ثواب کے مستحق ہوں گے۔ المسئلة الحيلة منصوصة فى الدر المختار ورد المحتار والمعتمدات الاسفار۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ نوری دارالافتاء ۱۹۸۹ء

مسجد کے بکس میں زکوٰۃ کی رقم دینا

مسئلہ ۹۰۴: فرہاد گمان، بلاسیس سٹراٹ، آمسٹرڈم

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ یورپ کے کئی ملکوں میں یہ رواج ہے کہ صاحبِ نصاب از خود فقراء اور مساکین کو تلاش کر کے زکوٰۃ نہیں دیتے نہ اُن کے گھروں پر کوئی زکوٰۃ لینے کے لئے آتا ہے بلکہ اکثر مسجدوں میں ایک زکوٰۃ وفطرہ کا بکس رکھا جاتا ہے اور دوسرا مصالح مسجد کے چندہ کے لئے۔ صاحبِ نصاب حضرات اپنی اپنی زکوٰۃ وفطرہ کی رقمیں اس بکس میں رکھدیتے ہیں۔ اور عید الفطر کے بعد مسجد کے ارکان اپنی صوابدید کے مطابق اس رقم کو مدارس ودار الیتمیٰ وغیرہ کو بھیجدیتے ہیں، یا کسی معتمد شخص کے ذریعہ جماعتِ فقراء ومساکین کے درمیان تقسیم کرا دیتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا ایسی صورت میں صاحب نصاب حضرات کی زکوٰۃ وفطر ادا ہوتی ہے یا نہیں؟

اور یہ صورت شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟ فرہاد گمان، بلاسیس سٹراٹ آمسٹرڈم ہالینڈ۔

۷۸۶/۹۲ الجواب اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

ادائے زکوٰۃ کے لئے کسی معتمد شخص کو یا کسی مسلم جماعت کو وکیل بنا دینا شرعاً جائز ہے لیکن زکوٰۃ اسی وقت ادا ہوگی جبکہ وہ رقم کسی مسلم فقیر کی ملک میں پہنچ جائے۔ جن جماعتوں کو یا معتمد شخص کو اہل نصاب حضرات اپنی زکوٰۃ کا وکیل بناتے ہیں ان وکیلوں پر فرض ہے کہ جلد سے جلد زکوٰۃ کی رقم مستحقین زکوٰۃ پر تقسیم کر کے سبکدوش ہو جائیں مدارس و دار الیتامیٰ تک زکوٰۃ کی رقم بھیجنے میں اگر مزید خرچ ہو تو وہ خرچہ زکوٰۃ کی رقم سے وضع نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کمی کو وکیل اپنے پاس سے پورا کرے گا۔ زکوٰۃ میں صرف وہی رقم محسوب ہوگی جو مستحقین زکوٰۃ کے قبضہ میں آئے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری، جامعہ مدینۃ الاسلام ھ

۸ر صفر ۱۴۱۲ھ

نابالغ بچیوں کے زیورات پر زکوٰۃ

مسئلہ ۹۰۵:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر ماں باپ نے سونے کے زیورات بنوا کر اپنی بیٹیوں کو ہبہ کر دیا تو ان زیورات پر زکوٰۃ ہے یا نہیں خلاصہ جواب دیکر مشکور ہوں۔ حاجی گلاب، زولہ، نیدرلینڈ

۷۸۶/۹۲ الجواب

اگر واقعی ماں باپ نے وہ زیورات بیٹیوں کی ملک میں دیدیئے تو اگرچہ وہ زیورات ہر ایک کی ملک میں بقدر نصاب یا اس سے زائد ہو اور اس پر سال بھی گزر گیا ہو ماں باپ یا نابالغ بیٹیوں میں سے کسی پر اسکی زکوٰۃ واجب نہیں۔ ماں باپ پر اسلئے نہیں کہ وہ اُنکی ملک نہیں ہے اور بیٹیوں پر اس لئے نہیں کہ نابالغ ہونے کی وجہ سے احکام شرع کی وہ متحمل نہیں جب بالغہ ہو جائیں گی تو زکوٰۃ کا حکم اُن پر عائد ہوگا۔ واللہ اعلم

عبد الواجد قادری خادم الافتاء جامعہ مدینۃ الاسلام۔ دی ہیگ

۸ر صفر ۱۴۱۲ھ

سونے چاندی کی زکوٰۃ اسکی قیمت میں ادا کرنا

مسئلہ ۹۰۶ :- رابعہ مصباح النساء ، فرینک فورٹ
۲۱-۱-۱۴۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سونے چاندی کے اتنے زیورات میرے پاس موجود ہیں جن کے پانچ نصاب بنتے ہیں ، میں اپنے زیورات کی زکوٰۃ یورو کرنسی میں نکالنا چاہتی ہوں ۔ لیکن دریافت طلب بات یہ ہے کہ زیورات کی قیمت زکوٰۃ نکالنے کے وقت کی معتبر ہے یا زیورات بنوانے کے وقت کی ؟ کیونکہ جب تک قیمت کا صحیح تخمینہ نہ ہو زکوٰۃ کی صحیح مقدار نکالنی مشکل ہے ۔ امید کرتی ہوں کہ صحیح صحیح جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں گے ۔ رابعہ مصباح النساء ، فرینک فورٹ ، جرمنی

الجواب ۹۲/۸۶ اللھم ھدایۃ الحق والصواب

جی ہاں جب چاندی یا سونے کی زکوٰۃ کسی کرنسی میں ادا کی جائے گی تو چاندی سونے کی قیمت کا معلوم ہونا ضروری ہوگا ۔ چاندی سونے یا اس کے زیورات کی زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت کی قیمت عندالشرع معتبر نہیں اور نہ ہی خریدگی کے وقت کی قیمت معتبر ہے بلکہ جس دن اس پر قمری سال کا اختتام ہوگا اسی دن کی قیمت معتبر ہوگی ۔ مثلاً کسی نے دس محرم الحرام ۱۴۲۳ھ کو اتنے زیورات خریدا جو ایک نصاب یا اس سے زیادہ ہے ۔ آئندہ محرم سے پہلے پہلے اس شخص نے کچھ اور زیورات یا سونا خرید لیا تو ۹ محرم الحرام ۱۴۲۴ھ کو ان تمام زیورات یا سونا کی جو قیمت ہوگی ان ساری قیمتوں کا چالیسواں حصہ بطور زکوٰۃ نکالنا ہوگا ۔ اگر اس نے سال تمام سے پہلے زکوٰۃ نکال دی ہے تو سال تمام کے دن حساب کر لے ، کم دیا ہے تو پورا کرے اور زیادہ دیا ہے تو آئندہ سال محسوب کرے ۔

ھٰکذا فی الفتاویٰ الرضویۃ وغیرھما من کتب الفقہ والفتاویٰ ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری خادم الافتاء ، اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۲۱ رمحرم الحرام ۱۴۲۳ھ ۵ راپریل ۲۰۰۲ء

زکوٰۃ کی رقم سے مسجد کی تعمیر

مسئلہ ۹۰۷: عابد رضا، بھوبنیشور، اڑیسہ
۲۱-۱-۱۴۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی مدرسہ یا کسی اسکول کی عمارت بنوانے کیلئے زکوٰۃ کی رقم لگائی جاسکتی ہے یا نہیں؟

عابد رضا۔ عابدہ مڈل اسکول، اوڈیسہ بھوبنیشور (انڈیا)

۷۸۶
۹۲

الجواب

اسکول و مدارس یا عیدگاہ و مساجد میں تملیک کی اہلیت نہیں اور ادائے زکوٰۃ کیلئے تملیک فقیر مسلم شرط ہے لہٰذا ان عمارتوں میں زکوٰۃ کی رقم نہیں لگ سکتی ہے ہاں جہاں دینی ضرورت داعی ہو وہاں حیلہ کیا جاسکتا ہے مثلاً مسجد و مدرسہ کی عمارت کی شدید ضرورت ہے اور صدقاتِ واجبہ کے علاوہ کوئی اور آمدنی کا ذریعہ نہیں ہے تو کسی مسلمان فقیر کو زکوٰۃ کی رقم بہ نیت ادائے زکوٰۃ دیکر یہ ترغیب دی جائے کہ وہ اس رقم سے مسجد یا مدرسہ بنوا دے پھر وہ مسلم فقیر زکوٰۃ کی رقم کو اپنے قبضہ میں کرلینے کے بعد اس رقم سے عمارت بنوا دے تو زکوٰۃ دینے والے کے علاوہ فقیر بھی ثواب کا مستحق ہوگا اور مسلمانوں کا ایک اہم کام بھی ہوجائے گا۔ والحیلۃ له ان یتصدق بمقدار زکوٰته علی فقیر ثم یامرہ بعد ذٰلك بالصرف الی ھٰذہ الوجوہ فیکون للمتصدّق ثواب الصدقة ولذٰلك الفقیر ثواب بناء المساجد والقنطرة۔اھ (شرح شرح الاشباہ ص۶۱۳) واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہ۔ ۲۱ محرم ۲۳ھ

امام یا معلم کو بنام تحفہ، زکوٰۃ کی رقم دینا

مسئلہ ۹۰۸: میر حسن، حسن تیل بوخ، ہالینڈ
۸-۱۰-۱۴۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ عید کے دن رشتہ داروں،

یا پڑوسیوں کے بچوں کو عیدی کے نام پر کچھ روپئے پیسے دیئے جاتے ہیں۔ یا امام و معلّم کو تحفہ کے نام پر روپئے پیسے دیئے جاتے ہیں۔ اگر دینے والا زکوٰۃ کی ادائیگی کی نیت کرلے تو اس طرح اس کی زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ جبکہ لینے والوں نے صرف عیدی یا نذرانۂ خلوص سمجھ کرلیا ہو۔ مدلّل جواب سے نوازنے کی زحمت گوارہ کریں۔

سائل: میر حسن جسوتیل یورخ

۸۶/۹۲ الجواب بعون اللّٰہ الوھاب والیہ المرجع والمآب

بیشک وہ معلّم و امام یا پڑوسی و رشتہ دار جنہیں زکوٰۃ دی جاسکتی ہے ان کو بنام عیدی یا بنام تحفہ یا نذرانہ روپیہ پیسہ دینے اور ادائے زکوٰۃ کی نیت کرلینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔ خواہ لینے والوں نے عیدی یا تحفہ ہی سمجھ کرلیا ہو۔

بلکہ اگر زکوٰۃ دینے والوں نے ادائے زکوٰۃ کی نیت کی مگر زبان سے عیدی یا تحفہ کہہ کر دیا جب بھی زکوٰۃ ہی ادا ہوگی۔ خاص کر وہ حضرات جو مصرف زکوٰۃ ہیں مگر شرم و غیرت کی وجہ سے لوگوں کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کرتے۔ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا، انہیں بجائے زکوٰۃ کے تحفہ تحائف ہی کے نام پر دینا افضل ہے مگر نیت ادائے زکوٰۃ کی ہو۔ ادائے زکوٰۃ کے لئے تملیکِ فقیر شرط ہے اور ناسمجھ بچوں میں قبضہ کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی ہے اس لئے اگر زکوٰۃ کی رقم بچوں کو دی جائے تو ان کے کسی ولی اقرب کے ذریعہ مالِ زکوٰۃ پر ان کے لئے قبضہ ثابت ہو جانا چاہئے۔

خلاصۃ الفتاویٰ کتاب الزکوٰۃ ص۲۴۳ میں ہے۔

لو دفع علی صبیان اقاربہ دراھم فی ایام العید یعنی عیدی بنیّۃ الزکوٰۃ (الی) اوالی المعلم بنیۃ الزکوٰۃ اھ	اگر کسی نے عید کے دنوں میں اپنے رشتہ داروں کے بچوں کو زکوٰۃ کی نیت سے عیدی دے دی یا زکوٰۃ ہی کی نیت سے معلّم کو دی تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

غمز العیون البصائر کتاب الزکوٰۃ ص۲۲۱ میں ہے

العبرۃ لنیۃ الدافع لا لعلم	دینے والے کی نیت کا اعتبار ہے جسے زکوٰۃ دی

المدفوع ۔ جارہی ہے اسکے علم کا کوئی اعتبار نہیں۔

اور ردّ المحتار کتاب الزکوٰۃ ہی میں ہے۔

لا اعتبار لتسمیۃ فلو سماها هبة او قرضا تجزیه فی الاصح ۔

نام لینے کا اعتبار نہیں۔ اگر کسی نے زکوٰۃ کے مال کا نام ہبہ یا قرض رکھ دیا تب بھی اصح قول کے مطابق زکوٰۃ ہی ادا ہوگی۔

پس صورتِ مسئولہ میں بیشک زکوٰۃ ہی ادا ہوگی چاہے مالِ زکوٰۃ کا نام کچھ بھی رکھ دیا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ مسجد نوری آمسٹرڈم

۲۱ فروری ۱۹۸۶ء

یورپ کی زمین عشری ہے یا خراجی؟

مسئلہ ۹۰۹: سلیمان پشاوری نیس۔ فرانس۔ ۱۲-۲-۱۴۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فرانس، جرمنی اور ہالینڈ وغیرہ یورپین ممالک میں لاکھوں ایکڑ زمین کاشت کیجاتی ہے جس کی کاشت عموماً غیر مسلم کرتے ہیں۔ لیکن کہیں کہیں مسلمانوں نے بھی کاشت کی کچھ زمینیں گورنمنٹ سے لے رکھی ہیں۔ ان زمینوں میں سبزی ترکاری اور مختلف اناج نیز پھل فروٹ وغیرہ کی کاشت کی جاتی ہے۔ دیگر کاشتکاروں کی طرح مسلمانوں سے بھی ان زمینوں کا سالانہ کرایہ گورنمنٹ وصول کرتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان ملکوں کی زمینیں عند الشرع عشری ہیں یا خراجی؟ اور اسکی پیداوار پر عشر واجب ہے یا نصف عشر؟ کاشت کے ہر حصۂ زمین کو سیراب کرنے کے لئے پانی کے نلوں کا گورنمنٹ کی طرف سے انتظام ہے جس کا پیسہ زمین کے کرایہ کے ساتھ وصول کیا جاتا ہے۔ سائل: سلیمان، پاک گیرج نیس، فرانس۔

الجواب ـــــ بعون الوهاب ـــــ ۹۲/۴۹۶

ان ملکوں کی زمینیں نہ عشری ہیں نہ خراجی۔ کہ نہ تو یہ زمین مسلمانوں کی مفتوحہ ہے نہ مسلمانوں کی ملکیت اس پر مسلّم ہے۔ نہ ہی مسلمان بادشاہوں نے بطورِ حسنِ سلوک

غیر مسلموں کو لوٹائی ہے ـــــــــ بہر دو صورت یہاں کی زمینوں کی پیداوار پر عشر واجب ہے کہ فرضیت عشر بے تقیید دلائل شرعیہ سے ثابت ہے " وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ " وقد صرحوا الفقهاء بان فرضية العشر ثابته بالكتاب والسنة والاجماع وبانه يجب فيما يسن بعشری ولا خراجی " كما فی ردّ المحتار وفی فتاوی الرضويه مگر زمین کی جو تفصیل سوال میں ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ پیداوار حاصل کرنے کے لئے زمین اور پانی کا کرایہ کاشتکار کو ادا کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا اس پیداوار پر عشر نہیں بلکہ نصف عشر ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ ۱۲ صفر المظفر ۱۴۱۷ھ

جامعہ مدینۃ الاسلام ہالینڈ

سودی آمدنی خبیث ہے اس پر زکوٰۃ نہیں

مسئلہ ۹۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسلمان سودی کاروبار (بینا ہے بخدا) کرتا ہے وہ مسلم و غیر مسلم سب کے دیئے ہوئے قرض پر مختلف شرح سے نفع حاصل کرتا ہے اور منافع کی رقم کا حساب الگ تھلگ بھی نہیں رکھتا ہے یعنی سود اور دونوں رقموں کو ایک ساتھ رکھتا ہے۔ ایسی صورت میں منافع کی رقم پر زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہے یا نہیں جبکہ منافع کی رقم ہر سال کئی نصابوں کو پہنچ جاتی ہے۔ ایسا جواب عنایت فرمائیے کہ ہم کم پڑھے لکھے لوگوں کی سمجھ میں بآسانی آجائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اچھا اجر عطا فرمائے۔ آمین۔

سائل: مختار (عبدل) یونی سیف اسٹریٹ 5NZ برمنگھم (یو کے) U.K

۹۲ الجواب ـــــــــ هو الهادی الی الصواب ـــــــــ

ان ممالک میں بھی مسلمانوں کو قرض دیکر اس سے منافع حاصل کرنا اصطلاحی سود (ربا) ہے جو عند الشرع حرام ہے۔

عن علی کرّم اللہ تعالیٰ وجہه حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے

عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، کل قرض جرّ منفعۃ فھو ربوا۔ حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کیا "ہر وہ قرض جس سے نفع حاصل کی جائے سود ہے" (کنز العمال)

اور ربا مالِ خبیث ہے جس کو لوٹانا واجب ہے۔ اس کا مالک مالک نہیں بلکہ غاصب ہے۔ اور جب ملکیت ثابت نہیں تو اس کی زکوٰۃ بھی نہیں، اگرچہ وہ مالِ خبیث نصاب کو پہنچ جائے یا نصاب سے بھی زیادہ ہو جائے اور اس پر سال بھی گزر جائے… شخص مذکور فی السوال پر توبہ فرض ہے اور یہ بھی فرض ہے کہ جس جس مسلمان سے بنام منافع اس نے اپنے دیئے ہوئے قرض پر رقم وصول کی ہے۔ ان سب کو ان کی رقمیں واپس کرے اور اگر وہ لوگ نہ ملیں تو ان کے وارثوں کو حسب سہام شرعی دیدے اور اگر ان کے وارثین کا بھی اتہ پتہ نہ چلے تو ان تمام رقموں کو راہِ خدا میں صدقہ کر دے تاکہ ان کی روحوں کو ثواب پہنچے اور اس غاصب سود خور کے گناہ میں کمی ہو۔ علامہ محمد ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں۔

لوکان الخبیث نصابا لایلزمہ الزکاۃ لان الکل واجب التصدق علیہ فلایفید ایجاب التصدق ببعضہٖ ومثلہ فی البزازیہ والقنیۃ

اگر خبیث مال بقدر نصاب ہے تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں کیونکہ اس (سود خور) پر سب مال کا صدقہ کرنا واجب ہے تو اسکے ایک حصہ کے صدقہ (زکاۃ) کر دینے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اسی طرح یہ مسئلہ فتاویٰ بزازیہ اور قنیہ میں بھی ہے"

اب اگر اس کے اپنے مال سے سود کی رقم کا علیحدہ کرنا خاصا دشوار ہے تو جب سے اس نے خبیث مال کو طیب مال میں ملایا اس وقت سے لیکر ابتک جس قدر سال اس پر گزرے ہر سال کی زکوٰۃ پورے مشترک مال پر واجب ہے۔ درمختار میں ہے۔

ولوخلط السلطان المال المغصوب بمالہ ملکہ فتجب الزکوٰۃ۔ اھ

اگر بادشاہ نے غصب کئے ہوئے مال کو اپنی ملکیت والے پاک مال میں ملا دیا۔ تو اس سارے مال میں زکوٰۃ واجب ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری خادم الافتاء اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۳ رجمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ

فریج وغیرہ پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

۹۱۱
مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی کے گھر میں اپنی ضرورت کے لئے واشنگ مشین (کپڑا دھونے کی مشین) فریج آئس بکس (کھانے پینے کے سامان کو ٹھنڈا رکھنے یا برف جمانے کی مشین) مائیکروویف (کھانا گرم کرنے کی مشین) وغیرہ موجود ہے۔ اور چاندی یا سونے کے زیورات کا نصاب بھی اس کے پاس موجود ہے تو کیا سامانِ مذکورہ کی بھی زکوٰۃ دینی واجب ہوگی؟ بینوا وتوجروا۔
سائل۔ خادم رسول۔ سوترمیر۔ ہالینڈ

۴۸۶
۹۲ الجواب ــــــــــ هوالهادى الى الصواب ــــــــــ

فی زماننا سامانِ مذکورہ کا شمار ضروریاتِ زندگی یا اثاث خانہ میں ہے جس کا استعمال متوسط گھرانوں میں عام ہو چکا ہے۔ مذکورہ سارے سامان مال تو ہیں مگر مالِ غیر نامی ہیں لہٰذا ان پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

زکوٰۃ واجب ہونے سے پہلے اس کی ادائیگی

۹۱۲
مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص صاحبِ نصاب ہے، مگر ابتداءِ سال میں وہ ایک مخصوص رقم علیحدہ کر لیتا ہے اور جب مستحقین زکوٰۃ میں سے کوئی آجاتا ہے تو وہ اسی رقم میں سے اس کی مدد کرتا ہے اور جب کسی غریب مسلمان بچی کی شادی بیاہ ہوتی ہے تو وہ اسی رقم میں سے اس کا تعاون کرتا ہے اور جب سال تمام ہوتا ہے بقیہ رقم کو بھی مستحقین میں بانٹ دیتا ہے کیا اس طرح سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے؟ سائل: خادم رسول، سوترمیر، ہالینڈ

۴۸۶
۹۲ الجواب ــــــــــ هوالهادى الى الصواب ــــــــــ

جب وہ صاحب نصاب ہے تو سال تمام ہونے سے پہلے بھی زکوٰۃ دے سکتا ہے۔ مستحقین زکوٰۃ کی شادی بیاہ میں اشیاء خورد ونوش یا اشیاء خانہ و پوش

خرید کر اس کی ملکیت میں دے دینے سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔ بلکہ بعض صورتوں میں یہ زیادہ بہتر ہے۔ اس طرح وہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے بھی سبکدوش ہوتا رہتا ہے اور فقراء و مساکین کی بروقت مدد بھی ہوتی رہتی ہے۔

سال مکمل ہونے پر صدقہ کئے ہوئے پیسہ کا حساب کرلے۔ اگر زکوٰۃ کی رقم سے کم صدقہ کیا ہے تو اُسے پورا کرے۔ اور اگر زیادہ صدقہ کر دیا ہے تو آئندہ سال کی زکوٰۃ میں منہا کرلے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ مجلس علماء نیدرلینڈ

۲۱ صفر المظفر ۱۴۲۲ھ

مدرسہ یا انجمن کی رقم پر زکوٰۃ

مسئلہ ۹۱۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی دار العلوم یا مدرسہ یا انجمن میں عام مسلمانوں کی طرف سے امدادی فنڈ میں پیسے جمع ہوتے ہیں اسمیں زکوٰۃ و صدقات اور نفلی تبرعات کے علاوہ مدرسہ و انجمن پر وقف شدہ مکانات و آراضیات کی آمدنی بھی جمع ہوتی ہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ مدرسہ و انجمن کی جمع شدہ رقم پر (جن سے سیکڑوں نصاب بن سکتے ہیں) زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ بینوا و توجروا۔ اسحاق دوست علی، رکا بین، ہالینڈ

الجواب ـــــــ ھو الہادی الی الصواب ـــــــ

مدرسہ و انجمن اور ان جیسے دوسرے فلاحی اداروں کی رقموں پر کوئی زکوٰۃ نہیں کیونکہ اُس جمع شدہ مال کا کوئی مالک نہیں ہے۔ اور جب کوئی مالک نہیں تو زکوٰۃ کس پر واجب ہوگی؟ وہ رقم تو نیکی کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے ہے جس کی حیثیت راہ خدا میں وقف کردہ اموال کی ہے اور مالِ موقوف پر زکوٰۃ نہیں ہوتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ

خادم اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

بینک کے منافع پر زکات کی صورت

مسئلہ ۹۱۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں کہ یورپ کے بینکوں میں جو میعادی یا غیر میعادی روپے جمع کئے جاتے ہیں ان روپیوں سے بینکوں کے ذریعہ مختلف قسم کی تجارت ہوتی ہے اور صنعت کے کارخانے چلائے جاتے ہیں، پھر اس سے جو نفع حاصل ہوتا ہے وہ مختلف کارندوں اور مالکوں پر فیصد کے حساب سے تقسیم ہوتا ہے اور جس نفع کا مختصر حصہ بینک میں جمع کرنے والے حضرات کو بھی ملتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر کسی کی اتنی مالیت بینک میں جمع ہے جس سے ایک نصاب مکمل ہو جاتا ہے تو اس مال پر جو منافع سال کے اخیر میں ملا، کیا اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی؟ عثمان علیخان۔ روٹرڈم۔ ہالینڈ

الجواب ۹۲/۴۷ ـــــــ هو الهادی الی الصواب ـــــــ

سوال میں معاملہ کی جو صورت بیان کی گئی ہے اسے مضاربہ کہا جاتا ہے جس کا منافع کارندہ اور مالکِ مال دونوں کے لئے حلال ہے۔

سال کے اختتام سے پہلے جو نفع ملے گا نصاب کے ساتھ اس کی بھی زکوٰۃ نکالی جائے گی۔ نفع کی رقم پر سال کا گزرنا وجوب زکوٰۃ کیلئے ضروری نہیں ہے، مثلاً نصاب کا سال یکم محرم کو تمام ہوتا ہے مگر ذی الحجہ کی ۲۹ تاریخ کو ہزار روپیہ نفع کا آگیا تو یکم محرم کو نصاب کے علاوہ اس ہزار روپیہ نفع کی بھی زکوٰۃ نکالنی ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بعض زمین کی زکوٰۃ واجب ہے

مسئلہ ۹۱۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اس لئے زمین خرید کرتا ہے کہ جب قیمت زیادہ ہو جائے گی تو اس کو بیچ کر نفع حاصل کیا جائے گا۔ اب اگر ایسی کوئی زمین دو سال چار سال تک خریدنے والے کے پاس

رہ گئی تو اس زمین کی قیمت پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ بینوا وتوجروا
عثمان علیخاں۔ روٹرڈم۔ ہالینڈ

۸۶/۹۲ الجواب ـــــــ ھوالہادی الی الصواب ـــــــ

جی ہاں جو زمین فروخت کرنے کے لئے خریدی گئی ہو وہ مال تجارت ہے اور سال تمام ہونے کے بعد مالِ تجارت پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے۔ اگر وہ زمین دسیوں سال تک فروخت نہ ہو تب بھی ہر سال اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی رہے گی اور اس بات پر اجماع ہے کہ نقدی یا مال تجارت کی زکوٰۃ سالانہ ڈھائی فیصد (۲½٪) واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ "القرآن" اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ
۷ رجمادی الآخرہ ۱۴۲۵ھ

مہر کی رقم پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

مسئلہ ۹۱۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کی شادی زید سے ہوئی جس کی مہر ایک سونے کا کنگن (۵۰ گرام) اور پانچ سو ایرو نقد (یوروپین کرنسی) مقرر ہوئی۔ کنگن مہر معجل میں زید نے اپنی منکوحہ کو نکاح کے بعد دیدیا اور نقدی چونکہ مہر مؤجل تھی اس لئے اب تک اس کی ادائیگی نہیں ہوئی ہے۔

کنگن کے علاوہ کوئی اور زیور یا نقدی ہندہ کے پاس نہیں ہے اگر اس کو مہر مؤجل کی رقم مل جائے تو وہ صاحب نصاب ہو جائے گی۔ واضح ہو کہ نکاح کو ایک سال سے زائد ہو چکا ہے۔ ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ مہر کی ملکیت بہر طور بیوی کو حاصل ہے مگر مہر کا کچھ حصہ اس کے پاس ہے اور کچھ حصہ شوہر کے قبضہ میں ہے تو کیا سال گذر جانے پر ہندہ کے اوپر زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہو جائے گی؟۔
سائل: محمد ایوب۔ ریاست علی۔ کامپین۔ ہالینڈ

۸۶/۹۲ الجواب ـــــــ ھوالہادی الی الصواب ـــــــ

بیشک مہر بیوی کا حق ہے مگر جس قدر مہر پر فی الحال اس کا قبضہ ہے
وہ نصاب کو نہیں پہنچتی اور جو رقم اُسے صاحب نصاب بنادے وہ اس کے قبضہ میں
نہیں ہے بلکہ دین ضعیف میں مستغرق ہے۔ پھر وہ اپنے شوہر (زید) کو اس کی
ادائیگی کے لئے مجبور نہیں کر سکتی۔ پس صورت مسئولہ میں ہندہ پر زکوٰۃ نہیں کیونکہ
وہ صاحب نصاب نہیں ہے۔ فتاویٰ عالمگیری، فتاویٰ شامی اور تنویر الابصار وغیرہ
میں مبسوط کے حوالہ سے ہے۔ دینٌ ضَعیفٌ وھو ما یکون بدلا عما
لیس بمال کالمھر وبدل الخلع الخ اور قاضی خاں میں ہے

وفی الدین الضعیف لاتجب	دین ضعیف میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی
الزکوٰۃ مالم یقبض مأتی	جب تک اس میں سے بقدر نصاب پر قبضہ
درھم ویحول الحول اھ	نہ ہو جائے اور اس پر سال نہ گزر جائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء مجلس علماء نیدرلینڈ
۹/ رجب المرجب ۱۴۲۴ھ

فسّاق وفجّار کو زکوٰۃ دینا

مسئلہ ۹۱: کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ
کوئی ایسا مسلمان جو شراب اور ہیروئن کا عادی ہے۔ اپنی بیوی تک کی جائز
کمائی کو ہیروئن میں خرچ کر دیتا ہے۔ اگر اس کو زکوٰۃ کی رقم دی جائے تو
زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ بینوا وتوجروا
سائل:۔ محمد رفیق منگل۔ ایخل دونک، آمسٹرڈم

۹۲ الجواب ــــــ ھو الہادی الی الصواب ــــــ
اگر وہ مسلمان مستحقین زکوٰۃ میں سے ہے یعنی فقیر مسکین وغیرہ ہے
تو اس کو زکوٰۃ کی رقم دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی کیونکہ ادائے زکوٰۃ کے لئے
تملیک فقیر مسلم شرط ہے اور جب وہ پائی گئی تو مشروط کا وجود یقینی پایا جائے گا

لیکن ایسے شخص کو جو گناہِ کبیرہ کا عادی ہو اور غالب گمان ہو کہ زکوٰۃ کی رقم کو بھی وہ اسی میں صرف کرے گا تو زکوٰۃ دینا لائق و مناسب نہیں بلکہ دینے والا گنہ گار ہوگا۔ قَالَ تَعَالٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ ارشادِ الٰہی ہے۔ گناہ اور نافرمانی پر کسی کی مدد مت کرو۔

طحطاوی علی المراقی الفلاح ص۴۲۵ میں ہے۔

لاینبغی دفعھا لمن علم انّہ ینفقھا فی سرف او معصیّۃ اھ	زکوٰۃ ایسے شخص کو نہیں دینا چاہئے جس کے متعلق علم ہو کہ وہ اُسے اسراف یا گناہ کے کاموں میں خرچ کرے گا۔

واللہ تعالٰی اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ القرآن اسلامک فونڈیشن

نیدرلینڈ۔ ۱۹ رجب المرجب ۱۴۲۲ھ ۔ ۱۵ ستمبر ۲۰۰۱ء

کتاب الصّوم
(روزوں کا بیان)

روزہ اور عیدین کا تعیّن تاریخ شمسی سے

مسئلہ ۹۱۸ :- حاجی عبد القیوم ، انتورپن بلجیم ۱۸-۲-۱۹۹۵ء

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ بلجیم اور ہالینڈ کی کچھ مسلم تنظیمیں (جن میں اکثریت انڈونیشین، مغربی اور کچھ ترکی مسلمانوں کی ہے) یہ سب روزے اور عیدین کے سلسلہ میں سعودی عرب کے اعلانات پر عمل کرتی ہیں۔

اور کچھ تنظیمیں (جن میں اکثریت سوریامی، ہندوستانی مسلمانوں کی ہے) ہالینڈ کے مقامی رویتِ ہلال کمیٹی کے فیصلوں پر عمل کرتی ہیں۔ اور چند جماعتیں (جن میں کچھ سوریامی اور اکثر پاکستانی مسلمان ہیں) آبزرویٹری اور انگلینڈ میں مقیم علماء کرام کے حکم کے مطابق عمل کرتی ہیں اور شمسی تاریخوں کے مطابق روزے اور عیدین کے ہفتوں، مہینوں قبل اُن کا تقرر کر دیا کرتے ہیں۔ مثلاً فلاں تاریخ کو پہلا روزہ یا عید ہے اور فلاں تاریخ شمسی کو بقر عید ہے۔

مذکورہ تینوں قسموں میں سے شریعتِ اسلامیہ کے مطابق کون سی تنظیم یا جماعت ہے جواب دے کر مشکور و ممنون فرمائیں۔ ارکانِ نور الاسلام، انتورپن بلجیم۔

الجواب ۸۶/۹۲ هو الهادی الی الصواب

ہمارے علماء نے اس بات کی صراحت کر دی ہے کہ ماہِ رمضان یا عیدین

کی آمد کے لئے ستاروں کے ماہرین کے قول پر اعتماد نہیں کیا جائے گا، کیونکہ روزہ کا وجوب حدیث نبوی کے مطابق ماہِ شعبان کے اکمال یعنی تیس دن پورے ہونے پر یا انتیس[۲۹] شعبان کو ماہِ رمضان کا چاند ثابت ہوجانے پر موقوف ہے۔ صرف چاند کی ولادت (نیوموون) یا بجملہ دگر "انفصالِ شمس وقمر" کا علم ہوجانے پر نہیں ہے۔ چنانچہ فقہ اسلامی کی مشہور کتاب ردّ المحتار (العلامۃ الشامی لابن عابدین میں ہے۔

صرّح به علمائنا من عدم الاعتماد على قول اهل النجوم في دخول رمضان لان ذلك مبنيّ على انّ وجوب الصّوم معلّق برؤية الهلال لحديث "صوموا لرؤيته"	ہمارے علماء نے صراحت فرمائی کہ دخولِ ماہ رمضان کے سلسلہ میں اہل توقیت کا قول قابل اعتماد نہیں کیونکہ روزے کا وجوب انتیسویں شعبان کو چاند کی رویتِ بصری پر موقوف ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو۔

حدیث شریف میں روزۂ رمضان کا وجوب رویتِ ہلال پر موقوف و مبنی رکھا گیا ہے تولیدِ ہلال یا علم ہلال کی سرے سے کوئی بات نہیں ہے۔ پھر بھی ہمارے بعض جدت پسند حضرات نے غالبًا خارجی اثر کے دباؤ میں آکر یہاں رویت کا معنیٰ علم فرمایا اور اس بات کی کوشش کی کہ چلئے اگرچہ رویتِ ہلال (چاند کا سر کی آنکھوں سے دیکھنا) متحقق تو نہیں ہوسکا لیکن آبزرویٹری کے ذریعہ نیوموون (قرانِ شمس وقمر) کا علم تو حاصل ہوگیا کہ دنیا کے کسی بھی خطۂ ارض کے افق پر چاند کی پیدائش ہوچکی ہے اس طرح حدیث نبوی "صوموا لرؤيته اى صوموا لعلمه" پر تو عمل ہوگیا۔ الامان والحفیظ۔

گر ہمیں ست مکتب و ملّا کارِ طفلاں تمام خواہد شد

فقیر راقم الحروف عفی اللہ عنہ اہلِ علم حضرات کی بارگاہوں میں تو کچھ عرض کرنے کی جسارت نہیں رکھتا ہے۔ البتہ سائل کی معلومات میں غالبًا اضافہ کے لئے یہ بتانا

ضروری سمجھتا ہے کہ۔ احکامِ شرع میں خصوصیت کے ساتھ استعمال ہونے والے الفاظ کے وہی معنیٰ ومفہوم حجت ہوتے ہیں جو قرنِ اوّل سے آج تک جمہور علماء کے درمیان متعارف ہیں۔ ورنہ دور کیوں جائیے؟ جس صوم کے وجوب کا رویت پر انحصار وتوقف ہے۔ اُس صوم کا معنیٰ شرعی صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور جماع سے اپنے آپ کو باز رکھنا ہے۔ لیکن صوم صرف اسی معنیٰ میں منحصر نہیں ہے بلکہ اس کے دوسرے معنیٰ بھی لغتوں میں موجود ہیں یہاں تک کہ قرآنِ عظیم میں بھی صوم کا معنیٰ عدم تکلم (نہ بولنا) ہے تو کیا کوئی مسلمان شرعی معنیٰ سے چشم پوشی کرسکتا ہے جو قرنِ اوّل سے آج تک عند العلماء متعارف ہے۔ حاشا وکلاّ۔

اسی طرح صلوٰۃ، حج، زکوٰۃ وغیرہا اصطلاحاتِ شرعیہ کا حال ہے کہ اگر انہیں دوسرے معنوں میں محمول کیا جائے تو نظامِ شریعت ہی تتر بتر ہو جائے گا۔ گویا وہ ایک موم کا کھلونا ہے جب چاہا جیسا چاہا بنالیا پھر بگاڑ دیا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

ہاں رویت کا معنیٰ علم بھی ہوتا ہے مگر اس وقت جبکہ اس کے بعد دو مفعول موجود ہوں کیونکہ ایسی صورت میں رویت افعالِ قلوب میں شمار ہو کر متعدی بدو مفعول ہوتی ہے۔ اہلِ علم کے نزدیک یہ قاعدہ اگرچہ مشہور ومعروف ہے مگر سائل کے سکونِ قلب کے لئے ایک معتمد علیہا حوالہ بھی حاضرِ خدمت ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں۔

قولہ رُؤیتِھما (بضم الراء وسکون الھمزۃ) وھو من رأی بالعین فیعدّی الی مفعول واحدٍ واذا کان بمعنی العلم یتعدّی الی مفعولین۔

(عمدۃ القاری شرح بخاری ۱۰ ص۲۹۵)

رُؤیتھما میں راء پیش کے ساتھ اور ہمزہ جزم کے ساتھ ہے (رُؤیۃ) جس کا معنیٰ سر کی آنکھوں سے دیکھنا ہے کیونکہ متعدی بیک مفعول ہے (جیسے کہ رُؤیتِہ میں صرف ایک مفعول ہے)، اور یہی رائی کا معنیٰ جاننے کے بھی ہو سکتا ہے بشرطیکہ وہ متعدی بدو مفعول ہو۔

لہٰذا جو حضرات صوموا لرویتہ میں رویت کا معنیٰ علم سمجھتے ہیں وہ دکھلائیں کہ اس میں دو مفعول کہاں پوشیدہ ہے؟ اور ہرگز نہیں دکھلا سکتے تو

تو اسلافِ کرام کا منہ کیوں چڑھاتے ہیں۔

شمسی تاریخوں سے قمری مہینوں کا تعین نہیں کیا جاسکتا کیونکہ دونوں کا مستقر و منزل ایک نہیں ہے اسی لئے ارشاد ہوا " لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ "۔ پس جو لوگ قمری مہینوں کی ابتداء و انتہا کا حساب شمسی تاریخوں یا آبزرویٹری کی اطلاعات پر رکھتے ہیں وہ شریعت کو نہیں اپنی طبیعت کو امام و مقتدا بناتے ہیں۔

سعودی " ام القریٰ " کلینڈر کے مطابق اپنے روزے اور عیدین نیز دیگر تعطیلات کا تقرر کرتی ہے۔ تعطیلات کا تقرر کلینڈر کے مطابق کرنا یہ اس کی مجبوری ہوسکتی ہے لیکن روزے کی ابتداء و انتہا، پھر عیدین سعیدین کا تقرر علم ہیئت کے ذریعہ بنائے گئے کلینڈر کے مطابق کرنا اسلامی شرع کے خلاف ہے۔ لہٰذا مذکورہ دونوں صورتیں (آبزرویٹری کے اعلان و اطلاع کے مطابق یا سعودی اعلان کے مطابق قمری مہینوں کی ابتداء و انتہا اور اس کا تعین) شرعی طریق پر عمل کے قابل نہیں۔

رویتِ ہلال کمیٹی نیدرلینڈ کا ایک شعبہ مجلسِ علماء بھی ہے جو بعض امور دینیہ اور رویتِ ہلال کا فیصلہ کرتی ہے۔ اگر وہ فیصلے حدودِ شرع میں رہ کر ہوتے ہیں تو وہ قابلِ تعریف و عمل ہیں۔

سائل نے ہالینڈ کی مسلم تنظیموں کو تین قسموں پر منقسم کیا ہے۔ اب جواب بالا کی روشنی میں اُسے خود فیصلہ کرنا ہے کہ کون کون سی تنظیم اسلامی اصولوں کے مطابق چل رہی ہے اور کون کون نہیں۔ جو تنظیمیں اسلامی اصولوں کے مطابق چل رہی ہوں یقیناً وہی حق پر ہیں اور انہیں کے ساتھ رہنے میں بہتری ہے۔　　واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ دارالافتاء، مدینۃ الاسلام ہالینڈ

جہاں چھ ماہ کے دن ہو وہاں روزہ کسطرح رکھیں

مسئلہ ۹۱۹ : ــــ محمد حسین سلیم، آمسٹرڈم
۲۰-۸-۱۴۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ از روئے شرع اسلامی روزہ نام ہے صبح صادق سے غروبِ آفتاب تک کھانے پینے اور جماع سے بچنے کا۔ لیکن نظامِ شمسی کے تحت جن علاقوں (نورتھ پول یا ساؤتھ پول) میں چھ مہینے کی رات اور چھ مہینے کا دن ہوتا ہے وہاں روزہ رکھنا کیونکر ممکن ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی احکام سارے عالم کے لئے نہیں بلکہ دنیا کے بعض خطے اس سے مستثنیٰ ہیں۔ سوال یہ ہے کہ مذکورہ علاقہ میں اگر مسلم آبادی ہو یا کسی غرض سے مسلمان وہاں پہنچ جائے تو اس پر ماہِ رمضان المبارک کا روزہ فرض ہے یا نہیں؟ اگر فرض ہے تو وہ روزہ کس طرح رکھے گا؟ بیّنوا بالدّلیل و توجّروا عند الجلیل۔ حسین سلیم رضوی مسجد امسٹرڈم

۹۲/۴۷ **الجواب اللّٰھمّ ھدایۃ الحق والصواب**

اسلام کی وسعت سارے جہان کو محیط ہے لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا جس فرض کا شریعتِ اسلامیہ میں کوئی بدل ہے اور مکلّف فرض کی ادائیگی سے معذور ہے تو اُسے بدل کی اجازت ہے۔ مثلاً نماز پڑھنے کے لئے حدث والوں کو غسل یا وضو فرض ہے لیکن اگر وہ پانی کے استعمال سے معذور محض ہو یا پانی ہی میسّر نہ ہو تو اس کا بدل تیمم ہے۔ اسی طرح ایسا مریض جس کے شفایاب ہونے کی امید نہ ہو یا ایسا ضعیف و ناتواں جس کی طاقت رفتہ کے لوٹنے کا امکان نہ ہو تو ان کے روزوں کا بدل فدیہ ہے "وَالَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَهٗ فِدْیَةٌ طَعَامُ مِسْكِیْنٍ"۔

مقاماتِ مذکورہ میں جو مسلمان ماہِ رمضان میں موجود ہوں یا وہاں پہنچ کر مقیم ہو جائیں اور عاقل و بالغ بھی ہوں تو ان پر روزہ رکھنا فرض ہے۔ لقولہ عزّوجلّ "فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ" اور جب کسی عاقل بالغ مکلف مسلمان نے ماہِ رمضان پالیا تو اس پر روزہ رکھنا لازم ہے۔ حضرت امام سرخسی کی مبسوط ص۳ ج۳ میں ہے ان الصّوم قد لزمہ لشھود الشّھر۔ اور اگر روزہ رکھنا ممکن نہ ہو تو ہر روزہ کے بدلے میں ایک فدیہ مسکین، فقیر کو دیتا رہے اور جب ایسا موقع میسّر آجائے کہ اب روزہ رکھ سکتا ہے تو ان دنوں کے روزوں کی قضا رکھ لے....

دوسری صورت اس کی وہی ہے جو نمازوں کی ہے یعنی اقرب الایام یا اقرب البلاد کے شب و روز کا صحیح اندازہ لگا کر سحری اور افطاری کا صحیح وقت معلوم کریں اور روزے رکھیں۔ اس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے کتاب الصلوٰۃ مسئلہ ۸۲۳ کا مطالعہ کیجئے۔ ویسے اس مسئلہ کی تائید و وضاحت فتاویٰ شامی ص۲۳۵ ج۱ اور طحطاوی علی الدر المختار ص۷۵ ج۱ میں بھی ہے

"یقدرون فی الصوم لیلھم باقرب بلد الیھم یمسکون الی المغرب باقرب بلد الیھم علی ما قالہ الزرکشی وابن العماد"

واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ خادم الافتاء جامعہ مدینۃ الاسلام ۔ دی ہیگ ۔

جن راتوں میں عشاء کا وقت نہیں آتا ان میں سحری۔

مسئلہ ۹۲۰ :۔ مولانا اسرار الحق صاحب اشرفی، دی ہیگ ۱۲-۶-۶۵ ۹-۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہالینڈ اور ملحقہ ممالک میں گرمی کے موسم میں سورج ڈوبنے کے بعد تقریباً اڑسٹھ راتوں میں سورج اٹھارہ درجہ سے نیچے نہیں ہوتا یعنی ان ممالک میں شفق ابیض غروب نہیں ہونے پاتا کہ صبح صادق طلوع ہو جاتی ہے ماہِ رمضان کے ان ایام میں امساک عن الاکل والشرب لصوم (سحری) کا حکم کیا ہوگا؟ یعنی کب تک سحری کا شرعی وقت رہتا ہے؟

سائل (مولانا قاری) اسرار الحق اشرفی خطیب امام مسجد المدینہ فیض الاسلام دی ہیگ

۹۲/۸۶ الجواب ھو الھادی الی الصواب

ان مخصوص راتوں کے لئے علمائے اہلسنّت نے عشاء کا جو آخری وقت اندازہ سے مقرر فرمایا ہے وہی آخری وقت سحری کا بھی آخری وقت ہے۔ کیونکہ وتر اور سحری تابع ہے عشاء کے، اس سے پہلے نہ وتر صحیح ہے اور نہ سحری۔ لیکن جن راتوں میں سورج اٹھارہ ڈگری سے نیچے نہیں جاتا کہ مائل بطلوع ہو جاتا ہے تو جس وقت سورج دونوں اٹھارہ

ڈگریوں کے درمیان آجائے تو اُس وقت مائل بطلوع ہونے سے پہلے سحری سے فارغ ہوجانا چاہئے۔ اور احتیاط اس میں ہے کہ اگر ان ایام میں سحری نہ کریں تو زیادہ بہتر ہے جو کچھ کھانا پینا ہے سورج کے بارہ ڈگری پر پہنچنے سے پہلے (شفق احمر ختم ہونے سے قبل) کھاپی لیں اور بس۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری ۔ نوری دارالافتاء ، آمسٹرڈم

۹ رجمادی الآخرہ ۱۴۰۶ھ

ہندؤں کے سامانِ افطاری سے افطار کرنا

مسئلہ ۹۲۱ :- کلیم الدین انصاری ، ترونی قلعہ گھاٹ ۱۴-۸-۱۴۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ رمضان شریف کے دنوں میں بعض ہندو روزہ دار مسلمانوں کی بہت عزت کرتے ہیں بلکہ افطاری وغیرہ کا اہتمام بھی اپنی سمجھ میں بہت احتیاط سے کرتے ہیں پھر افطاری کا سامان یا تو مسجد میں بھیجتے ہیں یا چند روزہ دار مسلمانوں کو اپنے یہاں بلاکر افطاری کراتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ہندؤں کے یہاں کے بنے ہوئے سامان سے افطار کرنا درست ہے یا نہیں؟ اور افطاری کا اہتمام کرنے پر ان ہندؤں کو کچھ ثواب ملتا ہے یا نہیں؟ کلیم الدین انصاری ترونی بازید پور

الجواب بعون الملک الوھاب ۸۶/۹۲

اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ سے مراد ان کے عقیدے کی نجاست ہے جس سے بچنا مسلمانوں پر اہم ترین فرض ہے۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ عموماً مشرکین کا غسلِ جنابت ترکِ فرض کی وجہ سے نہیں اترتا تو اس وجہ سے بھی ان کے جوٹھے وغیرہ سے پرہیز کرنا احتیاط کا تقاضا ہے لیکن ان کی بنائی ہوئی چیزوں کے استعمال یا اشیاء خوردنی کے کھانے میں کوئی حرج و ممانعت نہیں اور نہ ان کی بھیجی ہوئی چیزوں سے افطار کرنے کی ممانعت ہے باقی رہا ثواب تو عندالشرع ثواب اہلِ ایمان کے ساتھ مختص ہے۔ قال تعالیٰ " وَمَا لَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنْ خَلَاقٍ " وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ، اسلامک فونڈیشن ہیدرلینڈ
۱۴ شعبان ۱۴۱۷ھ

روزہ اور ذیابیطیس (شوگر)

مسئلہ ۹۲۲ :- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مجھے شوگر (ذیابیطیس) کا
۲۵-۸-۱۴۲۱ھ
عارضہ ہے جس کی وجہ سے انسولین کا انجکشن روزانہ چار بار لینا پڑتا ہے اِدھر ماہِ رمضان بالکل قریب ہے، ڈاکٹروں نے تو روزہ رکھنے سے روک دیا ہے مگر مجھے آپ سے شرعی حکم معلوم کرنا ہے کہ کیا میں ماہِ رمضان کا روزہ رکھوں؟ اگر میں روزہ رکھنے میں ہلاک ہوگئی تو اس کا وبال میرے سر تو نہیں ہوگا؟ اور اگر میں روزہ نہ رکھوں تو ترکِ فرض کی وجہ سے جہنمی تو نہیں ہو جاؤں گی؟ امید کہ شافی جواب سے شادکام فرمائیں گے۔

ہمشیرہ شاکرہ۔ شاردھا۔ آمسٹرڈم

الجواب ۹۲۲/۸۶ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

ماہِ رمضان شریف کے روزوں کی فرضیت قطعی ہے۔ لقولہ عزّ وجلّ "فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ" اور اس کی شدید تاکید احادیثِ کثیرہ سے ثابت ہیں۔

قواعد الدین ثلثۃ علیھن اسس الاسلام۔ من ترک منھن واحدۃ فھو بھا کافر وحلال الدم شھادۃ ان لا الٰہ الا اللّٰہ والصلوٰۃ المکتوبۃ وصوم رمضان (رواہ ابویعلی باسناد حسن)

ارشاد فرمایا کہ دین کے ستون تین ہیں (غیر صاحبِ نصاب وغیر مستطیع کیلئے) جن پر اسلام کی بنیاد ہیں جس نے بھی ان میں سے کسی ایک کو چھوڑ دیا وہ کافر ہے اور اس کا خون مباح ہے۔ پہلا کلمۂ توحید کی شہادت دینا ہے، دوسرا نماز پنجگانہ اور تیسرا رمضان شریف کا روزہ رکھنا ہے۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اربع فرضھن اللّٰہ فی الاسلام فمن جاء

سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چار چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان پر فرض فرمایا ہے جو ان

بثلاث لم یغنین عنه شیئًا حتی یاتی بهن جمیعًا الصلوٰة والزکوٰة وصیام رمضان وحج البیت۔ (مسند امام احمد بن حنبل)

میں سے تین کو بجالائے وہ انکو کچھ بھی فائدہ نہیں دیں گے یہاں تک کہ سب کو بجالائے وہ نماز، زکوٰۃ، ماہ رمضان کا روزہ اور کعبۃ اللہ کا حج ہے۔

اس وعید شدید کے سننے کے بعد کوئی مسلمان بغیر عذر شدید کے روزۂ رمضان چھوڑنے کی جرأت نہیں کرسکتا ہے۔ ملحد ڈاکٹروں کے کہنے پر بھروسہ مت کیجئے خود تجربہ کرکے دیکھئے اگر روزے رکھنے سے مرض میں شدت پیدا ہوتی ہے تو یہ روزہ نہ رکھنے کے اعذار میں سے ہے آپ روزہ نہ رکھیں بلکہ ہر روزہ کے بدلے ایک فدیہ ایک فقیر ومسکین کو دے دیں۔ ایک فدیہ ایک صدقۂ فطر کی مقدار ہے۔ اور اگر روزہ رکھنے سے مرض میں اضافہ نہیں ہورہا ہے تو ضرور روزہ رکھئے کہ روزہ صحتِ جسمانی کا بھی ضامن ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ روزہ کے طفیل صحت بھی مل جائے گی۔ لقولہٖ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم " تصوموا تصحّوا (روزہ رکھو صحت حاصل کرو) المعجم الاوسط۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۱۵ شعبان المعظم ۱۴۲۱ھ

مسافتِ سفر اور روزہ نہ رکھنے کی رخصت

مسئلہ ۹۲۳:- محمد شریف دین پوس۔ نیدرلینڈ۔ ۸-۹-۱۴۲۵

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص رمضان المبارک کی صبح میں روزہ دار بیدار ہوا، لیکن اُسے کسی کام سے آمسفورٹ جانا ضروری تھا اس آدمی نے ایک امام صاحب سے مشورہ لیا جو امام صاحب بنگلہ دیش سے تشریف لائے ہوئے ہیں اور ان کے پاس عالم، فاضل، ادیب اور مفتی کی سندیں بھی ہیں۔ امام صاحب نے کہا کہ اس مقام سے آمسفورٹ ساٹھ پینسٹھ کیلومیٹر ہے لہٰذا وہاں

جانے کے لئے شرع نے روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ۶۰ ر ۶۵ کیلومیٹر کے سفر کا اگر ارادہ ہو تو کیا وہ مسافر ہو جائے گا؟ پھر اگر اس شخص نے امام صاحب کے کہنے پر روزہ توڑ دیا تو اس کے لئے اور دلوں میں اس کی صرف قضا ہے یا قضا، وکفّارہ دونوں ہے؟ بینوا وتوجروا محمد شریف دین بوس ائید رلینڈ

۴۸۶/۹۲ الجواب اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ جس طرح رمضان المبارک میں بے عذر شرعی روزہ توڑنا حرام اور ماہِ مبارک کی حرمت کو پامال کرنا نہایت بدانجام ہے اسی طرح کسی مسلمان کا روزہ تڑوانا بھی اشد حرام اور مستحق عذاب الیم وآلام ہونا ہے۔ اگر اسلامی آئین وقوانین یہاں بذریعہ امارت نافذ ہوتے تو ایسے جاہل اماموں کو تعزیراً موت تک کی سزا دی جا سکتی تھی، پھر بھی مسلمانوں کو رضاکارانہ طور پر اسلامی آئین کی حفاظت کرنی چاہئے۔ اگر سماجی طور پر اسے تادیبی سزا نہیں دے سکتے تو قطع تعلق تو کر سکتے ہیں۔ یعنی ایسے نام نہاد اماموں سے اسلامی تعلقات ختم کر دیں۔ ہاں اگر وہ صدق دل سے توبہ کر لے اور امامت کی صلاحیت رکھتا ہو تو اسے اس شرط پر امام بنا سکتے ہیں کہ اب وہ بے تحقیق کے کوئی مسئلہ نہیں بتائے گا۔

قرآن کریم نے ان لوگوں کو روزہ نہ رکھنے کی رخصت دی ہے جو حالتِ سفر میں ہیں یہ ہرگز نہیں ہے کہ ابھی سفر شروع نہیں ہوا اور روزہ کھانے کا اختیار ہو گیا۔ العیاذ باللہ " بقولہ تعالیٰ: وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ اور سفر کی حالت میں بھی روزہ رکھنا ہی افضل ہے، سوائے مجاہدین اسلام کے۔ خشکی راستے سے سفر کی مسافت ۵۷ ۳/۴ میل انگریزی ہے۔ جو موجودہ ناپ میں تقریباً ۹۲ کیلومیٹر بنتا ہے۔ اس سے کم دوری کا سفر کرنے میں آدمی ہرگز مسافر نہیں ہو سکتا۔ شخص مذکور فی السوال نے اگر امام مذکور کے کہنے سے روزہ توڑ دیا ہو تو اس پر ایک روزہ قضا کے ساتھ دو مہینے لگاتار (۶۰ دن کا) کفّارہ کا روزہ رکھنا اور روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلانا اور ایک

روزہ قضا کا رکھنا ہے اگر شخص مذکور مسافت سفر پر بھی جانے کا ارادہ کرکے روزہ توڑ دیتا جب بھی اس پر قضا، و کفارہ دونوں واجب ہوتے۔

خلاصۃ الفتاویٰ ص ۲۵۶ میں ہے " المقیم اذا نوی السفر ثم افطر تجب الکفارۃ " اور فتاویٰ قاضی خاں میں ہے المسافر اذا تذکر شیئا نسیہ فی منزلہ فدخل فافطر ثم خرج قال علیہ الکفارۃ
واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ خادم الخطیب مسجد طیبہ آمسٹرڈم ہالینڈ
۸/ ماہ رمضان ۱۴۱۲ھ

افطار کی دعا، کس وقت پڑھنی چاہیے؟

مسئلہ ۹۲۴ :- نثار علی لبسو وغیرہ - آمسٹرڈم
۳-۹-۱۴۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ افطار کی دعا، ماثورہ (اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَبِکَ اٰمَنْتُ وَعَلَیْکَ تَوَکَّلْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ) کس وقت پڑھنا چاہیے؟ ہالینڈ، جرمن، بلجیم، انگلینڈ، فرانس اور یورپ کے بیشتر ممالک میں افطار سے پہلے اکثر مسجدوں میں جہاں افطاری کا اہتمام ہوتا ہے وہاں افطار سے پہلے فاتحہ خوانی ہوتی ہے پھر اجتماعی دعائیں ہوتی ہیں اور انہیں اجتماعی دعاؤں کے اخیر میں افطاری کی مذکورہ دعا، پڑھ کر افطار کرلی جاتی ہے پھر افطاری کے بعد نماز مغرب سے پہلے کھانا کھانے کے بعد کی دعا، پڑھی جاتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ افطاری کی مذکورہ دعا، افطاری سے پہلے یا افطاری کے وقت یا افطاری کے بعد کس وقت پڑھی جائے؟ امید کہ واضح جواب سے مشرف فرمائیں گے کیونکہ اس بارے میں یہاں روزے داروں کے درمیان اختلاف ہے۔

نثار علی لبسو، محمد علی سدل، نظام سوکھائی، آمسٹرڈم، ہالینڈ

الجواب ۷۸۶/۹۲ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

اس سوال کا کافی ووافی وشافی جواب فتاویٰ رضویہ شریف میں موجود ہے

تفصیلی دلائل وہاں سے معلوم کرلینی چاہئے۔ مختصر جواب یہ ہے کہ تینوں صورتوں کو علماءِ اسلام نے اپنی اپنی تصانیف میں تحریر فرمایا ہے کسی پر بھی عمل کرتے میں شرعی مواخذہ نہیں ہے روزہ بہرصورت ہو جائے گا۔ البتہ اگر روزہ دار اس دعاء کے ذریعہ استحباب بلکہ اتباعِ سنّت کا بھی ثواب حاصل کرنا چاہے تو افطاری کے فوراً بعد اس دعاء کو پڑھے کہ دعاء کے تمام الفاظ بعد افطار ہی پڑھنے کے متقاضی ہیں۔ اور شرع شریف کا اصول ہے کہ الفاظِ منصوصہ کو بے ضرورت شرعی و مجبوری معنیٰ غیر پر محمول نہیں کیا جاتا ہے۔ اس دعاء کے الفاظ ماضی پر دلالت کرتے ہیں مثلاً صُمْتُ (میں نے روزہ رکھا) اٰمَنْتُ (میں نے ایمان لایا) تَوَکَّلْتُ (میں نے بھروسہ کیا) اَفْطَرْتُ (میں نے افطار کی.....

اگر اس دعاء کو افطاری سے قبل پڑھی جائے تو واقعہ کے خلاف ہوگا کہ ابھی افطاری کی نہیں اور روزہ رکھ کر کہہ رہا ہے کہ میں نے افطار کی۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ دعاء احادیث پاک میں اس طرح مروی ہے (۱) اذا افطر قال اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَعَانَنِیْ فَصُمْتُ وَرَزَقَنِیْ اَفْطَرْتُ (۲) اذا افطر قال اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْنَا وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْنَا (۳) اذا افطر قال ذَھَبَ الظَّمَاءُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ الخ یعنی ہر جگہ پہلے شرط پھر جزاء۔ اور شرط پر جزاء مقدم نہیں ہو سکتی اس سے روشن ہوا کہ افطاری پہلے ہے دعاء بعد میں۔ والحمد للہ علی ذٰلک۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ خادم الافتاء نوری مسجد ایمسٹرڈم

۳ رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ

روزہ اور انجکشن

مسئلہ ۹۲۵: منجانب عالم فیضی، برمنگھم، انگلینڈ

۲۱-۱۲-۲۰۰۱

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ روزہ کے دنوں میں انجکشن یا ٹیکہ لینے سے جبکہ انجکشن کے ذریعہ دوا بدن میں داخل کی جائے تو روزہ ٹوٹے گا یا نہیں؟ اگر ٹوٹ جائے گا تو صرف قضا واجب

ہے یا قضا و کفارہ دونوں؟

اور اگر بذریعہ پائپ یا انجکشن کی سوئی کے سوراخ کے ذریعہ غذا معدہ میں پہنچائی جائے تو روزہ رہے گا یا ٹوٹ جائے گا؟ اور ٹوٹنے کی صورت میں صرف قضا ہے یا قضا، وکفارہ دونوں؟ امید ہے کہ ہر دو سوالوں کا مدلل ومفصل جواب عطا فرما کر شکریہ کا موقع دیں گے۔ منیر عالم فیضی برمنگم، انگلینڈ۔

۸۶/۹۲ **الجواب ـــــ اللّٰھمّ ھدایۃ الحق والصواب ـــــ**

فہم جواب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ روزہ کا رکن کھانے پینے اور جماع سے باز رہنا ہے اور روزہ کا وقت صبح صادق سے غروب آفتاب تک ہے۔ اب اگر روزہ کا کوئی رکن فوت ہو جائے تو یقیناً روزہ بھی فوت ہو جائے گا لان انتقاض الشئ عند فوات رکنہ امر ضروری وذٰلک بالاکل والشرب والجماع۔ (بدائع الصنائع) ـــــ اب سوال یہ ہوتا ہے کہ انجکشن یا ٹیکہ ارکانِ روزہ میں سے کس رکن کو توڑتا ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ جماع تو ہے نہیں تو اب اکل وشرب کا معاملہ رہ جاتا ہے اگر تحقیقاً یہ بات ثابت ہو جائے کہ انجکشن یا ٹیکہ اکل و شرب ہے یا کھانے پینے کا اطلاق اس پر صحیح ہے تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور اگر اکل و شرب کا اطلاق اس پر صحیح نہیں تو روزہ ٹوٹنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔

اکل وشرب کا اطلاق ان چیزوں پر ہوتا ہے جو کسی منفذ کے ذریعہ معدہ یا دماغ تک پہنچے اور اسے فائدہ پہنچائے۔ ہدایہ، فتح القدیر اور شامی میں ہے "وصول مافیہ صلاح البدن الی الجوف" اور جوف (معدہ) تک پہنچنے کے اصلی اور قدرتی پانچ ہی راستے ہیں۔ حلق، کان، ناک، مبرز (پاخانہ کا راستہ) مبال المرأۃ (عورت کے پیشاب کا راستہ) اور تشریح البدن کے مطابق جوف (معدہ) اور دماغ کے درمیان چونکہ قدرتی راستہ ہے تو جو چیز دماغ میں پہنچتی ہے وہ معدہ میں بھی پہنچ جاتی ہے۔ پس جو چیز دماغ کے خلا میں پہنچے گی وہ معدہ میں بھی پہنچ جائے گی۔ جیسا کہ بحر الرائق اور شامی وغیرہما میں ہے والتحقیق ان بین

جوف الرأس وجوف المعدة منفذًا اصليًا فما وصل الٰی جوف الرأس وصل الٰی جوف البدن"، تو یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ جو کھانے پینے کی چیزیں منفذ کے ذریعہ معدہ یا دماغ میں پہنچ جائیں وہ مفسدِ صوم ہیں۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ پائپ یا انجکشن کی سوئی کا اندرونی خودساختہ سوراخ منفذ کے حکم میں ہے یا نہیں؟ تو جزئیاتِ فقہیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قدرتی پانچوں راستوں کے علاوہ جائفہ اور آمّہ کی طرح اگر کوئی اور راستہ بن جائے جس کے ذریعہ اصلاحِ بدن کی چیزیں دماغ یا معدہ میں پہنچائی جائیں تو اُن سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا۔ جیسا کہ کنز، تبیین اور بحر وغیرہا میں ہے "داوی جائفة او آمّة بدواء ووصل الدواء الٰی جوفه او دماغه افطر"

(جائفہ اور آمّہ ایسے زخم ہیں جس زخم کے سوراخ معدہ اور دماغ تک پہنچ جاتے ہیں کہ جب زخم کے سرے پر دوا رکھی جائے تو وہ دوا معدہ یا دماغ میں سوراخ کے ذریعہ پہنچ جائے)

انجکشن اور ٹیکہ کی دوائیں نہ تو کسی منفذ کے ذریعہ معدہ میں پہنچتی ہیں اور نہ دماغ میں تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ ہاں مسام کے ذریعہ جسم اور معدہ و دماغ میں بھی سرایت کرجاتی ہیں تو مسام کے ذریعہ کھانے پینے یا اصلاحِ بدن کی چیزیں اگر جسم بلکہ معدہ میں سرایت کرجائیں تو شرعًا اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اور اگر بالفرض اس سے روزہ فاسد ہوجاتا تو ہر متوضی و غاسل کا روزہ فاسد ہوجاتا کہ پانی بہرحال مسام کے ذریعہ جسم بلکہ معدہ تک میں سرایت کرتا ہے۔ اسی لئے فتح القدیر میں اس کی وضاحت موجود ہے "المفطر الداخل من المنافذ كالمدخل والمخرج لامن المسام"

واضح ہوا کہ انجکشن یا ٹیکہ لینے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا اگرچہ معدہ ہی میں انجکشن یا ٹیکہ کیوں نہ لگوایا ہو۔ اور جب روزہ فاسد نہیں ہوا تو نہ قضا ہے نہ کفارہ۔

پائپ یا انجکشن کے ذریعہ کھانے پینے کی چیزیں معدہ میں پہنچانا یا سگریٹ و

چرس کا دھواں دماغ میں پہنچانا یقیناً مفسدِ صوم ہے اگر بحالت عذر ومجبوری طبیب حاذق کے کہنے کے مطابق پائپ یا سوراخ دار سوئی کے ذریعہ معدہ میں کھانا پینا یا دوا پہنچائی گئی تو اس روزے کی قضا ہے کفّارہ نہیں۔ کمافی احکام القرآن واختلفوا فیما وصل الی الجوف من جراحة جائفة او امة فقال ابوحنیفة والشافعی علیه القضاء اھ سگریٹ یا چرس اگر عمداً پیا ہو تو قضاء وکفّارہ دونوں واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواحد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۲۱ر دسمبر ۲۰۰۱ء

محتلمہ بھی بالغہ ہے

مسئلہ ۹۲۶: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ میرے یہاں ایک بارہ سال کی بچی رہتی ہے جس کے جسم پر بالغ ہونے کی کوئی نشانی ظاہر نہیں ہوئی ہے اور نہ ہی اُسے حیض آتا ہے۔ البتہ اس نے دو ایک بار ایسا خواب دیکھا جس کی وجہ سے اسے احتلام ہوگیا۔ تو کیا ایسی صورت میں اس پر ماہِ رمضان کا روزہ رکھنا فرض ہو جائے گا؟ احمد روزن۔ آمسٹرڈم

الجواب ۹۲۶ ــــــــ هوالهادی الی الصّواب ــــــــ

صورتِ مسئولہ میں وہ بچی جسے احتلام ہونا شروع ہوگیا ہے وہ عندالشرع بالغہ کے حکم میں ہے حیض کا نہ آنا یا علامتِ شباب کا ظاہر نہ ہونا اس کی بلوغیت کے لئے مانع نہیں ہے۔ اس پر نماز روزے فرض ہو چکے ہیں۔ اگر بارہ سال سے کم عمر میں بھی احتلام ہونے لگے یا جاگتے میں خواہش کی وجہ سے انزالِ منی ہونے لگے جب بھی ایسی بچیاں بالغہ کے حکم میں آجائیں گی اور ان پر احکام شرعیہ کا نفاذ ہونے لگے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبد الواحد قادری غفرلہٗ

۱۷ر رجب ۱۴۲۲ھ

روزہ اور حیض و استحاضہ

۹۲۶ **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ماہ رمضان میں میاں بیوی کو رات میں کس وقت تک ہمبستر ہونے کی شرعی اجازت ہے ؟ اگر کسی عورت کا حیض صبح صادق سے پہلے بند ہو جائے مگر سورج نکلنے کے بعد وہ غسل کرے تو کیا اس پر اس دن کا روزہ ماہ رمضان میں فرض ہو جائے گا ؟ ایام حیض سے اگر زیادہ دنوں تک خون آتا رہے تو ان زیادہ دنوں کا روزہ بھی رکھنا فرض ہے یا اس کی قضا کرے گی ؟ تینوں سوالوں کا جواب دیکر شکریہ کا موقع دیں۔

سعود رحمت ۔ آلمیرہ ستات ۔ ہالینڈ

۹۲۶ **الجواب ـــــــ ھو الھادی الی الصواب ـــــــ**

۱۔ صبح صادق شروع ہونے سے پہلے پہلے میاں بیوی کے درمیان مجامعت کی شرعی اجازت ہے۔ قال تعالیٰ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

فَالْاٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ	اب تمہیں اپنی بیویوں سے مباشرت کی اجازت ہے
اللّٰهُ لَكُمْ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى	اور اللہ تعالیٰ نے جو تمہارے لئے مقدر فرما دیا ہے اس کو
يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ	تلاش کرنے کی ... تو تم کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ صبح کا
الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۔	سفید دھاگا (صبح صادق) سیاہ دھاگے (صبح کاذب) سے متمیز ہو جائے

اس آیت کریمہ سے صاف واضح ہوا کہ ماہ رمضان المبارک میں بیوی سے ہمبستری کی اجازت صبح صادق (اختتام سحری) تک ہے۔ وھو اعلم

۲۔ آیت مذکورہ ہی سے معلوم ہوا کہ اگر صبح صادق طلوع ہونے سے پہلے اگر کوئی مسلمان جنبی اور ناپاک ہو پھر بھی اس پر روزہ رکھنا فرض ہے لہٰذا جس حائضہ عورت کا حیض صبح صادق ہونے سے پہلے منقطع ہو گیا ہو اس پر اس دن کا روزہ رکھنا فرض ہے، ہاں تاخیر سے غسل کرنے کی وجہ سے نماز فجر قضا ہوئی جس کا گناہ اُس پر ہوگا۔ وھو اعلم

۲۔ جب عادت سے زیادہ ایام گذر جائیں اور خون کا سیلان بند نہ ہو تو وہ استحاضہ ہے اور استحاضہ کی حالت میں نہ تو نماز معاف ہے اور نہ روزوں کی قضا کی اجازت ہے۔ لہٰذا عورت مذکورہ فی السوال عادت کے ایام گذارنے کے بعد غسل طہارت کرے، ماہ رمضان کا روزہ رکھے اور ہر نماز کا وقت داخل ہونے کے بعد تازہ وضو کر کے فرض و واجب و نوافل جس قدر چاہے اسی ایک وضو سے پڑھے۔
واللہ تبارک و تعالیٰ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ خادم اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ
۱۷ ر جمادی الآخرۃ ۱۴۲۳ھ

روزہ دار اور سونگھنے والی دوا

مسئلہ ۹۲۸ شریعت مطہرہ کا اس مسئلہ میں کیا حکم ہے کہ ایک شخص برون کیٹس (نمونیہ) کا شکار ہو گیا اور ڈاکٹر نے اس کے لئے ایک قسم کے نسوار کا انتخاب کیا جو دن میں کئی بار منہ یا ناک کے ذریعہ کھینچا جاتا ہے۔ اگر ماہ رمضان شریف میں اس کا استعمال کیا جائے تو روزہ رہے گا یا فاسد ہو جائے گا؟ جواب سے نواز کر میری مشکلات کو آسان فرمائیں۔
اسماعیل الٰہی بخش۔ دی ہیگ، ہالینڈ

۹۲۸ الجواب ـــــــ ھو الھادی الی الصواب ـــــــ

نمونیہ کے مریضوں کے لئے ہالینڈ کے ڈاکٹر حضرات جن دواؤں کا عموماً انتخاب کرتے ہیں ان میں "VENTOLIN" وغیرہ ہوتی ہے جس کو سانس کے ذریعہ جسم کے اندرونی حصہ میں پہنچائی جاتی ہے۔ لیکن وہ دوا نہ کھانے کی ہے نہ پینے کی اور نہ ہی اس پر کھانے پینے کا اطلاق صحیح ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ دوا معدہ یا دماغ میں بذریعہ سانس نہیں پہنچائی جاتی ہے بلکہ پھیپھڑوں تک پہنچانے کی سعی کی جاتی ہے۔ تو کھانے پینے کی نالیوں سے یہ دوا شکم کے اندر نہیں جاتی بلکہ ہوا کی نالیوں کے ذریعہ پھیپھڑے تک پہنچ جاتی ہے۔
تو اس کی مثال زیادہ سے زیادہ اُس ڈراپ کی سی ہے جو احلیل (پیشاب کا راستہ)

کے ذریعہ ٹپکائی جاتی ہے۔ یا اُس انجکشن کی سی ہے جو گوشت میں دی جاتی ہے جو معدہ تک نہیں پہنچتی اور اگر بالفرض وہ معدہ تک بھی پہنچ جائے تو وہ کسی منفذ کے ذریعہ نہیں پہنچی ہے۔ لہٰذا جس طرح انجکشن اور احلیل کے ذریعہ ٹپکائی گئی دوا مفسدِ صوم نہیں۔ دوا مذکورہ کا استعمال بھی مفطر و مفسدِ صوم نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ۔ خادم اسلامک فونڈیشن ہیدرلینڈ
۱۱ر جمادی الآخرہ ۱۴۲۲ھ

روزہ اور مانع حیض دوائیں

مسئلہ ۹۲۹: کیا فرماتے ہیں علمائے ملّتِ اسلامیہ اس مسئلہ میں کہ ماہ رمضان میں روزہ کی وجہ سے ایام حج میں طواف اور مسجد حرام میں داخل ہونے کی وجہ سے، یا زیارتِ اقدس کے وقت مسجد نبوی میں داخل ہونے میں رعایت کی وجہ سے اگر کوئی عورت ایسی دواؤں کا استعمال کرے جس کی وجہ سے حیض نہ آئے تو کیا حسن نیت کی وجہ سے ایسا کرنا ازروے شرع جائز ہے؟

سائلہ: زینت الرسول معرفت فرحت فاطمہ اسلامک انسٹیٹیوٹ عظیم آباد، بہار، انڈیا

الجواب ۹۲۶ ـــــــ هو الهادی الی الصواب ـــــــ

جہاں تک مانعِ حیض دواؤں کے جائز و ناجائز ہونے کا تعلق ہے تو چونکہ شریعت میں اس کی ممانعت یا اس کے عدم جواز کا کوئی جزئیہ نہیں ہے اس لئے اس کا استعمال ناجائز و گناہ تو نہیں ہوگا۔ البتہ تقدیر الٰہی میں مداخلت اور بعض بیماریوں کو دعوت دینے کے مترادف ہونے کی وجہ سے اس سے بچنا زیادہ مناسب ہے۔

امّ المومنین حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب اس عارضہ میں مبتلا ہوئیں تو حضور پُر نور سیّد عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

انّ هٰذا شئ كتبه الله علیٰ بنات آدم کہ یہ ایسی چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی بیٹیوں پر لکھ دیا ہے۔

اگر عورتیں حیض کی وجہ سے روزے نہ رکھ سکیں یا طواف و زیارت نہ کرسکیں تو وہ عنداللہ جواب دہ نہیں ہوں گی اسلئے کہ یہی تقدیر الٰہی ہے اور مانع حیض دوائیں عورتوں کے رحم اور بچہ دانی پر بُرا اثر ڈالتی ہیں اس لئے اس سے بچنا چاہئے۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ اسلامک فونڈیشن ہیدرلینڈ

۱۳ جمادی الآخرہ ۱۴۲۴ھ

جہاں افطار کے بعد ہی صبح صادق ہوجاتی ہے

مسئلہ ۹۳۰: کیا فرماتے ہیں علمائے حقانی و مفتیانِ ربانی اس اہم مسئلہ میں کہ ماہِ جون، جولائی میں یورپ کے اکثر ملکوں میں سورج غروب ہونے کے بعد شفق ابیض یا تو طلوع نہیں ہوتی اور بعض ملکوں میں طلوع ہوتی ہے تو اس کے غروب سے پہلے صبح صادق طلوع ہوجاتی ہے۔ ایسی صورتِ حال میں روزہ کی ابتداء صبح صادق سے (تقریباً ایک بجکر چھتیس منٹ پر) ہوجاتی ہے اور اس کا اختتام غروب آفتاب (تقریباً دس سوا دس بجے) کے بعد ہوجاتا ہے۔ اس طرح روزہ تو مکمل ہوجاتا ہے لیکن نمازِ عشاء، تراویح اور سحری کا صحیح وقت نہیں ملتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ غروب آفتاب کے بعد اگر فوراً صبح صادق طلوع ہوجائے تو ان ایام میں روزہ کس طرح رکھا جائے گا؟ تفصیل کے ساتھ جواب باصواب سے نواز کر ممنون فرمائیں۔

سائل:۔ افضل کمال۔ بروسیلز، بیلجیم

الجواب ـــــــ ھو الہادی الی الصواب ـــــــ

جب ان ملکوں میں رمضان المبارک کا مہینہ آتا ہے تو یہاں رہنے والے مسلمان مرد و عورت بالغ، مقیم، عقلمند پر پورے ماہِ رمضان کا روزہ رکھنا فرض ہے لقولہ تبارک و تعالیٰ۔ کہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے۔

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ۔ تو اے مسلمانو! تم میں جو اس مہینہ کو پائے اسے چاہئے کہ اس کا روزہ رکھے۔

سائل نے جن ملکوں کا تذکرہ کیا ہے بحمدہ تبارک و تعالیٰ ان ملکوں میں ہر چوبیس گھنٹے میں صبح و شام ہوتی ہے جس میں روزہ مکمل ہوتا ہے اور بعونہ تعالیٰ یہاں کے مسلمان باشندے روزے کی سعادت سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ ان مہینوں میں بندۂ ناچیز نے بھی یہاں روزے کی لذت پائی ہے اور نومبر، دسمبر کے روزوں سے زیادہ لطف اٹھایا ہے ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

نماز عشاء اور تراویح سے متعلق یہاں مقیم علماء کرام نے اپنے اکابر کی مدد سے اور اپنے مسلسل تجربات کی روشنی میں نمازوں کا ٹائم ٹیبل (اوقات الصلوٰۃ) ترتیب دیا ہے ہر ملک کے مسلمانوں کو اپنے اپنے علماء کے ترتیب دیئے ہوئے اوقات الصلوٰۃ کے مطابق عمل کرنا چاہئے اور اگر کسی بات میں شبہ ہو تو مرکزی دارالافتاء کی جانب رجوع کرنا چاہئے۔

جن ملکوں میں دس ساڑھے دس بجے رات میں سورج غروب ہوتا ہے اور ایک بجے رات کے بعد صبح صادق طلوع ہو جاتی ہے ان ملکوں میں افطاری کے بعد بھی کھانے پینے کا اچھا موقع مل جاتا ہے ..... مگر جن ملکوں میں سورج ڈوبتے ہی صبح صادق طلوع ہو جاتی ہے وہاں کے مسلم حضرات روزہ رکھنے کے معاملہ میں مریض کے حکم میں ہیں کہ شرعاً خوفِ ہلاکت بھی مرض کی طرح مبیح افطار ہے۔ چنانچہ درمختار مع ردالمحتار میں ہے۔

وخوف هلاك ونقصان عقل ولو بعطش اوجوع شديد۔

اعذار مبیحہ میں سے ہلاکت کا خوف اور عقل میں کمی واقع ہونا بھی ہے اگرچہ یہ بات پیاس اور بھوک کی شدت سے پیدا ہو۔

اور فتاویٰ عالمگیریہ ہندیہ میں ہے۔

ومنها العطش والجوع كذا اذا اخيف منها الهلاك الخ

اور اعذار مبیحہ میں سے بھوک پیاس ہی کی طرح ہلاکت کے خوف کا طاری ہونا بھی ہے۔

لہٰذا وہاں کے باشندے اگر روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے ہوں یا طاقت تو رکھتے ہیں لیکن نہایت کمزوری واقع ہونے یا ہلاکت کا خوف ہے تو وہ ان دنوں کی قضا معتدل ایام میں کریں۔ قَالَ تَعَالیٰ ارشادِ الٰہی ہے۔

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا اَوْعَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۔ تم میں جو بیمار ہو یا حالتِ سفر میں تو ان ایام کی قضا وہ دوسرے دنوں میں کرے۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ وارد حال نوری مسجد آمسٹرڈم
خادم الافتاء جامعہ مدینۃ الاسلام دی ہیگ۔ ۱۹ شعبان المعظم ۱۴۱۲ھ

اکتیسواں روزہ

مسئلہ ۹۳۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسلمان اپنی چھٹی گذارنے کے لئے ماہِ رمضان شریف میں انڈیا آگیا۔ رمضان المبارک کا آخری عشرہ دہلی میں گذارا۔ ۲۹ رمضان کو شام کے وقت اُس نے عید الفطر کا چاند دیکھا اور اسی رات میں تقریباً ایک بجے انڈین ٹائم سے بذریعہ K.L.M طیارہ وہ ہالینڈ کے لئے روانہ ہوا اور تقریباً چھ بجے وہ ہالینڈ پہنچ گیا، جبکہ ہالینڈ کے مسلمان اُس وقت سحری کھا رہے تھے کیونکہ اُن دنوں میں سحری کا آخری وقت ساڑھے چھ، پونے سات بجے تک تھا۔ ہالینڈ کے حضرت علماء کرام و مفتیانِ عظام نے اس کی شہادتِ رویت کو تسلیم نہیں کیا۔ ایسی صورتِ حال میں اس شخص کو تیسویں رمضان المبارک کا روزہ رکھنا ضروری ہے یا اپنی رویت کے اعتبار سے پہلی شوال کا روزہ رکھنا حرام ہے؟ دلائلِ شرعیہ کی روشنی میں جواب دیکر ماجور ہوں۔

باقر حسین حسین علی۔ ہاردرویک۔ ہالینڈ

۹۳۲ الجواب ـــــــ ھوالھادی الی الصواب ـــــــ

جب شخص مذکور اپنے وطنِ اصلی میں پہنچ گیا اور ابتداءِ روزہ کا وقت پالیا تو اُس پر اُس دن کا روزہ رکھنا فرض ہوگیا کیونکہ ایسی صورت میں عامۃ المسلمین کی موافقت ضروری ہے۔ ترمذی شریف میں ہے۔

الصَّوم يوم تصومون والفطر يوم تفطرون والاضحىٰ يوم ۔ روزہ کا دن وہی ہے جس دن عام مسلمان روزہ رکھتے ہیں اور عید الفطر اور قربانی کا بھی دن وہی ہے

تضحون اھ — جس دن عام مسلمان عید قربانی کرتے ہیں۔

اسی مضمون کی حدیثیں سنن بیہقی ص۲۵۲ ج۴، سنن ابی داؤد ص۳۱۸ ج۱، اور ابن ماجہ شریف ص۱۲۰ وغیرہم کتب احادیث میں بھی ہیں۔ اور ان تمام حدیثوں کا مفاد یہی ہے کہ منفرد شخص اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ نہ بنائے بلکہ اپنے آپ کو اجتماعیت میں ضم کردے چنانچہ فتح القدیر ص۲۴۹ ج۲ میں ہے۔

ان الصوم المفروض یوم یصوم الناس والفطر المفروض یوم یفطر الناس اعنی بقید العموم اھ	روزہ رکھنا اس دن فرض ہے جس دن عامۃ المسلمین روزہ رکھتے ہیں اور عید الفطر اس دن واجب ہے جس دن عامۃ المسلمین عید مناتے ہیں یعنی عامۃ المسلمین کی قید ملحوظ خاطر ہے۔

فقہاء کرام نے تو یہاں تک حکم دیا کہ عام منفرد مسلمانوں کی تو بات الگ ہے اگر مسلمانوں یا سلطانِ اسلام کی طرف سے مقرر کردہ قاضئ اسلام یا ملک بھر کی مساجد کا امام الائمہ بھی اپنے سر کی آنکھوں سے ماہِ شوال کا چاند دیکھ لے جب بھی وہ مسلمانوں کو عید الفطر کا حکم نہیں دے سکتا ہے اور اگر اسکے مقتدیوں نے اس کے کہنے پر عید کرلی تو سب فرض کے تارک اور گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوئے۔ فتاوی عالمگیری میں ہے

لو رأى الامام وحده او القاضی وحده هلال شوال لا یخرج الی المصلی ولا یأمر الناس بالخروج اھ	اگر شوال کا چاند صرف امام شہر یا صرف قاضئ شہر نے دیکھا تو وہ صرف اپنے دیکھنے کی بنیاد پر نماز عید ادا نہیں کرے گا اور نہ لوگوں کو عیدگاہ جانے کا حکم دے گا۔

بہرحال صورتِ بالا میں اس شخص کو تیسویں ماہ رمضان کا روزہ رکھنا ہوگا اور اگر اس کا تیس روزہ ہوچکا ہو تو اکتیسواں روزہ بھی رکھے کیونکہ ہالینڈ کے علماء کرام کے نزدیک نصاب شہادت پوری نہ ہونے کی وجہ سے ابھی ماہِ رمضان شریف کا خروج متحقق نہیں ہوا ہے اور جب ماہ رمضان موجود ہے تو روزہ رکھنا فرض ہے۔

بحر الرائق ص۲۶۶ اور تبیین الحقائق ص۳۱۹ میں ہے۔

ان المنفرد برائیۃ ھلال رمضان شخص واحد نے اگر ماہ رمضان کا چاند دیکھ کر روزہ رکھنا
اذا صام واکمل ثلثین یومًا شروع کیا یہاں تک کہ تیس روزے پورے ہو گئے پھر بھی
لم یفطر الّا مع الامام وہ افطار نہ کرے مگر امام شہر (قاضی) کے ساتھ۔

واللہ تبارک و تعالیٰ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ
۲۵-۲-۱۴۱۷ھ

سحری کے لئے جگانے کا اہتمام

مسئلہ ۹۳۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہمارے شہر میں مدتِ مدید سے اختتام سحری سے پہلے روزہ داروں کو سحری کے لئے اٹھانے کا رواج ہے۔ جس زمانہ میں لاؤڈ اسپیکر کا چلن عام نہیں ہوا تھا اس وقت لوگ ٹینہ بجا کر یا لاٹھی زمین پر مار کر سحری کے لئے لوگوں کو بیدار کرتے تھے۔ پھر اس میں حمد و نعت کے ترانے بھی گائے جانے لگے۔ اور جب لاؤڈ اسپیکر کا چلن عام ہو گیا تو محلہ محلہ کی مسلم کمیٹیوں نے لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ خوابیدہ لوگوں کو بیدار کرنا شروع کیا پھر اسی لاؤڈ اسپیکر پر حمد و نعت اور ماہِ رمضان کی منظوم فضیلت بھی پڑھنا شروع کیا۔ بعض لوگ اس طریقہ کو سراہتے ہیں اور بعض لوگ اس کو بدعتِ سیئہ یعنی ناجائز سمجھ کر روکنا چاہتے ہیں سوال یہ ہے کہ ازروئے شرع موجودہ طریقہ بیداری جائز و صحیح ہے یا نہیں؟ جواب باصواب کا منتظر۔
سائل: نور الحسنین محلہ بھیگو۔ دربھنگہ۔ بہار۔ انڈیا

الجواب ۹۲۶ ـــــــ ھو الھادی الی الصواب ـــــــ

کسی اچھے کام کی انجام دہی کے لئے مسلمانوں کو اجتماعی طور پر خواب سے بیدار کرنے کی سعی کرنا اچھا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے "تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى (نیکی اور پرہیزگاری پر مسلمانوں کی مدد کرو) اور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا فرمان عالیشان ہے۔ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ اَنْ يَّنْفَعَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ فَلْيَنْفَعْهُ (تم میں سے جو مسلمان بھائی کو نفع پہنچانے کی استطاعت رکھتا ہے اسے چاہیے

نفع پہنچائے) نماز تہجد عام مسلمانوں کے لئے واجب یا فرض نہیں ہے پھر بھی زمانۂ رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں نمازِ فجر کی اذان سے پہلے ایک اذان دی جاتی تھی جس کو سنکر مسلمان نمازِ تہجد کے لئے بیدار ہو جاتے تھے اور انہی بنیادوں پر مسلم ممالک میں افطار و سحر کے لئے مسلمانوں کو بذریعہ سائرن یا بذریعہ توپ وغیرہ کے باخبر کرنے کا رواج ہے جس کو آج تک کسی مولوی نے ناجائز بدعت سیئہ نہیں کہا۔

صورتِ مسئولہ میں سائرن یا توپ کی گھن گرج نہیں ہے بلکہ حمد و نعت اور جائز نظموں پر مشتمل مسلمانوں کی آوازیں ہیں جس کو بدعتِ سیئہ کہنے کی جرأت وہی کرے گا جس کو حمد و نعت شریفین سے للّٰہی دوری ہے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) ہاں قافلہ والوں کو اس بات کا اچھی طرح خیال رکھنا ہوگا کہ آوازیں ضرورت سے زیادہ بلند نہ ہوں کہ بیماروں، طالب علموں اور غیر مکلفین کو اذیتیں محسوس ہوں۔ اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ۝ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ نوری دارالافتاء نوری مسجد، امسٹرڈم

۱۴ شوال المکرم ۱۴۰۵ھ

شب قدر وغیرہ میں چراغاں

مسئلہ ۹۲۳ کیا فرماتے ہیں علماء ملّتِ اسلامیہ اس مسئلہ میں کہ شب قدر، شب برأت، شب معراج اور شب ختم تراویح وغیرہ میں مسجدوں کے اندر یا عام شاہراہوں پر چراغاں کرنا، فضول خرچی میں شامل ہو کر ناجائز و حرام ہے یا اہم راتوں کی اہمیت کا اظہار کر کے مباح و باعث اجر و ثواب ہے؟ **بینوا وتوجروا**

ایس، ایم ریاض الحسن۔ البرٹ کیپ، آمسٹرڈم

۹۲۶/۸۶ **الجواب ـــــــ ھوالھادی الی الصواب ـــــــ**

معمول سے زیادہ روشنی کے متعدد وجوہات ہیں ① کسی جگہ لوگوں کی بھیڑ بھاڑ جیسے جلسہ و جلوس اور بارات وغیرہ کا ہونا ② لوگوں کی کثرت سے آمد و رفت

ہونا جیسے بازاروں اور دوکانوں کا سینٹر وغیرہ (۳) کسی اہم واقعہ کا اظہار مقصود ہونا جیسے عید میلاد النبی، شب معراج، شب براءت، شب قدر، ختم قرآن پاک، یوم آزادی، بزرگوں کا ایام عرس وغیرہم (۴) کسی اہم معاملہ کی اہمیت کا اظہار و اعلان مثلاً علماء کی دستارِ فضیلت اور حفاظ و قراء کی دستار کا جلسہ اگر رات میں ہو اور نکاح کا اعلان اگر رات میں ہو وغیرہ (۵) اپنے مال و دولت یا اپنی بڑائی کا اظہار بذریعہ روشنی کرنا .... پانچویں صورت اسراف میں داخل ہو کر ناجائز و حرام ہے مگر اول الذکر صورتوں کے جائز و مباح اور باعثِ اجر و ثواب ہونے میں کسی عامی کو بھی اعتراض نہیں ہوگا۔ کیونکہ مانعین حضرات اور بدعت کا وظیفہ پڑھنے والے ان تمام مواقع پر چراغاں کرنے میں سنیوں سے کم نہیں ہیں۔

شب میلاد النبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں چراغاں کے جائز ہونے کے لئے اسی قدر کافی ہے کہ خود سید کائنات علیہ افضل الصلوات نے ارشاد فرمایا کہ:
"میری ولادت کے وقت ایسی روشنی ظاہر ہوئی کہ میری والدہ نے اس روشنی میں ملکِ شام کے محلات کو دیکھا" (مشکوٰۃ المصابیح باب فضل سید المرسلین علیہ و علیہم السلام)

مخصوص راتوں میں مسجدوں یا مسلمانوں کی آمد و رفت کے راستوں کو چراغوں سے منور کرنا نہ صرف مباح بلکہ حسن نیت کی وجہ سے باعث اجر و ثواب ہے۔ حضرت علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب "تاریخ الخلفا" میں ابن عساکر سے نقل کیا اور انہوں نے اسمٰعیل بن زیاد علیہم الرحمہ سے تخریج کی کہ

مرّ علی ابن ابی طالب علی المساجد فی رمضان وفیہا القنادیل فقال نور اللہ علی عمر فی قبرہ کما نور علینا فی مساجدنا۔	حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رمضان المبارک کے مہینے میں مسجدوں کے قریب سے گزرے جن میں قندیلیں روشن تھیں تو حضرت عمر کو انہوں نے دعاء دی کہ اللہ تعالیٰ عمر کی قبر کو روشن فرمائے جیسا کہ انہوں نے ہماری مسجدوں کو روشن کیا۔

یہیں سے معلوم ہوا کہ حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

زمانہ مبارکہ میں مسجدوں کے اندر ماہِ رمضان میں چراغاں ہوتا تھا جس کو عام صحابیوں کے علاوہ خلیفہ راشد باب العلم فاتح خیبر سیدنا مولیٰ علی نے دیکھا اس کی تصویب فرمائی اور چراغاں کرنے والے کو دعا دی۔

حضور انور سید العالمین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد گرامی فرماتے ہیں۔

علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین۔ تم پر میرا اور خلفاء راشدین کا طریقہ لازم ہے۔

نوٹ:- مخصوص راتوں میں آرائش و زیبائش کے لئے یا مسلمانوں کو سہولت پہنچانے کے لئے مسجدوں یا شاہراہوں پر جو روشنی ہوتی ہے وہ مسلمانوں کے عام چندہ سے ہونا چاہیے جو اسی کام کے لئے وصول کیا گیا ہو۔ مسجدوں قبرستانوں اور مسلم تنظیموں کی رقمیں جو کسی اور کام کے لئے اکٹھی کی گئی ہوں چراغاں میں صرف نہ کیا جائے۔ کیونکہ چندہ کی رقم اسی کام میں لگانا ضروری ہے جس کام کے لئے وصول کیا گیا ہے۔

چراغاں سے اگر کسی دینی غرض کا حصول نہ ہو یا چراغاں حدِ اعتدال سے باہر ہو تو پھر اس کا حکم کچھ اور ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ نوری دار الافتاء نوری مسجد آمسٹرڈم

۲۷ / شعبان المعظم ۱۴۰۶ھ

ماہِ رمضان میں اعلانیہ کھانا پینا

مسئلہ ۹۳۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ بعض مسلمان اپنے دفتروں میں عیسائیوں، یہودیوں کے سامنے رمضان شریف کے دنوں میں بے جھجک کھاتے پیتے رہتے ہیں ان کے بارے میں اسلامی شریعت کا کیا حکم ہے؟

ہارون رشید۔ وارد حال بیلجیم

۸۶/۹۲ الجواب ــــــ هوالهادی الی الصّواب ــــــ

ایسے لوگ شعارِ اسلامی کی کھلے عام توہین کرنے والے اور دین کا مذاق اڑانے والے ہیں۔ ایسے لوگ اگر بے عذر شرعی ماہِ رمضان کے دنوں میں روزے کھاتے ہیں تو حکومتِ اسلامیہ پر فرض ہے کہ انہیں قتل کردے یا عمر قید کی سزا دیدے۔ کمافی الدرّ المختار فی کتاب الصّوم۔

ولو اکل عمدًا شهرة بلا عذر یقتل۔ — اگر کوئی مکلف مسلمان جان بوجھ کر ماہِ رمضان کے دنوں میں علی الاعلان کھائے تو اسے قتل کردیا جائے۔

حدود و قصاص کی طرح ضروریاتِ دین کے منکرین و موہنین کی شرعی سزا حکومت اسلامیہ میں قاضی کی جانب سے جاری ہوتی ہے ــــ جہاں اسلامی حکومت نہیں وہاں کے مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسے لوگوں سے اسلامی قطع تعلق کریں تاکہ اس کے ساتھ وبال و نکال میں مبتلا نہ ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواحد قادری عفرلہ، خادم الافتاء والقضاء مجلس علماء ہیگ ہالینڈ

۱۸ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ

شش عید کے روزے

مسئلہ ۹۲۵: کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ میں کہ ماہِ رمضان شریف کے بعد شوال کے چھ روزے کا رکھنا واجب ہے یا فرض؟ اگر یہ روزے چھوٹ جائیں تو اس کی قضا آنے والے مہینوں میں رکھنا ضروری ہے یا نہیں؟ واضح جواب دیکر شکریہ کا موقع دیں۔

المستفتی: (حافظ) سجاد علی قادری خطیب الغوثیہ اسلامک سینٹر مغربی آمسٹرڈم ہالینڈ

۸۶/۹۲ الجواب ــــــ هوالهادی الی الصواب ــــــ

ماہِ شوال کے چھ روزے (جس کو شش عید کے روزے بھی کہتے ہیں) نہ فرض ہیں نہ واجب بلکہ سنّت ہیں جس کی ترغیب و فضائل احادیث کریمہ میں بہت

ہیں رسول اکرم سیّد العالمین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد گرامی فرمایا
"جس نے ماہِ رمضان کے روزے رکھے پھر اس کے بعد ماہِ شوال کے چھ روزے
رکھے تو گویا اس نے سال بھر کا روزہ رکھا،، (مشکوٰۃ المصابیح)

ان روزوں کا ماہِ شوال میں مسلسل یا فصل کے ساتھ دونوں طرح رکھنا درست
ہے۔ ثواب میں کچھ بھی کمی نہیں ہوگی، یہ روزے چونکہ سنت ہیں اور سنت کے چھوٹ جانے
کی قضا واجب نہیں۔ ہاں اگر کسی نے ماہِ شوال کے بعد ان روزوں کو رکھا تو اس
کا شمار نفل روزوں میں ہوگا۔ شش عید کے روزوں کی فضیلت وہ نہیں پائے گا۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ، خادم الافتاء "القرآن"
اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ۔ ۲۱ شوال المکرم ۱۴۲۳ھ

کتاب الحج

حج و زیارت کا بیان

بغیر محرم کے عورتوں کا سفر حج پر جانا

مسئلہ ۹۳۶:- محمد عبدالحکیم بٹ بون، جرمنی
۱۲-۷-۱۹۹۰ء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ حج یا عمرہ کے لئے یا اپنے کسی رشتہ دار کے یہاں جانے کے لئے بذریعہ ہوائی جہاز دو چار گھنٹوں کا سفر بغیر محرم کے کرنا عفت مآب عورتوں کے لئے جائز ہے یا نہیں جبکہ ایک محرم یا شوہر تے اسے ایک ایرپورٹ کے اندر تک پہنچایا۔ اور دوسرے ایرپورٹ پر جہاز اترنے کے بعد اسے دوسرا محرم مل گیا۔ درآنحالیکہ راستہ میں امن و سکون اور جہاز میں حفاظت کا پورا انتظام ہے۔ اگر از روئے مذہب حنفی اس مسئلہ میں رخصت کی گنجائش ہو تو ایسی صورت نکالی جائے کہ عورتوں کا بغیر محرم کے دینی مفاد کے لئے سفر کرنا جائز و مباح ہو۔

سائل: محمد عبدالحکیم بٹ۔ اشاعت الاسلام جرمنی

۸۶/۹۲

الجواب هو المجيب الوهاب

مسافت سفر پر عورتوں کا بغیر محرم یا شوہر کے سفر کر کے تنہا جانا یا فاسق و فاجر محرم کے ساتھ جانا، یا نابالغ محرموں کے ساتھ جانا یا بقول بعض عورتوں کی جماعت کے ساتھ جانا، یا بے نفس ساٹھ ستر سال کے متدین بزرگوں کے ساتھ جانا سب ناجائز و حرام نہایت بدانجام خلاف مذاہب اسلام ہے۔ اس مسئلہ کی وضاحت بعض فتاؤں کے علاوہ فقیر کاتب الحروف نے اپنی کتاب "حج کے مسائل" اور "حیا مفسر اعظم"

میں کردی ہے مَنْ شَاءَ فلیرجع الیھما۔ یہاں ہوائی جہاز کے ذریعہ عورتوں کو بغیر محرم کے سفر کرنے میں جو مفاسد ہیں ان میں سے بعض مفاسد کی نشاندہی کی جاتی ہے تاکہ احادیث کریمہ میں عورتوں سے متعلق وارد ممانعت کی عظیم حکمتیں ظاہر ہوں ھُوالولی التوفیق

(۱) شوہر یا محرم بیوی یا محرمہ کو سفر پر رخصت کرنے کے لئے ایئرپورٹ (ہوائی اڈہ) تک گیا سیکورٹی نے ایئرپورٹ کے گیٹ پر ٹکٹ دیکھا اور مسافر کو اندر جانے کی اجازت دی، شوہر یا محرم وہاں سے واپس ہوگیا اب اندر کے تمام مرحلوں سے اسے بغیر محرم کے گزرنا پڑے گا، اور اجنبیوں کے ساتھ اس کا بات چیت کرنا ناگزیر ہوگا۔

(۲) اور اگر فرض کرلیں کہ شوہر یا محرم اس کے ساتھ ایئرپورٹ کے اندر چلا گیا جہاں اس نے سامان کی جانچ کے بعد اُسے بک کرادیا۔ سیٹ نمبر کنفرم ہوگیا، گیٹ پاس بھی مل گیا تو کیا اب امیگریشن والے اس شوہر یا محرم کو بغیر اسی وقت کے ٹکٹ اور گیٹ پاس و پاسپورٹ کے ویٹنگ روم کی طرف جانے کی اجازت دے دیں گے؟ اب تو وہ اجنبیوں کے درمیان تنہا رہ گئی۔

(۳) فرض کیجئے امیگریشن والوں نے بھی اسے آگے جانے کی اجازت دے دی اور وہ ویٹنگ روم میں اپنی بیوی یا محرمہ کی عصمت کی حفاظت کرتا رہا اور کسی افتاد کی صورت میں وہ اس کا محافظ ثابت ہوسکتا تھا مگر کیا اب ویٹنگ روم سے جہاز میں بھی جانے کی اُسے اجازت مل جائے گی؟ تو اب وہ عورت کس کی نگرانی میں جہاز کے اندر داخل ہوکر اپنے سیٹ تک پہنچی؟

(۴) یہ بھی فرض کیجئے کہ اسے جہاز میں شوہر نے پہنچادیا وہ اطمینان سے سیٹ پر بیٹھ گئی اور شوہر واپس آگیا۔ اب یہ کیا ضروری ہے کہ اس کے اغل بغل کی سیٹیں خالی جائیں یا خواہی نہ خواہی ان سیٹوں پر عورتیں ہی آئیں۔ لہٰذا مظنون ہے کہ وہ اجنبی مردوں کے پہلو بہ پہلو سفر کرے۔

(۵) اگر یہ بھی فرض کیجئے کہ ان کے اغل بغل شریف عورتوں ہی کو بیٹھنے کی جگہ ملی تو بھی

یہ کیا ضروری ہے کہ جو جہاز روانہ ہو چکا ہے وہ اپنی منزل پر پہنچ ہی جائے وہ کسی ٹیکنیکل خرابی کی وجہ سے لوٹ بھی سکتا ہے اور بعض غیر مانوس مقامات پر اتر بھی سکتا ہے اس وقت کی پریشانیوں اور عصمت وعفت کی حفاظت کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔

(۶) چلئے مان لیجئے کہ حفظ وامان کے ساتھ مقررہ ہوائی اڈہ تک جہاز پہنچ گیا کوئی فضائی خرابی نہ ہونے یا حادثاتی روکاوٹ نہ ہونے کی وجہ سے جہاز خیریت کے ساتھ لینڈ بھی کرگیا۔ اب جو محرم اسے لینے کے لئے آنے والا تھا وہ کسی ناگہانی حادثہ کے سبب سے ائیرپورٹ نہیں پہنچ سکا۔ اس وقت اس کی کسمپرسی کا کیا حال ہوگا؟ اگر غور کیجئے تو اس طرح کی درجنوں حکمتیں سامنے آجائیں گی۔

عورتوں کے لئے محرم کے بغیر سفر کرنے کی ممانعت کی حکمتیں جان لینے کے بعد حضور پرنور عالم ماکان ومایکون صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی وسعتِ علم اور قرآن پاک کے تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ کا اندازہ ویقین ہوتا ہے۔ لوگ حج اور اشاعتِ دین کا نام لیکر عورتوں کے سفر کی رخصت تلاش کرتے ہیں۔ مگر سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایام حج ہی میں ممبر اقدس پر کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا لا تسافر امرأة الا مع ذی محرم "کوئی عورت سفر نہ کرے مگر محرم کے ساتھ"۔

یہاں دنوں کی قید نہیں ہے بلکہ مطلقاً سفر سے منع فرمایا گیا ہے اور منع فرمانے میں جو حکمتیں ہیں ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

سائل نے رخصت کی راہ نکالنے کی فہمائش کی ہے۔ سائل کے اندر یہ جرأت اس لئے پیدا ہوئی کہ علماء کہلانے والے حضرات نے شریعت میں اس قدر پیوندکاریاں کی ہیں کہ عوام نے پیوندکاریوں کے مجموعہ کا نام شریعت سمجھ لیا ہے ورنہ یہ پڑھی لکھی عوام بھی جانتی ہے کہ منصوص مسائل تغیر وتبدیل کے اثرات قبول کرنے سے پاک ہیں وہ زمان ومکان کے بدلنے سے نہیں بدلتے بلکہ زمان ومکان کے احوال کو بدل دیتے ہیں۔ الاسلام یعلو ولا یعلیٰ۔ واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ خادم الافتاء ادارۂ شرعیہ اسلام

دی ہیگ ہالینڈ ۱۲/۷/۱۹۹۰ء

حرام مال سے حج کرنا

مسئلہ ۹۳۷ :- حبیب الرحمٰن، انت ورپن بلجیم۔
۸-۱۰-۱۴۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک نمازی مسلمان جو داڑھی بھی حدِ شرع تک رکھے ہوا ہے شہر کا کلکٹر (D-M-) ہے لیکن گورنمنٹ کی طرف سے اس کا مشاہرہ اتنا ہے کہ وہ نہایت آسانی بلکہ فراخی کے ساتھ مع بال بچّوں کے اپنی زندگی گزارتا ہے۔ مشاہرہ میں سے کبھی اتنی رقم پس انداز نہیں ہوئی کہ وہ اس سے سفرِ حج کے اخراجات پورا کر سکے۔ البتّہ رشوت کے طور پر ملازمین کے ذریعہ لوگوں نے جو اس کو نقدی روپئے اور سونے چاندی کے زیورات دیئے اس کی مالیّت لاکھوں کی ہے یعنی کئی بار وہ سفرِ حج کر سکتا ہے۔

ایسی صورت میں شخص مذکور پر حج فرض ہے یا نہیں؟ اگر وہ حج کرنا چاہے تو اس کی کیا صورت ہوگی؟ جواب باصواب سے نواز کر عند اللہ ماجور ہوں۔

المستفتی :- حبیب الرحمٰن، انتورپن، بلجیم

الجواب ۹۲/۸۶ ــــــ هوالهادی الی الصواب

بر تقدیر صحت سوال شخص مذکور پر حج فرض ہی نہیں ہے۔ کیونکہ حلال کی کمائی سے وہ اخراجاتِ سفر پورا نہیں کر سکتا۔ اپنی غیر حاضری کے ایام میں بال بچّوں کے خورد و نوش اور رہائش کے واسطے بقدر ضرورت رقم گھر میں نہیں چھوڑ سکتا ـــــ

باقی رہا رشوت کی نقدی زیورات کا لاکھوں روپئے میں ہونا۔ تو وہ مالِ مغصوب کی طرح ہے جو اس کی ملکیت نہیں اس پر واجب ہے کہ جس جس کا جس قدر زرِ رشوت ہے اس کی تلاش و تحقیق کر کے اسے واپس کرے۔

اگر اس نے کسی طرح اپنی تنخواہ میں سے حج کے لئے کچھ بچایا پھر اس میں رشوت کا بھی کچھ پیسہ ملا دیا تو وہ حج قابلِ قبول نہ ہوگا بلکہ اس کے منہ پر مار دیا جائے گا۔

حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ جب ایسا شخص لبیک پکارتا ہے تو فرشتے اس کے

جواب میں یہ کہتے ہیں۔

لا لبیک لا سعدیک حتی ترد ما فی یدیک وحجک مردود علیک (ارشاد الباری)

نہ تیری حاضری قبول نہ تیری خدمت مقبول۔ جب تک حرام مال جو تیرے ہاتھ میں ہے واپس نہ کردے۔ تیرا حج تجھی پر مردود ہے۔

جب حلال کمائی اس قدر اس کے پاس نہیں کہ حج کرسکے اور وہ حج کرنا ہی چاہتا ہے تو کسی سے بنیت ادائیگی قرض لیکر حج کرسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ خادم الافتاء جامعہ مدینۃ الاسلام دی ہیگ

۸ شوال المکرم ۱۴۰۹ھ

عورتوں کا فرضی محارم کے ساتھ حج کرنا

مسئلہ ۹۳۸:۔ فیاض عالم، دلیف سین، ہالینڈ ۵-۱۱-۱۹۹۵ء

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ حج کے موسم میں یہاں کئی لوگ حجاج کرام کی جماعت کو حج وزیارت کے لئے لے جاتے ہیں۔ مسائل حج، مقاماتِ حج، مقاماتِ زیارت وغیرہ سے حاجیوں کو آگاہ کرتے ہیں اور حج وزیارت کا شرعی طریقہ بھی بتاتے ہیں۔ حجاج کرام کی جماعت میں بوڑھے، جوان، عورت ومرد سب ہی ہوتے ہیں۔ اکثر بوڑھی عورتوں کے ساتھ ان کے محارم یا شوہر نہیں ہوتے بلکہ حج میں لیجانے والے حضرات ہی فرضی محارم بن جاتے ہیں۔ مثلاً کوئی حجن حج میں لیجانے والوں کو اپنا بھائی کہتی ہے کوئی چچا اور بیٹا کہتی ہے۔ بس انہی سب ناموں کے ساتھ وہ ویزا حاصل کرلیتی ہیں کہ میرے ساتھ مثلاً میرا فلاں بھائی یا فلاں بیٹا یا فلاں چچا وغیرہ جارہا ہے حالانکہ وہ حضرات نسبًا نہ بھائی ہوتے ہیں نہ بیٹا اور نہ چچا وغیرہ۔ یہاں کے بیشتر مسلمان اس دھوکہ دہی کو معیوب اور خلافِ شرع سمجھتے ہوئے ان عورتوں اور حج میں لیجانے والے حضرات سے قطع تعلق کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس طرح سے عورتوں کو حج میں لیجانا، ان کا فرضی محرم بننا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ جو لوگ ایسے حجاج کرام سے قطع

تعلق کرتے ہیں اور ایسی عورتوں سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں وہ صحیح کرتے ہیں یا نہیں؟ ان عورتوں کا حج فرض یا نفل ادا ہوتا ہے یا نہیں؟

فیاض عالم منیر عالم، دلف سین ہالینڈ

۸۶/۹۲ الجواب اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرنا کار ثواب ہے تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی۔ حج کے مسائل بتانا۔ مقاماتِ حج کی معلومات فراہم کرنا اور زیارت کے آداب سکھانا مطلوب و محبوبِ شرع ہے۔ حج میں لیجانا، حجاج کرام کی خدمت کرنا، ان کی ضرورتوں کا خیال رکھنا بہت خوب بلکہ خوب سے خوب تر ہے۔

عورتیں جوان ہوں یا سو سالہ بوڑھی پھر سفر دنیاوی ہو یا دینی بہرحال مسافت سفر طے کرنے کے لئے ان کے ساتھ محارم یا شوہر کا ہونا لازم وضروری ہے جسکی تاکید یں احادیثِ کریمہ اور کتبِ فقہ اسلامی میں آئیں (جسے تفصیل معلومات درکار ہو وہ کاتب الحروف کی کتاب "مسائلِ حج" اردو اور ڈچ کا مطالعہ کریں)

فرضی محارم بننا نہ صرف حکومت کو دھوکہ دینا ہے بلکہ حکم شرع کے ساتھ بھی غداری ہے جس کا وبال لیجانے والے اور جانے والیاں سب پر ہے۔ خدا و رسول جل وعلی وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ان نافرمانوں سے قطع تعلق کرنا ہی چاہئے۔ ایسی عورتوں کا حج فرض تو اتر جاتا ہے مگر وہ قدم قدم پر گنہ گار ہوتی ہیں اور حج نفل سرے سے تو ہوتا ہی نہیں کیونکہ نفل کی آرزو میں وہ حرام کا اقدام کرتی ہیں۔ العیاذ باللہ۔ ان مسائل کی تفصیل فتاویٰ رضویہ، بہار شریعت، اور فقہ اسلامی کی دوسری کتابوں سے معلوم کرنا چاہئے۔ واللہ اعلم کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہٗ۔ اسلامک فونڈیشن ہالینڈ۔ ۲۵ ذی قعدہ ۱۴۱۹ھ

بغیر احرام کے میقات سے گزرنا

مسئلہ ۹۳۹:۔ حبیب الرحمن نوری۔ الکمار، ہالینڈ ۵-۱۱-۱۴۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص بغرض تجارت

وملازمت مکہ مکرمہ جاتا ہے عمرہ یا حج کا ارادہ نہیں ہے ایسی صورت میں اُسے میقات سے احرام کے ساتھ گزرنا چاہئے یا بغیر احرام کے بھی گزر سکتا ہے؟ اگر بغیر احرام کے گزر گیا تو مکہ شریف پہنچ کر اُسے کیا کرنا چاہئے۔　　حبیب الرحمٰن نوری، بزم رضا الکمار، نیدرلینڈ

۸۶/۹۲ الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

مکہ مکرمہ میں حاضری احرام کے ساتھ ضروری ہے خواہ حج وعمرہ کا ارادہ ہو یا تجارت وملازمت کا، یا کچھ بھی ارادہ نہ ہو۔ المبسوط میں ہے۔

لیس لاحد ینتھی الی المیقات اذا اراد دخول مکة ان یجاوزھا الا باحرام سواء کان من قصدہ الحج والقتال والتجارة	جس شخص نے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کی نیت کی خواہ حج وجہاد کی نیت ہو یا تجارت کی اسے بغیر احرام کے میقات سے گزرنا جائز نہیں۔

فتح القدیر ص۴۱ میں ہے۔

ان جمیع الکتب ناطقة بلزوم الاحرام علی من قصد مکة سواء قصد النسک اولا　اھ	تمام کتب فقہیہ میں وضاحت ہے کہ مکہ مکرمہ میں جانے کی نیت سے احرام میں ہونا لازم ہے خواہ مکہ شریف میں حاضری حج کے لئے ہو یا نہیں۔

اگر کوئی شخص بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہو گیا تو اس پر عمرہ یا حج لازم ہو جاتا ہے پھر اگر وہ شخص حج یا عمرہ کا احرام وہیں باندھ لے تو اس پر ایک دم لازم آتا ہے۔ اور اگر احرام کے لئے کسی میقات کی طرف لوٹ گیا تو دم ساقط ہو جائے گا مگر میقات سے بغیر احرام کے گزرنے کی وجہ سے اسے توبہ کرنی ہوگی۔ وتفصیلہ فی البدائع۔ واللہ اعلم

کتبہ عبد الواحد قادری غفرلہ، دار الافتاء القرآن۔ ۷ ذی قعدہ ۱۴۰۹ھ

چند طوافوں کی نماز ایک بار پڑھنا

مسئلہ ۹۴۰ :- مزمل حسین فریدی، بریڈفورڈ
۱۲-۴-۱۹۹۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کیا ہر طواف (سات چکر) کے

بعد دو رکعت صلوٰۃ الطواف پڑھنا واجب ہے؟ یا چند طوافوں کو اکٹھا کر کے ایک ہی مرتبہ طواف کی نماز پڑھ لینا کافی ہے۔ اور کیا دو یا تین طوافوں کے بعد دو رکعت نمازِ طواف ہی کافی ہے؟ تینوں سوالوں کا جواب درکار ہے۔

مزمل حسین فریدی، بریڈفورڈ، انگلینڈ

۹۲/۸۶ الجواب

جی ہاں ہر طواف کے بعد جب وقت مکروہ نہ ہو دو رکعت نماز طواف کا پڑھنا واجب ہے۔ چند طوافوں کو اکٹھا کر کے سب کی نماز ایک ساتھ پڑھنا مکروہ ہے جبکہ وقت مکروہ نہ ہو اور اگر طواف وقتِ مکروہ میں کیا۔ مثلاً فجر کی نماز کے بعد سے طلوعِ آفتاب تک یا عصر کی نماز کے بعد سے غروب آفتاب تک یا وقت استوا سے وقت زوال تک تو ان صورتوں میں جتنے طواف کئے گئے سب کی نماز طواف وقت مکروہ نکلنے کے بعد بیک وقت بالاجماع مکروہ نہیں۔ کما فی الشامی ص۲۳۳ ج۲۔ فتاویٰ شامی میں ہے۔

یکرہ عندھما الجمع بین اسبوعین او اکثر...... وفیہ ایضاً ... والخلاف فی غیر وقت الکراھۃ اما فیہ فلا یکرہ بالاجماع اھ

کہ دو یا زیادہ طوافوں کی نماز کو جمع کرنا شیخین کے نزدیک مکروہ ہے۔ اور اسی شامی میں یہ بھی ہے کہ یہ اختلاف غیر وقت کراہت میں ہے لیکن وقت کراہت کی وجہ سے کئی طوافوں کی نماز کو ایک ساتھ پڑھنا بالاتفاق مکروہ نہیں

دو یا تین طوافوں کے بعد دو یا تین دوگانہ پڑھنا واجب ہے ایک دوگانہ سب کے لئے کافی نہیں۔ واللہ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری جامعہ مدینۃ الاسلام دی ہیگ ہالینڈ
۱۳ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ

شوہر یا محرم اگر درمیانِ سفر فوت ہو جائے

مسئلہ ۹۴۱: - محمد شریف دل روشن، آمسٹرڈم ۱۱-۷-۱۴۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ ربانی وعلمائے حقانی اس عورت کے بارے میں

جو اپنے شوہر کے ساتھ ہالینڈ سے براہ دمشق سفر حج پر روانہ ہوئی، دمشق پہنچ کر اس کا شوہر راہی ملک عدم ہوا اور قافلہ میں اس کا کوئی محرم بھی نہیں ہے جس کے ساتھ وہ سفر جاری رکھ سکے اور دمشق میں بھی کوئی آشنا نہیں جس کے یہاں قیام کر سکے تو ایسی صورت میں وہ عورت کیا کرے؟۔ یا کسی عورت کا محرم جدہ پہنچ کر مر گیا، کیا وہ جدہ سے واپس آجائے یا ادائے حج کے لئے مکہ چلی جائے؟

محمد شریف دل روشن دل محمد، آمسٹرڈم، نیدرلینڈ

۸۶ / ۹۲

الجواب بعون الملک الوہاب

مذکورہ دونوں عورتیں بلاء عظیم میں گرفتار ہوگئیں اللہ تبارک و تعالیٰ رحم فرمائے اور خلاصی کی راہ دکھلائے۔ پہلی عورت ایسی جگہ پہنچ گئی ہے جہاں سے دونوں جانب مسافت سفر ہے اور دونوں جانبوں میں سے کسی جانب کو سفر کے لئے بے محرم کے اختیار کرنا حرام ہے۔ اگر عزت و آبرو کے ساتھ دمشق میں رہنا میسر ہوتا تو اسے کسی محرم کے آنے تک یا دوسرا نکاح کرنے تک دمشق میں رہنے کا حکم دیا جاتا مگر شہر دمشق میں اس کا کوئی شناسا نہیں تو اس مجبوری و ضرورت میں اسے مذہب غیر کی تقلید کی وقتی اجازت مل سکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے مطابق وہ اپنے قافلہ میں معتمد و ثقہ عورتوں کو تلاش کرے اور ان کے ساتھ سفر کو جاری رکھے یا وطن واپس آجائے۔ دونوں اختیار ہے۔

اور جو عورت جدہ پہنچ کر بے شوہر ہوگئی اسے بے محرم کے وطن واپس لوٹنا حرام ہے۔ البتہ مکہ معظمہ جدہ سے سفر شرعی کی دوری پر نہیں ہے لہٰذا مکہ معظمہ چلی جائے اور حج کے بعد وہیں ٹھہرے تاکہ اس کا کوئی محرم اس کو لینے کے لئے وطن سے پہنچ جائے اور اگر محرم نہ ہو یا جانے آنے کے لئے تیار نہ ہو، یا آنے جانے کے لئے تیار ہے مگر وہ بے خوف بے دین کا کوئی پاس لحاظ نہیں ہے تو اس عورت کو چاہئے کہ کسی سے نکاح شرعی کرے اگرچہ صرف سفر طے کر کے اپنے گھر پہنچنے کے لئے۔ اور اگر یہ صورت بھی ممکن نہ ہو تو پہلی عورت کی طرح بحالت مجبوری و ضرورت اسے بھی مذہب غیر پر عمل کرتے ہوئے اپنے وطن

آجانا چاہئے .... جیسا کہ فتاویٰ رضویہ میں ہے۔

کمافی فتاوی الرضویه ۔ وکانت	کہ کسی عورت کو اثناء راہ شہر میں شوہر نے طلاق
لمن ابانها زوجها او مات عنها	بائن دیدی یا وہ انتقال کر گیا اور اس عورت اور
ولوفی مصر ولیس بینهما وبین	اس کے وطن کے درمیان مدت سفر نہیں ہے تو وہ
مصرها مدة سفر رجعت ولو	لوٹ آئے۔ اور اگر وطن کے لئے مسافت
بین مصرها مدة وبین مقصدها	سفر ہے اور مقصد سفر کے لئے مسافت سفر
اقل مضت اھ	نہیں تو سفر جاری رکھے۔

لیکن اس رخصتِ شرعی کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اپنی صوابدید پر کسی عذر کو ضرورت مان لیا یا کسی عام مجبوری کو ضرورت مان لیا اور مذہب غیر پر عمل کر لیا۔ شرعی طور پر جب تک ضرورت متحقق نہ ہو مذہب غیر پر عمل جائز نہیں اگرچہ مذاہب اربعہ برحق ہیں لیکن جو جس مذہب کا مقلد ہے اس پر اسی کی تقلید واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء اسلامک فونڈیشن ہیدرلینڈ

۲۱ رجب المرجب ۱۴۲۰ھ

شوہر کی اجازت کے بغیر حج میں جانا

مسئلہ ۹۴۲:۔ سید نور اللہ بریڈ فورڈ۔ انگلینڈ
۱۴۱۸ھ ۱۲-۹-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت پر حج فرض ہے مگر اس کا شوہر ہے گو ہر نہ اس کے ساتھ حج میں جانے کو تیار ہے اور نہ ہی اُسے اس کے بھائی بھاوج کے ساتھ جانے کی اجازت دیتا ہے۔ ایسی صورت میں عورت سوچتی ہے کہ اگر میں حج نہ کروں تو سخت گنہ گار مستحق عذاب نار بنتی ہوں اور اگر بے اجازت شوہر سفر حج میں چلی جاتی ہوں تو حج تو ادا ہو جائے گا مگر اس کے باوجود شوہر کی نافرمانی کی وجہ سے گنہ گار اور مستحق نار بنتی ہوں۔ اب وہ عورت عجیب مخمصہ میں ہے کہ کیا کرے کیا نہ کرے۔ اس مسئلہ کے حل کے لئے وہ آپ کے دارالافتاء سے رجوع کرتی ہے اور

امید کرتی ہے کہ کوئی شرعی مناسب حل نکال کر شاد کام فرمائیں گے۔

المستفتی: سید نور اللہ ابن سید عطاء اللہ شاہ، وارد حال بریڈفورڈ انگلینڈ

الجواب ⸺ اللھم ھدایۃ الحق والصواب (۸۶/۹۲)

واقعی عورت مذکورہ مجبورہ کا شوہر بے گو ہر ہے کہ وہ فرائض الٰہیہ کی ادائیگی میں مداخلت کر رہا ہے۔ حج فرض ہو جانے کے بعد فوری طور پر اس کی ادائیگی واجب ہے اور تاخیر گناہ کبیرہ۔ اور شوہر مذکور اپنی بیوی کو گناہ کبیرہ کے دلدل میں ڈھکیلنے کی بھول کر رہا ہے پھر حسن اتفاق سے اس عورت کو سفر حج کے لئے قریبی محرم بھی میسر ہے۔ معلوم نہیں آئندہ ایسا سنہری موقع ہاتھ آتا ہے یا نہیں اسلئے شوہر مذکور کو چاہئے کہ برضا و رغبت اپنی بیوی کو سفر حج میں جانے کی اجازت دیکر خود گناہ سے بچے اور اپنی بیوی کو گناہ سے بچائے۔ بالفرض اگر شوہر مذکور اجازت نہ دے تو حج چونکہ فرائض الٰہیہ سے ہے جسکی ادائیگی جلد از جلد واجب ہے اس عورت کو شرعی طور پر اجازت ہے کہ وہ اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے بھائی کے ساتھ سفر حج پر چلی جائے اور فرض کی ادائیگی سے سبکدوش ہو، صورت مسئولہ میں شوہر کی اجازت کے بغیر سفر حج کرنا گناہ و نافرمانی نہیں بلکہ یہ حق شریعت مطہرہ نے اسے دیا ہے۔

قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم — رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی

لاطاعۃ لاحد فی معصیۃ اللہ — نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں کرنی چاہیئے (مسند احمد بن حنبل)

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت علیہ الرحمہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں

”جبکہ عورت پر حج فرض ہے اجازت شوہر کی ہرگز حاجت نہیں“ فان الاصح ان افتراض الحج فوری۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: عبد الواجد قادری خادم الافتاء جامعہ مدینۃ الاسلام دی ہیگ

۱۲ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ

معطر ماکولات و مشروبات اور محرم

مسئلہ ۹۴۳: محمد رفیق۔ ہورن

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ میں کہ مکہ شریف میں بحالتِ احرام ایک معلم صاحب کی دعوت میں میں نے شرکت کی۔ دسترخوان پر نوع بنوع کھانے اور مشروبات چنے ہوئے تھے جس کی زعفرانی ومشکی خوشبو دسترخوان کے علاوہ ماحول کو معطر کر رہی تھی حجاج کرام نے شکم سیر ہو کر کھایا پیا۔ تو سوال یہ ہے کہ ان خوشبودار چیزوں کے استعمال سے محرم حضرات پر دم لازم ہوا یا نہیں؟ اور عمداً کھایا پیا تو توبہ واجب ہوتی ہے یا نہیں؟

سائل: محمد رفیق بنگالی ہورن، تیدرلینیڈ

۸۶/۹۲

الجواب بتوفیق الملک الوهاب

اگر مشروبات میں خوشبو ملاکر اُسے پکایا گیا ہو تو اس کا حکم بھی پکائے ہوئے کھانوں کی طرح ہے کہ محرم کے لئے اس کا پینا جائز اور پینے والے محرم پر دم یا صدقہ نہیں، اسی طرح جن کھانوں میں زعفران، عرق گلاب، عرق کیوڑہ وغیرہ خوشبو ملایا گیا ہو اور پھر اسے پکالیا گیا ہو تو پکانے سے چونکہ اس کا وجود مختلط ہو کر ختم ہو گیا تو اب اس کے وجود کا اعتبار نہ رہا اور اس کا کھانا محرم کے لئے جائز ومباح ہو گیا۔

صورتِ مسئولہ میں جو خوشبودار کھانا محرموں نے کھایا اس کی وجہ سے وہ شرعی مجرم نہیں ہوئے، نہ ہی ان پر کوئی صدقہ وغیرہ واجب ہوا۔ مشروبات میں اگر پھلوں کا جوز ہو یا پکایا ہوا مشروب ہو تو اس کے پینے میں بھی کوئی حرج واقع نہیں ہوا۔ البتہ پھل یا اس کے جوز کا خوشبو کیلئے سونگھنا منع ہے لیکن کھانے پینے میں خوشبو لینا مقصود نہیں ہوتا ہے اس لئے وہ شرعاً حرام نہیں ہے۔

شرح لباب مع ارشاد الساری، فصل فی اکل الطیب وشربہ ص۲۱۲ میں ہے

الطیب اذا خلطه بطعام قد طبخ فلا شئ علیه اتفاقا یوجد ریحه اولا۔ لانه بالخلط و الطبخ یصیر مستهلکا فلا یعتبر وجوده اصلا۔	خوشبو اگر ایسے کھانے میں ملائی جسے پکالیا گیا ہو تو اس کے کھانے سے بالاجماع محرم پر کوئی شئے لازم نہیں ہوگی خواہ اسکی خوشبو باقی ہو یا باقی نہ ہو۔ کیونکہ وہ ملنے اور پکنے کی وجہ سے ہلاک (ختم) ہوگئی اب اسکے وجود کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

واللہ اعلم کتبہ عبد الواحد قادری غفرلہ خادم الافتاء اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ
۱۸ رجمل ۱۴۱۹ھ

حج ٹیکس اور اس کا حکم

مسئلہ ۹۴۴ :۔ محشر نظامی، مکہ مکرمہ
15-10-98

کیا فرماتے ہیں علمائے ربانی ومفتیانِ حقانی اس مسئلہ میں سعودی گورنمنٹ نے ہر حاجی پر ایک حج ٹیکس عائد کر دی ہے جسکی ادائیگی ہر حاجی پر لازم ہے بغیر اسکے ادا کئے ہوئے سعودی امبیسیاں ویزا نہیں دیتی ہیں۔ ... سوال یہ ہے کہ مقدس عبادت کے نام پر مسلمانوں سے بالجبر ٹیکس وصول کرنا اور ٹیکس نہ دینے والے مسلمانوں کو حج کی سعادت سے محروم کرنا شرعاً کیسا ہے؟ نیز یہ ٹیکس وجوب حج کے لئے ممانعت کا سبب تو نہیں؟
سائل: محشر نظامی، شارع خالد بن ولید، مکۃ المکرمہ

الجواب بعون الملک الوہاب ۹۲/۸۶

حافظ حقیقی نجدی بلاؤں سے مسلمانوں کو محفوظ و مامون رکھے آمین۔ فرض الٰہی کی ادائیگی کے لئے مسلمانوں پر ٹیکس لادنا مسلمانوں پر ظلم و جبر اور مسجد حرام نیز دیگر شعائر الٰہیہ کی زیارتوں سے روکنا ہے جو نہایت درجہ حرام اور عذاب قہار کو دعوتِ آمد دینے کے مترادف ہے۔ لقولہ تعالیٰ وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (کیا انہیں اطمینان ہے کہ اللہ ان پر عذاب نہ کرے گا حالانکہ وہ مسلمانوں کو مسجد حرام سے روکتے ہیں)

حجاز مقدس پر ظلم و جبر کے ساتھ غاصبانہ قبضہ کرنے والے نجدی درندے عنقریب جبار و قہار مالک کی گرفت شدید میں آنے والے ہیں، کہ ایسوں کے لئے شہنشاہ عرب و عجم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بد دعائیں موجود ہیں۔ مسلم شریف میں ہے
اَللّٰهُمَّ من ولی من امر امتی شیئًا الٰہی! میری امت کے نام پر جو شخص بالجبر حاکم بن بیٹھا فشق علیهم فاشقق علیه .... پھر اس نے ان پر مشقت ڈالی تو تو اس پر مشقت ڈال (آمین)

مسلمانوں پر حج ٹیکس لاد کر واقعی اس نے مسلمانوں کو مشقت میں ڈالنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ یہ آمدنی اس کے لئے حرام ہے۔ پھر بھی اگر ادائے فرض کے لئے بادل ناخواستہ یہ ٹیکس مسلمانوں کو دینا پڑتا ہے تو مسلمان معذور ہے۔ کرم الٰہی سے امید ہے کہ اس سے مواخذہ نہیں ہوگا۔ اس ٹیکس کا نفاذ اگرچہ وجوب حج کے لئے مانع نہیں مگر مسلمانوں کو ایک حج فرض کے بعد محتاط ہو جانا چاہئے کہ ایک بڑے گناہ کی جھولی میں چھوٹی نیکی ڈالنے کے لئے سعی نہ کریں اور اس طرح نجدیوں بدمذہبوں کا مالی تعاون بھی ہوتا ہے جس کے ذریعہ وہ مذہب اہلسنّت کو مٹانے کی مسلسل نت نئی کوششیں کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے مکر وفریب اور بد مذہبیت سے مسلمانانِ اہلسنّت کو بچائے۔ کتبہ عبدالواجد قادری نوری دارالافتاء، آمسٹرڈم

۱۵ر شوال المکرم ۱۴۱۷ھ

زیارت اقدس کا احسن طریقہ

مسئلہ ۹۴۵:- اشفاق احمد اوسلو
۱۶ھ-۱۱-۱۴۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ روضۂ انور علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کے وقت زائرین کو کتنی دوری پر، کس طرح کھڑا ہو کر یا بیٹھ کر سلام پیش کرنا چاہئے؟ روضۂ انور کی مبارک سبز جالیوں سے چپک کر نجدی سپاہی کھڑے رہتے ہیں جو زائرین کو بوسہ لینے یا چومنے سے روکتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا جالیوں کو چومنا چاہئے یا نہیں؟ **بینوا وتوجروا**

اشفاق احمد خاں۔ اوسلو، ناروے

۷۸۶
۹۲ **الجواب** اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

وہ مبارک سبز جالی جو روضۂ مقدسہ کی جنوبی (سمت قبلہ) دیوار میں لگی ہے اس سے کم از کم دو میٹر کے فاصلہ پر اس طرح کھڑا ہونا چاہئے کہ مزار پُر انوار کی جانب زائر کا چہرہ رہے اور قبلہ شریف کی طرف پیٹھ رہے۔ پھر اس طرح اپنے دونوں ہاتھوں

کو باندھے جس طرح نماز کے لئے باندھتا ہے۔ یعنی داہنے ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی کلائی پر رہے، آنکھیں شرم وندامت سے جھکی ہوئی ہوں بلکہ گریاں ہوں۔ اور تصور میں سامنے روحِ کائنات علیہ افضل الصلوات جلوہ بار ومتوجہ ہوں۔ پھر نہایت شیریں آواز میں لجاجت کے ساتھ صیغہائے درود وسلام اپنی زبان پر جاری کرے اور یقین جانے کہ اس کا سلام کلام، اس کی حاضری، اس کی حالتِ ظاہری اور کیفیاتِ باطنی سب کچھ سیدعالم صلی اللہ علیہ وسلم بعطائے الٰہی عزوجل سنتے دیکھتے اور جانتے ہیں۔ ارشادالساری باب زیارۃ سیدالمرسلین صفحہ ۳۳۸ میں ہے۔

انّہ صلّی اللہ علیہ وسلم عالمٌ	بلاشبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تیری حاضری
بحضورك وقیامك وسلامك	تیرے قیام وسلام یعنی تیرے تمام
ای بل بجمیع افعالك واحوالك	افعال واحوال اور سفر وحضر سے
وارتحالك ومقامك	باخبر ہیں۔

فتاویٰ عالمگیری صفحہ ۲۶۵ ج ۱ میں ہے

یقف کمایقف فی الصّلوٰۃ	حضور کے سامنے ایسا کھڑا ہو جیسے نماز میں کھڑا ہوتا ہے

اور لباب وشرح لباب صفحہ ۳۳۷ میں ہے

واضعًا یمینہ علٰی شمالہ	دست بستہ داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر کھڑا ہو۔

جب تک ذوق وشوق ساتھ دے درود وسلام کے نذرانے پیش کرتا رہے اخیر میں شفاعتِ کبریٰ اور بار بار حاضری کا سوال پیش کرے۔ پھر دوست واحباب جنہوں نے سلام پیش کرنے کی ذمہ داری دی ہے ان سب کی طرف سے سلام و گذارشات پیش کرے۔

سبز جالیوں سے جو بے ادب پیٹھ لگائے کھڑے رہتے ہیں ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیں۔ کیونکہ

زمین شور سنبل بر نیارد ∴ دراں تخم عمل ضائع مگرداں

ہاں خود ان مبارک جالیوں کو اپنا گنہ گار ہاتھ یا ہونٹ لگانے کی جرأت نہ کریں

کہ یہ بھی کمالِ ادب کے خلاف ہے۔ یہی کیا کم کرم نوازی ہے کہ اپنے قرب خاص میں بلاکر سلام وکلام کو سماعت فرمایا اور احوال وکیفیات کو دیکھا۔ پھر اُس تعظیم وتکریم کا موقع عنایت فرمایا جس سے تعظیم کرنے والا بھی بے خبر ہے۔ فصلوات اللہ تعالیٰ وسلامہٗ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ ابداً اسرمداً

اعلیٰحضرت دریائے فضل وکرامت علیہ الرحمت فرماتے ہیں

اے شوقِ دل یہ سجدہ گر اُن کو روا نہیں ؛ اچھا وہ سجدہ کیجئے کہ سر کو خبر نہ ہو

رَزَقَنَا اللّٰہُ تَعَالٰی وَاِیَّاکُمْ زِیَارَتَہٗ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم مع اہتمامِ الشرع وکمالِ الادب۔ واللہ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء جامعہ مدینۃ الاسلام دی ہیگ۔

۱۳ ذی قعدہ ۱۴۱۶ھ

مسجد نبوی اور پُرسوز اذانِ بلالی

مسئلہ ۹۴۶ :۔ شیر علی خاں، آلکس میر ہالینڈ ۱۲-۵-۱۹۸۸ء

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ بالا مقام اس واقعہ کے بارے میں کہ ایک مولوی مقرر صاحب نے اپنی تقریر میں بیان کیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد جب حضرت بلال نے شام سے آکر مسجد نبوی میں اذان پڑھی تو پورے شہر پاک میں کہرام مچ گیا اور اس اذان کو سنکر جوانانِ مدینہ خواہ پردہ نشین ہی کیوں نہ ہوں سب اپنے اپنے گھروں سے باہر آگئیں۔ کیا یہ واقعہ تاریخ کی روشنی میں صحیح اور سچ ہے؟ اگر صحیح ہے تو حوالجات کے ساتھ جواب تحریر فرمائیں اور اگر صحیح نہیں ہے تو ایسے مقرر مولوی کی کیا سزا ہونی چاہئے جو شہر رسول کی پردہ نشیں عورتوں سے متعلق یہ بیان کرے؟

شیر علی خاں آلکس میر

الجواب ۷۸۶/۹۲ ـــــــ بعون الوھّاب ـــــــ

جی ہاں تاریخ اسلام، کتب احادیث وسیر کی روشنی میں یہ واقعہ صحیح ہے۔ حضرت

امام ابن عساکر نے حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس واقعہ کو روایت کیا،
حضرت علامہ امام سبکی نے شفاء السقام میں، اور علامہ ابن حجر نے الجواہر المنظم میں اس واقعۂ مذکورہ کی سند کو جید فرمایا ہے کہ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب وصالِ محبوب علیہ السلام کے بعد اپنی مستقل سکونت ملک شام میں اختیار کرلی، تو ایک شب خواب میں سرور کائنات روحی لہ الفداء علیہ التحیۃ والثناء کی زیارتِ اقدس سے مشرف ہوئے اور یہ فرماتے ہوئے سنا۔

ما ھذہ الجفوۃ یا بلال اما آن لک ان تزورنی یا بلال۔ اے بلال! یہ کیا جفا ہے؟ اے بلال!! کیا ابھی تیرے لئے وہ وقت نہ آیا کہ تو میری زیارت کو حاضر ہو۔

اس خواب سے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ لرزاں و ترساں بیدار ہوئے اور فوراً مزارِ پُرانوار کی زیارت کے ارادہ سے مدینہ منورہ کے سفر پر روانہ ہوگئے۔ جب شرفِ حضوری سے مشرف ہوئے تو قبر انور سے لپٹ کر رونے لگے اور اس کی خاک شریف کو اپنے چہرہ پر مل کر اسے روشن و تابناک بنانے لگے۔ اسی اثناء میں دونوں شہزادے (حضرات حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما) وہاں تشریف لے آئے۔ حضرت بلال نے انہیں سینے سے لگاکر پیار فرمایا، شہزادوں نے فرمایا ہم تمہاری اذان کے مشتاق ہیں، حضرت بلال تعمیلِ حکم کے لئے مسجد نبوی کی چھت پر اس جگہ گئے جہاں سے زمانۂ اقدس میں اذان پکارا کرتے تھے۔ جس وقت اپنی پُرسوز آواز کے ساتھ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہا پورے مدینہ میں لرزہ پڑگیا، اور جب اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللہ کہا تو کنواری جوان لڑکیاں پردوں سے نکل آئیں۔ یہ سب بیخودی اور وارفتگی شوق کے عالم میں ہوا۔ شفاء السقام میں ہے کہ انتقال پُرملال کے بعد سے اب تک مدینہ منورہ میں ایسا رونے اور بیخودی کا سماں کبھی نہ بندھا تھا۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ

کتبہ عبد الواجد قادری خادم الخطیب مسجد طیبہ آمسٹرڈم ہالینڈ

۱۷ اپریل ۸۸ء

بعض حالات میں تصاویر مقطوع کی اجازت

مسئلہ ۹۴۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آجکل پاسپورٹ، ویزا لائیسنس اور امتحانات وغیرہم کے لئے ان تصاویر کو گورنمنٹ کے محکموں نے ضروری قرار دیا ہے جن سے پاسپورٹ ہولڈرز وغیرہ کی خاصی پہچان ہوسکے۔ اور بغیر تصویر کے کاغذاتِ مذکورہ کا اجرا، قانونی طور پر ممکن نہیں یا بہت مشکل ہے۔ ایسی صورتِ حال میں پاسپورٹ یا ویزا کے لئے یا مختلف قسم کے لائیسنسز کے لئے کاغذی تصویر کی اجازت ہے یا نہیں؟ جواب سے نوازنے کی زحمت کریں۔

سائل: محمد شفیق کامل، بارسلونا، پاک محمدی مسجد، اسپین۔

۹۴۷ الجواب ـــــــ هوالهادی الی الصّواب ـــــــ

جاندار کی تصاویر کی حرمت وشناعت شرع اور اصولِ شرع سے واضح اور روشن ہے، جس پر دلائل وبراہینِ کثیرہ موجود ہیں۔ اور غیر جاندار کی تصویریں بنانی، اگر لہو ولعب کے قبیل سے نہ ہوں تو جائز ومباح ہے۔

علماء کا اختلاف دراصل اس میں ہے کہ جاندار کے جسم کے ایسے حصّہ کی تصویر، جو دوسرے حصّوں سے علیحدہ ہوکر زندہ نہ رہ سکے جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً کمر کے نیچے دونوں پاؤں کی تصویریں، سینے کے اغل بغل سے دونوں ہاتھوں کی تصویریں جس کی ضرورت ڈاکٹروں کو علاج کے سلسلہ میں پڑتی ہے۔ اسکے جواز میں بھی شک نہیں کہ اگرچہ یہ آدمی (جاندار) کے جسم کے بعض حصّوں کی تصویریں ہیں مگر یہ ایسے حصّوں کی تصویریں ہیں جو جسم سے علیحدہ ہوکر زندہ نہیں رہ سکتے۔ اسی طرح ہاتھ پاؤں کے ساتھ سینے سے نیچے کی تصویر یا آدھے سینہ سے چہرہ اور سر کی تصویر علیحدہ علیحدہ (مصوّر) زندہ نہیں رہ سکتے۔ اور جو حصہ جسم سے علیحدہ ہوکر زندہ نہیں رہ سکتے اس حصّہ کی تصویر کی اجازت عند الحاجت ہونی چاہئے۔

(جسم کے علیحدہ علیحدہ حصوں کی تصویروں کو ویڈیو کیسٹ کے ریز الیکٹرک

شعاعوں) پر قیاس نہیں کرنا چاہئے کہ ان شعاعوں کا مقصود ہی مکمّل جاندار کی تصویروں کا وجود میں لانا ہے۔

پاسپورٹ، ویزا وغیرہ کے لئے ایسے فوٹو استعمال کئے جاتے ہیں جو سر سے لیکر سینہ کے اوپری حصہ تک ہوتے ہیں۔ اگر انسان کو نصف سینہ سے کاٹ دیا جائے تو وہ انسان زندہ نہیں رہتا ہے تو گویا یہ فوٹو کسی بے جان جسم کا فوٹو قرار پائے گا جس کی شرع میں عند الحاجۃ اجازت ہے۔ جاندار کی تصویر کی حرمت بیان فرماتے ہوئے حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا۔

فاصنع الشجر ومالا نفس لہ	تو شجر و حجر اور ایسی چیز کی تصویر بناؤ جس میں جان نہ ہو۔

اور صحیح مسلم ص۲۰۲ و بخاری ص۲۹۶ میں ہے۔

کل شیٔ لیس فیہ روح	ہر ایسی چیز کی تصویر جسمیں روح نہیں ہے جائز ہے

فتح الباری شرح بخاری ص۳۲۲ میں جاندار کی تصویر کا حکم بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

غیرت عن ہیئاتھا اما بقطعھا من نصفھا او بقطع راسھا اھ	تصویر کی ہیئت کو اس کے نصف زیریں کاٹکر یا اس کے سر کو قلم کرکے بدل دیا جائے تو اس کا حکم حرمت بدل جائے گا۔

المصوّرون کی شرح میں فیض القدیر شرح جامع صغیر جلد ۲ میں ہے۔

لصورۃ حیوان تام۔	جاندار کی تصویر کامل حرام ہے
وخرج بالحیوان غیرہ کشجر	حیوان کی قید لگانے سے غیر حیوان کی تصویر نکل گئی جیسے درخت
وبالتام مقطوع نحو رأس مما لایعیش بدونہ	اور تام کی قید لگانے سے ایسے اعضا ءبریدہ انسان کی تصویر کا حکم بدل گیا جس کے بغیر انسان زندہ نہیں رہتا ہے۔

حاجت اور بدلتے ہوئے حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہمارے معتمد علیہم علماء کرام نے مذکورہ ضروری کاغذات وغیرہ کیلئے تصاویر مقطوعہ کی اجازت دی ہے۔ لیکن اس اجازت کو حدودِ حاجت ہی میں رکھنا ضروری ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ مجلس علماء نیدرلینڈ

۳؍شعبان ۱۴۲۲ھ

حج تمتع کے احرام کے بعد طواف وسعی

مسئلہ ۹۴۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حج کے موسم میں، میں گھر سے نکلا تو عمرہ کی نیت سے احرام باندھا اور مکہ مکرمہ پہنچکر میں نے عمرہ کیا اور احرام کھول دیا۔ پھر ۸ تاریخ ذی الحجہ کو صبح کے وقت حج کا احرام اپنے ہوٹل ہی میں باندھا اور منیٰ شریف کے لئے روانہ ہوگیا۔ نماز ظہر کی اذان سے پہلے میں منیٰ پہنچ گیا تو میرے دوستوں نے کہا کہ احرام میں داخل ہوجانے کے بعد تمہیں طواف وسعی یا کم از کم طواف کرکے منیٰ آنا چاہئے۔ یہ تم سے غلطی ہوئی۔ سوال یہ ہے کہ اس غلطی کے ازالہ کے لئے کیا کفارہ یا جرمانہ دینا ہوگا؟ واضح فرمائیں۔

اسرائیل نوری۔ خرونیگن ہالینڈ، وارد حال، مکہ شریف

الجواب ۹۴۸ ـــــــ هوالهادی الی الصواب ـــــــ

صورت مسئولہ میں آپ متمتع ہوئے یعنی ایک ہی سفر میں ایک احرام سے پہلے عمرہ پھر دوسرے احرام سے حج کیا۔ اور متمتع کے لئے احرام کے بعد نہ طواف ہے نہ سعی۔ بلکہ اس کے لئے صرف طواف زیارت ہے جو فرض ہے اور اس کی ادائیگی قربانی وحلق کے بعد ہوتی ہے۔ ہاں اگر کسی متمتع نے حج کے احرام میں داخل ہونے کے بعد ایک نفلی طواف اور اس کے ساتھ سعی بھی کرلیا۔ تو طواف زیارت (افاضہ) کے بعد سعی کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ فتاویٰ شامی میں ہے۔

لیس علی المتمتع طواف قدوم — متمتع حاجی پر طواف قدوم نہیں ہے۔

اور جب آپ سے کوئی غلطی (جنایت) نہیں ہوئی تو کفارہ (دم، صدقہ، بدنہ) کا بھی سوال نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

چند نماز طواف کو جمع کرنا

مسئلہ ۹۴۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر بعد نماز فجر

وقت میں وسعت کی وجہ سے دو یا تین طواف کرلیا جائے اور واجب الطواف نماز وقت کراہت کی وجہ سے ادا نہ کی جائے تو تینوں دوگانہ سورج نکلنے کے بعد ایک ساتھ ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اس میں کوئی کراہت تو نہیں آتی؟

جواب کا منتظر۔ عبدالشکور براہیمی ،موریشیش ۔ وارد حال مکہ مکرمہ

۹۴ / ۲۸۶ الجواب ـــــــ ھو الھادی الی الصواب ـــــــ

نماز طواف ۔ طواف مکمل ہوجانے کے بعد علی الفور واجب ہے جبکہ وقت مکروہ نہ ہو۔ اور اگر اس کی ادائیگی میں تاخیر ہوئی تو جب بھی پڑھے گا ادا ہی ہوگی قضا نہیں ہوگی کیونکہ اس کی ادا وقت کے ساتھ مؤقت نہیں ہے ۔ وقت کراہت میں نمازیں مکروہ ہیں طواف نہیں۔ لہٰذا جو طواف وقت مکروہ میں کیا گیا اس کی نمازیں وقت کراہت نکل جانے کے بعد پڑھنا بالاجماع مکروہ نہیں ۔

علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ نے ردالمحتار میں فرمایا

والخلاف فی غیر وقت الکراھۃ امافیہ فلا یکرہ بالاجماع	غیر وقت کراہت کے چند طوافوں کی نمازوں کے جمع کرنے میں اختلاف علماء ہے لیکن وقت مکروہ کی چند طواف کو ایک ساتھ پڑھنا بالاجماع مکروہ نہیں ۔

فتاویٰ شامی ص۲۳۳ ج۱ ہی میں ہے ۔

یکرہ عندھما الجمع بین اسبوعین او اکثر۔	حضرات شیخین کے نزدیک دو یا زیادہ طوافوں کی نمازوں کو غیر وقت مکروہ میں جمع کرنا مکروہ ہے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ ۔ اسلامک فونڈیشن ہیڈ ہالینڈ

۱۱ رجمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ

اذانِ فجر سے پہلے مزدلفہ سے گزرنا

مسئلہ ۹۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عرفات سے بذریعہ بس مزدلفہ کے لئے ہالینڈ کے حاجیوں کا قافلہ روانہ ہوا جو آہستہ آہستہ مزدلفہ

کی طرف بڑھتا رہا۔ روشنی کی کثرت اور بھیڑ بھاڑ کی وجہ سے یہ معلوم نہیں ہوا کہ مزدلفہ کب آیا اور گذر گیا اور نہ یہ پتہ چل سکا کہ صبح صادق ہوئی یا نہیں ہوئی۔ البتہ جب قافلہ کی بس منیٰ میں پہنچ گئی اور اکثر حاجی اپنی اپنی قیام گاہ میں آگئے تو منیٰ کی بڑی مسجد میں نمازِ فجر کی اذان ہوئی۔ سوال یہ ہے کہ ایسی صورت میں حاجیوں کا وقوفِ مزدلفہ ہوا یا نہیں؟ کیا صورتِ مذکورہ میں وقوفِ مزدلفہ معاف ہے؟ یا دم دینا لازم آئے گا؟ خلاصہ جواب دیکر شکریہ کا موقع دیجئے۔

قاری فیض الرحمٰن قادری، سابق امام وخطیب مسجد طیبہ آمسٹرڈم، نزیل منیٰ شریف

۹۲ الجواب ـــــــ هو الهادی الی الصواب ـــــــ

مزدلفہ میں وقوف کا وقت صبح صادق طلوع ہو جانے کے بعد سے آفتاب نکلنے کے وقت تک ہے۔ اس درمیان اگر حدودِ مزدلفہ میں چند منٹوں کا بھی قیام پایا گیا یا وہاں سے گزرتے ہوئے چند منٹ لگ گئے تو قیام مزدلفہ متحقق ہو گیا۔ اور حاجی وقوفِ مزدلفہ سے بری الذمہ ہو گیا۔

اگر حاجیوں کی بس حاجیوں کو لیکر صبح صادق کے بعد مزدلفہ کی وادیوں سے گزری ہو تو تمام سوار حاجیوں کا وقوفِ مزدلفہ پایا گیا۔ خواہ حاجیوں کو مزدلفہ یا صبح صادق کا علم ہو یا نہ ہو۔ اور خواہ اس وقت حاجی تسبیح وتہلیل میں مشغول ہو یا خوابِ گراں میں بہر صورت وقوف متحقق ہو جائے گا۔

لباب وشرح لباب مع ارشاد الساری ص۱۴۷ میں ہے۔

الوقوف بها واجب واول وقته طلوع الفجر الثانی من یوم النحر واخره طلوع الشمس منه فمن وقف بها قبل طلوع الفجر او بعد طلوع الشمس لایعتد به وقدر الواجب	مزدلفہ کا وقوف واجب ہے۔ اس کا اول وقت دسویں ذی الحجہ کو صبح صادق طلوع ہونے کے وقت سے شروع ہوتا ہے۔ اور آخری وقت سورج نکلنے تک ہے۔ تو جو شخص صبح صادق سے پہلے یا سورج نکلنے کے بعد وہاں ٹھہرا اسکے ٹھہرنے کا کوئی اعتبار نہیں۔ وقوف مزدلفہ کی مقدار تھوڑی

منہ ساعۃ ورکنہ فکینونتہ — دیر ہے۔ اور اس کا رکن مزدلفہ میں موجود ہونا
بمزدلفۃ بفعل نفسہ او غیرہ — ہے خواہ اپنے عمل سے یا غیر کے عمل سے۔ وقوف کی
نواہ اولم ینو علم بہا اولم یعلم — نیت ہو یا نہ ہو۔ مزدلفہ کا علم اسے ہو یا نہ ہو۔

منیٰ شریف یا مکۃ مکرمہ زادہما اللہ تعالیٰ شرفاً وتکریماً۔ کی مسجدوں میں اوقاتِ نماز کے نقشوں کے مطابق اذانیں ہوتی ہیں۔ فجر کی اذان طلوعِ صبح صادق کے ساتھ ساتھ یا دو چار منٹوں کے بعد ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ قافلۂ حجاج کی بس تقریباً آدھ گھنٹہ پیشتر مزدلفہ سے منیٰ کی طرف گذر گئی کیونکہ دسویں ذی الحجہ کی صبح کو مزدلفہ سے منیٰ تک اس قدر بھیڑ بھاڑ ہوتی ہے کہ بعض بعض بسیں دو تین گھنٹوں میں منیٰ پہنچتی ہیں، پھر ہالینڈ کے حاجیوں کی قیام گاہیں منیٰ کے دور دراز گوشوں میں ہوتی ہیں ان تمام حالات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہنا شریعت مطہرہ کے مزاج سے زیادہ قریب ہے کہ اس قافلہ میں جتنے تندرست اور جوان لوگ تھے ان سب پر دم واجب ہے اور ان میں جو بہت بوڑھے، کمزور بچے اور کمزور دل عورتیں تھیں وہ سب معذور ہیں ان پر دم یا صدقہ واجب نہیں۔

اسی شرح لباب مع ارشاد الساری میں ہے۔

ولو ترك الوقوف بها فدفع ليلاً — اور اگر مزدلفہ کا وقوف چھوڑ کر رات ہی میں حاجی واپس آگیا
فعليه دم الا اذا كان لمرض او ضعف — تو ایسی صورت میں دم لازم ہوگا ہاں اگر کوئی مرض ہو یا کبر سنی
بنية من كبر او صغر او يكون امرأة — و کم عمری کی وجہ سے کمزور ہو، یا ایسی خاتون ہو جو بھیڑ بھاڑ سے
تخاف الزحام فلا شئ عليه۔اھ — بہت ڈرتی ہو تو اب ان پر کوئی شئے (دم، صدقہ) لازم نہ ہوگی۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ نزیل المکۃ المکرمہ شارع خالد بن ولید

۱۵ ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ

رمی جمار کے لئے نائب بنانا

مسئلہ ۹۵۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہم حاجیوں کے قافلہ

کا میر قافلہ ایک صالح العقیدہ عالم دین ہے۔ عرفات و مزدلفہ کے وقوف کے بعد جب ہم لوگ منیٰ لوٹے تو بہت زیادہ تھک چکے تھے۔ عورتیں مردوں کی نسبت زیادہ تھک گئی تھیں۔ انہوں نے میر قافلہ کو رمیٔ جمار کے لئے اپنا نائب بنایا اور میر قافلہ نے سب عورتوں اور بوڑھے مردوں کی طرف سے شیطانوں کو کنکریاں ماردیں۔ پھر ایسا ہی گیارہ تاریخ کو بھی کیا۔ مگر بارہ تاریخ کو عورتوں اور بوڑھوں نے بھی خود سے کنکریاں ماریں۔ اب یہ بتایا جائے کہ رمیٔ جمار ادا ہوا یا نہیں؟۔ بینوا و توجروا۔ حاجی ایف مدارن صدر فریدالاسلام آمسٹرڈم۔ نزیل فندق العزیز، مکہ شریف

۹۲/۴۷ **الجواب ــــــــ هوالهادی الی الصواب ــــــــ**

تھکاوٹ عذر شرعی نہیں ہے اور بغیر عذر شرعی کے رمیٔ جمار کے لئے کسی کو اپنا نائب بنانا جائز نہیں ہے۔ عذر شرعی ایسا مرض ہے جس کی وجہ سے کنکری مارنے کی طاقت ہی نہ ہو، یا بیہوشی کا طاری ہونا ہے، یا ایسا بچہ و دیوانہ جس کو کنکری مارنے کا شعور ہی نہ ہو۔

لیکن جس بیمار کو کسی سواری کے ذریعہ جمرات تک لیجایا جا سکتا ہے یا کندھے پر کوئی لے جا سکتا ہے اس کے لئے بھی یہی ضروری ہے کہ سواری یا کندھے پر جائے اور خود سے رمیٔ جمار کرے یا رمیٔ جمار کے لئے کسی سے مدد لے، مثلاً ہاتھ میں کنکری تو لے سکتا ہے مگر کمزوری کی وجہ سے جمرہ پر مار نہیں سکتا ہے تو کوئی شخص اس کے ہاتھ کو پکڑ کر جمرہ کی طرف جھٹکا دے تاکہ کنکری جمرہ کو لگے یا جمرہ کے قریب پہنچ جائے ......

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسا بیمار جو قیام و قعود پر قادر نہ بیٹھکر نماز پڑھتا ہو اس کو رمیٔ جمار کے لئے کسی کو اپنا نائب بنانا درست ہے۔ اور جو خود قیام و قعود کر سکتا ہو اسے اپنا نائب بنانا جائز نہیں کیونکہ وہ خود کنکریاں مار سکتا ہے۔ امام اہل سنّت مجدّد دین و ملّت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ اپنے فتاویٰ میں شرح لباب سے ناقل ہیں۔

ان یرمی بنفسه فلا تجوز النیابه عند القدرة وتجوز عند العذر — رمی خود کرے قدرت کے باوجود نائب بنانا درست نہیں ہاں عذر کے وقت جائز ہے اگر کسی

فلو رمی عن مریض لایستطیع الرمی بامرہ اومغمیٰ علیہ ولو بغیرامرہ اوصبی غیرممیز او مجنون جائز۔ والافضل ان توضع الحصی فی اکفھم فیر مونھا ای رفقھاھم ففی الحاوی عن المنتقیٰ عن محمد۔ اذا کان المریض بحیث یصلی جالسًا رمی عنہ ولاشئ علیہ اھ

نے ایسے مریض کے کہنے پر رمی کی جو طاقت نہیں رکھتا۔ یا بیہوشی طاری تھی۔ اگرچہ اس نے رمی کا حکم نہ دیا ہو یا جس بچہ کو شعور نہ ہو یا دیوانے کی طرف سے رمی کردی تو جائز ہوگی۔ افضل یہ ہے کہ کنکری معذوروں کے ہاتھوں میں رکھ دیئے جائیں اور انکے دوست احباب رمی کردیں۔ فتاویٰ حاوی میں منتقیٰ کے حوالہ سے حضرت امام محمد کی روایت ہے کہ جب مریض اس حال میں پہنچ جائے کہ نماز صرف بیٹھکر ادا کرتا ہو پھر اسکی طرف سے کسی نے رمی کردی تو اس پر کوئی شئے (صدقہ یا دم) لازم ہوگی

پھر اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ شرح لباب کے حوالہ سے فرماتے ہیں۔

ولعل وجھہ انہ اذا کان یصلی قائمًا فلہ القدرۃ علے حضور المرمی راکبًا اومحمولًا فلا یجوز النیابۃ عنہ اھ

شاید اسکی وجہ یہ ہے کہ جب وہ کھڑے ہوکر نماز ادا کرسکتا ہے تو اسکے لئے جمرات تک جانے کی قوت بھی ہوگی خواہ سوار ہوکر جائے یا کوئی اسے اٹھاکر لیجائے تو ایسی صورت میں اسکو اپنی طرف سے کسی کو نائب بنانا درست نہ ہوگا

صورتِ مسئولہ میں نیابت صحیح نہ تھی لہٰذا نائب کا ان سب کی طرف سے جمار کرنا لغو وفضول ہوا۔ دس اور گیارہ تاریخوں میں جو عورت ومرد بے عذر شرعی رمی نہیں کرسکے وہ سب واجب کے تارک ہوئے اور ان سبھوں پر ایک ایک دم واجب ہوا۔ اگر بارہویں تاریخ کی رمی کے ساتھ ساتھ وہ سب دس گیارہ تاریخوں کی رمی کا اعادہ کرلیتے تو ثواب کا مستحق ہوتے۔ مگر دم کا وجوب ان کے سروں سے نہیں اترتا اس دم کی ادائیگی کے لئے کوئی وقت اور تاریخ مقرر نہیں ہے جب بھی دم دیا جائے گا ادا ہی ہوگا قضا نہیں۔ البتہ دم کے لئے حدودِ حرم متعین ہے۔ دوسری جگہوں میں ہزاروں دم دیئے جائیں ادا نہ ہوگا۔ درمختار کتاب الحج صفحہ ۱۸۳ میں ہے۔

یتعین الحرام لامنیٰ اھ

دم شکر اور دم جبر کیلئے حرم شریف کی

ای لدم شکر وجبر الخ شرط ہے منیٰ کی نہیں۔

وضاحت: دم شکر کے لئے تاریخوں کی قید ہے (۱۰/۱۱/۱۲ ذوالحجہ) مگر دم جبر کے لئے تاریخوں کی کوئی قید نہیں، دم شکر سے مراد قربانی اور دم جبر سے مراد دم جنایات ہے جو واجبات حج کی خلاف ورزی پر پیش کی جاتی ہے۔ واللہ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ۔ وارد حال بمکان معلم عبدالرزاق و ابنائہ۔

شارع خالد بن ولید مکۃ مکرمہ۔ ۱۴ ذی الحجۃ الحرام ۱۴۰۸ھ

کیا ہر حج کے بعد حاضری دربار اور چالیس وقت کی نمازیں ہیں

مسئلہ ۹۵۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندوستان و پاکستان کے ہزاروں آدمی مکہ، طائف جدہ اور ریاض وغیرہ میں بسلسلۂ ملازمت یا کاروبار رہتے ہیں انہیں وقفہ وقفہ سے حج کرنے کا موقع بھی ملتا ہے پوچھنا یہ ہے کہ کیا ہر حج کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ مبارکہ پر حاضری دینا اور مسجد نبوی میں چالیس چالیس وقتوں کی نمازیں پڑھنا ضروری ہے؟ امید ہے کہ جواب عنایت فرما کر شکریہ کا موقع دیں گے۔

وجیہہ احمد خان۔ طائف ٹیلی فون نمبر 00966.2.7324756

الجواب ۹۲/۷۸۶ ـــــــ ھوالھادی الی الصواب ـــــــ

قرآن پاک میں اللہ رب العالمین جل جلالہ کا ارشاد۔ ارشاد مطلق ہے کسی علاقہ یا کسی مسلمان کے ساتھ مقید نہیں ہے نہ اس میں حل وحرم کا فرق ہے نہ عرب وعجم کا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ	اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب
جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ	وہ تمہارے حضور حاضر ہوں پھر اللہ سے معافی چاہیں
لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ	اور رسول انکی شفاعت فرمائیں تو ضرور اللہ کو بہت
تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝	توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں (کنزالایمان)

اس آیت کریمہ میں ہر مسلمان کے لئے اذن عام ہے کہ وہ اپنے گناہوں کی معافی کے لئے بارگاہِ رسول علیہ السلام میں حاضر ہوکر پروانۂ مغفرت وشفاعت حاصل کرے خواہ وہ آفاقی ہو یا حرمی۔

پھر حضور اکرم سیّد العالمین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد بھی مکّی وآفاقی سب کے لئے عام ہے من حجّ ولم یزرنی فقد جفانی کہ جس نے بھی حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر جفا کیا ...... اب اگر حج میں تکرار ہے تو زیارت میں بھی تکرار ہے۔ لہٰذا جب جب کوئی مسلمان حج کرے گا تب تب جفا سے بچنے کے لئے زیارت کرنی ہوگی۔ اسی لئے علامہ ذاکہی مکّی ۹۸۲ھ اپنی کتاب "حسن التوسل فی زیارۃ الرسل (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)" میں فرماتے ہیں۔

ومنه فيما يظهر الزيارة للمستطيع كلما حج بناء على مقتضى هذا الخبر ونحو فيتأكد على نحو المكّى اكثر من تاكده على غيره اھ	اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ صاحب استطاعت جب بھی حج کرے تو اس حدیث اور دیگر احادیث کی بنا پر دربار نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں حاضری دے غیر مکّی لوگوں کی بہ نسبت مکّی لوگوں کو اسکی زیادہ تاکید ہے (کیونکہ وہ پڑوسی ہے)

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ. مقیم ہشیکہ، مکہ مکرمہ

۱۷ ذی الحجہ ۱۴۱۶ھ

❋❋❋

کتاب الاضحیۃ

قربانی کے جانوروں کی عمریں

مسئلہ ۹۵۳: عبدالواحد، بزم رضا، الکمار، نیدرلینڈ ۲۱-۵-۱۴۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عام مغربی مسلمان جو یورپ کے مختلف ملکوں میں مقیم ہیں بھیڑ اور دنبہ کی قربانیاں کرتے ہیں اور اکثر سورینامی مسلمان گائے اور بکرے کی قربانی دیتے ہیں۔ یہ ہم لوگ جانتے ہیں کہ قربانی کے لئے گائے، بیل دو سال کے اور اونٹ پانچ سال عمر کے ہونے چاہئے، اور بھیڑ، بکرا بکری کم از کم ایک سال کے۔ یعنی اگر سال بھر ہونے میں دو ایک دن بھی کم ہے تو ان چھوٹے جانوروں کی قربانی نہیں ہوگی۔ لیکن ادھر دو چار سالوں سے یہ سننے میں آتا ہے کہ مغربی مسلمان چھ سات مہینوں کے بھیڑ، دنبہ اور بکرے کی بھی قربانی کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا بھیڑ، بکری کے چھ مہینے کے بچے کی بھی قربانی ہو سکتی ہے؟ اور کیا یہ حدیث شریف سے ثابت ہے؟ عبدالواحد بزم رضا الکمار، ہالینڈ

الجواب ــــــــــ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب ۸۶/۹۲

بیشک قربانی وعقیقہ کے لئے جانوروں کی جو عمریں آپ کو معلوم ہیں وہ شرعاً بالکل صحیح و درست ہیں اور یہ بھی صحیح ہے کہ بھیڑ، بکری، بکرا کی عمر اگر سال بھر پورے ہونے میں چند گھنٹوں کی بھی کمی ہے تو اس کی قربانی درست نہیں۔ تنویر الابصار، منح الغفار، درمختار اور ردالمحتار میں ہے ھو ابن خمس من الابل، وحولین من البقر والجاموس۔ وحول من الشاۃ اھ لہٰذا بکرا ہو یا بکری بھیڑ ہو یا دنبہ حولان حول (مکمل ایک سال قمری) سے پہلے اس کی قربانی نہیں ہو سکتی

ہاں اگر زیادہ عمر ہو تو کوئی حرج نہیں بلکہ اچھا ہے۔ تنویر الابصار مع درالمختار میں ہے

فلو ضحی بسن اقل لایجوز و باکبر یجوز وھو افضل اھ

حدیث پاک میں جذع الضان (دنبہ کا شش ماہہ بچہ) کی قربانی کی اجازت بایں شرط مشروط ہے کہ وہ دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہو، یعنی اگر اسے سال بھر کے دنبوں میں ملا دیا جائے تو اس ریوڑ سے اس چھ مہینے کے بچہ کو نکالنا خاصا مشکل ہو، جیسا کہ مسلم شریف، فتح الباری اور عینی وغیرہ میں حضرت سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے۔

الضان، بھیڑ اور دنبہ دونوں کو کہا جاتا ہے جیسا کہ المنجد، منتہی الارب اور صراح وغیرہا کتب لغت میں ہے اور جذع چوپایہ کے اس بچہ کو کہتے ہیں جس کی عمر چھ ماہ سے دس ماہ تک اور ائمۂ فقہا کے نزدیک سال بھر یا اس سے زیادہ ہو۔ صرف ہمارے امام اعظم علیہ الرحمہ والرضوان کے نزدیک جذع الضان سے مراد دنبہ کا چھ ماہی بچہ ہے جو فربہ ہو۔ اور حدیث پاک میں جذع الضان کے قربانی کی خصوصی اجازت ہے۔ فقہائے اسلام نے جذع الضان پر کافی بحث وتمحیص اور اختلافِ آرا کے باوجود یہ نتیجہ نکالا کہ جذع الضان سے مراد دنبہ کا نہایت فربہ وہ چھ ماہی بچہ مراد ہے جو سال بھر کا معلوم ہوتا ہے اور چونکہ جذع الضان معرف باللام عہدی کی طرف مضاف ہے لہذا اسے عام خانہ میں لاکر مضاف الی المعز (بکری) نہیں کیا جا سکتا ہے۔ علامہ شامی علیہ الرحمہ نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا قید لانہ

لایجوز الجذع من المعز وغیرہ بلا خلاف کما فی المبسوط اھ

بھیڑ اور بکری یا بھیڑ اور بکرا دور سے پہچانا جاتا ہے کہ دونوں کی نوعیت میں واضح فرق ہے لیکن بھیڑ اور دنبہ کی تمیز ذرا مشکل ہوتی ہے ہاں قریب سے دیکھنے کے بعد تمیز کرنا آسان ہوتا ہے ان دونوں میں خاص فرق یہ ہے کہ بھیڑ کی دُم سیدھی اور قدرے لمبی ہوتی ہے اور دنبہ کی دُم پر گول نما چکی ہوتی ہے جس کو عربی میں الیۃ کہتے ہیں جس کی تثنیہ الیان اور جمع الایا ہے۔ درمختار ہی میں ہے کہ۔ و یصیح الجذع

ذُو ستۃِ اشھرٍ من الضّان قال صاحب الطحاوی الضّان ماللہ

اَلْیَۃ اھ جس الضّان کے چھ ماہی بچہ کی قربانی جائز ہے اسکے بارے میں امام طحاوی

نے فرمایا کہ وہ وہ ہے جس کے چکّی ہوتی ہے........ لیکن بھیڑ یا بکرے کو چکی نہیں ہوتی

تو اس کی قربانی بھی جائز و صحیح نہیں ہوگی۔

خلاصۂ جواب یہ ہے کہ چھ سات مہینوں کے بچے خواہ بھیڑ بکری کے ہوں یا غیر فربہ دنبہ

کے ہوں اس کی قربانی جائز و صحیح نہیں۔ اخوانُ المغاربہ کا چھ ماہہ بھیڑ بکری کے بچوں کی قربانی

کے لئے احادیث کریمہ سے جواز کی سند لینا صحیح نہیں مغالطہ یا جہالت ہے۔ واللہ تعالیٰ

اعلم ورسولہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

کتبہ عبدالواجد قادری خادم الافتاء اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۲۱-۵-۱۴۲۲ھ

قربانی کے مذبوحہ جانور کے پیٹ سے اگر بچہ نکلے

مسئلہ ۹۵۴:- فیضان الرحمٰن سبحانی۔ کیرلا

۱۲-۵-۱۴۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے

قربانی دی۔ اور گائے یا کسی جانور کے پیٹ سے مرا ہوا بچہ برآمد ہوا تو اب زید کہتا ہے

کہ اس کو کھانا جائز ہے اور دلیل میں یہ حدیث پیش کرتا ہے۔ فی حدیث ابی سعیدؓ

الخدری قال۔ قلنا یا رسول اللہ انا ننحر الابل و نذبح البقر

والشاۃ فنجد فی بطنھا الجنین۔ افنلقیہ ام ناکلہ؟ فقال رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلوہ ان شئتم فان ذکاتہ ذکاۃ

امّہ۔ (رواہ ابوداؤد) تو اس حدیث کا کیا جواب ہوگا اور اس مردہ بچہ کا حکم کیا ہوگا؟

اور اگر بچہ زندہ ہے تو حکم شرع کیا ہے؟ المستفتی: فیضان الرحمٰن سبحانی

شریعت کالج مرکز الثقافۃ السنیۃ، کیرلا

۸۶/۹۲ الجواب ھو الہادی الی الصواب والیہ المرجع والمآب۔ زید کا دعویٰ کہ مذبوحہ جانور

کے پیٹ سے جو مرا ہوا بچہ برآمد ہوا اس کو بغیر ذبح کے کھانا جائز ہے اور دلیل میں اس حدیث پاک کو پیش کر رہا ہے جسمیں مردہ کا ذکر نہیں بلکہ مطلقًا "الجنین" کا لفظ ہے جس کا معنیٰ پوشیدہ، روپوش، مدفون، رحم مادر میں پرورش پانے والا چوپایہ کا بچہ وغیرہ ہے۔ یعنی یہ لفظ مردہ بچے کے معنیٰ میں منحصر نہیں تو زید کی دلیل خلافِ دعویٰ ہوئی۔

چونکہ شریعت مطہرہ نے حاملہ جانوروں کی قربانی بھی جائز رکھی ہے اس لئے بہت ممکن ہے کہ ذبیحہ کے بعد مذبوحہ مادہ جانور کے بطن سے بچہ برآمد ہو اور وہ بچہ زندہ یا مردہ دونوں ہو سکتا ہے۔ اسی لئے "الجنین" کا لفظ استعمال ہوا یعنی ایسا بچہ جو ابھی رحم مادر میں مدفون ہے اور ناظرین کی نظروں سے پوشیدہ ہے۔ اگر وہ ذبح کے بعد برآمد ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟ سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا جواب ارشاد فرمایا کلوہ ان شئتم فان ذکاتہ ذکاۃ امّہ یعنی اسکے کھانے کو فرض و واجب، سنّت و مستحب قرار نہ دیکر طبیعت کے رجحان پر منحصر فرمادیا کہ دل چاہے تو کھاؤ نہ چاہو تو نہ کھاؤ۔ اور آگے کا جملہ بتا رہا ہے کہ "الجنین" زندہ ہے لہٰذا فرمایا "فان ذکاتہ ذکاۃ امہ" اگرچہ اس کا مفہوم حقیقت پر بھی محمول ہو سکتا ہے مگر وہ حکم الٰہی عزوجل کے خلاف ہوگا لہٰذا شارحین حدیث اور محشی حضرات نے اسکی تقدیر یوں بیان کی "کما ان امہ تحتاج الی ذبح یحتاج الجنین الیہ" یا "کان التقدیر ذکاۃ الجنین کذکوۃ امّہ" یعنی جیسے اس کی ماں لائق اکل ہونے کیلئے ذبیحہ کا محتاج تھی ویسے ہی الجنین بھی لائقِ اکل ہونے کے لئے ذبیحہ کا محتاج ہے۔ یہ معنیٰ اگرچہ جملہ مبارکہ کا تقدیری معنیٰ ہے پھر بھی تقدیم و اولیت اسی معنیٰ کو ہونا چاہئے کیونکہ اس معنیٰ میں حکم قرآنی اور اصول مذہب دونوں کی موافقت ہے۔ ارشادِ ربانی ہے "إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ"، اگر جملۂ مذکورہ فی الحدیث کو حقیقی معنیٰ پر محمول کیا جائے تو اس حکم ربانی کی مخالفت لازم آتی ہے کہ قرآن پاک نے تو مردار کو حرام کیا مگر حدیث پاک نے حلال کیا۔ پھر اصول مذہب مہذب "لایکون ذکاۃ نفسٍ ذکاۃ نفسین" کہ ایک جانور کا ذبیحہ دو

یا کئی جانوروں کے لئے کافی نہیں ہے"، کی بھی مخالفت لازم آئے گی۔ اسلئے شارحین حدیث اور فقہائے کرام نے جس طرح حدیثوں کو سمجھا اس طرح سمجھنے میں سلامتی ہے ورنہ بقول حضرت امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ "الحدیث مضلۃ الا الفقہاء" جو ہدایت کا سرچشمہ ہے وہی گمراہی کا ذریعہ ہو جائے گا۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ وایاکم من تفسیر بالرائے ومعرفۃ الاحادیث بالرائے۔

رہی یہ بات کہ اگر الجنین مردہ ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ شروح احادیث اور کتب فقہیہ میں اس کا جواب احادیث کریمہ ہی کی روشنی میں موجود ہے ..... جن فقہاء اور ائمہ کرام رضی اللہ عنہم نے حدیث مذکور کے جملۂ مذکورہ کو حقیقت پر محمول کیا ہے ان کے نزدیک اگر مومن کی نفیس طبیعت اس کے کھانے پر مائل ہو سکے تو اُسے کھائے اور طبیعت نہ چاہے تو نہ کھائے ـــ اور جن فقہاء وائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس جملۂ مبارکہ کو تشبیہ پر محمول فرمایا وہ قرآنی موافقت کو سامنے رکھتے ہوئے بغیر ذبیحہ کے اسے کھانا حرام فرماتے ہیں اور ذبیحہ کے بعد طبیعت کے میلان پر منحصر کرتے ہیں دل چاہے تو کھائے دل چاہے تو صدقہ کردے اور کوئی کھانے کو تیار نہ ہو تو دفن کردے اور اگر چاہیں تو بغیر ذبیحہ کے بھی زندہ صدقہ کر سکتے ہیں۔ وان خرج حیا فذبح یوکل والیہ ذھب امام الائمۃ ابوحنیفۃ النعمان رضی اللہ عنہ واذا خرج میتاً لا یوکل بل ھو حرام کما فی شرح ابوداؤد وفی ردالمحتار ودرالمختار والبھار وغیرھا من کتب الاسفار والعلم عند اللہ الغفار وصلی اللہ تبارک وتعالیٰ علی النبی المختار وعلیٰ آلہ واصحابہ الاخیار

کتبہ عبدالواجد قادری، خادم الافتاء، اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ۔ ۱۲ رجادی الآخرہ ۱۴۲۲ھ

چرم قربانی کسی انجمن کو دینا

مسئلہ ۹۵۵: خالد رضا قادری دربھنگہ۔
۲۴-۵-۱۴۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ قربانی کی کھالیں کسی ایسی انجمن میں دے دینی جائز ہے یا نہیں جس انجمن کی طرف سے لاوارث اور مسافر مُردوں کی تجہیز و تدفین میں ان کھالوں کی قیمت لگائی جاتی ہو۔ یا پھر ان پیسوں سے مسجدوں میں جائے نمازیں، بدھنے اور جھاڑو وغیرہ کا انتظام کیا جاتا ہو یا پھر انہی پیسوں سے بارہویں گیارہویں شریف کے جلسوں کا اہتمام و انتظام کیا جاتا ہو۔ امید کہ مدلل شرعی جواب سے نوازکر عنداللہ ماجور ہوں گے۔ فقط سائل :۔ خالد رضا قادری، انجمن خدام ملت درھنگہ

۴۸۶/۹۲ الجواب ھوالموفق الی الصواب

قربانی کی کھالوں کا شرعی حکم وہی ہے جو اس کے گوشت کا ہے۔ جیسے اس کا گوشت خود استعمال کر سکتے ہیں، عزیز و اقربا کو دے سکتے ہیں۔ دوست و احباب کو دے سکتے ہیں۔ مدرسہ و انجمن اور مسجد کے امام و مؤذن کو دے سکتے ہیں اسی طرح اس کی کھال بغیر بدلے اور بیچے ہوئے اپنے مصرف میں لا سکتے ہیں، عزیز و اقربا کو دے سکتے ہیں، مدرسہ و مسجد اور انجمن کے منتظمین کو دے سکتے ہیں اب وہ لوگ اگر چاہیں تو بعینہٖ اس کھال کو اپنے مصرف میں لا سکتے ہیں یا اُسے بیچ کر جس نیک کام میں چاہیں لگا سکتے ہیں۔ ہاں صاحبِ قربانی نے اگر گوشت یا کھال کو پیسے کے عوض بیچ دیا تو اس کی قیمت اپنے مصرف میں نہیں لا سکتا ہے بلکہ اس قیمت کو فقراء و مساکین پر صدقہ کرنا پڑے گا۔ قربانی کی کھالوں سے متعلق یہی شرعی اصول و ضابطہ ہے۔

کمافی الھدایۃ واللحم بمنزلۃ الجلد فی الصحیح اھ

وفی الدرالمختار فان بیع اللحم او الجلد بداھم تصدق بثمنہ۔ اور صدقہ کا مصرف قرآن پاک میں واضح ہے انما الصدقٰت للفقراء والمساکین (الآیۃ)

انجمن مذکور فی السوال کو قربانی کی کھالیں دینی جائز و درست اور ثواب ہے
واللہ تعالیٰ اعلم ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ

خادم الافتا جامعہ مدینۃ الاسلام دی ہیگ ۴م رجمل ۱۴۱۳ھ

چرم قربانی مسجد میں دینا

مسئلہ ۹۵۶ :- (مولانا) محمد مطیع الرحمٰن گوپالپوری
۲۱-۳-۱۴۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہمارے یہاں قربانی کے چمڑے کسی مدرسہ میں دے دیئے جاتے ہیں اور مدرسہ والے اسے بیچ کر مدرسین کی تنخواہیں دیتے ہیں، مدرسہ کی عمارت کی مرمت کراتے ہیں یا جو غریب و امیر طلبہ مدرسہ کے دارالاقامہ میں رہتے ہیں ان کے کھانے پینے کا انتظام کرتے ہیں۔ کیا چرم قربانی کی رقم سے یہ سب کام کر سکتے ہیں؟

دوسرا ضروری سوال یہ ہے کہ یہاں کی مسجد مخدوش ہو چکی ہے۔ اتنا پیسہ چندہ سے اکٹھا نہیں ہوتا ہے کہ اس کی مرمت کرائی جائے۔ لہٰذا یہاں کے باشندوں کا خیال ہے کہ امسال سبھی لوگ اپنی اپنی قربانی کی کھال مسجد کے سکریٹری یا امام کو دیدیں اور سکریٹری صاحب اسی چرم کو بیچ کر مسجد کی مرمت کرا دیں۔ کیا از روئے شرع ایسا کرنا جائز ہے؟ - جواب کا منتظر :- بندہ مطیع الرحمٰن اشرفی

الجواب ۷۸۶/۹۲

چرم قربانی کا حکم زکوٰۃ و صدقاتِ واجبہ جیسا نہیں بلکہ قربانی دینے والے کو اختیار ہے خواہ بعینہٖ اسے باقی رکھتے ہوئے اپنے کام میں لائے۔ مثلاً جائے نماز یا بچھونا وغیرہ بنائے یا کسی نیک کام کے لئے دیدے یا اپنے کسی دوست احباب کو ہدیہ کر دے ــــــ اگر صاحب قربانی نے اپنی قربانی کے جانور کی کھال مدرسہ کو دیدی تو منتظمین مدرسہ اسے فروخت کرنے کے بعد جس نیک کام میں چاہیں اس کی قیمت لگا سکتے ہیں۔ اسی طرح اگر قربانی کرنے والوں نے قربانی کی کھال مسجد کے سکریٹری یا امام کو دے دیا تو امام و سکریٹری اسے فروخت کر کے اس کی آمدنی سے مسجد کی مرمت کرا سکتے ہیں کیونکہ وہ صدقۂ واجبہ نہیں ہے۔ ہاں اگر کسی صاحب قربانی نے قربانی کے جانور کی کھال اپنی منفعت کے لئے بیچا تو اسکے لئے جائز نہ ہوا اور اس جرم میں اسے بدلہ میں

ملی ہوئی رقم کا صدقہ کر دینا ضروری ہوا۔ اور اگر کسی نیک کام میں لگانے کے لئے
خود بیچا ہے تو گنہ گار نہ ہوا البتہ اس رقم کو کسی بھی نیک کام میں لگا دے۔

کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہ۔ مجلس علمائے نیدرلینڈ

۲۱ ربیع الآخر ۱۴۲۲ھ

خصّی شدہ بکروں کی قربانی

مسئلہ ۹۵۷:۔ محمد مجیب، پچھم وہار، دہلی، انڈیا
۲-۶-۱۴۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جانوروں کے جسم میں فوطہ ایک مستقل عضو ہے لیکن بعض بکروں یا بچھڑوں کے جسم سے وہ نکال دیا جاتا ہے۔ کیا ایسے بکروں یا بچھڑوں کی قربانی عند الشرع جائز ہے؟ اور کیا اس کے فوطوں کو نکال دینا اس کے لئے عیب نہیں ہے؟ اگر عیب نہیں ہے تو کیوں۔

طالب دعا:۔ مجیب۔ دہلی۔

الجواب ۸۶/۹۲ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

اگر مذکورہ بکرے اور بچھڑے مکمل سال یا دو سال کے ہیں اور کوئی عیب ان میں ایسا نہیں ہے جو مانع قربانی ہو تو ان بکرے اور بچھڑے کی قربانی نہ صرف جائز ہے بلکہ عند الشرع افضل ہے۔ کما فی الھندیۃ عن الخلاصۃ۔

والذکر منھا افضل اذا کان خصیا۔ بکرا کی قربانی افضل ہے جبکہ وہ خصی شدہ ہو۔ وھکذا فی الدر المختار والھدایہ و فی شرح الوقایۃ وغیرھا۔

فوطہ چونکہ کھایا بھی نہیں جاتا ہے کہ اس کا نکال دینا تضیع مال قرار پائے، بلکہ نکال دینا نفع بخش ہے کہ اس کی قیمت بڑھ جاتی ہے اور اس کا گوشت نسبتاً لذیذ ہوتا ہے اور تجربہ کی بنیاد پر اکثر خصی شدہ بکروں کا گوشت بھی بڑھ جاتا ہے جو مسکینوں کے لئے زیادہ نفع بخش ہے۔ علامہ سرخسی مبسوط میں فرماتے ہیں۔

وکان ابراھیم یقول یزاد فی لحمہ بالخصاء انفع للمساکین ممایفوت بالانثیین اذلامنفعۃ للفقراء فی ذالک ھ اورجب فوطوں کا نکال دینا عموماً نقصان دہ نہیں بلکہ فائدہ مند ہے تو اس کا شمار عیب میں نہیں ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ ۲ر جمادی الآخرہ ۱۴۲۲ھ
خادم الافتاء مجلس علماء نیدرلینڈ

قربانی سے پہلے یا بعد میں حجامت بنواسکتے ہیں

مسئلہ ۹۵۸:۔ اسلام علاء دین۔ آمسٹرڈم ۱۹۸۵-۱۱-۱۴ء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اپنے نام کی قربانی سورینام میں کرانا چاہتا ہوں لیکن میں بقرعید میں ہالینڈ کے اندر رہوں گا۔ اب یہ مجھے معلوم نہیں ہے کہ قربانی دس ذوالحجہ کو ہوگی یا گیارہ بارہ تاریخ کو۔ سوال یہ ہے کہ مجھے حجامت کب بنوانی چاہئے؟ آیا بارہ تاریخ کے بعد یا اس سے پہلے ہی؟ جواب دیکر میرے ذہنی خلجان کو دور کریں۔ والسلام۔ حاجی علاء دین۔

الجواب ۷۸۶/۹۲

قربانی دینے والوں کے لئے مستحب ہے کہ ماہ ذی الحجہ شروع ہوجانے کے بعد سے نماز عیدالاضحیٰ تک اپنا ناخن نہ ترشوائے حجامت نہ بنوائے۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ اپنی قربانی کے ذبیحہ کا انتظار کرے ہاں اگر نماز اضحیٰ کے بعد خود قربانی کرے تو اس دن پہلی چیز جو کھائے وہ اسکی اپنی قربانی کا گوشت ہو۔ لیکن جب آپ کی طرف سے ہالینڈ میں نہیں بلکہ سورینام میں قربانی ہورہی ہے تو اسی دن اسی وقت اس کا گوشت کھانا ممکن نہیں۔

بہرحال آپ کی قربانی چاہے کہیں بھی ہو جائز و درست ہے۔ آپ کو چاہئے کہ بقرعید کی نماز کے بعد اپنی حجامت بنوالیں چاہے قربانی، قربانی کی تینوں تاریخوں میں سے جس تاریخ میں ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

البتہ حج کرنے والوں کے لئے منیٰ کی قربانی میں ترتیب واجب ہے کہ پہلے رمی ہو پھر قربانی پھر حلق یا قصر (بال منڈانا یا کتروانا) اگر حاجی خلاف ترتیب عمل کرے گا تو دم واجب ہوگا۔ شاید اسی مسئلہ کی وجہ سے آپ کو ذہنی خلجان ہے لیکن غیر حاجیوں کو غیر منیٰ میں یہ پابندی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواحد قادری مسجد نوری ایمسٹرڈم ہالینڈ

۱۴؍ نومبر ۱۹۸۵ء

قربانی کی کھال معلم کو عوض میں دینا جائز نہیں

مسئلہ ۹۵۹:۔ شکور بیچن۔ ہارلیم

۷-۵-۱۹۸۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک گاؤں میں بچوں کو پڑھانے لکھانے کے لئے ایک میاں جی کو رکھا گیا ہے اس شرط پر کہ گاؤں میں جتنی قربانی ہوگی ان تمام قربانی کی کھالیں آپ کو دیدی جائینگی اسکے علاوہ بچوں کے سرپرستوں سے ہر ایک بچہ کے لئے پانچ روپیہ ماہوار آپ کو ملے گا۔ اس سوال کا جواب معلوم کرنا ہے کہ قربانی کی کھالیں میاں جی مذکور کو دینا ازروئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ شکور بیچن ہارلیم ہالینڈ

الجواب ۲۸۶/۹۲

قربانی کی کھالوں کا وہی حکم ہے جو اس کے گوشت کا ہے کما فی الھدایۃ واللحم بمنزلۃ الجلد فی الصحیح — صحیح قول پر قربانی کے گوشت کا وہی حکم ہے جو اس کی کھال کا۔

اور قربانی کا گوشت کسی کام کے عوض میں دینا جائز نہیں۔ گاؤں کے لوگوں نے میاں جی کو قربانی کی کھال دینے کی شرط پر رکھا ہے یہ شرط باطل ہے۔ اگر یہ شرط نہ رکھی جاتی اور یونہی استحساناً گاؤں والے اپنی قربانیوں کی کھالیں انہیں دیدیتے تو اس میں کوئی حرج نہیں تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہ مسجد نوری ایمسٹرڈم ہالینڈ

چرم قربانی کی رقم کا صدقہ کرنا واجب ہے

مسئلہ ۹۶۰: نورالدین بھوانی آمرسفورٹ ہالینڈ۔ ۴-۹-۱۹۹۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی قربانی کی کھالوں کو بیچ ڈالا ہے اب اس رقم کو کیا کرے آیا اپنے مصرف میں لے آئے یا صدقہ خیرات کردے

نورالدین بھوانی۔ آمرسفورٹ

۸۶/۹۲ **الجواب**

چرم قربانی بیچ کر اس کی رقم کو اپنے مصرف میں نہیں لاسکتا۔ وہ صدقہ کی جائیگی اور اس کے مصارف وہی ہیں جو زکوٰۃ کے ہیں۔ کمافی الدّرالمختار

فان بیع اللحم او الجلد بدراھم تصدق بثمنہ۔

وقال تبارک وتعالیٰ إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ (الآیۃ)

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہ خادم الافتاء مدینۃ الاسلام

دی ہیگ ۴ ستمبر ۹۶ء

حاملہ گائے کی قربانی

مسئلہ ۹۶۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ گابھن (حاملہ) گائے کی قربانی جائز ہے یا نہیں ؟

محمد علی گمان حسنو۔ پاراماری بو۔ سوری نام۔ جنوبی امریکہ

۸۶/۹۲ **الجواب** ــــ ھوالھادی الی الصواب

اس حاملہ گائے کی قربانی جس کے بچہ میں ابھی تک جان نہیں پڑی ہے۔ بالاتفاق جائز و درست ہے۔ مگر جان پڑجانے کے بعد اس کی قربانی امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک کراہت کے ساتھ جائز ہے اور صاحبین کے نزدیک بلاکراہت جائز ہے۔

بہرحال قربانی دونوں صورتوں میں ہو جائے گی۔ لیکن اگر حمل کا علم پہلے سے ہو جائے تو اس جانور کی قربانی نہ دینا اولیٰ ہے۔

فتاویٰ عالمگیری باب الذبائح میں ہے۔

شاۃ او بقرۃ اشرفت علی الولادۃ قالوا یکرہ ذبحھا لان فیہ تضیع الولد وھذا قول ابی حنیفۃ ... کذا فی فتاوی قاضی خاں۔	بکری یا گائے جس کے جننے کا وقت قریب ہو گیا ہو۔ کہا کہ اس کا ذبح کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس صورت میں بچہ کو ضائع کر دینا ہے اور یہ قول حضرت ابو حنیفہ کا ہے ... جیسا کہ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے۔

واضح رہے کہ اس کراہت سے مراد کراہت تنزیہی ہے۔ کیونکہ فتاویٰ عالمگیری نے قول امام اعظم کو فتاویٰ قاضی خاں کے حوالہ سے پیش کیا ہے اور حضرت امام قاضی خاں قول ضعیف میں قالوا فرماتے ہیں، جیسے دوسرے شارحین و محشی حضرات قول ضعیف میں قیل، یقال وغیرہ فرماتے ہیں۔ پس یہاں یکرہ کو کراہت مطلقہ (تحریمی) پر محمول نہیں کیا جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۲ رشعبان المعظم ۱۴۲۴ھ

جس جانور کو پیدائشی دُم نہ ہو

مسئلہ ۹۶۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بکری کی عمر ایک سال سے زیادہ کی ہے لیکن نہ اس کو دُم ہے اور نہ کان تو کیا اس کی قربانی ہو سکتی ہے۔ اگر قربانی نہیں ہو سکتی تو کیا عقیقہ ہو سکتا ہے؟ بینوا وتوجروا

عطاء النبی۔ دیرنہ۔ دورن۔ ہالینڈ

۹۶۲ الجواب ـــــــ ھو الھادی الی الصواب ـــــــ

پیدائشی طور پر دُم یا کان کا نہ ہونا قربانی کے لئے عیب نہیں ہے کہ اسکی ممانعت

ہو۔ حضرت علامہ شامی علیہ الرحمہ نے اپنے فتاویٰ صفحہ ۲۸۲ میں فرمایا " ذکر فی الاصل عن ابی حنیفۃ انہ یجوز " اصل میں حضرت ابوحنیفہ سے روایت ہے کہ وہ جائز ہے اور علامہ قاضی خاں فرماتے ہیں ۔

والشاۃ اذا لم یکن لہا اذن	بکری جس کو پیدائشی طور پر کان اور دُم نہ ہو تو
ولا ذنب خلقۃ یجوز ۔ قال محمد	اسکی قربانی امام اعظم کے نزدیک جائز ہے ۔ امام محمد نے
لا یکون ھٰذا ولو کان لا یجوز اھ	فرمایا کہ ایسا ہوتا نہیں اور اگر ہو تو اسکی قربانی جائز نہیں

حضرت قاضی خاں کا لا یجوز پر یجوز کو مقدم کرنا ترجیح و اختیار کی دلیل ہے جیسا کہ قاضی خاں کے خطبہ میں تصریح فرما چکے ہیں ۔ جس جانور کا عقیقہ ہو سکتا ہے اس کی قربانی بھی ہو سکتی ہے ۔ عقیقہ و قربانی کے جانور میں کوئی فرق نہیں ہے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ ۔ خادم الافتاء " القرآن " اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ ۔ ۳ شوال المکرم ۱۴۲۲ھ

قربانی کے جانور کو خرید کر بیچ ڈالنا

مسئلہ ۹۶۳ : کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک گائے خریدی ۔ گائے فربہ اور خوبصورت تھی قربانی کرنے والوں نے زید سے کہا کہ اس گائے کو ایک سو پچاس روپیہ منافع لیکر میرے ہاتھ بیچ ڈالو ۔ اور اگر چاہو تو ایک یا دو حصہ اس میں تم بھی رہو ۔ چنانچہ زید اس کے لئے راضی ہو گیا ۔ منافع لیکر گائے کو بیچ ڈالا ، اور اس گائے میں خود بھی دو حصہ رہ گیا ۔ کیا اس صورت میں اُس کی قربانی صحیح ہو گی ؟ اور منافع لیکر اس کو فروخت کر دینا جائز ہوا ؟ بینوا و توجروا

نصرت حسین علی رضا بستوی مقیم شارع ناصر ، دوبئی U.A.E

الجواب ۹۶۳ ـــــــــ هو الهادی الی الصواب ـــــــــ

گائے میں سات حصوں تک کی قربانی درست ہے ۔ زید نے اس میں دو حصہ لیا اور بقیہ لوگوں نے پانچ حصے لئے تو سب کی طرف قربانی درست ہو جائے گی ۔

خریدی ہوئی گائے کو نفع لیکر بیچنا بالکل جائز و درست ہے۔ لقولہ تعالیٰ
اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ۔ اللہ تعالیٰ نے خرید و فروخت کو حلال کر دیا ہے۔ بلکہ اگر زید نے اس گائے
کو قربانی کرنے کیلئے بھی خریدا ہوتا جب بھی اسکو منافع کے ساتھ بیچ ڈالنا اسکے لئے جائز ہوتا۔

کما فی المبسوط ص۱۴/۱۳ واذا اشتریٰ اگر کسی شخص نے قربانی کا جانور خریدا پھر اسے بیچ ڈالا
اضحیۃ ثم باعہا فاشتریٰ مثلہا اس کے بعد پھر اسی کی طرح دوسرا جانور خرید لیا
فلا بأس بذالک۔ تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ۔ خادم الافتاء "القرآن" اسلامک فونڈیشن
نیدرلینڈ۔ ۹ ذی قعدۃ الحرام ۱۴۲۴ھ

جس بکری کا دودھ سوکھ گیا ہو اسکی قربانی

مسئلہ ۹۶۴ :۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک بکری کو بچہ ہوئے
صرف چار مہینہ گزرا ہے مگر اس کا دودھ سوکھ گیا ہے۔ بکری کے مالک کا ارادہ ہے کہ اس
کی قربانی کر دی جائے۔ کیا از روئے شرع اسکی قربانی جائز و درست ہے؟

سائل :۔ رشید احمد نوری، برمنگم وارد حال آمسٹرڈم

۹۶۴ الجواب ـــــــ ھو الھادی الی الصواب ـــــــ

جی ہاں اُس بکری کی قربانی جائز و درست ہے۔ خلاصۃ الفتاویٰ ص۳۲۱/۴ میں ہے
واللتی لا ینزل لھا لبن من غیر علۃ۔ اس (گائے) کی قربانی درست ہے جس کا دودھ بغیر کسی
بیماری کے اتر نا بند ہو گیا ہو۔ اور شامی ص۲۸۲/۵ میں ہے

وذکر فیھا جواز اللتی لا ینزل اور ایسے جانور کی قربانی کے جواز کا ذکر ہے جس کا
لھا لبن من غیر علۃ۔ دودھ بغیر کسی بیماری کے اترنا بند ہو گیا ہو۔

قربانی کا جانور جس قدر فربہ اور بے عیب ہے اسی قدر وہ بہتر اور مستحب ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ۔ خادم "القرآن" اسلامک فونڈیشن
نیدرلینڈ۔ یکم ذی الحجہ ۱۴۲۳ھ

کتاب النکاح

نکاح وطلاق کا بیان

کیا نکاح کی صحت کے لئے کفاۃ ضروری ہے؟

مسئلہ ۹۶۵ ۱۴۱۲-۳-۱۷ ھ: - کیا فرماتے ہیں علمائے کرام کہ نکاح کے لئے کفائت (برابری) ضروری ہے یا نہیں؟ یہ برابری لڑکی کے لئے چاہئے یا لڑکا کے لئے؟ بالغہ کے لئے یا نابالغہ کے لئے؟ کن کن باتوں میں برابری ضروری ہے؟ تفصیل سے جواب دینے کی زحمت قبول فرمائیں۔ المستفتی: خواجہ محمد الیاس حضری وعبدالستار بٹ، ہیم بورخ جرمنی

۹۲/۷/۸۶ الجواب اللّٰهم هداية الحق والصواب:

جی ہاں نکاح کی صحت وجواز کے لئے کفائت (میاں بیوی میں برابری) ضروری ہے کہ فقہاء کرام نے غیر کفوسے نکاح کو ناجائز وباطل قرار دیا ہے۔ کما فی الدر المختار

یُفتی فی غیر الکفوء بعدم جوازہ اصلاً وھو المختار للفتوی لفساد الزمان الخ

غیر کفو میں نکاح کے ناجائز ہونے کا فتوی دیا جائے گا فساد زمانہ کی وجہ سے اور فتوی کے لئے یہی قول مختار ہے۔

کفو سے مراد یہ ہے کہ مرد عورت سے نسب[۱]، اسلام[۲]، پیشہ[۳]، حریت[۴]، دیانت[۵] اور مال[۶] وغیرہ میں اتنا کم نہ ہو کہ اس سے نکاح کرنا عورت کے خاندان والوں کیلئے ننگ وعار اور بے عزتی کا سبب بن جائے۔ مذکورہ چھ باتوں میں سے اگر ایک بات کے اندر بھی مرد میں کمی فاحش ہے تو وہ اس عورت کا کفو نہیں ہوگا جو اس ایک بات میں مرد سے بہت زیادہ ہے۔ مثلاً باعتبار نسب۔ عورت عربی النسل ہے، مرد عجمی النسل ہے (غیر متدین عالم)

۱۔ باعتبار نسب	عورت قریشی ہاشمی ہے۔	مرد غیر قریشی ہے
۲۔ باعتبار اسلام	عورت باپ دادا سے مسلمان ہے۔	مرد خود مسلمان ہوا ہے
" "	عورت کا دادا بھی مسلمان ہے	مرد کا باپ مسلمان ہوا
۳۔ باعتبار پیشہ	عورت کا باپ تاجر یا فیکٹری والا ہے	مرد یا مرد کا باپ چمڑا پکانے والا یا جوتا سینے والا ہے۔
" "	عورت کے یہاں عطر فروشی کا کاروبار ہے	مرد کے یہاں سڑکوں کی صفائی کا ہے
۴۔ باعتبار حریت	عورت کے خاندان میں غلامی نہیں ہے	مرد غلام ہے یا اسکے خاندان میں غلامی ہے
۵۔ باعتبار دیانت	عورت کا خاندان اسلام کا پابند متقی و پرہیزگار ہے	مرد میں یا مرد کے خاندان میں فسق و فجور عام ہے
" "	عورت سنیہ یا اس کا خاندان سنی ہے	مرد کے یہاں مسلک و مذہب کی پاسداری نہیں ہے

(اور اگر مرد بد مذہب ہے تب تو نکاح کا سوال ہی نہیں ہے کفو تو بڑی بات ہے)

۶۔ باعتبار مال	عورت کے ماں باپ مالدار ہیں	مرد نفقہ اور مہر معجل دینے پر بھی قادر نہیں

(لڑکے کا باپ ماں اگر مالدار ہے تو لڑکا بھی مالدار سمجھا جائے گا)

مذکورہ باتوں میں اگر مرد عورت کی برابری کا نہیں تو ان دونوں کے درمیان نکاح جائز نہیں ہوگا۔ جیسا کہ درمختار باب الولی کی عبارت سے مفہوم ہوا۔

کفائت صرف مرد کی طرف سے لی جاتی ہے عورت چاہے کم درجہ کی ہو اس کا کوئی اعتبار نہیں اس کا نکاح جائز و صحیح ہوگا۔ اوپر کی مثالوں میں اگر عورت کی جگہ مرد اور مرد کی جگہ عورت فرض کیا جائے تو نکاح جائز و نافذ ہے۔

کفائت بالغہ اور نابالغہ دونوں کے لئے چاہئے اگر کسی بالغہ عورت کی اجازت سے اس کے کسی قریبی رشتہ دار یہاں تک کہ اس کے بھائی نے غیر کفو سے نکاح کر دیا تو فقہاء اسلام کا محتاط و مختار فتوی یہی ہے کہ نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ چنانچہ فتاوی خیریہ میں ہے باب الاولیاء والاکفیاء ص ۲۵/۱

سُئِل فی بکر بالغة زوّجها	سوال کیا گیا کہ کسی باکرہ بالغہ کا نکاح اس کے بھائی
اخوها من غیر کفو باذنها	نے اسکی اجازت سے غیر کفو میں کردیا تو اس کا نکاح
اجاب تزویجه لها باذنها	صحیح ہوا یا نہیں؟ سوال کے جواب میں صاحب فتاویٰ
کتزوجها بنفسها وهی مسئلة	نے فرمایا کہ لڑکی کی اجازت سے نکاح ایسے ہی ہے جیسے
من نکحت غیر کفوء بلا رضا	لڑکی نے خود نکاح کیا۔ تو یہ مسئلہ لڑکی کا خود غیر کفوء
اولیاءها افتی کثیر بعدم انعقاده	میں اپنے اولیاء کی رضا کے بغیر کرنے کا ہوا۔ فقہاء کرام
اصلاً وهی روایة الحسن عن	نے اس نکاح کے اصلاً منعقد نہ ہونے پر ہی فتویٰ دیا
ابی حنیفة ففی المعراج معزیا	اور اسکی بنا امام حسن کی وہ روایت ہے جو انہوں نے امام اعظم
الی قاضی خان وغیرہ والمختار	سے کیا۔ معراج میں اس روایت کو امام قاضی خان وغیرہ
للفتوی فی زماننا روایة الحسن اه	کی طرف منسوب کیا اور کہا کہ ہمارے زمانہ میں فتویٰ
	کے لئے امام حسن کی ہی روایت مختار ہے۔

ہمارے اس دورِ انحطاط میں بھی عامۃ المسلمین نے اس دینی شرعی مسئلہ سے چشم پوشی کی ہے جس کا نتیجہ ظاہر وباہر ہے کہ نکاح کے چند دنوں کے بعد ہی زوجین میں ناچاقی وشکر رنجی شروع ہوجاتی ہے اور معاملہ تفسیخ نکاح تفریق زوجین اور طلاق وعلیحدگی تک پہنچ کر غیر مسلم کورٹ تک پہنچ جاتا ہے۔ خاص کر یہ وبا یورپ امریکہ میں عام ہے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس وبا مہلک اور بلاء مسموم سے بچائے آمین۔ وصلے اللہ تبارک وتعالیٰ علی السید العالمین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ ۱۷ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ

نوری دار الافتاء، آمسٹرڈم ہالینڈ

بھائی کے ہوتے ہوئے چچا ولی نہیں ہوسکتا!

مسئلہ ۴۶۶:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ بالغہ ہے مگر اس کے چچا نے اس کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح ایسی فیملی میں کردیا جس

کی بدعملی، شراب نوشی، جوابازی وغیرہ لوگوں میں مشہور ہے۔ جبکہ ہندہ ایک سنّی نمازی گھرانے کی لڑکی ہے۔ ہندہ کا بھائی خالد بھی اس نکاح سے راضی نہیں ہے وہ چاہتا ہے کہ اس نکاح کو فسخ کرائے اور کسی اچھی فیملی میں اس کا دوسرا نکاح کرے۔ کیا اسلامی شریعت کی رو سے اس کا نکاح ختم کیا جاسکتا ہے جبکہ اس کا شوہر طلاق دینے کے لئے کسی طرح راضی نہیں ہو رہا ہے۔

المستفتی:۔ محمد خلیل داؤد، الجمیعۃ الاسلامیہ بارسلونا (سپین)

۸۶/۹۲ الجواب ـــــ هو الهادی الی الصواب ـــــ

بالغہ عورت پر چچا تو چچا بھائی کو بھی جبری ولایت حاصل نہیں۔ پھر بھائی کے ہوتے ہوئے چچا ولی نہیں ہوسکتا۔ پھر جس لڑکے سے نام نہاد نکاح ہوا وہ ہندہ کا کفو نہیں ہے۔ لہذا بر تقدیر صحت سوال نکاح مذکور منعقد ہی نہیں ہوا۔ کنز الدقائق میں ہے۔

لاتجبر بکر بالغۃ علی النکاح۔ بالغہ باکرہ لڑکی پر کسی کو نکاح کے معاملہ میں ولایت اجبار حاصل نہیں۔

اور قاضی خاں ص۱۵۵ فتح القدیر ص۱۸۷ اور ردّ المختار ص۴۰۸ کے علاوہ تنویر الابصار میں ہے

والنظم من التنویر (ویفتی) فی غیر الکفوء بعدم جوازہ اصلاً وهو المختار للفتوی (لفساد الزمان) عبارت تنویر الابصار کی ہے کہ غیر کفوء میں اصلاً نکاح کے عدم جواز ہی کا فتویٰ دیا جائے گا اور فتویٰ کیلئے یہی مختار ہے فساد زمان کی وجہ سے۔

لہذا صورتِ مسئولہ میں فسخ نکاح کی ضرورت نہیں نہ اس کے لئے قضاء قاضی کی ضرورت ہے۔ مظلومہ ہندہ مذکورہ کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی مرضی سے اپنے کفوء میں نکاح کرے اور یہ نکاح اس کا دوسرا نہیں بلکہ پہلا نکاح ہوگا کیونکہ نام نہاد نکاح مذکور نکاح ہی نہیں ہوا۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

اجمعوا علی انه لایجوز ذلك من غیر الاب والجد ولامن فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ باپ دادا کے علاوہ غیر کفوء میں کیا ہوا نکاح (خواہ بحکم قاضی نکاح

القاضی، کذا فی فتاویٰ ہوا ہو) جائز نہیں ہے۔ ایسا ہی فتاویٰ قاضی خاں اھ قاضی خاں میں ہے۔ واللہ اعلم

کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہٗ جامعہ مدینۃ الاسلام، دی ہیگ

۷ ذی قعدہ ۱۴۱۱ھ

کفو میں برادری کا اعتبار ہے یا نہیں؟ انصاری اور شیخ آپس میں کفو ہیں یا نہیں

مسئلہ ۹۶۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ساجدہ انصاریہ بانو نے اپنی مرضی سے اپنا نکاح بغیر اپنے ولی سے پوچھے ہوئے بطریق شرع محمدی ایسے لڑکے کے ساتھ کر لیا جو اسلام، دیانت، چال چلن اور پیشہ کے اعتبار سے اس کا کفو ہے مگر برادری کی حیثیت سے دونوں دو ہیں مثلاً ایک انصاری ہے دوسرا شیخ صدیقی ہے۔ اور اس انصاری و صدیقی ہونے کا ثبوت بھی کسی کے پاس نہیں ہے صرف علاقائی رواج اور نام نہاد نام ہے اور ساجدہ مذکورہ نے یہ قدم اس لئے اٹھایا کہ اس کے سرپرست حضرات اس کا نکاح انصاری فیملی کے ایک ایسے گھرانے میں کرنا چاہتے تھے جس کا پیشہ گداگری ہے۔ سوال یہ ہے کہ برادریوں کے جو نام سماج یا کسی گورنمنٹ نے رکھا ہے وہ نکاح میں معتبر ہے یا کفو میں نسب سے مراد کچھ اور ہے؟

انصاری اور شیخ آپس میں کفو ہیں یا نہیں؟ ساجدہ مذکورہ کا نکاح صحیح و لازم ہوا یا نہیں؟　　المستفتی: حسیب الحسن شیخ، فرینک فورٹ سینٹرل (جرمنی)

الجواب ۹۶۷

شرع پاک، رسم و رواج، آئین و قانون، حکومت و سلطنت پر راجح و غالب ہے۔ شرع پاک کا حکم ہی تا قیامت جاری و ساری رہے گا اسکے علاوہ سارے قانون اور رسم و رواج تتر بتر ہو جائیں گے۔ لقولہ عزوجل اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ

(حکم صرف اللہ ہی کا ہے) شریعتِ مطہرہ نے نسب میں قریش کے تمام خاندانوں کو ایک دوسرے کا کفو مانا ہے، قریش کے علاوہ عرب کی تمام برادریاں اور قبیلیاں خواہ وہ انصار ہوں یا مہاجر ایک دوسرے کے کفو ہیں عجمی عجمی کا اور عربی عربی کا کفو ہے بلکہ عجمی النسل عالم عربی النسل کا کفو ہے کیونکہ شرافتِ علمی شرافتِ نسبی پر فوقیت رکھتی ہے جن کے قریشی نسب ہونے کا کوئی ثبوت شرعی نہیں بزعم خود وہ فلاں فلاں شرافتِ نسبی کے حامل ہیں وہ وَمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ بِھَا مِنْ سُلْطٰن) کے زمرے میں ہیں۔ ان کی شرافت کا اندازہ انکی دیانت، پیشہ اور چال چلن سے لگایا جاسکتا ہے۔

شرع میں کفو کا معنیٰ مذہب مہذب کی پابندی، نسب کی شرافت، پیشہ کی عظمت، چال چلن میں نیک نامی کے اندر برابری ہے۔ برادریوں کے نام پر سماج وسوسائیٹی یا کسی گورنمنٹ نے قوموں کو تتر بتر کردیا ہے اسمیں ان کی اپنی مصلحت ومفاد ہے۔ اسلام سے اس کا تعلق نہیں۔ اسلام نے خاندان وقبائل کو صرف وجہ تعارف بنایا ہے یہ شرافت وذلت کی بنیاد نہیں۔ شرافت وذلت کی بنیاد تو تقویٰ ودیانت یا عدم تقویٰ ہے۔ لقولہ تعالیٰ وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔

قریش کا جو بھی خاندان عجم میں ہے وہ ایک دوسرے کا کفو ہے۔ عجم میں جو بھی حضرات داخلِ اسلام ہوئے اور وہ سب عجمی النسل ہیں انہیں ایک دوسرے کا کفو ہونا چاہئے مگر وہ جن بزرگوں کے ہاتھوں پر ایمان لائے اور آپس میں ایک دوسرے کی ولاء کی وصیت کی تو وہ ایک دوسرے کے کفو ہیں، یورپ، امریکہ افریقہ اور آسٹریلیا وغیرہ میں چونکہ ذات پات نہیں ہے صرف فیملیوں کا اختلاف آپسی تعارف کا ذریعہ ہے لہٰذا یہ تمام عجمی ایک دوسرے کے کفو ہیں۔ برصغیر میں ذات پات کا اختلاف بہت پرانا ہے اور وہاں والے شرافت ورذالت کا انحصار اسی پر رکھتے ہیں لہٰذا علاقائی حیثیت سے عرف کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ شرافت

ورذالت میں شریعت نے عرف کا اعتبار کیا ہے فلہٰذا جو قومیں اسلام لانے سے پہلے شریف سمجھی جاتی تھیں وہ سب اسلام لانے کے بعد بھی عرفاً شریف سمجھی جائیں گی۔ اور اسی طرح ان کی اولاد وامجاد بھی۔ لیکن دیانت وپیشہ وغیرہ میں وہ اگر اتنے کم ہو جائیں کہ ان سے نکاح کرنا عورتوں کے خاندان کے لئے وجہ ننگ وعار سمجھا جانے لگے تو وہ شریف زادیوں کا کفو نہیں ٹھہریں گے۔ صورت مذکورہ میں ساجدہ کا نکاح صحیح ولازم ہو گیا اگر اس کے سرپرست حضرات اس کی مرضی کے خلاف اسی کی نام نہاد برادری میں نکاح کر دیتے تو شرعاً نکاح نہیں ہوتا۔

درمختار میں ہے

نفذ نکاح حرة مکلفة بلارضی ولی۔ اھ | ولی کی مرضی کے بغیر بھی بالغہ آزاد کا نکاح نافذ ہے۔

اور فتاویٰ عالمگیری میں ص ۲۸۷/۱۔

نفذ نکاح حرة مکلفة بلا ولی | آزاد عاقلہ بالغہ کا نکاح شرعاً نافذ ہے۔

کتبہ عبدالواحد قادری خادم ورلڈ اسلامک مشن ہالینڈ
۱۳ ذی قعدہ ۱۴۱۶ھ وارد حال پاک محمدی مسجد جرمنی

بیوی اگر عدت طلاق میں ہو تو اس کی بہن یا بہن کی بیٹی سے نکاح

مسئلہ ۹۶۸:۔ سہیل انور، وارد حال پاک محمدی مسجد، جرمنی ۱۴۱۵ھ-۱۰-۳۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی زاہدہ کو طلاق دیدی اور ابھی وہ عدت طلاق میں ہے تو ایسی صورت میں زید زاہدہ کی بہن کی بیٹی یا زاہدہ کے بھائی کی بیٹی سے اپنا نکاح کر سکتا ہے یا نہیں۔ یا زید کی بیوی زاہدہ مر گئی جس کا ابھی چالیسواں بھی نہیں ہوا ہے تو کیا اس درمیان میں زید اس زاہدہ کی بہن کی بیٹی یا بھائی کی بہن سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ جواب باصواب سے نواز کر اجر آخرت کے مستحق بنیں۔ سائل:۔ محمد سہیل انور

الجواب ـــــــ هو الهادی الی الصواب

جن دو عورتوں کا بیک وقت ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے جیسے دو بہنوں کو، پھوپھی بھتیجی کو اور خالہ بھانجی وغیرہ کو اسکو عدت کے اختتام سے پہلے بھی نکاح میں لانا حرام ہے۔ لہٰذا زید کی مطلقہ زاہدہ جب تک عدت میں ہے اسکی بہن، بھتیجی، بھانجی سے زید کو نکاح کرنا حرام ہے۔ کیونکہ یہ اجتماع نکاح کے مرادف ہے .... البتہ زید کی بیوی زاہدہ کے مرتے ہی نکاح کلیۃً منقطع ہوگیا اور مرد پر چونکہ عدت نہیں ہے لہٰذا زاہدہ مذکورہ کے مرتے ہی زید اس کی بہن بھتیجی یا بھانجی سے نکاح کرسکتا ہے۔ عقود الدریہ میں ہے۔

لعدم الجمع نکاحا ولا عدۃ — نکاح اور عدت میں جمع نہ ہونے کی وجہ سے

اذلا عدۃ علی الرجل — کیونکہ مرد پر عدت نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم

کتبہ عبد الواحد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء مدینۃ الاسلام دی ہیگ

۲۱ر شوال المکرم ۱۴۱۵ھ

حرمت مصاہرت

مسئلہ ۹۶۹ :- نور العین عباسی برمنگھم

۱۵-۱۱-۱۴۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی سالی کے ساتھ زنا کرلیا۔ اب اُسے سخت ندامت و پشیمانی ہے۔ اس نے بعض علمائے دین کے حضور حاضر ہوکر توبہ واستغفار بھی کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ایسی صورت میں اس کی بیوی ہمیشہ کے لئے اس پر حرام ہوگئی یا اس کے نکاح سے نکل گئی ؟ یا اُسے کچھ کفارہ دینا پڑے گا تاکہ وہ اسکی بیوی رہے ؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ یورپ میں قریبی رشتہ دار عورتوں سے اظہار محبت کے لئے بوسہ لینا یہاں کی تہذیب میں داخل ہے۔ اگر آپس میں بوسے نہ لیں تو دلوں میں کدورت پیدا ہوتی ہے اور شکوہ شکایت کا موقع ملتا ہے۔ ایک نوجوان نے

اپنی ادھیڑ عمر ساس یا تقریباً جوان خلیہ ساس کا بوسہ لیا لیکن بوسہ لینے کے بعد اس کے چہرہ سے پریشانی ظاہر ہوئی، دوستوں نے پوچھا تو اس نے بتایا کہ ساس اور خالہ ساس دونوں کو بوسہ لیتے وقت میرے آلہ میں انتشار ہوا اور مجھے لذت محسوس ہوئی اب میں سوچتا ہوں کہ یہ کسی بڑے گناہ کا سبب تو نہیں ہوا؟ لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ ساس کو بوسہ لیتے وقت داماد کی جو یہ کیفیت ہوئی کہیں اس فعل سے اس کی بیوی حرام تو نہیں ہوگئی۔ امید کہ واضح جواب سے نوازنے کی سعی فرمائیں گے۔

سائل: نور العین عباسی برمنگھم۔ انگلینڈ

۸۶/۹۷ **الجواب** اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

سالی سے زنا اشد حرام نہایت بدانجام ہے لیکن اس بدفعلی کی وجہ سے اس کی بیوی اس پر حرام نہیں ہوگی نہ اس کے نکاح سے نکلی اور نہ ہی اس پر کچھ کفارہ دینا آتا ہے۔ اس کا کفارہ یہی ہے کہ وہ صدق دل سے توبہ واستغفار کرے اور دوبارہ اس کام کا خیال تک دل میں نہ لائے جب اس نے علماء کو گواہ بنا کر توبہ کرلیا (اگرچہ اس کی ضرورت نہیں تھی بلکہ اسے ایسا کرنا بھی نہیں چاہیے تھا) تو رحمتِ خداوندی سے امید ہے کہ اس کے گناہ دُھل گئے ہوں گے۔ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَاذَنْبَ لَهٗ (الحدیث)

آلہ میں انتشار ہونا یا لذت محسوس ہونی شہوت کی نشانی ہے اور بحالت شہوت ساس کو صرف چھو لینے سے بھی حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے بوسہ تو شہوت رانی کا ایک اہم حصہ ہے۔

لہٰذا صورتِ سوال میں اس نوجوان کی بیوی ہمیشہ کیلئے اس پر حرام ہوگئی لیکن جب تک متارکہ ہو کر عدت نہ گزر جائے وہ دوسرا نکاح نہیں کرسکتی۔ اس نوجوان پر واجب ہے کہ اپنی اس بیوی سے متارکہ کرے جس کی ماں کو شہوت کے ساتھ چھوا یا بوسہ لیتے وقت لذت محسوس کیا۔ متارکہ یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی کو کہدے کہ میں نے تمہیں چھوڑ دیا۔ اب تو دوسرے نکاح کے لئے آزاد ہے۔ اور اگر وہ شخص متارکہ کے لئے

راضی نہ ہو تو اس کی بیوی کو چاہئے کہ وہ کسی قاضی اسلام یا مرجع عالم دین کے پاس اس معاملہ کو لیجائے۔ هٰذه المسئلة كلها في كتب الفقه

كتبه عبد الواحد قادری غفرلہ جامعہ مدینۃ الاسلام دی ہیگ

۵ ذی قعدۃ الحرام ۱۴۱۵ھ

بوڑھی ساس کو شہوت سے چھونا؟

بارہ سالہ سوتیلے بیٹے کو شہوت سے چھونا

مسئلہ ۹۷: ہارون رشید جبلپوری ۱۴۲۱ھ-۱-۱۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ساس یا دادی ساس کی عمر اتنی زیادہ ہو چکی ہے کہ نہ اسے جماع کی خواہش رہی نہ ہی شہوت آتی ہے ایسی صورت میں اگر اس کے داماد یا پوتا داماد نے شہوت کے ساتھ اسے چھولیا یا یورپ کے رسم و رواج کے مطابق ملنے کے وقت اسے بوسہ لے لیا تو حرمت مصاہرت ثابت ہو کر اس ساس کی بیٹی داماد پر حرام ابدی ہو جائے گی یا نہیں؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ زید کی دوسری بیوی اپنے بارہ سالہ سوتیلے بیٹے کے ساتھ ایک ساتھ سوئی ہوئی تھی اور بچہ کی بے خبری میں اس کے آلہ پر ہاتھ رکھا جس کی وجہ سے آلہ میں انتشار پیدا ہوا حالانکہ وہ بچہ ابھی نابالغ ہے پھر زید کی دوسری بیوی نے اپنے سوتیلے بیٹے کے آلۂ تناسل کو چوسا بھی ایسی صورت میں وہ زید پر حرام ہو گی یا نہیں؟ امید ہے کہ مدلل جواب سے سرفراز فرما کر شکریہ کا موقع دیں گے۔

المستفتی:۔ ہارون رشید جبلپوری، وارد حال آمسٹرڈم ہالینڈ

۷۸۶
۹۲

الجواب

حرمت مصاہرت ثابت ہونے کے لئے دونوں کا مشتہاۃ ہونا ضروری ہے اور جس عورت کا ذکر سوالنامہ میں ہے وہ عمر مشتہاۃ (نو ۹ سال) میں داخل ہو کر حد اشتہاء کو اپنے اوپر ثابت کر چکی ہے لہٰذا اب خصوصی اشتہاء کا نہ ہونا اسے

مشتہاۃ سے الگ نہیں کرسکتی۔ پس صورتِ مسئولہ میں جب اس کے داماد نے شہوت کے ساتھ اسے چھولیا یا بوسہ لیتے وقت داماد کو شہوت آگئی تو حرمت مصاہرت ثابت ہوگئی اور اس کی بیٹی اس کے داماد پر حرام ابدی ہوچکی مگر نکاح سے متارکہ کے بعد میں نکلے گی۔ اور متارکہ کے بعد عدت گزار کر ہی دوسرا نکاح کرسکے گی۔

فتاویٰ عالمگیری ص۲۷۵ میں ہے۔

ولو کبرت المرأة حتی خرجت عن حد المشتهاة یوجب الحرمة لانها دخلت تحت الحرمة فلم تخرج بالکبر...... کذا فی التبیین اھ　وہو اعلم

بارہ سال لڑکا عند الشرع صاحب شہوت ہوجاتا ہے اور یورپ میں تو بارہ سال لڑکے عموماً حد بلوغ کو پہنچ جاتے ہیں لہٰذا صورتِ مسئولہ میں حرمت مصاہرت یقیناً ثابت ہوکر زید کی نابکار بیوی زید پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوچکی ہے۔ کما فی الهندیة۔ وان انتشرت آلته بذلك وان کان رقیقا بحیث تصل حرارة الممسوس ثبت (الحرمة) کذا فی الذخیرة اھ

وفی الهندیة ایضًا " لا فرق فی ثبوت الحرمة بالمس بین کونه عامدًا او ناسیًا او مکرهًا او مخطیًا کذا فی فتح القدیر او نائمًا هکذا فی معراج الدرایة۔　واللہ اعلم

کتبہ عبد الواحد قادری غفرلہٗ دار الافتاء اسلامک فاؤنڈیشن نیدرلینڈ

۱۳ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ

رضاعی بھائی کے بھائی سے نکاح

مسئلہ ۹۷۱:۔ فیروز احمد خاں
۱۴۲۱ھ-۱-۱۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زینب نے زید کے ساتھ زید کی ماں کا دودھ پیا اب زینب بالغہ ہوچکی ہے اس کے والدین چاہتے

ہیں کہ زید کے بڑے بھائی بکر کے ساتھ زینب کا اور زینب کی چھوٹی بہن کلثوم
کے ساتھ زید کا نکاح کر دیا جائے۔ سوال یہ ہے کہ از روئے شرع ان دونوں
نکاحوں کی اجازت ہے یا نہیں؟ ۔　　　فیروز احمد خاں
کراؤف امام مسجد بلال آمسٹرڈم ہالینڈ

۹۷۶ الجواب

زینب اور زید کے تمام بھائی بہن (خواہ عمر میں بڑے ہوں یا چھوٹے)
آپس میں رضاعی بھائی بہن ہیں لہٰذا زید کے کسی بھی بھائی (حقیقی یا اخیافی
وعلاتی) سے زینب کا نکاح ایسے ہی حرام ہے جیسے اپنے حقیقی بھائی سے"
یحرم من الرضاعة کما یحرم من النسب (الحدیث)
وفی الھندیة، کل من تحرم بالقرابة والمھریة تحرم
بالرضاع کذا فی المحیط الرضی۔ البتہ زید کا نکاح زینب کی کسی
بھی بہن سے ہو سکتا ہے بشرطیکہ کوئی اور وجہ حرمت نہ ہو کیونکہ زید نے زینب
کی ماں کا دودھ نہیں پیا۔ لہٰذا اس کی رضاعت ثابت نہیں۔ وَاُحِلَّ لَکُمْ
مَاوَرَاءَ ذٰلِکُمْ آیۃ　　واللہ تعالیٰ اعلم
کتبہ عبد الواجد قادری اسلامک فاؤنڈیشن نیدرلینڈ
۱۷ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ

بیوی کی رضاعی بہن سے نکاح

مسئلہ ۹۷۷ :- حاجی عبد القیوم جہانگیر
۲۶-۱۰-۱۴۲۲
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے
نکاح کیا تقریباً دس سال گزر جانے پر بھی یہ دونوں صاحب اولاد نہیں ہو سکے
تو ہندہ کے مشورہ سے زید نے فریدہ کے ساتھ نکاح کر لیا دو تین برس گزر جانے کے
بعد دوران گفتگو ہندہ نے کہا کہ فریدہ کے بڑے بھائی نذر علی کے ساتھ میں نے

فریدہ کی ماں کا دودھ پیا ہے۔ جب اس کی تحقیق کی گئی تو فریدہ کی ماں نے اس بات کی تصدیق کی۔ سوال یہ ہے کہ یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟ اور فریدہ زید کے ساتھ رہ سکتی ہے یا نہیں؟ خلاصہ جواب عطا فرمائیں۔

سائل:۔ حاجی عبدالقیوم، دی ہیگ ہالینڈ

۸۶/۹۲ الجواب

صورتِ مسئولہ میں فریدہ ہندہ کی رضاعی بہن ہوئی۔ اور رضاعی بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا ویسا ہی حرام ہے جیسا حقیقی بہنوں کو فانّہ لا یجمع بین اختین بنکاح ولا بوطی بملک یمین سواء کانتا اختین من النسب او من الرضاع ھٰکذا فی سراج الوھاج۔

ہندہ سخت و شدید گنہگار ہوئی اس پر توبہ لازم ہے کہ اس نے زید کو حرامکاری میں پھنسایا۔ زید پر فرض ہے کہ فوراً فریدہ کو اپنے سے علیحدہ کر دے اور خود اس سے علیحدہ ہو جائے اگر بالفرض علیحدہ ہونے پر راضی نہ ہوں تو وہاں کے مسلمانوں پر واجب ہے کہ ان دونوں کو حرامکاری سے روکنے کیلئے جدائی کرائیں اگر اس پر بھی وہ نہ مانیں تو ان سب سے وہ اسلامی مقاطعہ کریں۔ ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، لین دین سب بند کریں۔ لقولہ تعالیٰ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔

کتبہ عبدالواحد قادری۔ غفرلہٗ اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ۔ ۲۶ رشوال ۱۴۲۲ھ

باپ دادا نے اگر غیر کفو میں نکاح کر دیا

مسئلہ ۹۷۳:۔ محمد شفیق سائیں

۵-۲-۲۰-۱۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لڑکی بالغہ یا نابالغہ کا نکاح غیر کفو میں کب لازم و منعقد ہو جاتا ہے کہ نکاح ہو جانے کے بعد لڑکی اگر چاہے بھی تو اس نکاح کو فسخ نہیں کر سکتی ہے؟ میرا یہ کوئی فرضی سوال نہیں ہے بلکہ ایک

شخص اس بات پر مصر ہے کہ اگر بالغہ یا نابالغہ کا نکاح کسی طرح بھی غیر کفو میں ہو جائے تو لڑکی کو فسخِ نکاح کا اختیار رہتا ہے اور اس اختیار کو کوئی چھین نہیں سکتا ہے۔

سائل: محمد شفیق سائیں، تیل بورخ، ہالینڈ۔

الجواب

بالغ لڑکیاں اپنے نکاح کا اپنے کسی بھی ولی سے زیادہ اختیار رکھتی ہیں۔

لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام "الایم احق بنفسہا من ولیہا" (مسلم ابوداؤد)

لیکن جب بالغہ یا نابالغہ کے باپ دادا نے کفو یا غیر کفو میں اس کا نکاح مہر مثل یا کمیٔ مہر (غبن فاحش) کے ساتھ کر دیا تو وہ نکاح لازم و نافذ ہو گیا۔ اب غیر کفو میں یا مہر میں غبن فاحش کے ساتھ ہونے کی وجہ سے اِس نکاح کو نہ منکوحہ فسخ کر سکتی ہے اور نہ ہی قاضیٔ شرع بشرطیکہ اسکے باپ دادا کا سوءِ اختیار (غلط روی) مشہور نہ ہو۔

درمختار ص۱۹۲ میں ہے۔

لزم النکاح ولو بغبن فاحش بزیادۃ مہر او بغیر کفوء ان کان الولی ابا او جدا اولم یعرف منہما سوء الاختیار

اگر باپ دادا نے اپنی ولایت میں نکاح کیا ہو تو اگرچہ مہر میں فحش کمی ہو یا غیر کفو میں کیا ہو بہر دو صورت وہ نکاح لازم و نافذ ہوگا بشرطیکہ وہ دونوں پہلے ہی سے غلط روی میں مشہور نہ ہوں۔

شاید معترض کا یہ مطلب ہو کہ باپ دادا کے علاوہ اگر کسی دوسرے ولیوں نے بالغہ یا نابالغہ لڑکیوں کا نکاح غیر کفو میں یا کفو ہی میں مگر مہر میں غبن فاحش کے ساتھ کر دیا تو ان لڑکیوں کو بعد نکاح بھی بلکہ بعد دخول بھی فسخ نکاح کا اختیار رہتا ہے اور یہ اختیار چونکہ شرع شریف نے تفویض فرمایا ہے لہٰذا کوئی اسے چھین نہیں سکتا۔ اگر واقعی یہی مطلب ہے تو صحیح ہے۔ چنانچہ درمختار میں ہے۔

ان کان المزوج غیر الاب و ابیہ ولو الام لا یصح النکاح من غیر کفوء او بغبن فاحش

اگر باپ دادا کے علاوہ نے غیر کفو میں یا مہر میں زیادہ کمی کے ساتھ نکاح کر دیا تو نکاح بالکل صحیح نہیں ہوگا۔

اصلاً (باب الولی) ص۱۹۲ واللہ اعلم

عبد الواجد قادری - دارالافتاء (القرآن) آمسٹرڈم

۱۸ر شوال المکرم ۱۴۲۰ھ

فاسق، نمازی کی بیٹی کا کفو ہے یا نہیں؟

مسئلہ ۹۷۴ :- اشفاق حسین ۱۲-۴-۱۴۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وہندہ میاں بیوی کے درمیان جھگڑا فساد ہوا اور زید نے نہایت غیض وغضب میں اپنی بیوی کو تینوں طلاقیں بیک وقت بیک جملہ دیدیں، بعد میں دونوں ہی کو افسوس وندامت ہوئی کیونکہ دونوں ہی بال بچے والے ہیں۔ ایک مفتی صاحب نے طلاق ثلاثہ واقع ہوجانے کا فتویٰ دیا اور بات حلالہ کی آئی۔ چنانچہ ہندہ نے ایک شخص سے نکاح کرلیا اور دونوں میں شب باشی بھی ہوئی۔ شخص مذکور مسلمان ہے مگر نماز کا پابند نہیں ہے چہرہ پر داڑھی بھی نہیں رکھتا اور کبھی کبھی شراب بھی پی لیتا ہے مگر مطلقہ مذکورہ اگرچہ پنجوقتی نماز کی پابند نہیں مگر نماز پڑھتی ہے اور ایک پرہیزگار مسلمان کی بیٹی ہے۔

سوال یہ ہے کہ مطلقہ مذکورہ کا نکاح ثانی جو بطور حلالہ شخص مذکور سے ہوا۔ وہ نکاح ازروئے شرع صحیح ہوا یا نہیں اور اب وہ عورت دوسرے شوہر سے طلاق حاصل کرکے عدتِ طلاق گزار کر اپنے شوہر اول کے نکاح میں آسکتی ہے یا نہیں؟ صاف صاف آسان جملوں میں جواب تحریر فرمائیں کیونکہ اس معاملہ کو لیکر یہاں آپس ہی میں شدید اختلاف رونما ہوچکا ہے۔ بینوا وتوجروا

سائل :- اشفاق حسین ریٹائرڈ سی ایم۔ اوسلو۔ ناروے

الجواب ۹۲/۷۸۶

فاسق نہ تو صالحہ کا کفو ہے اور نہ ہی صالحین کی فاسقہ بیٹی کا۔ اور فاسق سے مراد فاسق معلن بھی ہے اور فاسق غیر معلن بھی۔ صورتِ مسئولہ میں شخص مذکور معلن ہے

جو مطلقۂ ثلاثہ ہندہ کا کسی طرح کفو نہیں اگر ہندہ نے اپنی مرضی سے باپ کی اجازت صریحہ کے بغیر اس شخص سے نکاح کیا تو شرعاً نکاح صحیح نہیں ہوا اور نکاحِ صحیح کے بغیر شب باشی یا مجامعت سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اس طرح ہندہ اگر دسیوں بار نکاح کرے اور نام نہاد شوہر کے ساتھ صحبت کرے پھر بھی شوہر اول کیلئے حلال نہ ہوگی۔ کیونکہ نکاح صحیح نہ ہونے کی وجہ سے حلالہ صحیح نہیں ہوگا۔

درمختار میں ہے۔

لیس فاسق کفوءً الصالحۃ او فاسقۃ بنت صالح معلنًا کان اولا علی الظاہر"	فاسق صالحہ کا کفو نہیں۔ نہ ہی صالح کی فاسقہ بیٹی کا خواہ وہ فاسق معلن ہو یا مخفی، ظاہر روایت پر یہی حکم ہے۔

اور ردالمحتار میں ہے

لا یکون الفاسق کفوءً البنت الصالحین۔ کما فی الخانیۃ	فاسق صالحین کی بیٹی کا کفو نہیں ہے۔ ص ۳۲۰/۲

اور مطلقۂ ثلاثہ کے نکاح ثانی سے متعلق تو یہ خاص جزیہ درمختار میں موجود ہے

یفتی فی غیر الکفوء بعدم جوازہ اصلاً فلا تحل مطلقۃ ثلثا نکحت غیر کفوءہ بلا رضی ولی بعد معرفتہ ایاہ فلیحفظ	غیر کفو میں اصلاً نکاح کے عدم جواز کا فتویٰ دیا جاتا ہے لہٰذا اگر تین طلاق والی نے اپنے ولی کی مرضی کے خلاف غیر کفو میں نکاح کیا جبکہ ولی کو اس کا غیر کفو ہونا معلوم ہو تو وہ پہلے شوہر کیلئے حلال نہ ہوگی اس مسئلہ کو یاد رکھو۔

عبدالواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء ورلڈ اسلامک مشن ہالینڈ
۱۱ ربیع الثانی شریف ۱۴۱۷ھ

پیشہ ور وکیل کسی شریف زادی کا کفو ہے یا نہیں؟

مسئلہ ۹۷۵: عبدالشکور اصفہانی ــــ بکیری ۱۴۰۸-۲-۱۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نجمہ ایک دیندار سنی گھرانے

کی لڑکی ہے جس کی شادی کی بات چیت ایک ایسے آزاد خیال گھرانے میں ہوئی
جہاں دین ومذہب کی پابندی نہیں ہے اس گھرانے کا کوئی لڑکا وکیل ہے، کوئی
ڈاکٹر ہے اور کوئی انجینیر، جب منگنی کے موقع پر لوگ لڑکے والوں کے یہاں گئے
تو معلوم ہوا کہ لڑکا ایڈوکیٹ وکیل ہے جب اس لڑکے سے بات چیت ہوئی تو
اس کی باتوں سے پتہ چلا کہ وہ دینی معلومات بالکل ہی نہیں رکھتا ہے، نہ نماز پڑھتا
ہے، نہ داڑھی رکھتا ہے۔ غلط سلط ہر قسم کے مقدمات کی پیروی کرتا ہے۔

دینیات کے معاملہ میں یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ وہابی، رافضی، دیوبندی، مرزائی
سب کو صحیح مانتا ہے۔ نیز اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کو برحق جانتا ہے اسی طرح اور
بھی باتیں اس کے اندر پائی جاتی ہیں۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ وکیل مذکور نجمہ
مذکورہ کا کفو ہے یا نہیں؟ نجمہ کے والد اور دادا فوت ہو چکے ہیں البتہ اسکے چچا، بھائی
اور ماں، ماموں وغیرہ موجود ہیں ان ولیوں کی مرضی کے بغیر اگر اپنی مرضی سے نجمہ
وکیل مذکور سے نکاح کرلے تو از روئے شرع شریف نکاح منعقد ہوگا یا نہیں؟ اور
اگر چچا، ماموں، بھائی کی مرضی سے کرے تو نکاح صحیح ہوگا یا نہیں؟

عبدالشکور اصفہانی نکیری، سورینام۔ جنوبی امریکہ۔

۸۶/۹۲ **الجواب اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب**

وکیل مذکور کے اندر نجمہ مذکورہ سے بہت ساری عدم کفاءۃ کی باتیں موجود ہیں
۔ عدم کفائت کی مذکورہ دسیوں وجوہات میں سے اگر ایک وجہ بھی اس کے اندر ہوتی تو وہ
نجمہ مذکورہ کا کفو قرار نہیں دیا جاتا۔

کفائت تو بڑی بات ہے مذکورہ خرابیوں میں سے بعض خرابیوں کی علماء اسلام
نے تکفیر فرمائی ہے۔ اور جب عندالعلماء ایسے شخص کی تکفیر ثابت ہے تو کفو کا کیا سوال
ہے؟ مرزائی، رافضی، دیوبندی، وہابی اپنے اپنے عقائد باطلہ کفریہ کی وجہ سے علماء عرب و
عجم کے نزدیک کافر ومرتد اور جہنمی ہیں۔ ان کے باطل مذہب کو صحیح کہنا کفر وعذاب جہنم کا
کاسبب ہے۔

من شك فی عذابه و کفره کفر — جو بدمذہبوں کے عذاب وکفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے (حسام الحرمین)

اور شفاء شریف میں ہے ص۲۷۱ ج۲

نکفر من دان بغیر ملة المسلمین — دین اسلام کے علاوہ اگر کسی نے دوسرے مذہب
او وقف فیھم او شك او صحح — کو اپنایا، یا دوسرے مذہب کے باطل ہونے میں توقف
مذھبھم وان اظھر مع — شک کیا یا ان مذاہب کو صحیح کہا تو ہم اس کی تکفیر کرینگے
ذلك الاسلام واعتقده الخ — اگرچہ وہ اپنے لئے اسلام اور اسلامی معتقدات کا اظہار کرے۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں وکیل مذکور پر پہلے توبہ کرنا اور کلمۂ اسلام پڑھ کر داخلِ اسلام ہونا واجب ہے۔ اگر وہ اس سے انکار کرے تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ اس سے اپنا اسلامی رشتہ منقطع کردیں اور اگر وہ اپنے قول بد تراز بول سے رجوع کر کے کلمۂ اسلام سے مشرف ہوجائے، پھر اپنی اصلاح اسلامی شریعت کے مطابق کرے تو نجمہ مذکورہ کا کفو ہوسکتا ہے، موجودہ صورت حال میں جبکہ نہ وہ نماز پڑھتا ہے نہ ہی ڈاڑھی رکھتا ہے اور جھوٹے مقدمات کی پیروی کرتا ہے تو وہ نجمہ مذکورہ کا کفو نہیں ہے اگر نجمہ اپنی مرضی یا چچا، ماموں، بھائی کی مرضی سے موجودہ صورت حال میں وکیل مذکور سے نکاح کرلیتی ہے تو یہ نکاح مطلقاً اصلاً ناجائز ہوگا

ردالمحتار میں فتاویٰ خانیہ سے ہے۔ ص۳۲۰ ج۲

لا یکون الفاسق کفوًا لبنت الصالحین — فاسق شرفاء زادی کا کفو نہیں ہے۔

اور درمختار میں ہے۔

یفتی فی غیر الکفوء بعدم جوازه اصلًا۔ — غیر کفو میں اصلاً نکاح کے ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔

واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ ۱۳ صفر المظفر ۱۴۰۸ھ

نوری مسجد بیمر سٹراٹ ایمسٹرڈم

مشروط نکاح

مسئلہ ۹۷۶: (مولانا) قمرالزماں، مانچسٹر
۵-۳-۱۴۱۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یورپ کی آزاد فضا میں عام گھرانوں کے اندر نکاح وطلاق کا اہم سنگین مسئلہ گویا ایک مذاق بن کر رہ گیا ہے۔ نکاح کے چند دنوں کے بعد ہی زیادہ جوڑے بچھڑ جاتے ہیں کیونکہ رنگارنگ کلبوں کی آزاد زندگی ان کے لئے سرشام گھر آجانے سے زیادہ رنگین ولطف اندوز ہے۔ یوں تو صنفِ نازک کو مردوں کے مقابلہ میں یہاں زیادہ ہی آزادی حاصل ہے لیکن کچھ مسلم گھرانوں کی لڑکیاں اپنی خلقی شرم وغیرت کی وجہ سے اندر ہی اندر تحلیل ہوتی رہتی ہیں۔ کیونکہ لڑکے کسی ایک نکاح کا پابند ہو کر رہنا پسند نہیں کرتے لیکن بیشتر لڑکیاں آج بھی اسلامی آئین کی پابندی کرتے ہوئے ایک وقت ایک ہی نکاح پر مجبور ہیں۔ ایسی صورت میں لڑکی کے سرپرستوں کی طرف سے اکثر یہ مطالبہ ہوتا رہتا ہے کہ نکاح نامہ یا نکاح میں ایسی شرط موجود ہونی چاہئے کہ جب ناکح بدچلن ہو جائے، نشہ آور چیزوں کا استعمال کرنے لگے یا گوری چمڑیوں کے چکر میں پھنس جائے تو منکوحہ ناکح کے رحم وکرم پر معلقہ بن کر نہ رہ جائے بلکہ اسے بھی اسلامی حدود میں اپنی زندگی گزارنے کیلئے کچھ مراعات چاہئے تاکہ وہ اس مسموم وآزاد فضا میں کسی شرعی جوڑے کے ساتھ اپنی زندگی گزار سکے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ کیا نکاح نامہ میں یا بوقت نکاح ایسی کوئی شرط از روئے شرع رکھی جاسکتی ہے کہ بوقت ضرورت شوہر بے گوہر کی طرف سے طلاق نہ ملنے کی صورت میں وہ (منکوحہ) طلاق کے نافذ کر لینے کا مختار ہو۔ باضابطہ یورپ میں اس کی ضرورت یوں بھی ہے کہ یہاں ترکی کے علاوہ تمام ملکوں میں غیر مسلم حکومتیں قائم ہیں جنکے غلبہ کی وجہ سے اسلامی عدالتوں کا قیام متعذر ہے۔

سائل:۔ قمرالزماں مدیر الدعوۃ الاسلامیہ مانچسٹر
سکریٹری جنرل ورلڈ اسلامک مشن انگلینڈ

۴۸۶/۹۲ الجواب — اللھم ھدایۃ الحق والصواب

ما المسئول عنھا باعلم من السائل آپ کا مطالعہ فقیر کے مقابلہ میں بہت وسیع ہے۔ آپ جہاں ایک بالغ نظر مبلغ اسلام، مدبر و قائد، باصلاحیت مدرس اور مفکر ملت ہیں وہیں فقہ اسلامی اور فتاویٰ رضویہ پر آپ کی گہری نظر ہے۔ اگر آپ تلاش و تتبع فرمائیں گے تو اسکے جواز کی کئی شکلیں سامنے آئیں گی۔ لیکن ان شرائط خیار کو قبل از نکاح طے کرنا بے معنیٰ رہیگا کہ طلاق تابع نکاح ہے۔ ہاں تعلیقاً مشروط کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس میں طلاق صریح کے الفاظ ہونے چاہئے الفاظ کنایہ سے کام نہیں چلے گا کیونکہ وہ وقت نہ تو غصہ و غضب کا ہوتا ہے نہ ہی مذاکرۂ طلاق کا اسلئے وہ اپنی نیت کے اظہار میں خیانت کا شکار ہو سکتا ہے۔ اسی طرح نیت طلاق بھی واضح و غیر مبہم ہونی چاہئے مثلاً یہ نہ ہو کہ اگر میں نے فلاں کام نہ کیا تو طلاق ہے یا طلاق نافذ کر لینے کا اختیار ہے کیونکہ اس جملہ طلاق کی نسبت کسی طرف نہیں ہے کہ کس کو طلاق ہے اور کس کو اختیار نفاذ ہے۔ لان التفویض تعتمد الملک او الاضافۃ صورت مسئولہ میں بوقت ضرورت بہتر صورت یہ ہے کہ نکاح نامہ میں خیار طلاق کی وضاحت نہ ہو کیونکہ نکاح نامہ عموماً ایجاب و قبول سے پہلے مکمل کر لیا جاتا ہے (نکاح نامہ کا رواج اگرچہ حادث ہے مگر اکثر حالات میں مفید اور فیصل کی بنیاد بنتا ہے اسلئے اسے بدعت مباحہ کہہ سکتے ہیں)

بلکہ خیار طلاق کی تحریر الگ سے ترتیب دی جائے جس میں خیار طلاق صرف منکوحہ کی مشیت پر منحصر نہ ہو بلکہ ایک عالم دین اور دو دیندار حضرات (شخصیتیں مخصص ہوں یا نہ ہوں) کی موجودگی میں ان کی رضا سے عموم وقت کے ساتھ طلاق واقع کر لینے کا اختیار ہو۔

پھر خیار طلاق کی تحریر پر دولہا کا دستخط، اور اس دستخط کی تصدیق پر دو معتبر شخصوں کے دستخط ہونے چاہئے تاکہ بوقت ضرورت اپنے دستخط کا منکر نہ ہو سکے کیونکہ تفویض طلاق کا دارومدار ملکیت یا اسکی طرف نسبت پر ہے (رضویہ)

درمختار فصل فی المشیۃ ص ۲۲۹ میں ہے۔

تقید بالمجلس لانه تملیك الا اذازاد متی شئت ونحوه مما یفید عموم الوقت فتطلق مطلقًا۔

مشیت مجلس کے ساتھ مقید ہوتی ہے کیونکہ یہ تملیک ہے لیکن اگر "جب چاہے" یا اسی کے مثل عموم وقت کیلئے موضوع الفاظ زیادہ کیا جائے تو مجلس کی قید کے بغیر مطلقًا طلاق واقع ہوگی۔

تفصیلات کے لئے فتاویٰ رضویہ کتاب الحج باب تفویض الطلاق کا مطالعہ فرمائیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ ۵ ربیع الآخر ۱۴۱۲ھ

خادم الافتاء ورلڈ اسلامک مشن ہالینڈ

ملازمت پیشہ بیوی کا نان ونفقہ شوہر پر واجب ہے یا نہیں؟

مسئلہ ۹۲۲:- الور شریف یوتریخت
۵-۵-۱۴۱۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہالینڈ وغیرہ ممالک یورپ میں میاں بیوی دونوں کو ایک خاص مدت تک کام کرنا چاہئے بے عذر عمر طبعی یا بے امراض جسمانی یوں ہی بیٹھ کر اپنی زندگی کے ایام نہیں گذار سکتے۔ ہاں اگر کام نہیں مل رہا ہے تو بات دوسری ہے۔ یورپ میں میاں بیوی دونوں کماتے ہیں اور اگر کام نہ ہو تو دونوں کو مشترکہ یا علیحدہ علیحدہ سوشل کی طرف سے یا خاک کی طرف یا پینشن کے محکمے سے اتنا پیسہ مل جاتا ہے کہ وہ دونوں آرام سے زندگی گزار سکتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ایسی صورت حال میں شوہر پر بیوی کا نان ونفقہ یا رہنے کے لئے مکان دینا واجب ہے یا نہیں؟ بعض لوگ میاں بیوی کا پیسہ الگ الگ حاصل کرنے کیلئے دو مکانوں میں رہتے ہیں اور پیسہ دینے والے محکموں میں یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہم لوگوں کے زن وشوہر کا تعلق ختم ہو چکا ہے اب ہم لوگ میاں بیوی نہیں ہیں...... کیا اس طریقہ کار سے طلاق شرعی واقع ہو جاتی ہے اور یہ دونوں اجنبی و اجنبیہ ہو جاتے ہیں؟ جواب سے نوازیں۔ شریف الور یوتریخت

کا شکار ہو جائیں تو ایسی صورت میں شوہر ماخوذ ہوگا یا نہیں

سائل :۔ ایم، ایل گمان۔ آمسٹرڈم۔ ہالینڈ

الجواب

۸۶/۹۲

بعد نکاح باتفاق علما، (بالاجماع) بیوی سے ایک بار جماع کرنا واجب وضروری ہے۔ کیونکہ یہ حق زن ہے۔ اگر شوہر ایک بار بھی جماع نہ کرے تو زوجہ کو عندالقضا، تفریق بین الزوجین کے مطالبہ کا حق شرعی طور پر حاصل ہو جاتا ہے ایسی صورت میں قاضیٔ شرع مرد کو مزید ایک سال کی مہلت دے گا اگر ایک سال کے اندر اس نے جماع کر لیا تو قاضی کو بالجبر تفریق بین الزوجین کا حق نہیں اور اگر مہلت کے درمیان وہ جماع نہیں کر سکا تو زوجہ کے حسب مطالبہ قاضی تفریق کردے گا، اور انقضا، عدت کے بعد وہ کسی حلال مرد سے اپنا نکاح کر سکے گی۔

لیکن یہاں معاملہ جماع یا عدم جماع کا نہیں بلکہ سال دو سال بیوی سے جدا رہنے کا ہے۔ اگر کاروبار یا ملازمت کے سلسلہ میں برضا، طرفین یہ جدائی رہتی ہے تو چاہے جدائی کی مدت اور بڑھ جائے شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں۔ ہاں چار مہینے سے زیادہ کی جدائی بیوی کے اذن و رضا کے بغیر نہیں ہونی چاہئے کیونکہ بے عذر شرعی یا بے عذر صحیح چار مہینہ تک ترک جماع جائز نہیں ہے۔

ردالمحتار ص۳۹۸ ج۲ میں ہے۔

اعلم ان ترك جماعها مطلقا لایحل له صرح اصحابنا بان جماعها احیانا واجب دیانة لکن لاید خل تحت القضا، والالزام الا الوطأة الاولیٰ ولم یقدروا فیه مدة۔ ویجب ان لایبلغ مدة الایلاء الابرضا ها وطیب

واضح ہو کہ بیوی سے جماع مطلقاً ترک کر دینا حلال نہیں۔ ائمہ کرام نے تصریح فرمائی کہ کبھی کبھی بیوی سے جماع کرنا دیانةً واجب ہے لیکن قاضی کو پہلے جماع کے علاوہ کوئی اور جماع شوہر پر لازم کرنے کا حق نہیں ہے۔ فقہائے کرام نے دوسرے جماع کے لئے کوئی مدت مقرر نہیں فرمائی تاہم یہ مدت ایلاء کے وقفہ (چار ماہ) تک نہیں پہنچنی چاہئے مگر یہ

نفسھا به اھ (ہدایہ فتح القدیر) کہ بیوی کے رضا و خوشی سے جس قدر رو قفہ ہو جائے۔
اگر بیوی غلط روی کا شکار ہوتی ہے تو عنداللہ اور عندالشرع وہ خود اس کا جوابدہ ہے شوہر پر اس کا وبال نہیں ہے۔ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ۔ واللہ اعلم

کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہ، نوری مسجد آمسٹرڈم
۷ر شوال المکرم ۱۴۰۷ھ

بیوی کو ماں اور شوہر کو باپ کہنے سے ظہار ہو گا یا نہیں؟

مسئلہ ۹۷۹: محب الحسن نورانی (اسپین) ۲۲-۲-۱۴۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میاں بیوی کے درمیان چھوٹی موٹی باتوں کو لیکر جھگڑا اور گالی گلوج شروع ہو گیا۔ شوہر نے بیوی سے کہا آج سے تم میری ماں ہو میں تمہارا بیٹا ہوں اب تو چپ ہو جاؤ۔ بیوی نے کہا ہاں ہاں تم میرے باپ ہو میں تمہاری بیٹی ہوں اب تو چپ ہو جاؤ۔ بہر حال باپ بیٹی بننے کے بعد دونوں چپ ہو گئے۔ سوال یہ ہے کہ شوہر یا بیوی کے مذکورہ جملے استعمال کرنے کی وجہ کر میاں بیوی ایک دوسرے پر حرام ہوئے یا نہیں؟ اور اگر حرام نہیں ہوئے تو کوئی کفارہ ان پر عائد ہوتا ہے یا نہیں؟ بینوا و توجروا

السائل: محب الحسن نورانی، رونالت اسٹریٹ ۲۳ غرانا نہ (غرناطہ) اسپین

۹۷۹/۸۶ الجواب

میاں بیوی دونوں جھوٹ کے مرتکب ہو کر گنہ گار ہوئے۔ دونوں پر توبہ لازم ہے۔ قال تعالیٰ عزوجل

وَإِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ مُنكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُورًا۔ بے شک وہ لوگ بری اور جھوٹ بات بکتے ہیں۔ (القرآن الکریم)

یعنی ان کی مائیں تو وہ ہیں جنہوں نے انہیں جنم دیا۔ اور بیٹا وہ ہے جسے جنم دیا گیا صورتِ مسئولہ میں نہ تو بیوی نے شوہر کو جنم دیا اور نہ شوہر اپنی بیوی کے بطن سے

پیدا ہوا۔ پھر بیوی نہ تو شوہر کے نطفہ سے ہے نہ شوہر کا نطفہ اس کے وجود کا سبب بنا۔ لہٰذا دونوں نری جھوٹ بکتے ہیں۔ اس شدید جرم شرعی کے باوجود نہ تو وہ دونوں آپس میں ایک دوسرے پر حرام ہوئے اور نہ ہی ان پر کوئی کفارہ عائد ہوا۔ ہاں اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ کی حقیقت کے مطابق اگر وہ فقراء و مساکین پر حسب استطاعت کچھ تصدق کر دیں تو قبولیت توبہ کی زیادہ امید ہے۔ صورتِ مسئولہ میں بعض لوگوں کو ظہار کا شبہہ ہوتا ہے۔ لیکن ظہار سے متعلق یہ کلیہ ذہن میں رکھنا چاہئے کہ بیوی کو ماں بہن بیٹی وغیرہا کہنے سے ظہار نہیں ہوتا۔ بلکہ بیوی کو یا اس کے مخصوص اعضاء جسم کو جس کو بول کر پورا جسم مراد لیا جاتا ہے۔ مثلاً سر، گردن، پیٹھ، شرمگاہ، کو یا بیوی کے جسم کے جزو شائع۔ مثلاً ثلث، ربع، نصف کو کسی محارم ابدی (ماں، بیٹی، بہن، دادی، نانی وغیرہا) سے یا اس کے اعضاء مخصوصہ سے تشبیہ دینا ہے۔ جب تک تشبیہ نہیں پائی جائے ظہار نہیں ہوگا۔ کما فی در المختار

ھو تشبیه زوجته اومایعبر به	بیوی کو یا اس کے کسی ایسے عضو کو جس سے
عنها من اعضائها او تشبیه	ذات مراد لی جاتی ہو یا اس کے غیر معین حصہ
جزو شائع منها بمحرم علیه	جسم کو اپنے ابدی محرمات کے ساتھ تشبیہ
تابید (باب الظہار ص۲۴۸)	دینا ظہار ہے۔

اور اگر بیوی اپنے شوہر کو یا اس کے مخصوص اعضاء بدن کو جسے بول کر پوری ذات مراد لی جاتی ہو یا اس کے غیر معین حصہ بدن کو اپنے محرم ابدی باپ، بیٹا، بھائی، دادا، وغیرہم سے تشبیہ دیدے تو بھی ظہار نہیں ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ اسے لغو اور بری بات کہہ سکتے ہیں۔ کما فی الدر المختار

وظهارها منه لغو فلا حرمة	بیوی کا اپنے شوہر کو اپنے محرموں کے ساتھ تشبیہ
وفی الهندیة ولا تکون المرأة	دینا کلام لغو ہے اس سے حرمت ثابت نہ ہوگی۔
مظاهرة من زوجها عند محمد	امام محمد کے نزدیک بیوی اپنے شوہر سے مظاہر

رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ والفتوی علیہ نہیں ہوتی۔ فتوی اس پر ہے اور یہی صحیح ہے۔ وھو الصحیح کما فی السراج الوھاج

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ خادم الافتاء اسلامک فاؤنڈیشن نیدرلینڈ

۲۳ صفر المظفر ۱۴۲۱ھ

شوہر کی عدم موجودگی میں چار سال کے بعد بچہ پیدا ہوا

مسئلہ ۹۸۰ :- طاہر حسین واجدی، کیر آف یونس واجدی بردوان (بنگال) ۱۸-۱-۱۴۲۲

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ کلثوم کا شوہر محمد علی بسلسلہ ملازمت پردیس چلا گیا۔ دو سال کے بعد اسے واپس وطن لوٹنا تھا لیکن فیکٹری کے آفیسروں نے ایسا چکر چلایا کہ وہ پانچ سال پورے ہونے پر وطن آسکا۔ ادھر محمد علی کے پردیس جانے کے چوتھے سال میں کلثوم کو بچہ پیدا ہوا۔ بعض لوگ اس بچہ کو ولد الحرام کہتے ہیں اور بعض لوگ ثابت النسب کہتے ہیں۔ خود محمد علی شش و پنج میں ہے کہ اس بچہ کو کیا کرے۔ اور اس کی بیوی کلثوم اس پر حلال رہی یا حرام ہو گئی۔ واضح جواب دیکر شکریہ کا موقع دیں نوازش ہو گی۔ طاہر حسین کیر آف یونس پان دوکان لوڈیہ مارکیٹ سن سیلے، آسنول ضلع بردوان

الجواب ۸۶/۹۲

از روئے شرع شریف حمل کی اقل مدت چھ ماہ اور اکثر مدت کامل دو سال ہے کما فی سائر الکتب الفقہیۃ متوناً وشروحاً وہ بچہ محمد علی ہی کا ہے۔ اسے چاہئے کہ اپنے بچہ کی صحیح پرورش کرے۔ لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام "الولد للفراش وللعاھر الحجر" بچہ اس کا جس کا بچھونا یعنی جس سے نکاح صحیح ہوا، اور زانی کے لئے پتھر ہے۔ یعنی بالفرض اگر وہ زنا کا چوزہ ہے تو زناکار کے لئے بے فائدہ ہے۔ محمد علی مذکور اگر پچیس پچاس سال تک اپنی بیوی کلثوم مذکورہ سے دور رہتا اور اس مدت میں اس کی بیوی کلثوم کو بچہ پیدا ہوتا تو عطائے رسول علیہ الصلوٰۃ

والسلام کے مطابق اپنے باپ ہی کا کہلائیگا کیونکہ نکاح صحیح پچاس سال کے بعد بھی موجود ہے۔ شریعت مطہرہ نسب کی محافظت میں حد درجہ مبالغہ فرماتی ہے جبکہ عامۃ الناس کو اس کی پرواہ نہیں حالانکہ اس کی رعایت کرنی چاہئے۔ واللہ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۱۸ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ

نئی دلہن کے پاؤں کے دھون کا حکم

مسئلہ ۹۸۱:- حاجی محمد رفیق گمان پارہ ماری بو ۵-۳-۱۹۸۶ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ جب نئی نویلی دلہن شوہر کے گھر آتی ہے تو گھر کی بوڑھی پرانی عورتیں پانی سے بھرے لگن میں اس کو پاؤں رکھواتی ہیں، اور وہ مستعمل پانی مکان کے چاروں گوشوں میں چھڑکوا دیتی ہیں۔ کیا یہ ہندوانہ رسم و رواج ہے یا مسلمانوں کے لئے بھی ایسا کرنا جائز و مباح ہے؟ - بینوا و توجروا محمد رفیق گمان سکریٹری جامع مسجد پارا ماری بو سورینام

الجواب ۴۸۶/۹۲ ھو المجیب الوھاب

یہ رسم ہندوؤں کا مذہبی شعار نہیں ہے اور جو کسی دوسری قوم کا شعار نہیں اور ہماری شریعت اسلامیہ میں اس کے کرنے کی ممانعت بھی نہیں وہ مباح و عفو ہے۔ صاحب دلائل قاہرہ مؤید ملت طاہرہ سیدنا احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ اپنے فتاویٰ میں ارقام فرماتے ہیں۔ " دلہن کو بیاہ کر لائیں تو مستحب ہے کہ اس کے پاؤں دھو کر مکان کے چاروں گوشوں میں چھڑکیں اس سے برکت ہوتی ہے ص۵۹۵/۲" اور اس پانی کو مستعمل کہنا بھی کلیتہً صحیح نہیں ہے کہ ممکن ہے دلہن باوضو ہو یا نابالغہ ہو، پھر یہ کہ پاؤں پانی میں ڈالا جانا از قبیل رسم و رواج یا از قبیل اعمال ہے نہ کہ از نوع عبادات و قربت۔ واللہ تعالیٰ اعلم

والسلام کے مطابق اپنے باپ ہی کا کہلائے گا کیونکہ نکاح صحیح پچاس سال کے بعد بھی موجود ہے۔ شریعت مطہرہ نسب کی محافظت میں حد درجہ مبالغہ فرماتی ہے جبکہ عامۃ الناس کو اس کی پرواہ نہیں حالانکہ اس کی رعایت کرنی چاہئے۔ واللہ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۱۸ ر محرم الحرام ۱۴۲۲ھ

نئی دلہن کے پاؤں کے دھون کا حکم

مسئلہ ۹۸۱:۔ حاجی محمد رفیق گمان پارہ ماری بو ۵-۳-۱۹۸۷ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ جب نئی نویلی دلہن شوہر کے گھر آتی ہے تو گھر کی بوڑھی پرانی عورتیں پانی سے بھرے لگن میں اس کو پاؤں رکھواتی ہیں، اور وہ مستعمل پانی مکان کے چاروں گوشوں میں چھڑکوا دیتی ہیں۔ کیا یہ ہندوانہ رسم و رواج ہے یا مسلمانوں کے لئے بھی ایسا کرنا جائز و مباح ہے؟۔ بینوا و توجروا

محمد رفیق گمان سکریٹری جامع مسجد پارا ماری بو سورینام

الجواب ۸۶/۹۲ هو المجیب الوهاب

یہ رسم ہندؤں کا مذہبی شعار نہیں ہے اور جو کسی دوسری قوم کا شعار نہیں اور ہماری شریعت اسلامیہ میں اس کے کرنے کی ممانعت بھی نہیں وہ مباح و عفو ہے۔ صاحب دلائل قاہرہ مؤید ملت طاہرہ سیدنا احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ اپنے فتاویٰ میں ارقام فرماتے ہیں۔ ’’دلہن کو بیاہ کر لائیں تو مستحب ہے کہ اس کے پاؤں دھوکر مکان کے چاروں گوشوں میں چھڑکیں اس سے برکت ہوتی ہے ص ۵۹۵/۲‘‘ اور اس پانی کو مستعمل کہنا بھی کلیۃً صحیح نہیں ہے کہ ممکن ہے دلہن باوضو ہو یا نابالغہ ہو، پھر یہ کہ پاؤں پانی میں ڈالا جانا از قبیل رسم و رواج یا از قبیل اعمال ہے نہ کہ از نوع عبادات و قربت۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواحد قادری۔ وار دحال جامع مسجد بار ماری پوسونیام
۵-۳-۱۹۸۷ء

مانعِ حمل دواؤں کا استعمال

مسئلہ ۹۸۲ :- ممتاز، آلمیرہ
۲۵-۷-۱۹۹۳ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مانع حمل گولیوں یا ترکیبوں کا استعمال مسلمہ عورتوں کو جائز ہے یا نہیں؟ اور کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے اس کی شرعی اجازت مل سکتی ہے یا نہیں؟ ممتاز سید ل آلمیرہ

الجواب ۸۶/۹۲

افزائش نسل منشاء قدرت ہے اور تکثیرات کے اسباب وسائل اختیار کرنا نبی آخرالزماں علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چاہت لہٰذا مانع حمل گولیوں یا ترکیبوں کا استعمال مسلمہ عورتوں کو جائز نہیں اور نہ مردوں کو ایسی دوا، و ترکیب کی اجازت ہے جس سے نسل کی تحدید ہو۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے تزوّجوا الولود الودود فانی مکاثر بکم الامم یوم القیٰمۃ (وفی روایۃ) الانبیاء یوم القیٰمۃ۔ کثرت سے بچے جننے والی اور خوب محبت کرنے والی عورتوں سے شادی کرو۔ میں تمہاری کثرت سے قیامت کے دن دیگر امتوں پر اظہار غلبہ فرماؤں گا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر اپنی امت کی کثرت ظاہر کروں گا۔ اس مشینی دور میں جبکہ دنیا کی ساری قومیں ایک رائے اور ایک زبان ہو کر اسلامی کردار وعمل کو دہشت گردی سے تعبیر کر رہی ہیں اور مسلمانوں کے نام نہاد سربراہان مملکت انہی قوموں کی چمچہ گیری کر رہے ہیں، ایسی صورت حال میں امت مسلمہ کثرت کی محتاج ہے تاکہ وہ اجتماعی طور پر اسلامی کردار وعمل کا علی الاعلان مظاہرہ کر سکے اور دشمنوں کے مکروفریب سے اپنی قوم کو بچا سکے۔ لہٰذا مسلمان عورت ومرد دونوں پر واجب ہے کہ مانع حمل گولیوں اور ترکیبوں سے اجتناب کریں کیونکہ

یہ ہمارے منصوص و مشروع مسائل کے خلاف .... ہاں اگر ضرورت اس کی متقاضی ہو مثلاً عورت کے رحم میں کوئی بیماری ہو یا حد سے زیادہ کمزوری ہو۔ یا آپریشن کی کثرت کی وجہ سے اب شکم یا رحم مزید آپریشن کا تحمل نہیں ہو سکے تو حسب ضرورت مانع حمل گولیوں یا تدبیر کا استعمال جائز ہے تاکہ اپنے آپ کو ہلاکت یا قرب ہلاکت سے بچایا جا سکے۔ لَاتُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ

واللہ تعالیٰ و رسولہ الاعلیٰ اعلم کتبہ عبدالواحد قادری خادم شرعی امور ورلڈ اسلامک مشن

ہالینڈ۔ ۲۵ / ۷ / ۱۹۹۳ء

رضاعت کی وضاحت

مسئلہ ۹۸۳: محمد شریف، آمسٹرڈم
۷-۱۱-۱۹۸۸ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی پھوپھی زاد بہن سے شادی کرنا چاہتا ہے مگر اس کے حقیقی بھائی بکر نے اسی پھوپھی کا دودھ اپنی ایک سال آٹھ ماہ کی عمر میں پیا ہے تو کیا زید کی شادی بکر کی رضاعی بہن سے ہو سکتی ہے؟ یا بکر کے تمام بھائی بہنوں پر اس پھوپھی کی اولاد ذکور و اناث حرام ہو جائے گی؟

بینوا و توجروا۔ محمد شریف آمسٹرڈم نورتھ۔ ہالینڈ

الجواب ـــــــ بعون الملک الوھاب ـــــــ ۹۲/۷۸۶

بکر نے اپنی جس پھوپھی کا دودھ عمر رضاعت میں پیا ہے وہ پھوپھی بکر کی رضاعی ماں ہو گئی اور اس کے بیٹے بیٹیاں اس کے بھائی بہن نیز اس کا شوہر رشتہ کے اعتبار سے پھوپھا مگر دودھ کے اعتبار سے بکر کا رضاعی باپ ہو گیا۔ بکر کا نکاح اس پھوپھی کی کسی بیٹی پوتی سے نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ وہ اس کا بھائی یا رضاعی ماموں ہو گا۔ قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب (نسب سے جن جن کا شمار محرمات میں ہے وہ سب رضاعت کی وجہ سے بھی حرام ہیں) مگر بکر کے بھائی زید وغیرہ پر وہ رضاعت مؤثر نہیں ہو گی کیونکہ

رضاعت صرف دودھ پینے والے یا دودھ پلانے والی (مرضعہ) اور اس کی جو ذریت متفرع ہوتی ہے ان کے اندر ہی مؤثر ہوتی ہے۔ بکر کے بھائی زید یا اس کی ذریات پر رضاعتِ بکر مؤثر نہیں لہٰذا زید کی شادی مرضعۂ بکر کی بیٹی سے ہوسکتی ہے اگرچہ زید و بکر آپس میں حقیقی بھائی ہیں مگر اس مرضعۂ پھوپھی سے زید کا کوئی رشتۂ رضاعت نہیں۔ اور پھوپھی کی بیٹیوں سے نکاح حلال ہے۔ لقولہ تعالیٰ وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَاءَ ذٰلِکُمْ۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم۔

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ۔ ۷/۱۱/۱۹۸۸ء

نوری دارالافتاء، ہالینڈ۔

یورپ کا پردہ

مسئلہ ۹۸۴: انور غازی۔ مغربی آمسٹرڈم ۹-۴-۱۹۹۲ء

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ میں کہ یورپ کے اندر مسلمان عورتوں کا پردہ ایک عوامی مذاق بن کر رہ گیا ہے۔ اگر کسی مسلمان ملک سے مسلم عورتیں برقعہ یا سر پر اوڑھنی کے ساتھ ان یوروپین ممالک میں داخل ہوتی ہیں تو کتے اسے دیکھ کر بھونکتے ہیں اور او باشوں کی نگاہیں ان خواتین کا تعاقب کرتی رہتی ہیں۔ پھر خواہ برقعہ پوش خواتین دادی، نانی کی عمر کی کیوں نہ ہوں جوان لڑکے اس سے ٹکرانے کے شوق میں ان خواتین کے ارد گرد منڈلاتے رہتے ہیں۔ ایسی صورتِ حال میں اگر مسلم عورتیں ان ملک میں داخل ہونے کے بعد اپنا برقعہ یا اوڑھنی اپنے بیگ میں ڈال لیں تو کیا اس کا یہ عمل اسلامی شریعت کے نزدیک قابلِ مواخذہ ہے۔ امید کہ تشفی بخش جواب عنایت فرما کر شکریہ کا موقع دیں گے۔

حاجی انور غازی آمسٹرڈم اوسٹ، ہالینڈ۔

الجواب ۹۲/۴۸۶ ھو المجیب الوھاب

مسائلِ دینیۂ شرعیّہ جو منصوص و مبرہن ہوں ان پر زمان و مکان کے تغیرات

اور انسانیت سوز اخلاق رذیلہ کے انجارات کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور نہ ان کی وجہ سے مسائل شرعیہ منصوصہ میں کوئی لچک پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ دیندار، فرمانبردار اور نیکوکار لوگوں پر عزیمت کی پابندیاں مزید بڑھ جاتی ہیں۔ میں تو دیکھتا ہوں کہ ممالک مذکورہ میں وہی برقعے اور اوڑھنیاں کئی یورپین عورتوں کے لئے ہدایت کا سبب بن گئی ہیں۔ سچ فرمایا مولانا روم نے۔ ع مہ فشاند نور وسگ عوعو کند۔ نکلتے ہوئے چاند کا کام نور بیزی ہے وہ نور بیزی ونور پاشی کرتا ہوا آسمان کے افق پر بلند ہو جاتا ہے اور چاندنی کی تاب نہ لاکر کتے بھونکتے رہ جاتے ہیں۔ احادیث مشہورہ مرفوعہ کے علاوہ قرآن پاک کی سورۂ نور واحزاب کی متعدد آیاتِ ربّانی سے پردہ کی تاکید واہمیت ثابت ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ زمانۂ خیر القرون سے اب تک اسلام میں پردۂ وحجاب کی خاص اہمیت رہی جسے فقہ کی زبان میں وجوب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

امّ المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ وہ اور امّ المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دونوں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر تھیں کہ اسی درمیان حضرت ابن مکتوم (جو نابینا تھے) رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا افعمیان انتما؟ ألستما تبصرانه (صحیحین) کیا تم دونوں بھی اندھی ہو؟ کیا تم انھیں نہیں دیکھتیں؟ اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ پردہ کے لئے صرف مردوں کو احتیاط کی ضرورت نہیں بلکہ عورتوں پر بھی احتیاط لازم ہے کفار ومشرکین اور ملحد ومرتدین اگرچہ احکام خداوندی کے تحمل کی اہلیت نہیں رکھتے (باختلاف علماء) وہ شتر بے مہار کی طرح جس سرسبزی سے چاہتے ہیں چرچگ لینے کی مذموم کوشش کرتے ہیں لیکن مسلمہ مومنہ عورتوں پر تو احکام الٰہی عزّوجل نافذ ہوتا ہے۔ توان ملکوں میں مسلم عورتوں ہی کو اس کا لحاظ وخیال رکھنا ضروری ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے (النور، ۳۱)

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ ۔ اور مسلمان عورتوں سے کہئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔

وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ۔

اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو ظاہر ہے۔ اور اپنی گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں ڈالیں۔ اور اپنے سنگھار کو کسی کے سامنے ظاہر نہ کریں سوائے اپنے شوہروں کے یا اپنے والد کے یا اپنے سسر کے۔

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے خاص کر اہلِ ایمان عورتوں کو شرمگاہوں سے پہلے آنکھوں کی حدود حفاظت کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ عصمت و عفت کے مجروح ہونے کا سب سے مؤثر و بدترین ذریعہ آنکھیں ہیں۔ آنکھوں کے بعد فتنہ میں مبتلا کرنے والی وہ زینت ومحاسن ہیں جو ان کے گرد و پیش کو دعوتِ نظارہ دیتی ہیں جن میں ان کا چہرہ مع لوازمات فتن اور گریبان کے اندر کا محسوس مدوجزر سرِفہرست ہیں لہٰذا حکم ربانی ہوا کہ وہ اپنی زینتوں کو سوائے شوہر و آباء کے کسی اجنبی کے سامنے ظاہر نہ کریں اور اپنی گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں ڈالے رہیں۔

قرآن کریم کے دوسرے مقام پر ارشادِ ربانی ہے۔ (الاحزاب ۵۹)

یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ

اے نبی مکرم اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنے جسم پر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں۔

اس آیتِ کریمہ میں بجائے خمار (اوڑھنی دوپٹہ) کے جِلباب (قمیض یا چادر) کا حکم ہے۔ لغتِ عرب میں جِلباب اس کپڑے کو کہتے ہیں جو سر سے پاؤں تک سارے بدن کو ڈھانپ لے تو اس سے مراد وہ چادر بھی ہو سکتی ہے جو برصغیر ہند و پاک میں عموماً عورتیں اوڑھ کر گھر سے نکلتی ہیں کہ اس سے سر بھی ڈھکا ہوتا ہے چہرہ کا اکثر حصہ بھی ڈھکا ہوتا ہے اور جسم کا نشیب و فراز بھی ظاہر نہیں ہوتا۔

اور وہ قمیص بھی مراد ہو سکتی ہے جو مغرب، تونیشیا، مصر وغیرہ ممالک میں تھوڑے فرق کے ساتھ عورت و مرد دونوں استعمال کرتے ہیں۔ اس قمیص کی گردن کے اوپر

اتنے کپڑے کا بھی اضافہ ہوتا ہے جو سر، کان اور چہرے کے کچھ حصہ کو اچھی طرح ڈھانک لے۔ لمبائی میں گردن سے پاؤں کے ٹخنے تک اور چوڑائی میں ایسا کشادہ کہ جسم کا زیر و بم محسوس نہ ہو۔

پردہ سے متعلق تیسرا حکم قرآن پاک میں یہ ہے۔ (النور۔ ۶۰)

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ اللّٰتِیْ	بوڑھی عورتیں جنہیں نکاح کی خواہش نہ رہی ہو
لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْھِنَّ	وہ اگر اپنے کپڑے (خمار و جلباب) اُتار رکھیں
جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَھُنَّ غَیْرَ	تو ان پر کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ وہ اپنا بناؤ سنگھار
مُتَبَرِّجٰتٍ بِزِیْنَۃٍ وَاَنْ	ظاہر کرنے والی نہ ہوں۔ پھر بھی اگر وہ احتیاط
یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّھُنَّ وَاللّٰہُ	کریں تو ان کے لئے بہت بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ
سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ۔	بہت سننے جاننے والا ہے۔

آیۂ مذکورہ میں ان عورتوں کو پردہ کی پابندیوں سے رخصت دی گئی ہے جو سن ایاس (حیض کا زمانہ ختم ہو چکا ہو) یا انہیں نکاح کی کچھ بھی رغبت و خواہش نہ ہو بعض علما، مفسّرین نے فرمایا کہ اس آیت میں وہ بوڑھی، کریہ صورت عورتیں مراد ہیں جنہیں مرد دیکھیں تو کراہت محسوس کریں۔ ایسی عورتوں کو رخصت دی گئی کہ اگر وہ گھر سے باہر نکلیں تو ان کے لئے برقعہ، چادر، مخصوص قمیص یا اُس اوڑھنی کی ضرورت نہیں ہے جو پردہ کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔ تاہم اگر وہ احتیاط سے رہیں۔ یعنی چادر یا اوڑھنی کے ساتھ نکلیں تو وہ ان کے لئے بہت بہتر ہے۔

مذکورہ آیتوں کو سامنے رکھتے ہوئے پردہ سے متعلق تین باتیں سامنے آئیں خمارؔ یا جلبابؔ کا استعمال یا ان دونوں سے رخصتؔ، اور اس کی غرض و غایت بہرحال عصمت و عفت کی حفاظت اور حدود الٰہیہ کی پابندی ہے۔ نسوانی زندگی بھی تین احوال سے خالی نہیں۔ بلوغیتؔ سے پہلے کا زمانہ، بلوغیتؔ کا زمانہ، اور بلوغیتؔ کے بعد ایاس کا زمانہ ـــــ بلوغیت کے زمانہ میں قدم رکھنے سے پہلے نوعِ نسواں کو خمار کا پابند یا اس کا عادی ہو جانا چاہئے۔ اور بلوغیت میں قدم رکھنے کے بعد سے سن ایاس

کا زمانہ آنے تک جلابیب کے ذریعہ اپنے حسن وجمال اس ثروتِ خداداد کی حفاظت کرنی چاہئے جو صنفِ نازک کے لئے سرمایۂ افتخار ہے۔ پھر خاص صورتوں میں سن ایاس سے لیکر قبر میں جانے تک اگرچہ جامہائے حجاب کی پابندی ان پر ضروری نہیں مگر رخصت پر عزیمت کی برتری وفضیلت کی ترغیب دیتے ہوئے انھیں بھی احتیاط سے زندگی گزارنے کا سبق دیا گیا ہے۔ پس پردہ کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر مسلم خواتین کو اسے لازم پکڑنا چاہئے اور اپنی عزت واحترام کا آپ خیال کرنا چاہئے۔ یورپ وامریکہ میں اس وقت عورتوں کو مردوں نے کتوں اور بندروں سے زیادہ بے ستری کے ساتھ زندگی گزارنے کا خوگر بنا دیا ہے۔ خود کلبوں اور تفریح گاہوں میں فل پینٹ اور شرٹ وکوٹ کے ساتھ مرد بیٹھتے ہیں جبکہ انہی کے پہلو میں انکی ماں بیٹیاں عریاں اور تقریباً مادر زاد ہوتی ہیں، تماشہ دکھلانے والے مرد شرٹ اور فل پینٹ کے ساتھ ہوتے ہیں جبکہ انہی کے ساتھ تھرکنے والی عورتیں مادر زاد ننگی ہوتی ہیں۔ اسی حیوانیت کا نام یہاں آزادئ نسواں رکھا گیا ہے۔ ایسے حالات میں مسلم عورتوں کو ان سے سبق لینا چاہئے کہ مبادا ان کی نام نہاد آزادئ نسواں کے پتھر سے ان کی عفت وعصمت کا شیشہ چور چور نہ ہوجائے اور وہ خدائے جبار وقہار کی گرفت میں نہ آجائیں۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ وایاھن۔ واللہ سبحانہ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ خادم امور شرعیہ درلڈ اسلامک مشن

نیدرلینڈ ۹/۴/ ۱۹۹۲ء

شہیدوں کی شہادت میں نکاح

مسئلہ ۹۸۵: (مولانا) عبد الغفار نورانی۔ دی ہیگ

۲-۲-۱۴۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وہ جو واقعہ مشہور ہے کہ دو مجاہد کو دشمنوں نے کھولتے ہوئے گرم تیل میں ڈال دیا پھر اس کے ساتھی کسی اجنبیہ کو لیکر دشمن کے ملک سے نکل گئے تو وہی شہدا نمودار ہوئے تو انہوں نے اس اجنبیہ کا

نکاح اپنے ساتھی کے ساتھ باندھ دیا اور غائب ہو گئے، کیا ایسے نکاح از روئے شرع منعقد ہو سکتے ہیں؟

سائل: عبدالغفار نورانی
سکریٹری جنرل مجلس علما انید رلینڈ

۹۷ الجواب ـــــــــ بعون العلیم الوھاب

نکاح کے صحیح و منعقد ہونے کے لئے ایجاب و قبول اور حضور شاہدین شرط ہیں اور شاہد کے لئے مسلم عاقل بالغ آزاد ہونے کے ساتھ ساتھ حضور مکانی اور مکلف ہونے کی بھی شرط ہے۔ درمختار اور البحر وغیرہما کتب فقہیہ معتمدہ میں ہے ینعقد بایجاب وقبول وشرطه حضور شاهدین حرین اوحر وحرتین مکلفین سامعین قولهما فقہا کرام نے اللہ تبارک و تعالیٰ اور فرشتوں کی شہادت میں نکاح کو نہ صرف غیر صحیح و غیر منعقد فرمایا بلکہ شرع شریف کو پُر مذاق بنانے کی وجہ سے اسے کفر قرار دیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا علم و قدرت ہر شئے اور ہر جگہ کو محیط ہے وہ عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ فرشتے جب چاہیں جہاں چاہیں حاضر ہو سکتے ہیں۔ وہ ہمارے کلام کو سنتے، ہمارے عملوں کو دیکھتے ہیں یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ط پھر بھی ان کی شہادت میں نکاح صحیح نہیں کیونکہ تکالیف شرعیہ کے وہ حامل نہیں، نہ اُن پر حضور شاہدین کا اطلاق صحیح ہے تو حضرات شہدا کرام کی حیات اگرچہ نصوص شرعیہ قطعیہ سے ثابت ہے جس کا انکار بشرط عقل و شعور کوئی مدعیٔ اسلام نہیں کر سکتا پھر بھی عندالشرع یہ بھی مسلّم ہے کہ ذائقہ موت چکھ لینے کے بعد وہ تکالیف شرعیہ سے آزاد ہو جاتے ہیں تو جو شاہد مکلف ہی نہ ہو اس کی شہادت میں نکاح کیونکر صحیح و منعقد ہو سکتا ہے۔ جن کتابچوں میں یہ حکایت بیان کی گئی ہے وہ صرف حکایت و روایت ہے جو ہماری شریعت طاہرہ مطہرہ کی بنیاد و سند نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہٗ ۲ رصفر ۱۴۲۲ھ ـ ۲۶-۴-۲۰۰۱ء

خادم الافتا مجلس علما، نیدرلینڈ۔

نکاح کی شرعی حیثیت

مسئلہ ۹۸۶:- تشکیل احمد لطیف، آمسٹرڈم
۵-۳-۱۴۰۸ھ ۱۹

حضرات علماء کرام سے دریافت طلب یہ امر ہے کہ قرآن وحدیث میں اسلامی نکاح کے بارے میں کیا تفصیل ہے؟ اسلامی نکاح کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ ذرا تفصیل سے بیان کیجئے۔ بغیر نکاح کے عورت ومرد کا ایک ساتھ رہنا اسلامی لحاظ سے کیوں ممنوع ہے؟ تشکیل احمد، مسجد الکرم، آمسٹرڈم

الجواب ۹۸۶ ــــــــ بعون الملک الوھاب ــــــــ

قدرت نے مرد وعورت میں افزائش نسل کے لئے جو شہوانی قوت ودیعت فرمائی ہے اس کو بجا طور پر استعمال کرنے کے لئے اسلام نے اپنے ماننے والوں کو نکاح جیسی نعمت عطا فرمائی" فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ (الآیۃ) کتاب وسنت میں نکاح کے تعلق سے کافی وافی تفصیل موجود ہے لیکن سائل کس طرح کی تفصیل چاہتا ہے وہ سوالنامہ میں واضح نہیں ہے یعنی فضائل نکاح سے متعلق یا نکاح کی اہمیت سے متعلق یا اس کے محللات ومحرمات سے متعلق یا نکاح کی صحت وعدم صحت سے متعلق وغیرہ

ویسے اسلامی نکاح شاہدین کی موجودگی میں اس ایجاب وقبول کو کہتے ہیں جو مرد وعورت کے درمیان ہو اسی لئے یہ ایک عبادت کے علاوہ معاہدہ ومعاملہ بھی ہے کہ اسمیں حضور شاہدین اور ایجاب وقبول شرط ورکن ہیں " وشرطه عند حضور الشاهدين واما ركنه فالايجاب والقبول كذا في الهندية و الكافي"۔

نکاح بعض حالات میں فرض، بعض میں سنت، اور بعض میں حرام ومکروہ ہے مثلاً شہوت کی زیادتی ہو اور زیادتی جوش کی وجہ سے زنا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو نکاح کرنا فرض ہے۔ سکون واطمینان کی حالت میں جبکہ حقوق زوجیت ادا کرنے کی

داخلی وخارجی صلاحیت موجود ہو تو نکاح کرنا سنت ہے۔ نامردوں اور ہجڑوں کو جو وظیفۂ زوجیت کے قابل نہ ہوں نکاح کرنا حرام ہے " لاضرر ولاضرار فی الاسلام " اور جو بیوی کے نان ونفقہ کا بوجھ اٹھا نہیں سکتا یا ظلم وزیادتی کا اندیشہ ہو اسے نکاح کرنا مکروہ ہے۔ لانّ کسوتھا ونفقھا وسکنہا علیہ " ایسوں کو شرع مطہر نے روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے تاکہ غلط اقدام سے بچ سکے۔

نکاح ایسی عبادت ہے جس کی ابتداء انسانِ اول حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام ہی سے ہوئی اور قربِ قیامت تک رہے گی۔ نکاح ہی سے نسلِ انسانی کی بقا ہے، یہی صالحین، عابدین اور ذاکرین وغیرہم کی پیدائش کا ذریعہ ہے اسی لئے علمائے احناف کے نزدیک نکاح نفلی عبادت سے بہتر ہے۔

بے نکاح کے جو جوڑے برآمد ہوتے ہیں وہ شرافت نسب سے دور مہجور ہوتے ہیں انہیں آدمی گرداننا آدمیت کی توہین ہے۔ فلہٰذا ارشاد ہوا " الولد للفراش وللعاھر الحجر " شرافتِ نسب اور عظمت آدمیت کو برقرار رکھنے کے لئے نکاح صحیح لازمی ولابدی ہے۔ اور نکاح صحیح کے لئے اُن ارکان وشرائط کا پایا جانا بھی ضروری ہے جو صحتِ نکاح کے لئے شرع شریف نے وضع فرمایا مثلاً عورت کسی اور کی منکوحہ نہ ہو، از قسم محرماتِ نسبی نہ ہو، از قسم محرماتِ رضاعی نہ ہو، از قسم محرمات مشرکہ وکافرہ ومرتدہ نہ ہو وغیرہ وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ مہر ونکاح کے ذریعہ عورت ومرد کو ساتھ رہنے کا حکم دیتا ہے تاکہ فتنہ وفساد کا سدِباب ہوسکے " اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِکُمْ " پھر کسی مسلمان کو یہ کب زیب دیتا ہے کہ وہ بے نکاح شرعی کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں رہے۔ یا ایک ساتھ (SAMEN WONEN) زندگی گزارے ...... بالفرض اگر کوئی مسلمان کسی اجنبیہ عورت کے ساتھ یا کوئی مسلمہ عورت کسی اجنبی مرد کے ساتھ یا کوئی مسلمان مرد کسی مسلم وغیر مسلم مرد کے ساتھ یا کوئی مسلمہ عورت کسی مسلمہ یا غیر مسلمہ عورت کے

ساتھ زن وشوہر کی طرح زندگی گزارے (العیاذ باللہ تعالی) تو وہ عندالشرع حرام کار سخت وشدید گنہ گار لعنت دوجہاں میں گرفتار اور مستحقین عذاب نار ہے۔ قال تعالی " وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى ۔

نکاح کرنا انبیاء کرام خصوصاً سید الانبیاء علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے جس سے بے وجہ شرعی اعراض کرنا اہل ایمان کا شیوہ نہیں اور بے نکاح کے ایک ساتھ عورت ومرد کا رہنا اس سنت جلیلہ بلکہ شعار انسانیت کو مٹانا ہے جسکے لئے سخت وعیدیں ارشاد ہوئیں اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي۔ پھر نکاح چونکہ نسل انسانی کی محافظت کا واحد ذریعہ ہے جو صالحین، متقین اور انسانیت پسند سماج میں ابن آدم تا ایں دم جاری وساری ہے لہذا اس کے خلاف کسی اجنبی مرد کا کسی اجنبیہ عورت کے ساتھ بے نکاح کے رہنا حیوانیت کو پروان چڑھانا اور انسانیت کی نسل کشی ہے۔ اسلئے اسلامی شریعت نے ان طریقوں کو حرام وممنوع قرار دیا ہے اور اسے زنا وفواحش وغیرہ سے تعبیر کیا ہے لَا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا (القرآن)۔ واللہ سبحانہ تعالی ورسولہ الاعلیٰ اعلم وصلی اللہ تبارک وتعالی علیہ وآلہ وصحبہ وسلم۔

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ ۱۹ ربیع الاول ۱۴۰۶ھ

خادم الافتاء، جامعہ مدینۃ الاسلام دی ہیگ

شادی کے موقع پر باجا گاجا

مسئلہ ۹۸۷:- عباس علی واجدی

۲۲-۱۰-۱۹۹۶

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ شادی بیاہ کا اعلان دف کے ذریعہ کرنے کی اجازت ہے " اعلنوا النکاح بالدف " تو کیا شادی بیاہ کی محفل (محفل رتجگاہ، محفل نکاح خوانی، محفل بارات) میں میوزک (مختلف

قسم کے باجے گاجے) بجانا جائز و درست ہیں یا ناجائز و حرام؟ اور جس شادی میں میوزک بجایا جائے اس میں شرکت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ایک مفتی صاحب سے یہ مسئلہ پوچھا گیا تو انہوں نے میوزک کو حرام بتایا اور یہ بھی کہا کہ ایسی محفل شادی کی شرکت بھی ناجائز و حرام ہے جس میں میوزک بجایا جارہا ہو۔ جبکہ بعض دیندار اور جانکار لوگ میوزک کی اجازت دیتے ہیں۔ صحیح مسئلہ سے آگاہ فرمایا جائے

المستفتی:۔ عباس علی واجدی سکریٹری جنرل اسلامک فونڈیشن ہیدرلینڈ

۹۲/۸۶ الجواب

ساز، راگ، گانا اور آلات لہو ولعب کا استعمال بطور لہو ناجائز اور حرام ہے جیسا کہ مفتی صاحب مذکور فی السوال نے فرمایا ہے۔ اور جس مجلس میں یہ امور موجود ہوں وہاں جانا اگر دعوت ہو یا شادی ہو تو وہاں شرکت ناجائز ہے۔ حدیث شریف میں ہے لیکونن فی امتی اقوام یستحلون الخمر والمعازف (ابوداؤد) نیز حدیث شریف میں ہے صوتان ملعونان فی الدنیا والآخرة مزمار عند النعمة ورنة عند المصیبة۔ نیز حدیث شریف میں بارہ چیزوں کو باعث قومی عذاب قرار دیا جن میں " اتخذت القینات والمعازف بھی ذکر فرمایا آخر میں فرمایا فلیرتقبوا عند ذلک ریحا حمراء، خسفا ومسخا (ترمذی شریف)

واللہ تعالیٰ اعلم مفتی عبدالقیوم ہزاروی۔ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور پاکستان

(مہر جامعہ) محمد ... رجرو رم خفرلہ ۲۲-۱۰-۹۴ء

نوٹ:۔ سوال و جواب میں مفتی صاحب سے مراد مفتی اعظم ہالینڈ ہیں (مرتب)

سلامی یا تلک کے نام پر لڑکی والوں سے نقدی وصول کرنا

مسئلہ ۹۸۸:۔ (مولانا) منصور عالم واجدی ۱-۸-۲۰۰۱ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے دو بیٹوں کی شادی کی سمدھیوں سے کچھ نقدی لیکر کر دیا۔ اور زید چونکہ حاجی و نمازی بھی ہے اس لئے

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا زید کی امامت میں کوئی خرابی تو نہیں آئی؟ اور
زید لائق امامت رہا یا نہیں؟ خلاصہ جواب سے نوازیں۔
المستفتی (مولانا) منصور عالم واجدی خطیب مسجد الرضا ہنیکردم سوئزرلینڈ

۹۲/۴۸۶ الجواب

زید ہوا وہوس کے صید نے اپنے بیٹوں کو جس رقم کے عوض بیچا وہ رقم خبیث
و ناجائز ہے۔ اس رشوت کے سبب زید گنہ گار مستحق عذاب نار ہوا "الرّاشی
والمرتشی کلیھما فی النّار" شادی کے موقع پر دولہا کے سرپرستوں کو
سلامی کے نام پر، تیلک کے نام یا دیگر اخراجات کے نام پر کچھ نقدی دینا حرام ہے
لینا دینا دونوں حرام ہے۔ لقولہ تعالیٰ لَا تَاکُلُوْا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ
بِالْبَاطِلِ۔ زید مذکور کی امامت اسوقت تک ناجائز ہے جب تک وہ لی گئی رقم
واپس نہ کرے اور توبہ نہ کرے۔ توبہ سے پہلے جتنی نمازیں اسکے پیچھے پڑھی جائیں گی
یا پڑھی گئیں وہ سب واجب الاعادہ ہیں۔ اس کو امام بنانا گناہ ہے۔ واللہ اعلم
کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ دار الافتا اسلامک فونڈیشن ہیڈرلینڈ
۲۱ / اگست ۲۰۰۱ء

سامن وونن اور معتدہ کا نکاح

مسئلہ ۹۸۹ ۷-۹-۱۹۸۶ء :- کیا فرماتے ہیں علمائے حقانی و مفتیان ربانی اس مسئلہ میں
کہ ہالینڈ کے اندر مسلمانوں کے ماحول میں نکاح و طلاق کی کوئی خاص
اہمیت نہیں ہے اسی لئے نکاح و طلاق دونوں کی کثرت ہے۔ معدودے چند ہی
مسلمان مرد و عورت ایسے ہیں جو نکاح کو حدود الٰہی یا اسلامی عہد سمجھ کر پوری زندگی
اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ منکوحہ عورتیں شوہر کے ہوتے ہوئے تنہا یا دوستوں کے
ساتھ زندگی گزارنے کو عار نہیں سمجھتیں حکومت اور بعض تنظیمیں بھی ایسی عورتوں کی
پشت پناہی کرتی ہیں۔ بعض عورتیں اپنے نکاح اول کے ہوتے ہوئے کئی کئی نکاح

کرلیتی ہیں اور آزادانہ زندگی گزارتی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر کوئی میاں جی کسی غیر مطلقہ عورت کا نکاح پڑھادے۔ یا عدت کے پورے ایام گزرنے سے پہلے نکاح پڑھادے اور منع کرتے پر میاں جی کا یہ جواب ہو کہ بھائی وہ زنا میں مبتلا ہو چکی تھی تو کیوں نہ نکاح پڑھادیا جائے تاکہ نکاح کے بعد زنا سے بچ جائے۔ کیا اس میاں جی کو امام بنانا اس سے میلاد پڑھوانا، نکاح کا قاضی بنانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

محمد شریف، دین یوس

۷۸۶ الجواب ——— ھوالہادی الی الصواب

عورت و مرد کا بغیر نکاح شرعی کے ایک ساتھ رہنا (سامن ؤونن (SAMEN WONDN) جیسا کہ ہالینڈ میں اس کی قانونی اجازت ہے — وہ شریعت اسلامی کے نزدیک حرام حرام اشد حرام نہایت بدانجام ہے، مسلمانوں کو اس سے بچنا فرض ہے، منکوحہ عورتیں مسلمانوں پر حرام ہیں "وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ"، مسلم عورتوں کو بیک وقت ایک سے زیادہ نکاح کرنے کی اجازت نہیں کہ نسل انسانی کی محافظت نہیں ہوسکے گی۔ یعنی ایک بوتل مشروب کو کئی گلاسوں میں رکھنے کے بعد بھی وہ ایک مشروب رہے گا۔ لیکن چند طرح کے بوتلوں کے مشروب کو ایک گلاس میں رکھنے کے بعد امتیاز ناممکن ہو جائے گا اور اب وہ کسی ایک بوتل کی طرف منسوب نہ ہوسکے گا اس طرح نسل انسانی محرومیت نسب کا شکار ہو جائے گی جس کو اسلام پسند نہیں کرتا۔

...... میاں جی مذکور فی السوال کی اسلام فروشی اور منع کرنے پر مجنونہ پردہ پوشی نہایت افسوسناک ہے۔ اس نے زناکارہ مذکورہ کو زنا سے بچایا نہیں بلکہ معاذ اللہ زنا کرنے اور زنا کروانے والی کو پکی سند دیدی جب تک وہ دونوں ساتھ رہیں گے میاں جی مذکور ان دونوں کے زنا میں شریک رہیں گے۔ بلکہ دونوں کے زنا کا مشترک گناہ میاں جی کے سر چڑھتا رہے گا اور وہ دونوں بھی اس گناہ سے بچ نہیں سکیں گے اگر میاں جی نے غیر مطلقہ یا معتدہ کا نکاح ایام عدت کے اندر حلال و جائز سمجھ کر کردیا تو حرام قطعی (لَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ، وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ)

کو حلال جاننے کی وجہ سے وہ دینِ اسلام سے خارج ہو کر کفر کی حدوں میں داخل ہو گیا کفر سے توبہ کرنا اور کلمۂ اسلام پڑھ کر اسلام میں داخل ہونا فرض ہے اگر وہ بیوی رکھتا ہو تو تجدیدِ نکاح بھی ضروری ہے۔ جب تک توبہ تجدیدِ ایمان اور تجدیدِ نکاح نہ ہو جائیں اسکی امامت، میلاد خوانی وغیرہ سب حرام ہے اس لئے مسلمانوں کو قطعِ تعلق لازم ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ ۲۰ ستمبر ۱۹۸۷ء

نوری دار الافتاء

حضانت (بچّوں کی پرورش)

مسئلہ ۹۹: محمد ایوب جہانگیر، آمسٹرڈم
۲۰-۷-۱۴۲۲۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ چھ سات ماہ قبل میں نے اپنی بیوی کو طلاق دیدیا۔ مطلقہ کے بطن سے میرے دو بیٹے ہیں، ایک کی عمر نو سال اور دوسرے کی عمر ایک سال چھ ماہ ہے۔ اب وہ اپنے بچوں کے ساتھ اپنے ماں باپ کے یہاں رہتی ہے، لیکن میری مطلقہ اور اس کے باپ ماں مجھے اپنے بیٹوں سے ملنے نہیں دیتے حالانکہ میں اپنے بچوں کو دیکھنے کے لئے بے چین ہوں۔ کیا بچوں پر صرف اس کی ماں اور نانا نانی کا حق ہے میرا کوئی حق نہیں ہے؟ اگر ہے تو مجھے از روئے شریعت بچے دلوانے کی کوشش کی جائے اور یہ بتایا جائے کہ مجھے میرے بچے کب تک ملیں گے؟

سائل: محمد ایوب ولد عبد الکریم جہانگیر۔ بردن سٹراٹ، آمسٹرڈم

الجواب ۸۶/۹۲ ـــــــــــــ بعون الملک الوھاب

از روئے شرع شریف مفتیٰ بہ قول کے مطابق سات سال کی عمر تک بچے اپنی ماں کے زیرِ پرورش رکھے جائیں گے۔ بشرطیکہ بچہ کی ماں بچّہ کے کسی اجنبی سے اس درمیان نکاح نہ کرے جیسا کہ تنویر الابصار و درمختار میں ہے۔ والأم احق بالغلام حتی یستغنی عن الناس وقدر بسبع وبه یفتی۔ بچہ کی عمر سات سال ہو جانے کے بعد اس کے

باپ کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اپنے بچہ کو اپنی تحویل میں لیکر اسکے نفقہ و سکنیٰ اور تعلیم و تربیت کا اسلامی طور پر مناسب نظم کرے۔ ردّالمحتار ہی میں فتح القدیر سے ہے یجبر الأبُ علی أخذ الولد بعد استغنائه عن الأمّ " بچہ کی عمر سات سال ہو جانے کے بعد اگر اس کا باپ اسکی ذمّہ داری قبول نہ کرے تو حکومت (قاضی شرع) یا برادری کی پنچائت اسے مجبور کرے گی کہ اس بچّہ کو اسلامی طریق پر اپنے پاس رکھے۔

سات سال عمر ہو جانے کے بعد اگر بچّہ کی ماں یا نانا نانی یا کوئی بھی رشتہ دار اسے اس کے باپ سے نہیں ملنے دے یا اُسے اس کے باپ کے حوالہ کرنے سے انکار کرے تو یہ سراسر ظلم و زیادتی، لعنت الٰہی کا سبب اور خلافِ شرع اقدام ہے جس سے مدعیٔ اسلام کو بچنا لازم ہے۔

بچہ خواہ سات سال کی عمر کا ہو یا کم و بیش کا، اس کے دیکھنے سے اس کے باپ ماں کو روکنا لعنت کا سبب اور شرعًا ظلم و حرام بہت ہی بدانجام ہے۔ لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام " مَنْ اٰذٰی مُسْلِمًا فَقَدْ اٰذَانِیْ وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی اللّٰہَ " (رواہ الطبرانی فی الاوسط) وَقَالَ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ " ماں باپ سے اُس کی اولاد میں جدائی کرنے والا جنّت میں نہیں جائے گا۔

ان وعیدوں کے پیشِ نظر مطلّقہ مذکورہ اور اس کے والدین و بہی خواہاں کو چاہئے کہ شریعتِ اسلامی کے مطابق ایوب مذکور کے جس بچّہ کی عمر سات سال ہو چکی ہے، اسے ایوب کے حوالہ کر کے اپنے آپ کو خدائے ذوالجلال اور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ناراضگی و لعنت سے بچائیں اور جس بچہ کی عمر ابھی سات سال سے کم ہے اس کو دیکھنے اور اس سے ملنے جلنے کے لئے وقت اور ایّام مقرر کر دیں۔ ساتھ ہی ساتھ محمد ایوب مذکور کو یہ دینی نصیحت کی جاتی ہے کہ جب اُسے بڑا لڑکا (جسکی عمر سات سال سے زیادہ ہو چکی ہے) مل جائے تو اس کی ماں اور قریبی رشتہ داروں کو اس سے ملنے جلنے یا اس کے دیکھنے پر پابندی عائد نہ کرے۔ بلکہ ہفتہ میں دو ایک بار ملنے جلنے کی اجازت دیکر اپنے آپ کو لعنت الٰہیّہ سے بچائے۔ عن ابی موسی الاشعری قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لعنۃُ اللہِ مَنْ فرق بین الوالدۃ وَ ولدھا (ابن ماجہ)۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتا مجلس علما نیدرلینڈ

۳؍شعبان المعظم ۱۴۲۲ھ

ڈبل سوشل لینا

مسئلہ ۹۹۱:۔ مولانا عبدالغفار، سکریٹری مجلس علما، نیدرلینڈ ۲-۳-۱۴۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علما، دین اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص سوشل دیسنت کے پاس جاکر کہتا ہے کہ میں اپنی بیوی کے ساتھ نہیں ہوں اسلئے مجھے سوشل علیحدہ ملنا چاہئے۔ چنانچہ اس کا سوشل (وظیفۂ بے روزگاری) علیحدہ اسے ملنے لگتا ہے اور کبھی یہی بات عورت جاکر کہتی ہے۔ کیا ایسی صورت میں ان دونوں کے نکاح پر کوئی شرعی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟ حالانکہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ رہتا ہے اُس کا وہ پیسہ لینا کیسا ہے؟ مجلس علما، نیدرلینڈ

۹۲/۸۶ الجواب ــــــــــ بعونِ العلیم الوہاب ــــــــــ

کسی کورٹ، کچہری یا دفتر میں جاکر یہ کہدینا کہ "میں اپنی بیوی کے ساتھ نہیں رہتا ہوں، ہم دونوں الگ الگ رہتے ہیں"، حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہے یعنی وہ دونوں زن وشو ساتھ رہتے ہیں اور زن وشو کے تعلقات بھی بحال ہیں صرف زر وظیفہ کو المضاعف کرنے کے لئے اس قسم کی خلاف شرع حرکتوں کا ارتکاب عمدًا کرتے ہیں۔ کچہری میں یا کسی دفتر میں غلط بیانی کی وجہ سے ان دونوں کے نکاح میں تو کوئی فرق نہیں آئے گا کیونکہ وہ جملے طلاق کے کسی باب سے متعلق نہیں ہیں۔ اگرچہ دفتر والوں یا دیگر سامعین نے اس سے یہی سمجھا ہو کہ یہ دونوں میاں بیوی آپس میں اجنبی ہوچکے ہیں۔ ہاں وہ جھوٹ اور دھوکہ دہی کا مرتکب ضرور ہوا جس کی وجہ سے اس پر توبہ لازم ہے۔ اور دھوکہ دیکر دو وظیفہ الگ الگ حاصل کرنا ناجائز وحرام ہوا۔ لہٰذا وہ

مال عند الشرع مالِ خبیث ہے جس کو نہ اپنی ذات پر خرچ کر سکتے ہیں نہ کسی کارِ خیر میں بلکہ اس کو لوٹا دینا واجب ہے۔ دھوکہ خواہ مسلم کو دیا جائے یا غیر مسلم کو حرام ہے۔ مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا (الحدیث) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواحد قادری غفرلہ خادم الافتاء مجلس علماء نیدرلینڈ

۲/۲/۱۴۲۲ھ

مہر کی ادائیگی میں امتداد زمانہ کا اثر

مسئلہ ۹۹۲: نثار علی لبنوی۔ آمسٹرڈم، ہالینڈ
۱۸-۱۱-۸۵ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ بطریق شرع اسلامی ۱۹۳۷ء میں ایک سو پچیس گلڈر کے ہوا جو اُس وقت کا رائج الوقت سکہ تھا لیکن یہ مہر معجل نہیں تھا اس لئے اسی وقت ادا نہیں کیا گیا بلکہ مہر مؤجل تھا اور اب زید ۱۹۸۵ء میں اس مہر کی ادائیگی کرنا چاہتا ہے۔ دریافت طلب یہ مسئلہ ہے کہ آج ایک سو پچیس گلڈر دیدینے سے مہر کی ادائیگی ہو جائے گی یا ۱۹۳۷ء میں اُن نوٹوں کی جو قانونی قیمت تھی (مثلاً ایک گلڈر پانچ سینٹ پر گرام سونا تھا اور اب وہی سونا نو گلڈر پچیس سینٹ پر گرام ہے) اُس قیمت کا لحاظ کرتے ہوئے مہر کی ادائیگی کی جائے گی نثار علی۔ اسلامک کالج بریڈفورڈ وارد حال آمسٹرڈم

۴۸۶/۹۲ الجواب ـــــــ بعون العلام الوہاب ـــــــ

نوٹوں کی حیثیت ثمن حقیقی و خلقی کی نہیں بلکہ زر اصطلاحی و مثلی کی ہے جیسا کہ امام اہلسنت مجدد دین و ملت امام احمد رضا بریلوی علیہ رحمۃ الغنی نے اپنے فتاویٰ "العطایا النبویہ" میں فرمایا۔

سلعة باصله لانه قرطاس وثمن بالاصطلاح — نوٹ اصل میں ایک متاع ہے اسلئے کہ وہ ایک کاغذ کا ٹکڑا ہے اور ثمن اصطلاحی ہے۔

اور فقہاء اسلام کے نزدیک اشیاء مثلی میں اگر کوئی کمی و نقص پیدا ہو جائے تو

اس کی تلافی ضروری ہے .... پچاس سال کے زمانۂ مدیدہ اور حوادثِ متنوعہ نے نوٹوں کی قیمت یقیناً کم کردی جو زرِ مثلی کا نقصان وعیب ہے۔ ھدایہ میں ہے
کل ما اوجب نقصان الثمن　　تاجروں کی نگاہ میں جو صورتیں نقصانِ ثمن
فی عادۃ التجار فھو عیب　　کا باعث ہوں وہ عیب ہیں۔

اور عیب کا ازالہ عند الشرع مطلوب (لاضرر ولاضرار فی الاسلام) لہٰذا حقوق نسواں کی محافظت اسی میں ہے کہ عقد نکاح کے وقت کرنسی کی جو قیمت تھی مثلاً ایک گلڈر پانچ سینٹ پر گرام سونا تھا اسی قیمت کا لحاظ کرتے ہوئے آج تقریباً ایک سو ۱۱۹ انیس گرام سونا یا اس کی موجودہ قیمت مہر مذکور میں ادا کی جائے۔　　واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ۔ نوری مسجد آمسٹرڈم ہالینڈ

۱۸-۱۱-۱۹۸۵ء

مہر میں کاغذی کرنسی کو چاندی سونا کی مقدار میں متعین کرنا

مسئلہ ۹۹۳: محمد عمران آمسٹرڈام ۱۲-۱۱-۱۹۸۵

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ نکاح کے وقت جو مہر سکہ رائج الوقت کاغذی کرنسی میں مقرر ہوتا ہے اگر وہ مہر مؤجل ہو تو اس مہر کی قیمت کا اعتبار کرتے ہوئے اسے چاندی یا سونا میں متعین کرلینا درست ہوگا یا نہیں؟ تاکہ ادائیگی کے وقت فریقین میں سے کسی کو اختلاف کی گنجائش نہ رہے۔

عمران چند و آمسٹرڈم (جنوب مشرق) ہالینڈ

۷۸۶ ۹۲ الجواب ـــــــ بعون العلام الوہاب ـــــــ

کرنسی نوٹوں میں مہر کا تقرر جائز و درست ہے کہ وہ مال متقوم ہے کما فی فتاوی الرضویہ لیکن کرنسی نوٹوں کی قدر و قیمت ملکی معاشی و اقتصادی حالات کے بدلنے سے عموماً تغیر پذیر ہوتی رہتی ہے۔ اگر مدت گزر جانے یا حالات بدل جانے کے بعد کرنسی نوٹوں کی قدر و قیمت میں کمی آگئی تو اسی کرنسی نوٹوں میں مہر کی ادائیگی

کرنے پر حقوقِ نسواں کا استحصال ممکن ہے.... لہٰذا عورتوں کے حقوق کا صحیح تحفظ اس طریقۂ کار میں زیادہ ممکن ہے کہ عقدِ نکاح کے وقت مہر کی کرنسی نوٹوں کی قیمت کے مقابل سونا یا چاندی کے مقدار کا تعین کرلیا جائے. شرعاً اس میں کوئی قباحت معلوم نہیں ہوتی بلکہ حالات کے اعتبار سے مناسب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ نوری مسجد ۱۲ / نومبر ۱۹۸۵ء

ٹیوب کے ذریعہ اولاد کا حصول اور اس کا نسب

مسئلہ ۹۹۴ :- مولانا حافظ محمد صدیق نعیمی ڈی ہیگ ۲۱-۱۲-۱۹۸۶ء

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ ذی احتشام اس مسئلہ میں کہ آجکل ڈاکٹروں نے انسانی افزائش نسل کے لئے ایک ٹیوب ایجاد کیا ہے جو ڈاکٹروں اور سائنسدانوں کی مشترکہ کامیاب کوشش ہے. اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مرد اور عورت کے مادۂ منویہ کو حاصل کرکے ایک ٹیوب میں کچھ دنوں کے لئے رکھتے ہیں اور جب اس مشترک جوہر تولید میں حیات کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں تو اس مشترک جوہر منویہ کو عورت کے رحم میں منتقل کر دیتے ہیں جہاں اسکی حسب معمول تدریجاً پرورش ہوتی ہے اور وقتِ مقرر پر اس کی پیدائش بھی ہوتی ہے ...... اس ترکیبی عمل کی فی الحال تین چار کارآمد اور کامیاب شکلیں ہیں جس سے بے اختلاف مذہب و ملت لوگ استفادہ کر رہے ہیں.

کارآمد شکلوں کا اجمالی حال یہ ہے

۱. دو اجنبی عورت و مرد کا مادۂ تولید حاصل کرکے چند دنوں کے لئے ٹیسٹ ٹیوب میں رکھتے ہیں اور جب اس میں حیات کی رمق پیدا ہو جاتی ہے. تو اس مادۂ تولید کو تیسری اجنبیہ عورت کے رحم میں داخل کر دیتے ہیں جہاں اسکی قدرتی طور پر تدریجی پرورش ہوتی ہے.

۲. دو اجنبی مرد و عورت کا مادۂ تولید لیکر ٹیسٹ کرنے کے بعد کر اس مادہ میں

حیات کی رمق لینے کی صلاحیت ہے یا نہیں؟ اگر صلاحیت ہے تو اسے کسی منکوحہ عورت کے رحم میں منتقل کر دیا جاتا ہے جہاں سے مطلوبہ پرورش ہونے کے بعد اسکی قدرتی طور پر پیدائش ہوتی ہے۔

۳۔ کسی اجنبی مرد کا مادۂ منویّہ ٹیسٹ کے بعد منکوحہ عورت کے بَیْضَۃُ المنی کے ساتھ ملاکر (دونوں کے مادۂ منویہ کو بغیر کسی ٹیوب میں رکھے اور بغیر رمقِ حیات کے انتظار کے) منکوحہ عورت کے رحم میں رکھ دیا جاتا ہے جہاں سے قدرتی پرورش کے بعد وقتِ مقرر پر نومولود کی ولادت ہوتی ہے۔

۴۔ منکوحہ عورت و مرد کا بیضۃُ المنی اور مادۂ منویہ حاصل کر کے ٹیوب میں رکھا جاتا ہے۔ اور کارآمد ہونے کی صورت میں اُسی مختلط مادّہ کو منکوحہ عورت کے رحم میں رکھدیا جاتا ہے۔ جہاں سے آٹھ نو مہینے پرورش پانے کے بعد بچّہ کی ولادت ہوتی ہے۔

۵۔ منکوحہ عورت و مرد کا مادّہ تولید ٹیوب میں چند دنوں کے لئے ٹیسٹ کی غرض سے رکھا جاتا ہے اور جب اس میں حیات کی نمو ظاہر ہو جاتی ہے تو کسی تیسری عورت کے رحم میں اسے رکھ دیا جاتا ہے۔ پھر آٹھ نو مہینے تک اس عورت کو مذکورہ عورت و مرد کی طرف سے طے شدہ اجرت دی جاتی ہے پھر بچّہ جَنْ دینے کے بعد وہ تیسری عورت اس بچّہ سے لاتعلق ہو جاتی ہے اور اس بچّہ کی کفالت مذکورہ عورت و مرد کے اوپر آجاتی ہے۔ اس طرح وہ بچہ اسی منکوحہ عورت و مرد کا مشہور ہو جاتا ہے۔ (اسی طرح کچھ اور بھی شکلیں ہیں)

سوال یہ ہے کہ صورتِ مذکورہ (ٹیسٹ ٹیوب) کے ذریعہ اولاد کا حصول شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ صُوَرِ مذکورہ میں نومولود کا نسب کس سے متعلق ہوگا؟ نیز حرمتِ نکاح کی کیا صورتیں ہوں گی؟؟؟ بینوا وتوجروا

المستفتی:۔ محمد صدّیق نعیمی

خطیب و مدرس اشاعت الاسلام، دی ہیگ ہالینڈ

۹۲ الجواب ــــــــ بعون العلام الوھاب ــــــــ

مذکور فی السوال ٹیوب کے ذریعہ تولیدی علاج ومعالجہ میں کئی طرح کی قباحتیں اور شرم وحیا کے خلاف جرأتیں ہیں۔ جو نظافتِ شرع کے خلاف ہیں۔ مگر بحالتِ حاجت وضرورت شرع مطہر نے علاج ومعالجہ کے سلسلہ میں اُمّت کو رعایتیں دی ہیں۔ مثلاً دفع ضعف وغیرہ کی صورت میں حُقنَہ (ہر وہ دوا جو مریض کے مقعد (پاخانہ کا مقام) سے پیٹ صاف کرنے کی غرض سے چڑھائی جائے) کی اجازت کتب فقہ میں موجود ہے۔ یا کسی مہلک بیماری کا اندیشۂ قویہ ہو تو اس کی جانچ کے لئے عضو مخصوص کی بے ستری کی اجازت ہے۔ لہٰذا عند الضرورۃ بلکہ اگر حاجتِ داعیہ بھی ہو تو ٹیسٹ ٹیوب مذکور کے ذریعہ علاج کرانے اور اولاد حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے جبکہ اپنے ہی مادۂ تولید سے بچہ حاصل کیا جائے۔

یہ سوال کہ نومولود کا نسب کس سے متعلق ہوگا؟ خاصا تفصیل طلب ہے۔ جس کو مختصراً یوں سمیٹا جاسکتا ہے کہ پہلی شکل میں نومولود کا نسب اجنبیہ عورت و مرد میں سے کسی کے ساتھ متعلق نہیں ہوسکتا کیونکہ شرع شریف میں غیر حلال طریقہ سے جس کھیتی کو سیراب کیا گیا ہو اس پانی کا شرع میں کوئی اعتبار نہیں ہے (کما جاء فی الحدیث الشریف) اسی لئے زنا کے پانی سے نسب ثابت نہیں ہوتا ہے۔ ہاں پہلی ہی شکل میں تیسری عورت جسکے رحم میں نومولود کی پرورش ہوئی اور اسی تیسری عورت نے نومولود کو جنم دیا وہ نومولود کی شرعی ماں ہے۔ لقولہٖ تعالیٰ "اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓئِیْ وَلَدْنَهُمْ" لیکن محرّماتِ نکاح میں چونکہ محرّماتِ صہریّہ کو بھی شرع نے شمار فرمایا ہے۔ اسلئے مذکورہ فی السوال اجنبیہ عورت ومرد اور اس کے نسب سے بھی محرّماتِ نکاح کا ثبوت ہوگا۔

دوسری شکل میں بھی اجنبی مرد وعورت کے مادۂ تولید کی وجہ سے نومولود کا نسب ثابت نہیں ہوگا کہ زنا کے پانی کا کوئی اعتبار نہیں۔ ہاں جس منکوحہ عورت نے جنم دیا وہ نومولود کی ماں ہے اور اس کا شوہر نومولود کا باپ ہے۔ لقولہ علیہ الصلوٰۃ و

السّلام "اَلْوَلَدُ لِلْفَرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الحجر"[1] اسی طرح اُس نومولود کا نسب منکوحہ مذکورہ جنم دینے والی عورت کے شوہر سے متعلق ہوگا۔ اور حرمتِ نکاح میں اجنبی مرد و عورت کا بھی اعتبار کیا جائے گا۔

تیسری شکل میں بھی اجنبی مرد سے اس نومولود کا نسب ثابت نہیں ہوگا کما مَرَّ فِی الْحَدِیْثِ الشَّرِیْفِ آنِفًا (وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَر) البتہ وہ منکوحہ عورت جسکے بیضۃُ المنی سے نومولود کا وجود و نمود مکمل ہوا اس کی شرعی ماں اور اس منکوحہ عورت کا شوہر اُس نومولود کا باپ ہے...... یہاں بھی حرمتِ نکاح میں اجنبی مرد مذکور اور اس کے نسب کا اعتبار ہوگا۔

چوتھی شکل میں نومولود کا نسب اسی منکوحہ عورت و مرد سے ثابت ہے کیونکہ وہ دونوں میاں بیوی اور اہلِ فراش ہیں جن سے نومولود کا وجود عمل میں آیا۔ البتہ صورتِ مذکورہ میں ایک غیر فطری عمل کا صدور ہوا جو ضرورت یا حاجت یا زینت (اَلْمَالُ وَالْبُنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا) کی وجہ سے دائرہ جواز میں ہے۔

پانچویں شکل میں جس حلال پانی سے نومولود کا وجود ہوا اور اس میں حیات کی نمود پائی گئی اسی پانی والوں سے اس کا نسب ثابت ہوگا..... اور جس عورت نے اس کو جنم دیا وہ بھی اس کی شرعی ماں قرار پائے گی۔ اُس کے بے تعلق ہو جانے سے اُس کے شرعی حقوق زائل نہیں ہوں گے۔

احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ جس جس کا مادۂ تولید، بیضۃُ المنی، اور رحِم کا عمل نومولود کے وجود و نمود میں شامل ہے ان سب سے حرمتِ نکاح کا اعتبار کیا جائے۔

واللہ سبحانہ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ ۱۱؍ دسمبر ۱۹۸۶ء نوری مسجد ہالینڈ

ہالینڈ اور اسلامی نکاح وطلاق

مسئلہ ۹۹۵ :- (مولانا) محمد شبیر دل محمد۔ ہارلیم
۵-۱۲-۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہالینڈ

میں نکاح وطلاق کا معاملہ گورنمنٹ نے اپنے ہاتھوں میں رکھا ہے عام لوگوں میں سے کوئی بھی کسی کا نکاح کر دینے یا توڑ دینے کا حق نہیں رکھتا۔ پھر بھی مسلمانوں نے اس حکومت میں رہنے کے باوجود نکاح وطلاق کا شرعی معاملہ ہالینڈ میں مقیم علماء دین یا ائمہ مساجد کے ہاتھوں میں دے رکھا ہے۔ لیکن مسلمان گورنمنٹ کے قانون کا بھی احترام کرتے ہیں مثلاً پہلے مسلمانوں کے اجتماع میں اسلامی طور پر نکاح پڑھایا جاتا ہے یعنی قاضی نکاح دو گواہوں کی موجودگی میں دلہن سے زبانی وتحریری یا صرف زبانی ایجاب کراتا ہے پھر دیگر مسلمانوں کے علاوہ ان دونوں مخصوص گواہوں کی موجودگی میں اسی مجلس کے اندر خطبۂ نکاح پڑھتا ہے۔ دولہا سے کلمات اسلامی (عموماً تین کلمے) پڑھواتا ہے پھر زبانی وتحریری یا صرف زبانی نکاح قبول کرواتا ہے اخیر میں دعا کرتا ہے اور صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے پھر اس دن یا دو ایک دن کے بعد گورنمنٹ کے قانون کی رعایت کرتے ہوئے ان دونوں دولہا دلہن کا قانونی نکاح رجسٹرڈ ہوتا ہے جس کو (کورٹ ہونا کہتے ہیں) اسی طرح جب طلاق کا معاملہ آتا ہے تو پہلے گورنمنٹ کے شعبۂ نکاح وطلاق کے ذریعہ رجسٹرڈ نکاح ختم کرایا جاتا ہے۔ پھر علماء کے ذریعہ طلاق یا فسخ نکاح کا حکم حاصل کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد منکوحہ مطلقہ سمجھی جاتی ہے۔ اور بعد عدت اس کا دوسرا نکاح ہوتا ہے۔ احوال مذکورہ کے پیش نظر چند سوالات کے جوابات درکار ہیں۔ امید کہ وضاحت کے ساتھ جوابات کی زحمت گوارہ فرما کر شکریہ کا موقع دیں گے۔

فقط۔ شبیر احمد دل محمد، ملوکس اسٹراٹ آمسٹرڈم۔ امام وخطیب جمیعۃ المسلمین ہارلیم

۹۲/۴۸۶

الجواب ــــــــــ بعون العلام الوھاب ــــــــــ

"اسلامک پرسنل لا" میں مداخلت کئے بغیر انسانی زندگی کے تمدنی مسائل کو جو بھی گورنمنٹ اپنے تصرف واختیار میں رکھتی ہے اس کے احترام کی شرعاً ممانعت نہیں بلکہ اس باب میں اس کا احترام کرنا ہی چاہئے۔

اسلام نے صحت نکاح اور وقوع طلاق کے لئے کچھ شرائط وقانون مسلمانوں کو

عطا فرمایا ہے۔ اگر نکاح وطلاق میں انہیں ملحوظ رکھا گیا تو شرعاً صحتِ نکاح اور وقوعِ طلاق کا حکم نافذ ہوجاتا ہے ورنہ نہیں۔ مثلاً صحتِ نکاح کے لئے ایجاب وقبول اور حضورِ شاہدین کی شرطیں ہیں۔ ایجاب کا مطلب ہے نکاح کی پیش کش کرنا اور قبول کا مطلب ہے اس پیش کش کو قبول کرلینا۔

ایجاب وقبول، تحریری، تصوراتی یا خیالی، محض بیکار وبے اعتبار ہے۔ دونوں کے لئے تلفظ یا غیر مبہم اشاروں کے ساتھ ایسا ہونا کہ شاہدین کو سمجھنے میں کوئی التباس نہ ہے ضروری ہے۔

پس یہیں سے ظاہر ہوگیا کہ بولنے کی طاقت ہونے کے باوجود صرف نکاح نامہ پر دستخط کردینا صحتِ نکاح کے لئے کافی نہیں، برخلاف طلاق کے کیونکہ وقوعِ طلاق کے لئے شاہدین کا ہونا شرط نہیں بلکہ صرف شوہر کا اقرارِ طلاق کافی ہے۔ اسی طرح شاہدین کے لئے اسلام کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مجلس نکاح کو مجلسِ نکاح سمجھ رہا ہو۔ اور ان دونوں کے ایجاب وقبول کے مفہوم کو بھی سمجھ رہا ہو۔ یہیں سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اگر ہزاروں غیر مسلم کی مجلس میں ایجاب وقبول ہو تو نکاح صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ شرطِ صحت مفقود ہے۔

یہاں کے قانونی نکاح وطلاق سے متعلق یہ چند اصول کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے

(۱) دولہا دولہن نے "ٹورُوْآفس میں" جاکر نکاح کے رجسٹر پر دستخط کردیا کہ ہم دونوں کو رشتۂ ازدواج میں منسلک کردیا جائے۔ پھر گورنمنٹ کی طرف سے مقرر کردہ نکاح پڑھانے والے نے نکاح پڑھادیا تو اسلامی شرع کے مطابق نکاح صحیح نہیں ہوا۔

(۲) مسلم دولہا دولہن "ٹورُوْآفس" میں گئے اور نکاح کے خواہاں ہوئے تو نکاح پڑھانے والے نے سیکڑوں عیسائی ویہودی کی موجودگی میں یا ہزاروں مشرکین کی نام نہاد شہادت میں نکاح پڑھادیا تو اسلامی طور پر نکاح صحیح منعقد نہیں ہوا۔

(۳) مسلم دولہا دولہن نے "ٹورُوْآفس" میں ایجاب وقبول کے الفاظ بھی ادا کئے جس کو مذکورہ سیکڑوں موجودین نے سنا پھر بھی شرع اسلامی کے نزدیک نکاح

صحیح نہیں ہوگا۔ بلکہ فقہ کی زبان میں یہ نکاح فاسد کہلائے گا اگرچہ آفس والے ان دونوں کے نام میرج سرٹیفکیٹ اور نکاح ٹکٹ جاری کردیں کہ جب تک شرعی طور پر وہ نکاح صحیح نہیں کریں گے ان دونوں کے درمیان قربت حرام رہے گی اور اس نطفۂ حرام سے جو اولاد ہوگی وہ اس کی وراثت سے محروم ہوگی۔ ایسی صورت میں ان دونوں میں سے ہر ایک کے سرپرستوں کو یہ شرعی حق پہنچتا ہے کہ اگر یہاں کوئی شرعی قاضی ہے تو ان سے فسخ کا مطالبہ کریں اور قاضی پر واجب ہے کہ ان دونوں کے درمیان تفریق وعلیحدگی کرادے۔ اور اگر قاضیٔ شرع نہیں ہے تو ائمہ علماء بلد کی طرف رجوع کریں۔ نکاح فاسد میں جو تفریق وعلیحدگی ہوگی عدت کا شمار اسی وقت سے ہوگا۔ نکاحِ فاسد میں بھی مہر مثل واجب ہے۔ درمختار مع ردّ المحتار میں ہے یجب مهر المثل فی النکاح الفاسد وھو الذی فقد شرطا من شرائط الصحة و یثبت لکل واحد منهما فسخه .... یجب علی القاضی التفریق بینهما (خروجا من المعصیة) و یجب العدة بعد الوطی من وقت التفریق الخ

شرعی طور پر نکاحِ صحیح ہوجانے کے بعد قانونی طور پر نکاح رجسٹرڈ کرانے میں کوئی حرج نہیں بلکہ زوجین کے مفاد میں ہے لہٰذا یہاں شرعی نکاح کے بعد ہی ٹورز کرانا چاہئے۔ یہاں اس بات کا خیال ضرور رکھنا چاہئے کہ شرعی نکاح کو ٹورز پر مقدم رکھے تاکہ شرعی طور پر میاں بیوی کو آفس آنے جانے کی رخصت مل جائے "ٹورز آفس" میں اگر صحتِ نکاح کے شرائط پائے جائیں (جس کا ذکر اوپر ہوا) تو نکاح صحیح ہوجائے گا اگرچہ درمیان میں نکاح پڑھانے کے لئے عیسائی یا یہودی ہو۔ کیونکہ صحتِ نکاح کے لئے ایجاب وقبول اور حضورِ شاہدین شرط ہیں۔ ملقّن کا مسلمان ہونا شرط نہیں وہ کوئی بھی ہوسکتا ہے البتہ اگر ملقن مسلمان، متقی و دیندار ہو تو بہتر ہے کہ اس میں نکاح بابرکت ہوتا ہے اور اس کی دعائیں زوجین کے لئے نافع ہوتی ہیں۔
نکاح کی گرہ مردوں کے ہاتھ میں ہے " بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ " جبتک

وہ نہیں کھولے گا دوسروں کے کھولے کھل نہیں سکتا ہے۔ پھر وقوعِ طلاق کے لئے گواہوں کا ہونا بھی شرط نہیں ہے بلکہ شوہر کا اقرارِ طلاق ہی کافی ہے اگرچہ جھوٹا اقرار ہو۔ لہٰذا طلاق نامہ پر صرف دستخط کردینے یا نشانِ انگوٹھا لگا دینے سے طلاق واقع ہو جائے گی بشرطیکہ وہ طلاق نامہ کو طلاق نامہ جانتا ہو۔ ہاں بغیر اس کی مرضی کے وکیل یا کسی کورٹ کے غیر مسلم جج کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں۔ البتہ ناگفتہ بہ حالات اور انسداد ظلم و جبر اور رفع ضرر وغیرہا صورتوں میں قاضیٔ شرع یا حاکمِ اسلام کو اختیار فسخ اور تفریق بین الزوجین حاصل ہو جاتا ہے۔ اسلئے کورٹ کورٹ سے تڑوانے کے بعد اگر قاضیٔ شرع یا اعلم علماء بلد کی طرف رجوع کیا جاتا ہے تو بہت اچھا ہے۔ کہ عدالتِ شرعی سے صحیح فیصلہ کے صدور و نفاذ کا یقین ہے۔

سائل نے نمبروار سوالات کو ترتیب نہیں دیا اس لئے نمبروار جوابات نہیں دیئے گئے سائل اگر تشنگی محسوس کرے تو دوبارہ استفتاء کرسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ خادم الافتاء جامعہ مدینۃ الاسلام دی ہیگ ہالینڈ

۵ ذی الحجہ ۱۴۱۶ھ

نابالغ یا اس کے وکیل کی طلاق

مسئلہ ۹۹۶ (مولانا) مشتاق مکرانی (اوسلو ڈین مارک)

۱۲-۱۲-۱۴۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جب نابالغ کا نکاح اس کے وکیل کے ذریعہ از روئے شرع صحیح و منعقد ہو جاتا ہے تو اس وکیل کے ذریعہ طلاق واقع کیوں نہیں ہوتی؟ یا نابالغ طلاق دینے کا اختیار کیوں نہیں رکھتا؟؟؟

(مولانا) مشتاق مکرانی اوسلو روسپر اسٹراٹ 173 (7516X)

الجواب ۹۲/۸۶ — اللّٰھمّ اھدنی الی الصّواب

ائمہ اربعہ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ صغیر و صغیرہ کا نکاح بذریعہ ولی اقرب صحیح و منعقد ہے جیسا کہ ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح صغر سنی

میں ہونا تواتر سے ثابت ہے اور نابالغ یا اسکے وکیل کی طلاق کا واقع نہ ہونا مجمع علیہ ہے۔ قرآن پاک میں ہے "بِیَدِہٖ عُقْدَۃُ النِّکَاحِ" نکاح کی گرہ کھولنے کا اختیار صرف شوہر کو ہے۔ ابن ماجہ شریف میں ارشادِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اسطرح روایت ہے "اِنَّمَا الطَّلاق لمن اخذ بالساق" یعنی طلاق وہی دے سکتا ہے جو مجامعت کا حقدار ہے۔ اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے "فلا یقع طلاق الصبی وان کان یعقل" نابالغ کی طلاق واقع نہیں ہوتی ہے اگرچہ وہ سمجھدار ہو۔ ان نصوص شرعیہ سے بالکل واضح ہوا کہ طلاق دینے کا اختیار صرف شوہر کو حاصل ہے جبکہ نہ وہ سویا ہو نہ پاگل ہو اور نہ ہی نابالغ ہو اور نہ ہی اس کا کوئی ولی طلاق دے سکتا ہے اور عقلی وفطری وجہ یا اس کی حکمت یہ ہے کہ "نکاح نفع ہے اور طلاق ضرر" اور چونکہ یہ شریعت رحمۃ للعالمین کی شریعت ہے لہٰذا رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ ولی نفع کا ولی تو ہو سکتا ہے مگر ضرر کا نہیں اور خود بچہ بھی اس کا اہل نہیں ہے۔ کیونکہ وہ نفع و ضرر نہیں پہچان سکتا۔ اگر یہ حکمتیں اس میں نہ ہوتیں تو طلاق کا اختیار جس طرح شوہر کو دیا گیا ہے اس کی بیویوں کو بھی دیا جاتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۱۶ر ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ

بلوغیت کی عمر

مسئلہ ۹۹۷:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ
۲۲-۲-۱۴۱۹۵

ہالینڈ یا یورپ کے دیگر ممالک میں لڑکے لڑکیاں بہت کم عمری میں بالغ وبالغہ ہوجاتی ہیں کبھی کبھی ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ ساڑھے سات آٹھ سال کی لڑکیوں کو حیض آنے لگتا ہے اور نو دس سال کے لڑکے نہ صرف ہمبستری کرنے لگتے ہیں بلکہ اسے احتلام بھی ہونے لگتا ہے اور جاگتے میں انزال بھی۔ سوال یہ ہے کہ نو ساڑھے نو سال کے لڑکے جس کو احتلام ہوتا ہے اگر وہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے تو شرعاً طلاق ہوگی یا

نہیں؟ نیز اس عمر میں اس کی بیوی کے بچے ہوں تو وہ بچے ثابت النسب ہونگے یا نہیں؟ المستفتی:۔ عبدالجلیل مقیم حال بارسلونا اسپین پاک مسلم مسجد

۹۸۶/۹۲ الجواب اللّٰھم اھدنی الی الصواب

لڑکا یا لڑکی کے بالغ ہونے کے لئے کوئی حتمی عمر مقرر نہیں ہے سوالنامہ میں جن لڑکیوں کے متعلق حیض کے آنے یا لڑکوں کے متعلق محتلم ہونے کو لکھا ہے وہ اپنی کم عمری کے باوجود عندالشرع بالغ ہیں اور علاماتِ بلوغیت پائے جانے کے بعد اب وہ مرفوع القلم نہیں رہے ہاں اگر کسی ملک یا علاقہ میں پندرہ سال عمر ہونے سے پہلے یہ سب علامتیں نہ پائی جاتی ہوں تو پندرہ سال عمر ہوجانے پر بلوغیت کا حکم ہوجائے گا۔ درمختار مع الرد المحتار میں ہے (بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال) والاصل ھو الانزال (الی ان قال) فان لم یوجد فیھما شئ فحتی یتم لکل منھما خمسة عشرة سنة بہ یفتی لقصر اعمار اھل زماننا" اھ

صورتِ مسئولہ میں اس لڑکے کی طلاق واقع ہوجائے گی جس کو انزال ہوتا ہے اگرچہ اس کی عمر نو سال ہی کی کیوں نہ ہو۔ فتاوی عالمگیری میں ہے ص۳۵۳/۱ "یقع طلاق کل زوج اذا کان بالغاً عاقلاً الخ اور وہ بچے سب بھی ثابت النسب مستحق میراث ہوں گے۔ لقولہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم "الولد للفراش وللعاھر الحجر" واللہ تعالی اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ ۲۲ صفر ۱۴۱۹ھ

جامعہ مدینة الاسلام دارالافتاء

حالتِ حمل یا ایک مجلس میں تین طلاق

مسئلہ ۹۹۸:۔ عبدالرفیق سوکھائی تیل بیورخ ۷-۳-۱۹۸۹ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی ۳ ماہہ حاملہ بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین صریح طلاقیں دے دیں تو اس صورت میں طلاق رجعی

واقع ہوگی یا مغلّظ ؟ یا زید اس مطلقہ کو نکاح ثانی کے بعد اپنے گھر میں رکھ سکتا ہے یا نہیں ؟ بعض علماء مغاربہ اور علماء انڈونیشین نے یہ جواب دیا ہے کہ حالتِ حمل میں طلاق واقع نہیں ہوتی ہے، لہٰذا زید بغیر نکاح کے اپنی بیوی کو گھر میں رکھ سکتا ہے اور بعض نے یہ جواب دیا کہ تین طلاق ایک مجلس میں دراصل ایک ہی طلاق ہے لہٰذا زید رجوع کرسکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ مذکورہ دونوں ملکوں کے علماء کا جواب صحیح ہے یا نہیں ؟ مستفتی: عبدالرفیق۔ سوکھائی آمسٹرڈم

۹۶/۲۸ الجواب ـــــــــــ اللّٰھم اجعلنی المصیب المثاب

اہلِ عرب مسلسل اپنی بیویوں کو طلاقیں دیتے رہتے اور رجوع کرتے رہتے تھے جس سے عورتوں کی زندگی اجیرن بن چکی تھی۔ اسلام نے اہلِ عرب کے طریقۂ طلاق پر قدغن بٹھایا اور اس کی اصلاح کی۔ فرمایا " اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ " رجوع کرنے کا اختیار صرف دو طلاق (صریح) تک ہے۔ یعنی اب وہ بے راہ روی اور مطلق العنانی ختم ہوگئی جو ایامِ جاہلیت سے چلی آرہی تھی کہ وہ مرد جتنی طلاقیں چاہتا تھا اپنی بیوی کو دیتا تھا اور پھر رجوع کرلیا کرتا تھا۔ اب رجوع کا اختیار صرف ایک طلاقِ صریح یا دو طلاقِ صریح تک ہے " فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ " اور اگر کسی نے دو طلاق (خواہ ایک مجلس میں دی ہو یا دو مجلسوں میں) کے بعد ایک اور طلاق دے دی خواہ اسی مجلس میں یا دوسری مجلس میں تو اب شوہر کو رجوع کا اختیار نہیں رہے گا ہاں اگر وہ رکھنا ہی چاہتا ہے تو حلالہ کے بعد نکاح کے ساتھ رکھ سکتا ہے ارشاد ہوا " فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ "، یعنی اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ کے بعد اگر مطلقۂ ثانیہ کو تیسری طلاق دیدی تو مطلقۂ ثلاثہ اس شوہر بے گوہر کے لئے حلال نہیں ہوگی جب تک حلالہ کی شرعی صورت ثابت نہ ہوجائے اور حلالہ کی شرعی صورت یہ ہے کہ مدتِ طلاق گزر جانے کے بعد طلاق دینے والے شوہر کے علاوہ کسی دوسرے حلال مرد سے نکاحِ صحیح کرے پھر اس کے پانی کا مزہ چکھے (ہم بستر ہو) پھر وہ دوسرا شوہر اپنے ایک اسلامی بھائی کی مدد کرنے

کے لئے اپنی اس بیوی کو طلاق دیدے یا قضاءً مرجائے تو مطلقہ یا بیوہ عدتِ طلاق یا عدتِ موت گزار کر پہلے شوہر کے نکاح میں آسکتی ہے .... ایک وہ دَورِ جہالت تھا کہ ایک ایک طلاق بار بار دیگر مردیے در دررجوع کرتا تھا اور ان کے یہاں طلاقوں کی کوئی حد مقرر نہ تھی اس طرح عورتیں ماہی بے آب کی طرح زندگی گزارنے پر مجبور تھیں۔ مذہب رحمت۔ اسلامی شریعت نے طلاقِ رجعی کی حد مقرر فرمائی۔ اور طلاقِ ثلاثہ مغلظہ دینے کی ایسی سزا مقرر فرمائی جو مردوں کی غیرت و حمیت کے لئے تازیانۂ عبرت ہے۔

لیکن آج کے سائنسی اُجالوں کا دور زمانۂ جاہلیت کو بہت پیچھے چھوڑ گیا کہ اب ایک ایک مجلس میں تین تین نہیں بلکہ درجنوں طلاق دینے کے بعد رجوع کے خواہاں ہوتے ہیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ افسوس ان حضرات پر ہے جو جمہور علماء و فقہاء بلکہ اجماعِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا راستہ چھوڑ کر عوامی مطالبات کے سامنے سپر ڈال دیتے ہیں اور ایک مجلس کی درجنوں طلاقوں کو ایک شمار کرتے ہیں یعنی اگر مجرم پر ایک مجلس میں حدِ زنا (سو کوڑے) یا حدِ قذف (اسّی کوڑے) جاری ہوں تو اس کو ایک ہی کوڑا شمار کیا جاتا ہے ؏

گر ہمیں است مکتبِ مُلّا ؛ کارِ طفلاں تمام خواہد شد

جمہور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم کا مذہب یہی ہے کہ تین طلاقیں خواہ ایک مجلس میں دی جائیں یا تین مجلسوں میں تینوں واقع ہیں کما بینہٗ و فصلہ و اوضحہ امام البراھین مقدام العلماء الراسخین مجدد الملۃ والدین فی فتاواہ المبارکۃ من شاء فلیرجع الیھا۔ علاوہ ازیں رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ ص۲۴۰ المیزان للعلامۃ الشعرانی ص۱۲۶ ج۲ میں اجماعی اور اتفاقی مسائل کے باب میں ہے "وکذلک جمع الطلاق الثلاث یقع مع النھی عن ذلک نھی تحریم عند بعضھم ونھی کراھۃ عند بعضھم" (ایک مجلس میں تین طلاقوں کو بعض اماموں نے حرام

اور بعض نے مکروہِ تحریمی فرمایا پھر بھی یہ اتفاقی و اجماعی مسئلہ ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں)

آج کل لوگوں کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ تین سے کم طلاق دینے پر طلاق ہوتی ہی نہیں۔ یہ شیطانی خیال ہے کیونکہ قرآن پاک تو طلاق کی حد دُو بتاتا ہے اور دُو طلاقوں تک شوہر کو عدت کے اندر لوٹا لینے کا اختیار دیتا ہے۔ لیکن اس حد کو فلانگ جانے والا قرآنی اصلاحات کا مخالف اور شیطانی توہمات کا موافق ہے اسی لئے شریعتِ مطہرہ نے تین طلاق بیک وقت دینے والے کو مرتکبِ حرام یا مرتکبِ کراہتِ تحریمی قرار دیکر گنہ گار ٹھہرایا ہے۔ یعنی وہ گنہ گار بھی ہوا اور اس کی دی ہوئی تینوں طلاقیں بھی واقع ہوگئیں۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ کوئی شخص حرام شئے یا حرام امر کا ارتکاب کرے اور اس حرام شئے کا یا امر کا اثر اس پر نہ ہو۔ مثلاً کوئی مضطر شخص ضرورت سے زیادہ خنزیر کا گوشت کھائے یا شراب پیئے تو صرف یہی نہیں کہ وہ حرام کا مرتکب ہوکر گنہگار ہوا (جسکی سزا اسے بھگتنی پڑے گی) بلکہ اس کا پیٹ بھی بھرے گا اور پیاس بھی جاتی رہے گی۔ اسی طرح تین یا اس سے زیادہ طلاقیں دینے سے خلافِ شرع اقدام کی وجہ سے وہ حرام کار گنہگار بھی ہوا اور اس کی بیوی پر تینوں طلاقیں واقع بھی ہوگئیں، چونکہ طلاقوں کی آخری حد تین تھی لہٰذا تین تو واقع ہوگئیں اور بقیہ طلاقیں (اگر دی ہوں) وہ سب شوہرِ بے گوہر کے سر لد گئیں۔ باقی رہی بیوی کا حاملہ ہونا تو عند الشرع حالتِ حمل میں بھی طلاق واقع ہوتی ہے اور جائز بھی ہے۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری ص۴۲۶ میں ہے وَطلاق الحَامِل یجوز فقہ کی دوسری کتابوں میں ہے وَیجُوز طلاق الحُبلیٰ الخ اور اشارۃ النص سے بھی اسکے وقوع و جواز کا علم ہوتا ہے۔ سورۃ الطلاق آیت ۴ میں ہے "وَاُولَاتِ الاَحمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (اور حاملہ عورتوں کی عدت بچہ جننے (وضعِ حمل) تک ہے۔ مفسرین کرام نے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوالِ کریمہ کی روشنی میں اس عدت کو عدتِ طلاق اور عدتِ موت دونوں پر محمول کیا ہے

عدّتِ موت میں اختلافِ صحابہ (ابعد الاجلین یا مطلقاً وضع حمل) موجود ہیں جبکہ عدّتِ طلاق میں کوئی اختلاف نہیں بلکہ اجماع صحابہ کے مطابق اسکی عدت وضع حمل ہے اب اگر فلاں صاحب یہ کہتے ہیں کہ حالتِ حمل میں طلاق واقع نہیں ہوتی تو قرآنِ پاک نے اسکے لئے عدّت کیوں مقرر فرمائی اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالے عنہم کا اس پر اجماع کیوں ہے؟

صورتِ مسئولہ میں تین طلاق مغلّظ زید کی بیوی پر واقع ہوگئی اب نہ وہ رجوع کر سکتا ہے نہ ہی اس سے بدونِ حلالہ نکاح کر سکتا ہے وہ زید پر حرام ہو چکی ہے۔ جن لوگوں نے اسکے خلاف فتویٰ دیا ہے وہ صحیح نہیں ہے مسلمانوں کو لازم ہے کہ وہ جس مذہب کا پیروکار ہو اسی مذہب مہذب کی پیروی کرتا رہے۔

واللہ تعالےٰ اعلم ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلےٰ آلہٖ وصحبہ وسلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

مطلّقہ ثلاثہ جبتک دوسرے شوہر سے ہمبستر نہ ہو پہلے شوہر کیلئے حلال نہیں

مسئلہ ۹۹۹: سلیمان اشرف آمسٹرڈم نورتھ ۸-۳-۱۴۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کو اسکے شوہر زید نے کئی سال پہلے طلاق دیدی تھی۔ ہندہ نے اپنی عدت گزار کر دوسرا نکاح دوسرے مرد سے کرلیا۔ اب اس کا دوسرا شوہر انتقال کر چکا ہے ایسی صورت میں ہندہ عدتِ وفات گزار کر اپنے پہلے شوہر زید کے نکاح میں آسکتی ہے یا نہیں؟

محمد سلیمان اشرف شمالی آمسٹرڈم ہالینڈ

۸۶/۹۲ **الجواب ــــــــــــ ھو المعین الی الصواب**

سائل کبھی عمداً کبھی سہواً بعض ضروری باتوں کو حذف کر جاتا ہے جسکی وجہ سے جواب میں طوالت ہو جاتی ہے۔ سائل نے یہ نہیں لکھا کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ کو طلاقِ رجعی دی تھی یا بائن؟ اور بائن میں بھی طلاقِ مغلّظہ ثلاثہ تھی یا غیر ثلاثہ؟ اصول

افتاء کے مطابق ممکنہ شقوں کو قائم کرنا پھر ہر ایک کا جواب دینا خلافِ مصلحتِ شرعیہ ہے لیکن سوالِ مذکور میں التباس تزویر معلوم نہیں ہوتا اسلئے مختصر وضاحت کے ساتھ جواب حاضر ہے ـــــ اگر زید نے ایک یا دو طلاقِ صریح دی تھی یا طلاقِ کنایہ بہ نیتِ طلاق دی تھی اور ہندہ نے عدّتِ طلاق گزار کر دوسرا نکاح کرلیا تو دوسرے شوہر نے اس سے ہمبستری کی ہو یا نہ کی ہو۔ پھر وہ مرگیا یا طلاق دیدی تو عدّتِ موت یا عدّتِ طلاق گزار کر وہ اپنے پہلے شوہر (زید) کے نکاح میں آسکتی ہے۔

اور اگر زید نے ہندہ کو تینوں طلاقیں دیدی ہوں چاہے ایک ہی مجلس میں دی ہو یا نکاح کی طویل مدّت میں دی ہو اور اس طرح ہندہ مطلّقہ مغلّظہ یا مطلّقہ ثلاثہ بائنہ ہو چکی ہو پھر اس نے عدت گزار کر دوسرا نکاح صحیح کسی سے کرلیا ہو اور وہ دوسرا شوہر انتقال کرگیا یا اسے طلاق دے چکا تو جب تک اس نے صحبت نہ کی ہو اور ایک دوسرے کا مزہ نہ چکھا ہو ہندہ اپنے شوہر اوّل (زید) کے لئے حلال نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح ہندہ اگر درجنوں صحیح نکاح کرے اور بغیر مجامعت کے وہ سب شوہر اسے طلاق دیتا جائے پھر بھی زید مذکور کے نکاح میں وہ نہیں آسکتی۔ یعنی حلالہ کی صحت کی شرط دخول (مجامعت) ہے۔

قرآن پاک میں تو صاف ارشاد ہے۔ فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ "۔ اور بخاری شریف میں ہے۔

ان رجلاً طلّقه امرأته ثلثا فتزوجت فطلق فسئل النبی صلّی اللہ علیہ وسلم اتحلّ للاول قال لا حتّی یذوق عسیلتھا کما ذاق الاوّل۔ (ص۷۹۱)

کہ ایک صحابی نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی پھر اس بی بی نے جس سے نکاح کیا اس نے طلاق دیدی تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کیا وہ بی بی اپنے پہلے شوہر کے لئے حلال ہوگئی؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا نہیں یہاں تک کہ دوسرا شوہر بھی اس سے ہمبستر ہو جیسے پہلا شوہر ہمبستر ہوا

رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمہ ص۲۵۶ میں تو اس مسئلہ کو متفق علیہا لکھا کہ صحتِ

حلالہ کے لئے وطی و مجامعت شرط ہے بغیر اس کے نکاح بے معنیٰ ہے حلالہ کیلئے۔ فرماتے ہیں۔

اتفقوا علی ان من طلق	ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس نے اپنی
زوجته ثلثاً لا تحل له حتی	بیوی کو تین طلاقیں دیدی ہو وہ جب تک
تنکح زوجاً غیرہ و یطأھا	دوسرے سے نکاح نہ کرے شوہر اول کے
فی نکاح صحیح وان المراد	لئے حلال نہیں ہے۔ اور دوسرا نکاح صحیح
بالنکاح ھنا الوطی شرط فی جواز	کے بعد اس سے وطی کرے اور یہاں نکاح سے مراد
حلھا للاول ۔ (میزان شعرانی ص ۱۲۹/۲)	وطی ہے جو صحتِ حلالہ کی شرط ہے۔

واللہ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ

۸ ربیع الاول شریف ۱۴۱۸ھ

طلاق۔ اقرار کے وقت ہی سے واقع ہو جاتی ہے

مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید و ہندہ میاں ۱۴۱۹ھ-۴-۱۸ بیوی کے درمیان کشیدگی بڑھی، ہندہ اپنے میکہ چلی آئی اور شوہر کے یہاں جانے پر راضی نہیں ہوتی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ شوہر ہمارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتا ہے اور باہر کسی لڑکی سے ناجائز تعلقات ہیں جب زید سے پوچھا گیا تو زید نے کہا ہاں ہندہ کے ساتھ ہمارا گزارہ نہیں ہو سکتا ہے۔ وہ غیر مردوں سے تعلقات رکھتی ہے اسی لئے ایک سال قبل ہی میں نے اُسے طلاق دیدی تھی مگر وہ میرے گلے پڑی ہوئی تھی۔ اچھا ہوا اپنے میکہ چلی گئی وہ جس سے چاہے اپنا نکاح کر سکتی ہے مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

سوال یہ ہے کہ صورتِ مذکورہ میں ایک سال پہلے سے طلاق مانی جائے گی یا جس وقت پوچھا گیا اس وقت سے اگر ایک سال قبل سے طلاق مانی جائے تو ہندہ کی عدت پوری ہوگئی یا نہیں؟ اور اب اسے دوسرے نکاح کا اختیار ہے یا نہیں؟

سائل :، فیصل شبیر محمد خسرو نیگن۔ ہالینڈ

۹۲/۸۶ الجواب ــــــــ ھوالموفّق الی الصّواب ــــ

اگر بطریق شرعی گواہوں سے یا زید کے اعتراف سے یہ ثابت ہوجائے کہ واقعی زید نے ایک سال پہلے طلاق دیدی تھی تو ایک سال پہلے ہی سے وقوع طلاق کا حکم ہوجائے گا اور اس درمیان میں اگر تین بار حیض آکر ختم ہوچکے ہیں تو عدّتِ طلاق بھی متحقق ہوگئی۔ دریں صورت ہندہ کو دوسرے نکاح کی اجازت ہے۔ اور اگر گواہانِ عادل کے ذریعہ زید کا ایک سال پہلے طلاق دینا ثابت نہ ہو یا زید اس کا اعتراف نہ کرے تو زید کا دعویٰ عند الشرع ناقابلِ مسموع ہے۔ شریعت کے نزدیک ہندہ پر طلاق اسی وقت سے واقع ہوگی جس وقت زید نے اقرار کیا ہے۔ اور ایک سال پہلے کا دعویٰ جھوٹا ہے۔ کمافی الدرّ المختار لو اقرّ بطلاقھا منذ زمان ماض فان الفتویٰ انھا من وقت الاقرار الخ اور فتاویٰ ہندیہ میں ہے۔ وقال الرّجل للقاضی کنتُ طلقتھا منذ سنة وانقضت عدتھا وجحدت الطلاق لا یقبل قوله اھ

واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ۔ خادم الافتاء والقضاء اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ۔ ۱۸ ربیع الآخر ۱۴۱۹ھ

خون وجہ حرمت نہیں ہے

مسئلہ ۱۰۰ :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی جوان مرد نے سخت ضرورت کے وقت ہندہ کے علاج کے لئے کئی بار اپنے جسم کا خون دیا جس سے ہندہ تندرست ہوگئی۔ اب ہندہ چاہتی ہے کہ اُسی محسن مرد سے اپنا نکاح کرے۔ کیا شریعت کے نزدیک ان دونوں کا نکاح جائز ہوگا؟

الطاف علی۔ نیو خیگن۔ ہالینڈ

۹۲/۸۶ الجواب ــــــــ بعونِ الملک الوھاب ــــــــ

اگر ان دونوں کے درمیان کوئی اور وجہ حرمت نہیں ہے تو صرف خون دینے کی

وجہ سے وہ آپس میں محارم نہیں ہوسکتے۔ ان دونوں کے درمیان نکاح جائز و درست ہے۔ قَالَ تَعَالٰی وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَاءَ ذٰلِکُمْ (محرمات کے علاوہ سب عورتوں سے نکاح درست وحلال ہے)

واللہ تعالیٰ اعلم

دودھ ایام رضاعت میں وجہ حرمت ہے

مسئلہ ۱۰۰۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی ممانی کلثوم کا دودھ اس کی بیٹی عائشہ کے ساتھ ایک سال نو مہینے کی عمر میں پیا۔ اب زید یا زید کے دوسرے بھائیوں کا نکاح عائشہ مذکورہ کے ساتھ ہوسکتا ہے یا نہیں؟

عمران عبداللہ۔ نورتھ آمسٹرڈم۔ ہالینڈ

۹۲/۸۶ الجواب ــــــــ ھوالھادی الی الصواب ــــــــ

زید مذکور اپنی ممانی کلثوم کا رضاعی بیٹا ہوگیا اب اس کا نکاح کلثوم مذکورہ کی کسی بیٹی پوتی سے نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ رضاعت کے اعتبار سے کلثوم کی بیٹی، پوتی کا بھائی یا چچا ہوا اور عندالشرع بہن اور بھتیجی سے نکاح حرام ہے (کمافی آیات المحرمات) اور حدیث صحیح میں ارشاد ہوا۔

اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ مِنَ الرَّضَاعِ مَا حَرَّمَ مِنَ النَّسَبِ (ترمذی، ابواب الرضاع) بیشک اللہ تعالیٰ نے رضاعت سے ان رشتوں کو حرام فرمادیا ہے جو نسب میں حرام ہیں۔

ہاں زید کے دوسرے بھائی جنہوں نے کلثوم مذکورہ کا دودھ نہیں پیا ہے اُس کا نکاح عائشہ مذکورہ سے ہوسکتا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ۔ مجلس علماء نیدرلینڈ

۲۷ ربیع الآخر ۱۴۲۴ھ

فلموں میں جو نکاح ہوتے ہیں وہ منعقد ہے یا نہیں؟

مسئلہ ۱۰۰۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر ڈراموں اور فلموں

میں جو نکاح ہوتے ہیں اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیونکہ اس میں ایجاب و قبول بھی ہوتا ہے۔ مجلس بھی متحد ہوتی ہے اور درجنوں گواہ بھی ہوتے ہیں۔ فلم کی منکوحہ لڑکی کا اگر نکاح کسی دوسرے لڑکے سے ہو تو یہ نکاح منعقد ہوگا یا نہیں؟ اس مسئلہ کو لیکر ہم چند دوستوں میں شدید مخالفت ہوگئی ہے اسلئے التماس ہے کہ جلد سے جلد جواب دیکر ہمارے نزاعات کا فیصلہ کریں۔

عثمان حیدر سخاوت، اشاعت الاسلام فرینکفورٹ، جرمنی

۴۸۶/۹۲ الجواب ــــــــ هوالهادی الی الصواب ــــــــ

نکاح کے منعقد ہونے یا طلاق کے واقع ہونے کے لئے عزم و قصد شرط نہیں ہے۔ خواہ قصد و ارادہ کے ساتھ نکاح کرے خواہ ہزل و مذاح کے ساتھ، نکاح منعقد ہوجائے گا۔ بشرطیکہ اُس مجلس میں دو عاقل و بالغ آزاد مسلمان مرد یا ایک مرد، دو عورتیں موجود ہوں۔

بلکہ اگر قاضیٔ نکاح نے ایسے الفاظ کے ساتھ نکاح منعقد کیا جس کا معنیٰ دولہا دولہن نہیں جانتے تھے جب بھی باختلاف علماء نکاح منعقد ہوجائے گا۔

التجنیس والمزید میں ہے۔

لوعقدا عقد النكاح بلفظ لايفهمان كونه نكاحًا هل ينعقد اختلف المشائخ فيه قال بعضهم ينعقد لان النكاح لايشترط فيه القصد اه	اگر عورت و مرد نے ایسے الفاظ سے نکاح منعقد کرلیا جس سے ان دونوں کو نکاح منعقد ہونے کا پتہ نہ چل سکا۔ تو کیا اس صورت میں نکاح منعقد ہوجائے گا؟ اس بارے میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا کہ نکاح منعقد ہوجائے گا کیونکہ نکاح میں قصد شرط نہیں ہے۔

جب انعقادِ نکاح میں قصد شرط نہیں تو ہزل (ہنسی مذاق) میں بھی نکاح صحیح ہوجائے گا۔ پس صورتِ مسئولہ میں فلم و ڈرامے میں کئے ہوئے نکاح شرعًا منعقد ہوجاتے ہیں۔

اور جب نکاح صحیح ہوگیا تو جب تک ان دونوں میں تفریق یا تطلیق واقع نہ ہوجائے وہ منکوحہ دوسرا نکاح نہیں کرسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ ۞ اور حرام ہیں مسلمانوں کے لئے شوہر والی عورتیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ مجلس علماء نیدرلینڈ۔ واسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ۔ ۱۱ جمادی الاول ۱۴۲۴ھ

زانیہ کی بیٹی زانی کے نکاح میں؟

مسئلہ ۱۰۴۱: کیا فرماتے ہیں علمائے ربانی اس مسئلہ میں کہ مثلاً زید نے ایک بازاری عورت (طوائف) سے زنا کیا۔ پھر طوائف نے سچی توبہ کرلی، نماز روزہ کی پابند ہوگئی، حج بھی کرلیا، اور ایک صالح مسلمان سے نکاح بھی کرلیا جس سے ایک لڑکی زبیدہ پیدا ہوئی اب وہ لڑکی بالغہ ہوچکی ہے اور زید مذکور بھی اپنی بدکرداریوں سے توبہ کرچکا ہے اور ایک دیندار مسلمان ہوگیا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ زبیدہ مذکورہ کو اپنے نکاح میں لاکر ایک مثالی مسلمہ خاتون بنادے۔ اس کے متعلق شریعت اسلامیہ کا کیا حکم ہے؟ کیا زبیدہ زید کے نکاح میں آسکتی ہے یا نہیں؟

سمیع احمد رحمانی۔ راندیری نزیل پیرس۔ فرانس

الجواب ـــــــ ھوالھادی الی الصواب ـــــــ ۹۲/۴۷

مزنیہ کی لڑکی خواہ کسی کے نطفہ سے ہو زانی پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہے چنانچہ فتاویٰ عالمگیری ص۲/۴ میں ہے۔

فمن زنیٰ بامرأۃ حرمت علیہ امھا وان علت و ابنتھا وان سفلت اھ	جس نے کسی عورت کے ساتھ زنا کیا تو زانی پر اس عورت کی ساری مائیں (ماں، دادی، پردادی) اور ساری بیٹیاں (بیٹی، پوتی وغیرہ) حرام ہوگئیں۔

اور مبسوط ص۲۰۴/۲ میں ہے۔

وتثبت حرمۃ المصاھرۃ	امام اعظم کے نزدیک زنا اور بوس وکنار بشہوت

بالزنا والمس اھ سے بھی حرمت مصاہرت ثابت ہوجاتی ہے۔

پس صورت مسئولہ میں زید مذکور کا نکاح زبیدہ مذکورہ کے ساتھ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ۔ القرآن اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ۔ ۱۲ رجب ۱۴۲۳ھ

انڈیا میں مردم شماری اور ضبط تولید کا مسئلہ

مسئلہ ۱۰۰۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہفتۂ رواں میں مذہبی اعتبار سے انڈیا کی مردم شماری کا نتیجہ گورنمنٹ نے نکالا جس کی وجہ سے وہاں کے متعصب سیاسی گروہوں میں واویلا کا سیلاب آگیا ہے کیونکہ مسلمانوں کی آبادی تناسب کے اعتبار سے تمام دھارمک گروہوں سے بڑھ رہی ہے اور اگر آبادی کے بڑھنے کا یہی تناسب رہا تو مستقبل قریب میں مسلمانوں کی آبادی سب سے زیادہ ہوجائے گی۔ اسلئے گورنمنٹ سیاسی گروہوں کے دباؤ میں آکر مسلمانوں پر فیملی پلاننگ کا قانون تھوپنا چاہتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کثرت آبادی کے خوف سے یا اور کسی عذر سے مسلمانوں کو نسبندی یا بچہ دانی کا اخراج جائز ودرست ہے یا نہیں؟ واضح جواب دیکر شکریہ کا موقع دیجئے۔

سائل :۔ محمد رقیب رحمت۔ بیلمر۔ آمسٹرڈم

۹۲ الجواب ۸۶ ـــــــــــ هو الهادی الی الصواب ـــــــــــ

ضبط تولید کی جو وجہ سوالنامہ میں ہے یعنی کثرت آبادی جس کی وجہ سے قلت خوراک وپوشاک کا مسئلہ یا بچوں کی تعلیم وتربیت اور پرورش وپرداخت کی پریشانی وغیرہ۔ ان وجوہات سے ضبط تولید کی راہیں ہموار نہیں کی جاسکتیں اور نہ اس کے جواز واباحت کا راستہ نکالا جاسکتا ہے کیونکہ یہ کتاب وسنت کی منشاء کے خلاف ہوگا۔ ارشادی خداوندی ہے۔ سورۃ الانعام آیت ۱۵۲

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ ۔۔۔ اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل

إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ إِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ

مت کرو۔ ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی۔ اور افعال قبیحہ کے قریب مت جاؤ جو ان سے ظاہر ہوں اور چھپی ہوئی ہوں۔

ضبط تولید کے طریقوں میں سے کسی طریقہ پر قتل کا اطلاق صحیح ہے یا نہیں یہ ایک الگ بحث ہے۔ لیکن اس کے ہر طریقے کا مقصود آبادی میں کمی کرنا ہے۔ اور آبادی میں کمی کرنا منشاء قدرت کے خلاف ہے کیونکہ جس رزق کا خوف اور آمدنی کی کمی کی وجہ سے یہ سب پلاننگ ہے اس کا ذمہ تو کرم خداوندی نے لے لیا ہے۔

پھر ضبط تولید کی وجہ سے بے حیائی و بے شرمی بلکہ زناکاری جس قدر عام ہو چکی ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ قرآن کریم نے آج سے چودہ سو برس پہلے انہی فواحش کی طرف اشارہ فرمادیا تھا جن کا ظہور خلوت و جلوت میں آج ہو رہا ہے۔

سورۂ اسراء آیت ۳۱-۳۲ میں قرآن کریم کا ارشاد گرامی ہے

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْأً كَبِيرًا ﴿۳۱﴾ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَى إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا ﴿۳۲﴾

اور نہ قتل کرو اپنی اولاد کو مفلسی کے اندیشہ سے ہم ہی رزق دیتے ہیں انہیں بھی اور تمہیں بھی۔ بیشک اولاد کو قتل کرنا بہت بڑی غلطی ہے اور بدکاری کے قریب بھی مت جاؤ بلاشبہ یہ بے حیائی ہے اور بہت ہی برا راستہ ہے۔

آج سے چودہ سو سال پہلے انسانی آبادی کو کنٹرول کرنے کا ذریعہ قتل تھا اور آج اس کے نئے نئے طریقے ایجاد ہو چکے ہیں مگر مقصود وہی ہے جو چودہ سو سال پہلے تھا۔ اور اسی مقصود کو قرآن پاک نے "خِطْأً كَبِيرًا" کہا خطأً اس غلطی کو کہا جاتا ہے جو جان بوجھ کر کی جائے۔ اور اگر کوئی لغزش انجانے میں واقع ہو تو اسی لفظ کو باب افعال (اِخْطَاء) سے استعمال کیا جاتا ہے۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں قال الازهري يقال خَطِئَ يَخْطَأُ خِطْأً اذا تعمّد الخطاء واخطاء اذا لم يتعمّد" قرآن پاک نے نسل کشی کے تمام گورکھ دھندوں کو "خطأً كبيرًا" کہا کیوں کہ یہ سب

عمداً کئے جارہے ہیں۔ اور اس کا جو مآل ہے وہ زنا و بے حیائی کی کثرت ہے
اور حضور اقدس سید کائنات علیہ اجمل الصلوٰت واکمل التحیات ارشاد فرماتے ہیں
تَزَوَّجُوا الْوَدُوْدَ الْمَوْلُوْدَ فَاِنِّیْ کہ محبت کرنے والی بچے جننے والی عورتوں سے نکاح کرو کیونکہ
مُکَاثِرٌ بِکُمُ الْاُمَمَ (رواہ ابوداؤد ونسائی) میں تمہاری وجہ سے کثرت امت پر فخر کروں گا۔

یعنی قیامت کے دن مجھے اس بات سے بے حد خوشی ہوگی کہ میری امت تمام امتوں سے زیادہ ہو اور انشاء اللہ تعالیٰ ایسا ہی ہوگا۔ جب کثرت آبادی کو روکنا منشاء قدرت ورحمت کے خلاف ہے تو مسلمانوں کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ ضبط تولید کے طریقوں کو اپنا کر انسانی نسل کشی میں شریک ہو۔

اور جہاں تک بحالت عذر نسبندی وغیرہ کا سوال ہے تو عذر اگر عندالشرع قابل قبول ہے تو اس کا لحاظ کیا جائے گا اور حسب ضرورت ضبط تولید کی اجازت دی جائے گی مثلاً اگر بار بار ولادت کی وجہ سے ماں بہت کمزور ہوگئی یا بچوں کو دودھ نہیں پلا پاتی ہے۔ تو ایسی صورت میں بچہ دانی کے منہ کو بند کردینے کی اجازت ہے

حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار میں ہے۔

یباح لہا ان تسد فم الرحم لئلا تحبل۔	بیوی کے لئے جائز ہے رحم کا منہ بند کرادے تاکہ حمل قرار نہ پائے۔

اور علامۃ الفہامہ سید امین ابن عابدین نے اپنے فتاویٰ شامی میں فرماتے ہیں

ومن الاعذار ان ینقطع لبنہا بعد ظہور الحمل ولیس لابی الصبی مایستاجر بہ الظئر ویخاف ھلاکہ،	عذر کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ عورت کا دودھ منقطع ہو جاتا ہے حمل ظاہر ہونے کے بعد اور بچے کے باپ کی صلاحیت نہیں ہے کہ دودھ پلانے والی کو اجرت دیکر رکھے اور وہ بچہ کی ہلاکت سے ڈرتا ہے۔

اسی قبیل سے اور بھی اعذار ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا اگر عذر قابل قبول ہے تو ضبط تولید کے طریقوں میں سے کسی غیر مہلک طریقہ کو اپنانے کی اجازت ہوگی ورنہ نہیں انڈیا کی موجودہ صورت حال میں سوائے اعذار شرعیہ کے ضبط تولید کی

اباحت کی کوئی اور صورت نہیں ہے۔ واللہ تبارک وتعالیٰ اعلم ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم۔ کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ، مجلس علماء نیدرلینڈ
یکم شعبان المعظم ۱۴۲۵ھ ۱۶ ستمبر ۲۰۰۴ء

کن کن صورتوں میں فسخ نکاح ہوسکتا ہے؟

مسئلہ ۱۰۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہالینڈ کے اندر مسلم معاشرہ کو دیکھتے ہوئے اس کی حفاظت واصلاح کے لئے علماء کے تعاون سے ایک تنظیم عمل میں لائی گئی ہے جس کے کئی شعبوں میں سے ایک شعبہ مسلم میاں بیوی کے آپسی نزاعات کا تصفیہ بذریعہ حکم یا تفسیخ وتفریق بھی ہے۔ پوچھنا یہ ہے کہ وہ کون کون سی صورتیں ہیں جن میں قاضی شریعت کو فسخ نکاح یا تفریق بین الزوجین کا اختیار حاصل ہے؟ امید کہ جواباً صواب سے مطلع فرماکر مسلم باشندگان یورپ خصوصاً اہالیانِ ہالینڈ پر احسان فرمائیں گے۔ انٹرنیشنل ہالینڈ
سائلان۔ راقم گمان قادری خازن وعباس واجدی سکریٹری اسلامک فونڈیشن "القرآن"

الجواب ۹۲/۸۶ ـــــــ هو الهادي الى الصواب ـــــــ

تیس بتیس سال قبل ہندوستان کے صوبہ بہار میں ملک بھر کے علمائے اہلسنت سے استصواب رائے کے بعد ایک ممتاز ادارہ بنام (ادارۂ شرعیہ بہار) کی داغ بیل ڈالی گئی جس کا ایک اہم ترین شعبہ "دارالقضاء" ہے اور دارالقضاء میں مسلمانوں کے آپسی نزاعات خصوصاً نزاع بین الزوجین کے فیصلے ہوتے ہیں۔ اس شعبہ کا اہم کارنامہ مسلم ازدواجی زندگی کو اسلامی خطوط کے مطابق سنوارنا اور نزاع بین الزوجین کا تصفیہ ہے چنانچہ دارالقضاء کو اس بات کی ضرورت ہوئی کہ وہ کیا کیا صورتیں ہیں کہ اسلامی حدود میں رہکر زندگی گزارنے کے لئے میاں بیوی کے درمیان تفریق یا فسخ نکاح کیا جاسکتا ہے۔ اس کے لئے
محسنِ اہلسنت رئیس القلم حضرت علامہ الحاج مفتی ارشد القادری صاحب دام ظلہ نے

اپنے جامعہ فیض العلوم جمشید پور کے لائق و فائق استاذ فاضل جلیل حضرت علامہ مولانا عبید الرحمن صاحب پورنوی زید مجدہٗ کو ان فقہی جزئیات کو جمع کرنے کا حکم دیا جو مذاہب اربعہ میں سے کسی بھی مذہب کے نزدیک تفریق بین الزوجین یا تفسیخ نکاح کی جانب رہنمائی کرتے ہوں۔

مجموعی طور پر ایسے بائیس یا چوبیس وجوہات سامنے آئے جن وجہوں سے نکاح توڑنے یا میاں بیوی میں شرعی طور پر علیحدہ کر دینے کا اختیار قاضی شرع کو حاصل ہوتا ہے پھر ان وجوہات کو جزئیات فقہیہ کے ساتھ مزین و مرتب کیا گیا اور اس وقت کے اکابر اہلسنت وجماعت کی خدمات عالیہ میں پیش کیا گیا جس کو مختصر حذف و اضافہ کے ساتھ منظوری دے دی گئی، جن بزرگوں نے اپنے اپنے دستخطوں سے اسے مزین فرمایا ان میں اہم ترین شخصیتیں یہ ہیں۔

1. شہزادۂ اعلیحضرت مرجع العلماء حضرت علامہ الحاج شاہ مصطفےٰ رضا نوری رحمۃ اللہ علیہ (مفتی اعظم ہند)
2. خلیفۂ اعلیحضرت برہان الملۃ حضرت علامہ الحاج شاہ برہان احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ (مفتی اعظم سی پی)
3. سید العلماء حضرت علامہ الحاج شاہ سید آل مصطفےٰ صاحب مارہروی رحمۃ اللہ علیہ (صدر سنی جمعیۃ العلماء)
4. رئیس التارکین حضرت علامہ الحاج شاہ محمد حبیب الرحمن صاحب فاروقی رحمۃ اللہ علیہ (رئیس اعظم اڑیسہ)
5. حافظ ملت منبع الفیوض حضرت علامہ الحاج الحافظ شاہ محمد عبد العزیز مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ (بانی الجامعۃ الاشرفیہ)
6. امام النحو شیخ العلماء حضرت علامہ الحاج شاہ غلام جیلانی صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ (امام النحو)
7. سلطان المناظرین حضرت علامہ الحاج شاہ محمد رفاقت حسین صاحب (امین شریعت اول مفتی اعظم کانپور)
8. استاذ العلماء حضرت علامہ شاہ مفتی عبد الرشید صاحب ناگپوری رحمۃ اللہ علیہ (مفتی اعظم ناگپور)
9. خاتم الاکابر حضرت علامہ الحاج شاہ مفتی ابو سہیل انیس عالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ (امین شریعت دوم)
10. حکیم الملت استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا نظام الدین صاحب بلیاوی ثم الہ آبادی

اصل تحریر ادارۂ شرعیہ کے مرکزی دفتر واقع سلطان گنج پٹنہ میں محفوظ ہے میں نے اس کی بار بار زیارت کی ہے اور اپنی یادداشت کے مطابق میں ان وجوہات تفریق و تفسیخ کو یہاں نقل کئے دیتا ہوں تاکہ سیکڑوں کتب فقہیہ کی ورق گردانی نہ کرنا

پڑے اور مقصود حاصل ہو جائے۔ وَبِاللہِ التوفیق۔

① باپ دادا کی پیشگی رضا کے بغیر غیر کفوء میں نکاح ② حالتِ بالغیت میں غیر اب وجد کی وکالت میں نکاح کر دینا (خیارِ بلوغ) ③ مہر میں غیر معمولی کمی ہونا ④ شوہر کا لاپرواہ ہونا یعنی بیوی کے واجبی حقوق کو ادا نہ کرنا ⑤ شوہر کا مقطوع الذکر یا قصر الذکر ہونا کہ وہ وطی پر قادر نہ ہو ⑥ شوہر کا کسی موذی مرض مثلاً برص وجذام کینسر وغیرہ میں مبتلا ہو جانا بشرطیکہ یہ امراض نکاح کے بعد لاحق ہوئے ہوں اور اگر پہلے سے ہو تو بیوی کو قبل نکاح اس سے بے خبر رکھا گیا ہو ⑦ شوہر کا مجنون ہونا جبکہ اسے علاج کی مہلت دی گئی ہو پھر بھی وہ اچھا نہیں ہوا، اور اس کے جنون سے بیوی کے جسم وجان کو خطرہ ہو ⑧ شوہر کا مفقود الخبر ہونا یعنی اس کی حیات و موت کی کوئی اطلاع نہ ہو ⑨ شوہر کا غائب ہونا یعنی زندگی کا علم ہے مگر پتہ کی تحقیق نہیں ہے ⑩ استطاعت کے باوجود بیوی کو نفقہ سے محروم رکھنا جبکہ بیوی کسی اور طریقہ سے نفقہ حاصل نہیں کر پاتی ہو نہ کوئی دوسرا شخص اس کے نفقہ کا کفیل ہو ⑪ شوہر کا بیوی کو نفقہ دینے سے عاجز ہونا اور عجز نفقہ کی وجہ سے بیوی کا فتنہ میں مبتلا ہو جانا مظنون ہو۔ ⑫ شوہر کی طرف سے بیوی کی تحقیر واذیت یا سخت مار پیٹ۔ ⑬ آپس میں شدید نفرت وشقاق کا پایا جانا اس میں اولاً تحکیم بعدہٗ تفریق۔ ⑭ عورت کو دھوکہ دیکر اس سے نکاح کرنا مثلاً اپنے خاندان، عقیدہ اور مالی حالت وغیرہ کے بارے میں عورت کو اندھیرے میں رکھنا ⑮ تفریق بسبب حرمتِ مصاہرت ⑯ فسادِ نکاح کی وجہ سے تفریق ⑰ ایلاء کی وجہ سے فرقت زوجین ⑱ ارتدادِ زوج کی وجہ سے تفریق (آخر الذکر ۱۸،۱۷ نمبرات کے قضاءِ قاضی شرط نہیں ہے۔ ⑲ بغیر کسی عذر کے مسلسل ترک مجامعت ⑳ بیوی کو کالمعلقہ بنائے رکھنا وغیرہم (اور وجوہاتِ فسخ ابھی مستحضر نہیں ہیں)

ادارۂ شرعیہ بہار انڈیا کے دار القضاء نے جب وجوہاتِ مذکورہ بالا کی وجہ سے تفریق وتفسیخ کا فیصلہ دینا شروع کیا تو ہندوستان کے طول وعرض سے مرافعات کا

آنا شروع ہوا۔ بلکہ دستخط کنندگان اکابر مذکورہ نے اپنے اپنے دارالافتاؤں سے ایسے مرافعات کو دارالقضاء، ادارۂ شرعیہ میں بھجوایا جس کا تعلق فسخ نکاح اور تفریق سے تھا۔

مسلم باشندگانِ یورپ خصوصاً مسلمانانِ ہالینڈ کے لئے یہ بات نہایت خوش آئند ہے کہ یہاں ایسی تنظیمیں رجسٹرڈ ہو رہی ہیں جن میں دارالقضاء، دارالافتا، اور دارالتبلیغ وغیرہا کی ضروری شاخیں موجود ہیں۔ یورپ کے ہر ملک میں ایسی تنظیموں کی ضرورت ہے اور ہر تنظیم کے زیرِ انتظام مختلف شہروں میں دارالقضاؤں کے قیام کی بھی ضرورت ہے۔

اگر وجوہاتِ تفریق و تفسیخ نکاح سے متعلق جزئیات فقہیہ اور دلائلِ شرعیہ کی آپ لوگ ضرورت محسوس کریں تو براہِ راست دارالقضا، ادارہ شرعیہ بہار سلطان گنج پٹنہ انڈیا سے رابطہ قائم کر سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ۔ خادم الافتاء جامعہ مدینۃ الاسلام دی ہیگ

یوم الخمیس ۷ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۱ھ

۱۷ جولائی ۲۰۰۰ء

بعض حاملہ کا نکاح حالتِ حمل میں نہیں ہو سکتا

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندوستان کا ایک فوجی لڑائی کی حالت میں پاکستانی فوجیوں کے ہاتھ آگیا جہاں وہ کسی گمنام جگہ پر قید کر دیا گیا۔ ادھر ہندوستان نے اس فوجی (زید) کے مرنے کی اطلاع اس کے گھر والوں کو دیدی۔ اس کی بیوی (ہندہ) جوان تھی کوئی بچہ بھی نہیں ہوا تھا لہٰذا عدتِ موت گزارنے کے بعد اس نے دوسرا نکاح بکر سے کرلیا۔ دونوں میاں بیوی ازدواجی زندگی گزارنے لگے۔ ایک سال کے بعد جب ہند و پاک کے درمیان حالات نارمل ہوئے اور قیدیوں کا تبادلہ ہوا تو زید مذکور بھی آزاد ہو کر اپنے وطن لوٹا۔ اور بیوی کے نکاح ثانی کر لینے پر اظہارِ افسوس کیا۔ جب بکر کو اس بات کی اطلاع ملی تو بکر کو بھی افسوس ہوا مگر بکر نے اپنے اسلامی بھائی زید کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے ہندہ کی مرضی سے ہندہ کو طلاق دیدی تاکہ وہ طلاق کی عدت گزار کر زید سے دوبارہ نکاح کرلے مگر ہندہ حاملہ

ہے۔ سوال یہ ہے کہ ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور ہندہ سے قربت کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ ہندہ کے بچہ کا نسب شرعًا صحیح ہے یا نہیں؟۔ سائل:۔ اشفاق احمد اسماعیل محسن ایھتو بنگلور کرناٹک

الجواب ـــــــ ھوالہادی الی الصواب ـــــــ

جب فوجی شوہر کے مرنے کی توثیق گورنمنٹ کے فوجی محکمہ سے ہوگئی اور اس کی تصدیق مسلم دارالقضا نے بھی کردی تو عدّتِ موت گزار کر اس کی بیوی کا دوسرا نکاح کرلینا جائز و حلال ہوا۔ اور اس کے حمل والے بچہ کا نسب نکاح صحیح کی وجہ سے صحیح ثابت ہوگیا۔ بکر طلاق دینے کی وجہ سے گنہ گار نہیں ہوا بلکہ مستحق ثواب ہوا کہ ایک مسلمان بھائی کی مدد کی۔ حالتِ حمل میں ہندہ کا نکاح زید یا اور کسی سے نہیں ہوسکتا ہے کیونکہ اس کی عدّت طلاق وضعِ حمل ہے۔ قال فی العالمگیریہ "وحبلیٰ ثابت النسب لایجوز نکاحها اجماعًا" اھ اور جب زید وضع حمل سے پہلے اس سے نکاح نہیں کرسکتا ہے تو قربت (جماع) کا کیا سوال ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ۔ اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۲۲ رشعبان ۱۴۲۵ھ ۸ راکتوبر ۲۰۰۴ء

مُطلّقہ ثلاثہ مُرتدّہ کا نکاح

مسئلہ ۱۰۰۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے جو پہلے کرسچن تھی، مسلمان کر کے نکاح کیا ـــ جس سے ایک لڑکا ہوا ـــ زید نے کسی پریشانی کے باعث ہندہ کو تین طلاق دے کر فارغ کردیا۔ اور الگ دوسرا نکاح کر کے رہنے لگا۔ ہندہ اس پریشانی سے مغلوب ہوکر اسلام سے منحرف اور پھر سے کرسچن ہوگئی۔ ادھر زید اپنی دوسری بیوی سے اولاد کے بارے میں مایوس ہے۔ زید چاہتا ہے کہ ہندہ پھر سے اس کے نکاح میں آجائے اور اسلام کے دائرہ میں داخل ہو کر اس سے نکاح کے لئے راضی ہوجائے تاکہ زید کو اس کا بیٹا اور بیٹے کی ماں پھر سے

مل جائیں۔ واضح رہے کہ ہندہ نے زید سے علاحدگی اختیار کرنے کے بعد کسی سے شادی نہیں کی بلکہ صرف زید کے بیٹے کی پرورش کے خیال سے تنہا پڑی رہی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کو ہندہ سے نکاح کرنے کے لئے اسلامی قوانین کی روشنی میں کیا کرنا ہوگا۔ بینوا توجروا۔ السائل: محمد محی الدین حسنین

۹۲/۸۶ الجواب ــــــــ هو الهادی الی الصواب ــــــــ

ہندہ غالبًا پہلے ہی "مشرکہ کرسچن تھی کہ اسلام لانے کے بعد بھی ثباتِ قدمی کی دولت سے محروم رہی اور طلاق کے بعد ہی مرتدہ ہوگئی، حالتِ اسلام میں جس قدر اسے خیرات ومبرّات کی توفیق ملی وہ سب اکارت وبرباد ہوگئی، پھر اپنے آپ کو اس نے اس قعرِ مذلّت میں گرادیا جہاں سے توبۂ خالص کے سوا دنیا کی کوئی رسّی اسے نکال نہیں سکتی۔ کہ موجودہ صورتِ حال میں اس کا عقدِ نکاح کسی مسلم غیر مسلم، انسان غیر انسان سے ہو ہی نہیں سکتا ہے...... لیکن ابھی بھی اس کے لئے توبہ واستغفار اور اسلام میں داخل ہونے کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ فتاویٰ خیریہ باب المرتدین میں ہے کافر تاب فتوبته مقبولة فی الدنیا والآخرة الا جماعة الکافر بسب النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وسائر الانبیاء (ہر کافر کی توبہ دنیا اور آخرت میں مقبول ہے لیکن وہ جو انبیاء علیہم السلام کی توہین (گالی دینے) کی وجہ سے کافر و مرتد ہوا اسکی توبہ قبول نہیں) ہندۂ مذکورہ اگر اپنے ارتداد سے توبۂ خالص کرلے اور استقامت علی الدین کا عملی مظاہرہ کرے تو بیشک کسی بھی مسلمان سے اس کا نکاح ہوسکتا ہے۔

ہندۂ مذکورہ چونکہ زید مذکور کی مطلّقہ ثلاثہ ہے اس لئے اسلام لانے کے بعد بھی بغیر حلالۂ صحیحہ کے وہ دوبارہ زید کے نکاح میں آنے کے قابل نہیں ہے کہ وہ بدون حلالہ بنصِ قرآن زید پر حرام ہے " فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ " طلاقِ ثلاثہ کے بعد مطلّقہ کو دوبارہ نکاح میں لانے کے لئے حلالہ مطلقاً فرض ہے۔ والاطلاق یجری علی العموم۔ واللہ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری۔ خادم الافتاء القرآن اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۸ رجب المرجب ۱۴۲۵ھ ۔ ۲۵ راگست ۲۰۰۴ء چہارشنبہ

تحریری طلاق اکراہ کی صورت میں

مسئلہ ۹۰۰۱:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین وحضرات مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ میاں بیوی میں کسی بات پر شدید اختلاف ہوا۔ بیوی نے شوہر سے طلاق مانگا شوہر طلاق پر رضامند نہیں ہوا۔ پھر بیوی کے خاندان والوں میں سے کسی نے طلاق کا پورا کاغذ تیار کر کے شخص مذکور کو بلایا اور مجبور کیا کہ اس کاغذ پر دستخط کرو۔ پھر بھی وہ طلاق نامہ پر دستخط کرنے کے لئے راضی نہیں ہوا تو اُسے مارنے کے لئے ٹیبل اٹھایا۔ اس وقت شخص مذکور نے طلاق کے کاغذ پر تین جگہ دستخط کر دیا ــــ پوچھنا یہ ہے کہ کیا اس طرح کرنے سے طلاق ہو جائے گی۔ واضح رہے کہ کاغذ کے اوپر تین طلاق دینے کا پورا مضمون درج تھا۔

بینوا وتوجروا — السّائل:- محمد زعیم القادری ۲۷ رجب ۱۴۲۵ھ

الجوابــــــ هوالهادی الی الصوابــــــ

طلاق کے کاغذ پر دستخط کے لئے شوہر کو مجبور کرنا، اور بیوی کو طلاق دینے کے طلاق کے تلفظ پر مجبور کرنا دونوں الگ الگ باتیں ہیں۔ اگر تلفظ پر مجبور کیا گیا ہو تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ کما فی تنویر الابصار۔

ویقع طلاق کل زوج بالغ — ہر عاقل بالغ شوہر کی طلاق (زبان سے تلفظ) واقع ہو جاتی ہے
ولو مکرھا او مخطیا الخ ص ۲۱۷ — اگرچہ وہ مجبور کیا گیا ہو یا غلطی سے بیوی کو لفظ طلاق کہہ دیا ہو

اور اگر شوہر کو طلاق کے کاغذ پر دستخط کرنے کے لئے مجبور کیا گیا ہو اور بغیر تلفظ کے (زبان سے کہے بغیر) اس نے طلاق کے کاغذ پر تین بار یا تیس بار دستخط کر دیا ہو تو طلاق واقع نہیں ہوگی اور صورتِ مسئولہ میں چونکہ دوسری شق ظاہر ہے اسلئے طلاق واقع نہیں ہوئی جیسا کہ رد المحتار (فتاویٰ شامی) میں بحر سے منقول ہے۔

ان المراد الاکراہ علیٰ تلفظ — کہ جبر سے مراد لفظ طلاق کہنے پر جبر کیا جانا ہے
بالطلاق فلو اکرہ علیٰ ان یکتب — اور اگر شوہر کو اس پر مجبور کیا گیا کہ وہ اپنی بیوی کو
طلاق امرأته فکتب لاتطلق — طلاق لکھے، تو اس نے مجبور ہو کر لکھ دی ایسی

لان الکتابۃ اقیمت مقام العبارۃ باعتبار الحاجۃ ولاحاجۃ ھنا۔ (ردالمحتار ص۴۲۱ ج۲)

صورت میں طلاق نہیں ہوگی۔ کیونکہ کتابت کو تلفظ کے قائم مقام صرف حاجت کی بناپر کیا گیا ہے اور یہاں شوہر کو حاجت ہی نہیں ہے۔

واللہ تبارک وتعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ، القرآن اسلامک فونڈیشن

نیدرلینڈ۔ یکم شعبان ۱۴۲۵ھ ۱۶ر ستمبر ۲۰۰۴ء

صحتِ حلالہ کی شرط

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مطلقۂ ثلاثہ کا نکاح ایسے مرد سے ہوا جس کی نسبندی ہوچکی ہے مگر وہ وطی پر قادر ہے اگر وہ شخص نکاح و وطی کے بعد منکوحہ کو طلاق دیدے تو کیا وہ عورت بعد عدت شوہر اول کے لئے حلال ہوجائے گی؟

عبدالسبحان، دی ہیگ۔ ہالینڈ

الجواب ھو الہادی الی الصواب ۷۸۶/۹۲

صحتِ حلالہ کے لئے نکاح صحیح اور دخول شرط ہے جب شخص مذکور سے مطلقۂ ثلاثہ کا نکاح شرعاً صحیح ودرست ہے اور وہ شخص بعد نکاح اس سے وطی کرچکا ہو (خواہ انزال ہو یا نہ ہو) تو وہ عورت انقضائے عدت کے بعد اپنے شوہر اول کے لئے حلال ہوجائے گی۔ قال شیخ الاسلام برہان الدین ابوالحسن علی الفرغانی فی الھدایۃ کتاب الطلاق ص۴۰۰۔

والشرط الایلاج دون الانزال: صحتِ حلالہ کی شرط دخول ہے انزال نہیں ہے

وقال تعالیٰ: اور ارشاد خداوندی ہے

حتّٰی تنکح زوجا غیرہٗ (مطلقۂ ثلاثہ شوہر اول کیلئے اس وقت حلال ہوگی) جبکہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح (وطی) کرلے۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ۔ اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۳ر شعبان المعظم ۱۴۲۵ھ ۱۸ر ستمبر ۲۰۰۴ء

تین طلاقوں کے بعد بھی حلالہ کی ضرورت نہیں

مسئلہ ۱۰۱۱: شریعتِ اسلامیہ کا اس مسئلہ میں کیا حکم ہے کہ عبدالعزیز نے سلمٰی سے نکاح کیا جس کو چھ مہینے گزر چکے ہیں مگر اب تک ناکح منکوحہ میں تنہائی کے اندر ملاقات نہیں ہوئی ہے۔ کسی معاملہ کو لیکر عبدالعزیز اور سلمٰی کے بھائی کے درمیان جھگڑا ہوا۔ تو عبدالعزیز نے تین بار کہدیا کہ "تمہاری بہن سلمٰی کو طلاق ہے۔ ہاں میں نے اس کو طلاق دے دیا۔ تم گواہ رہو کہ میں نے اُسے طلاق دیدی۔" دریں مسئلہ اگر عبدالعزیز مذکور سلمٰی مذکورہ سے پھر نکاح کرنا چاہے تو کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس کے نکاح کی کیا صورت ہوگی یعنی حلالہ کے بعد یا حلالہ سے پہلے؟

سائل: عبدالمبین قاسم بدلو۔ آلمیرہ استاد۔ ہالینڈ

الجواب ـــــــ ھوالھادی الی الصواب ـــــــ ۷۸۶/۹۲

جب دونوں کے درمیان خلوتِ صحیحہ متحقق نہیں ہے تو سلمٰی پہلی ہی طلاق سے بائنہ ہوگئی کیونکہ غیر مدخولہ پر طلاق رجعی واقع نہیں ہوتی اگر اسے ایک طلاق رجعی بھی دی جائے تو اس پر طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔ اور جب سلمٰی مذکورہ پر طلاق بائن ہوگئی تو اب وہ محلِ طلاق نہ رہی۔ اسلئے عبدالعزیز کی دی ہوئی دوسری تیسری طلاق عندالشرع لغو ہے۔

اور جب سلمٰی پر طلاق ثلاثہ واقع ہی نہیں ہوئی تو حلالہ کی ضرورت ہی نہیں ہے عدت کے اندر یا انقضائے عدت کے بعد عبدالعزیز اس سے نکاح کر سکتا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ۔ اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۲ر شعبان المعظم ۱۴۲۵ھ۔ ۱۸ر ستمبر ۲۰۰۴ء

کتاب البیوع
(خرید وفروخت کا بیان)

رجسٹریشن کی خرید وفروخت

مسئلہ ۱۰۱۲ :- محمد شریف عبدل
۱۵-۲-۱۹۹۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک ایسی دوا بنائی جو نادر وبے مثال ہے پھر اس دوا کو رجسٹر کرالیا اور اب وہ دوا مقبولِ عام و خاص ہوگئی ہے لہٰذا دوا کی دوسری کمپنیاں گراں قدر رقم دیکر اس دوا کے رجسٹریشن کو خریدنا چاہتی ہیں۔ کیا شریعتِ اسلامیہ کی رو سے دوا کا وہ رجسٹریشن مال کا حکم رکھتا ہے اور کیا اسکے خرید وفروخت کی از روئے شرع اجازت ہے؟

حاجی محمد شریف عبدل۔ اینڈ ہوفن (فلیپس سیٹی) ہالینڈ

۹۲ الجواب ـــــ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَاب ـــــ

رجسٹریشن ہوجانے کے بعد اس دوا کا منافع اس کے موجد کے لئے محفوظ ہوگیا۔ اور منافع کی خرید وفروخت شرعًا جائز ومباح ہے (تفصیل کے لئے شیئر بازار کے مسائل کا مطالعہ کیجئے) اگرچہ منافع عینِ مال تو نہیں لیکن مال سے ضرور متعلق ہے کیونکہ اس سے نفع حاصل کیا جاتا ہے تو حکمًا مال ہے۔ جس طرح مال کی بیع وشراء جائز ہے منافع کی بھی خرید وفروخت جائز ہے۔ بدائع الصنائع میں ہے۔

سواءً کان المال عینًا او منفعۃ کوئی شئی خواہ عین مال ہو یا اس کا منافع ہو عند العلماء کافۃ تمام علماء کے نزدیک دونوں کا حکم برابر ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ جب کسی چیز کا رجسٹریشن کرانا مباح اور قابل انتفاع ہو تو وہ

شرعاً مال کے حکم میں ہے۔ اسے بیچ کر فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے اور خریدنے والے اُسے خرید بھی سکتے ہیں۔ کمافی مجمع الانہر "والشئ انما یصیر مالاً لکونہ منتفعاً بہ"

واللہ سبحانہ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ ۱۵-۲-۱۹۹۹ء

حق تصنیف کی بیع وشراء

مسئلہ ۱۰۱۳: مولانا عمران، اینڈ ہوفن ۲-۱-۲۰۰۱ء

کیا فرماتے ہیں علمائے ملتِ اسلامیہ ومفتیانِ دینیہ اس مسئلہ میں کہ جس طرح دوا وغیرہ کے رجسٹریشن کو بیچنا اور اس سے فائدہ حاصل کرنا جائز ہے کیا اسی طرح دینی یا غیر دینی کتابوں، مضمونوں اور نظم ونثر مقالات کے حق تصنیف (وتخلیق) کو بیچنا اور اس سے فائدہ حاصل کرنا بھی جائز ہے؟

عمران نورانی۔ اینڈ ہوفن (فلیپس سٹی) ہالینڈ

الجواب ۸۶/۹۲ ـــــــ ھوالہادی الی الصواب ـــــــ

جی ہاں حقِ تصنیف واشاعت کو اپنے لئے محفوظ کرلینا بھی مباح اور قابلِ انتفاع ہے۔ جو حکماً مال ہے۔ اور جب حکماً مال ٹھہرا "والشئ انما یصیر مالاً لکونہ منتفعاً بہ (مجمع الانہر) تو اسے بیچنا خریدنا اور اس سے فائدہ حاصل کرنا جائز ہے خواہ وہ کتب مضامین اور اشعار وغیرہا دینیات پر مشتمل ہوں یا دنیاوی مصالح وفوائد پر۔ ہاں ایسے مضامین واشعار جو فواحش ولغویات سے بھرپور ہوں۔ اور انسانی کردار سازی سے دور ہوں نہ ان کا حق تصنیف و اشاعت محفوظ کرانا مباح اور نہ ہی اسے بیچنا خریدنا جائز ہے کہ وہ قابل انتفاع نہیں ہیں بلکہ مخرب اخلاق والنسانیت ہیں جس کی تصنیف وتالیف اور اشاعت درخود گناہ بلکہ گناہانِ کثیرہ ہے۔

نوٹ: کسی تصنیف وتالیف یا ایجاد کو تخلیق سے تعبیر کرنا مناسب نہیں ہے۔

واللہ سبحانہٗ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ خادم دار الافتاء اسلامک فونڈیشن
نیدرلینڈ ۲۰ رجنوری ۲۰۰۰ء

رجسٹرڈ فارم کو بیچنا

مسئلہ ۱۰۱۴ محمد شریف عبدل۔ فلیپس سیٹی
۱۵-۱۱-۱۹۹۵ء

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی دوکان یا فارم کا نام سن آف نیدرلینڈ (SUN OF NETHER LAND) "آفتاب ہالینڈ" رکھا اور دوکان یا فارم کی تمام اشیاء برآمدات پر اسی نام کا لیبل چسپاں کیا۔ یہاں تک کہ پورے ملک میں اسی نام سے دوکان یا فارم مشہور ہوگیا۔

واضح ہو کہ دوکان یا فارم کے مالک (پروپرائٹر) نے اسی نام کو گورنمنٹ کے یہاں رجسٹریشن بھی کرالیا ہے۔ اب اگر کوئی دوسرا شخص یہی نام اپنی دوکان یا فارم کا رکھنا چاہے تو رکھ سکتا ہے یا نہیں؟

دوسری بات یہ ہے کہ اگر صرف اس نام سے دستبرداری کے عوض اگر کوئی دوسرا شخص اسے لاکھوں گلڈر دے۔ تو لاکھوں گلڈر لیکر اس نام سے دست بردار ہوجانا درست ہوگا یا نہیں؟ وضاحت کے ساتھ جواب دے کر شکریہ کا موقع دیں۔

شریف عبدل۔ ایسنڈ ہوفن

الجواب ۹۲/۸۶ ــــــ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ ــــــ

اپنی دوکان، یا فارم، یا تنظیم کا کوئی نہ کوئی نام رکھ لینے کا حق ہر آدمی کو حاصل ہے لیکن اگر کوئی نام کسی نے رکھ لیا اور اسی نام کے ساتھ اس کا مفاد وابستہ ہوگیا۔ تو اب دوسرے شخص کو یہ حق نہ رہا کہ اسی نام کا استعمال کرے۔ خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ وہ نام رجسٹریشن بھی ہوچکا ہو۔ کیونکہ اس میں عوام کو دھوکہ دینے اور ایک بھائی کے تجارتی مفاد کو غصب کرنے کے علاوہ آئینی جرم کا ارتکاب بھی ہے۔

ہاں اسے اپنے معاشی مفاد (گڈول) کو بیچنے یا کسی خاص قیمت کے عوض

یا بائع کو نقصان و ضرر پہنچانا ہے۔ اور جہاں یہ صورت پائی جائے اسلام اس کی اجازت ہرگز نہیں دے سکتا ہے۔ مثلاً ہوائی جہاز یا ریلوے کا ٹکٹ خرید کر کمپیوٹر وغیرہ کے ذریعہ اسکی نقلیں کرلینا اور اس سے فائدہ حاصل کرنا شرعاً جائز نہیں ہے کہ اس سے اصل کمپنی یا موجد یا دوکاندار کا ضرر ہے اور عوام کو دھوکہ دینا ہے۔

اسی طرح روزمرہ برتنے کا سامان خرید کر اس کی نقل سے مالی منفعت حاصل کرنا درست نہیں کہ اس میں بھی اصل بائع یا فیکٹری کا نقصان ہے۔

آجکل ملکی کرنسی چھاپنے یا پاسپورٹ وغیرہ گورنمنٹی قیمتی کاغذات کی نقل تیار کرنے کی جو چور بازاری چل پڑی ہے یہ غالباً اسی ذہنیت کی اُپج ہے کہ وہ اپنی ملکیت سے فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن درحقیقت یہ اپنی ملکیت سے استفادہ نہیں بلکہ حکومت و عوام کو دھوکہ دینا اور نقصان پہنچانا ہے جو سراسر دجل و فریب اور حرام و بدانجام ہے۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ خادم شعبہ مذہبی امور ورلڈ اسلامک مشن ہالینڈ ۱۳ ۲ ۱۹۹۲ء

دوسروں کی مطبوعات بے اجازت چھاپنا بیچنا

مسئلہ ۱۰۱۶: حاجی محمد فاروق۔ صدر رویت ہلال کمیٹی نیدرلینڈ۔ ۱۵-۱۱-۱۹۸۵

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیانِ بالامقام اس مسئلہ میں کہ میں نے اسلامی فقہ سے متعلق ایک کتاب خریدی۔ جو نہایت مفید اور حالاتِ حاضرہ کے مسائل پر مشتمل ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کی یہاں اشاعت کرادوں یا کاپی مشین کے ذریعہ دو چار سو کاپیاں اس کی نکلوا لوں۔ تاکہ اس کتاب کی عام تشہیر ہو جائے اور مسلمان اس سے فائدہ اٹھائیں۔ لیکن اس کتاب کے اندرونی پہلے ورق پر (جملہ حقوقِ طباعت بحق مصنف محفوظ ہے) لکھا ہوا ہے۔ ایسی صورت میں اس کتاب کی طباعت یا کاپی کرانا ازروئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ محمد فاروق صبور علی۔ ایندھوفن

۹۲ الجواب ـــــ اللھم ھدایۃ الحق والصواب ـــــ

کسی کتاب یا کسی مضمون کے حقِ طباعت وتصنیف کو آئینی طور پر محفوظ کرا لینے سے جسکے حق میں محفوظ کرایا گیا اسی کے حق میں محفوظ ہو جاتا ہے۔ جب کتاب مذکور کی طباعت مصنّف کے حق میں قانوناً بھی محفوظ ہو چکی ہے تو مصنّف کی اجازتِ صریحہ کے بغیر کسی دوسرے کو حق نہیں پہنچتا کہ اس کتاب کی طباعت و اشاعت کرے۔ یا کاپی بنا کر عام کرے۔ حضور پُر نور سیدِ عالم صلی اللہ تعالے علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

من سبق الی مالم یسبقہ مسلم فھو (ابوداؤد) — جو مسلمان کسی کام میں دوسرے مسلمانوں پر سبقت لیجائے اس کا مفاد اسی کے لئے ہے۔

ہاں اس کتاب کے وہ مضامین و مسائل جو کسی دوسری کتاب سے ماخوذ و مستفاد ہوں، انھیں بغیر اس مصنّف و جامع کی اجازت کے بھی اصل کتاب کے حوالجات کے ساتھ شائع کر سکتے ہیں کیونکہ یہ اسکی ملکیت نہیں ہے۔ اس پر تمام اہلِ اسلام کا حق ہے اور جو تمام اہل اسلام کا حق ہو اسے شخص منفرد کے ساتھ خاص نہیں کیا جا سکتا ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ نوری آسٹرڈم

۱۵ نومبر ۱۹۸۵ء

دوسروں کی مصنوعات پر اپنا لیبل لگانا

مسئلہ ۱۰۱۷ :- حاجی فاروق صبور علی۔ ایمسٹرڈم ۱۲-۱۱-۱۹۸۵ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک ڈاکٹر نے ایک دوا ایجاد کی پھر گورنمنٹ سے اس کا رجسٹریشن بھی اپنے نام سے کرا لیا۔ کچھ دنوں کے بعد جب وہ دوا پبلک میں مشہور و معروف ہو گئی تو دوسری کمپنی یا دوسرے شخص نے اسی دوا کو اپنے لیبل کے ساتھ نام میں قدرے تغیّر کے ساتھ بازار میں فروخت کرنا شروع کیا۔ کیا اسلامی شرع میں ایسا کرنا جائز و درست ہے؟ بینوا توجروا۔ محمد فاروق صبور علی

۸۶/۹۲ الجواب ـــــــ اللّٰہم ہدایۃ الحق والصواب ـــــــ

اسلام میں دھوکہ دہی اور حق تلفی دونوں حرام ہیں صورت مسئولہ میں جس کمپنی نے دوسرے کی ایجاد کردہ دوا کو بغیر اس کی اجازت کے بنایا یا اسی دوا پر اپنا لیبل لگا کر خریداروں کو یا بازار میں سپلائی کیا۔ وہ حرام کا مرتکب ہوئی۔ کیونکہ یہ حاجتمندوں کو دھوکہ دینا اور اصل دوا کے موجد کی حق تلفی ہے۔ وَقَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ "مَنْ غَشَّنَا فَلَیْسَ مِنَّا"

اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے اس کرتوت سے باز آئے اور دوا کے اصل موجد سے معافی طلب کرے بلکہ اس کے خسارہ کو پورا کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ نوری مسجد آمسٹرڈم

۱۲ر نومبر ۱۹۸۵ء

مکان کی مختلف منزلیں مختلف خریداروں کے ہاتھ بیچنا

۱۰۱۸ مسئلہ:۔ حاجی عبد الجبار گمان، بلاسیس سٹرٹ، آمسٹرڈم ۱۲-۲-۱۹۸۹ء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ آجکل شہروں میں کئی کئی منزلوں کے مکانات بنتے ہیں۔ اور ہر منزل بلکہ ایک منزل پر اگر چار فلیٹس ہیں تو ہر ایک فلیٹ الگ الگ اسامیوں کے نام بیچنے کا عام رواج ہو گیا ہے۔ کیا اس طرح مکانات کی خرید و فروخت شرعاً جائز ہے؟ بینوا و توجروا

محمد عبد الجبار گمان۔ آمسٹرڈم

۸۶/۹۲ الجواب ـــــــ اللّٰھُمَّ ہدایۃ الحق والصواب ـــــــ

مکان کی منزلوں یا اس کی فلیٹ کو الگ الگ خریدنا بیچنا درست و جائز ہے کیونکہ وہ شرعاً مال ہے اور مال کی بیع و شرا مشروع و مروّج ہے

واللہ تعالیٰ اعلم

مکان کی فضا کی فروختگی

مسئلہ ۱۰۱۹ :- محمد عبد الجبار گمان، آمسٹرڈم
۱۲-۲-۱۹۸۹

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ گنجان آبادیوں میں بنے ہوئے مکانات کی فضا بیچنے اور خریدنے کا سلسلہ جاری ہو چکا ہے۔ کیا فضا کی خرید و فروخت جائز ہے؟ اور ایسی صورت میں اصل زمین کا مالک کون قرار پائے گا؟

سائل :- حاجی محمد عبد الجبار۔ بلاسیس سٹراٹ ۸۳ آمسٹرڈم

الجواب ۹۲/۸۶ ـــــ اللہم ہدایۃ الحق والصواب ـــــ

فضاء کی خرید و فروخت ائمہ احناف کے نزدیک درست نہیں۔ لیکن یہ مسئلہ چونکہ منصوص نہیں ہے اسی لئے ائمہ مالکیہ نے اس کی مخالفت کی۔ بلکہ صاحب فتاوی علماء احناف کے نزدیک بھی عدم جواز کے علل واسباب میں خاصا اختلاف موجود ہے لہذا موجودہ عرف و عادت اور مصلحت کو دیکھتے ہوئے فقہ مالکی کے مطابق انہی کی شرطوں کے ساتھ اگر خرید و فروخت کی اجازت دیدی جائے تو غالباً غیر مناسب نہ ہوگا۔۔۔۔ کیونکہ اسی میں امت کے لئے وسعت و آسانی اور غالباً یہی حالات حاضرہ کا تقاضا ہے۔

دوسری صورت اسکے جواز کی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ فضاء سے قطع نظر مکان کی چھت کی بیع کی ہو۔ اور بالائی تعمیر کی ایسی حد بندی ہو جائے کہ تحتانی عمارت کو نقصان نہ پہنچے۔ جو تحتانی منزل کا مالک ہوگا وہی زمین اور زمین کے نیچے کا بھی مالک ہوگا۔ اور جو فوقانی منزل کا مالک ہوگا وہی اپنے مکان کی چھت سے اوپر کی فضاء کا بھی مالک ہوگا۔ اور ان دونوں میں سے کسی کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ مکان سے نیچے کی زمین کھود کر یا بالائی منزل سے اوپر کوئی اور عمارت تیار کرکے ایک دوسرے کو نقصان پہنچائے۔ اسی لئے فضاء کی بیع و شراء سے پہلے اس کے شرائط کا طے ہو جانا ضروری ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ خادم مذہبی امور، ورلڈ اسلامک مشن ہالینڈ ۱۷ فروری ۸۹ء

لائسنس کی خرید وفروخت

مسئلہ ۱۰۲۰: فیروز سکریٹری نوری مسجد آمسٹرڈم ۲۸-۱۲-۱۹۸۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع مبین اس مسئلہ میں کہ گورنمنٹ کی طرف سے پبلک کے نام جو لائسنس جاری ہوتا ہے اسکی خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اس لائسنس کے ذریعہ غیر ملکی مصنوعات منگوانے اور بیچنے کا اختیار حاصل ہوجاتا ہے۔ اور بہت سارے لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ امید کرواضح اور خلاصہ جواب دیں گے۔　　محمد فیروز، آمسٹرڈم

الجواب ۹۷/۸۶ ـــــــــ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب ـــــــــ

گورنمنٹ کی طرف سے پبلک کے نام جو لائسنس جاری کیا جاتا ہے وہ عمومی و خصوصی دو طرح کا ہوتا ہے تو جو لائسنس عمومی مصلحتوں کے پیش نظر عمومی نوعیت کا ہو اور کسی خاص آدمی کے نام سے حکومت نے جاری کیا ہو۔ وہ حصولِ منفعت کے لحاظ سے حکماً مال ہے۔ لہٰذا اس کی خرید وفروخت جائز ومباح ہے۔ جیسے غیر ملکی مصنوعات کی درآمد یا ملکی مصنوعات کی برآمد کا لائسنس (حکومتی اجازت نامہ) اور جو لائسنس خصوصی مصلحت ونوعیت کا ہو اور حکومت نے کسی خاص آدمی کے نام سے جاری کیا ہو اور اُسے دوسرے کے نام منتقل کرنا قانوناً ناجائز اور دھوکہ دہی ہو۔ اس لائسنس کی خرید وفروخت غدر کی وجہ سے شرعاً ناجائز ہے۔ مثلاً پاسپورٹ ویزا، بندوق اور کار وغیرہ کا لائسنس۔　　واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواحد قادری غفرلہٗ نوری مسجد آمسٹرڈم - ۲۸ر دسمبر ۱۹۸۵ء

پل وغیرہ نیلامی میں لینا اور اس سے فائدہ اٹھانا

مسئلہ ۱۰۲۱: محمد نعیم، سی لانڈ، نیدرلینڈ ۲۶-۱۱-۱۹۸۵

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ندی، نالوں پر پبلک

کی سہولت کے لئے گورنمنٹ خود یا کسی کمپنی کے ذریعہ پُل بنواتی ہے پھر اُس پُل میں جتنی لاگت لگی ہے اس کو حاصل کرنے کے لئے پُل کو نیلام کردیتی ہے۔ جس کو ٹھیکہ لینا دینا کہتے ہیں۔ کیا اس ٹھیکہ کا لینا اور اس سے فائدہ حاصل کرنا ازروئے شرع جائز ہے؟ پھر بعض ٹھیکہ لینے والے کچھ نفع لیکر ٹھیکہ کے کاغذات کو دوسروں کے ہاتھ فروخت بھی کردیتے ہیں۔ کیا ٹھیکہ کے کاغذات کی خرید وفروخت جائز ہے؟

محمد نعیم، سنّی لاند، نیدرلینڈ

۷۸۶
۹۲ الجواب ـــــــ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب ـــــــ

جن حقوق یا جن چیزوں سے مالی منفعت وابستہ ومتعلق ہو۔ اور اس کی خرید وفروخت نے عمومِ بلویٰ کی شکل اختیار کرلی ہو شرعًا اس کی خرید وفروخت درست ہے۔ کما فی ردّ المحتار وکتب الاسفار، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں پُل وغیرہ کا ٹھیکہ لینا اور اس سے فائدہ حاصل کرنا جائز ومباح ہے۔ اور ٹھیکہ کے کاغذات کی خرید وفروخت بھی درست ہے کہ اس سے مالی منفعت متعلق ہے پھر وہ مقاصد شرع سے متصادم بھی نہیں۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ۔ نوری مسجد آمسٹرڈم

دو چار برسوں کے لئے باغات کے پھلوں کو بیچنا

مسئلہ ۱۰۲۲ :- (مولانا) سلطان رضا قادری، رضوی مسجد آمسٹرڈم
۱۲-۹-۱۹۸۸ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع مبین اس مسئلہ میں کہ انگور وناشپاتی وغیرہ کے بعض باغات کے پھل دو چار سال کے لئے خریدار خرید لیتے ہیں اور انہیں پھلوں کو بازاروں میں لاکر بیچتے ہیں۔ کیا بازار سے ان پھلوں کو خریدنا اور استعمال کرنا جائز ودرست ہے۔ امید کہ جواب باصواب سے نواز کر مشرف فرمائیں گے۔

محمد سلطان رضا۔ خطیب رضوی مسجد آمسٹرڈم

۷۸۶
۹۲ الجواب ـــــــ اللھم ھدایۃ الحق والصواب ـــــــ

جمہور علماء اسلام کے نزدیک معدوم اشیاء کی خرید وفروخت مطلقاً جائز نہیں۔ باغات کے پھلوں کو سال دوسال پہلے ہی بیچ ڈالنا یا خرید لینا ائمۂ اربعہ میں سے کسی کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ لہٰذا جو پھل بیع وشرا فاسد کے ساتھ حاصل کئے گئے اس سے منفعت حاصل کرنا حرام ہے۔ نیز ان پھلوں کا بازار سے خریدنا اور استعمال کرنا بھی شرعاً ناجائز وحرام ہے۔ واللہ تبارک وتعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ خادم امور شرعیہ ورلڈ اسلامک مشن

بالینڈ۔ ۱۲-۹-۱۹۸۸ء

اگر باغات کے معدوم پھلوں کو بیچنے پر تعامل ہو جائے

مسئلہ ۱۰۲۳ :۔ (مولانا) محمد سلطان رضا قادری
۲-۱۱-۱۹۸۸ء

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ باغات کے پھلوں کو سال دوسال کے لئے خرید وفروخت کرنے کا عام چلن ہو گیا ہے اور اکثر مالکان ومشتری کا اس پر تعامل ہے۔ کیا ایسی صورت میں تعامل الناس کا شرع شریف میں کوئی اعتبار نہیں؟ جبکہ عامۃ الناس حرام خوری کا مرتکب ہو رہی ہو

(مولانا) محمد سلطان رضا قادری خطیب رضوی مسجد فرید الاسلام امسٹرڈم

۷۸۶
۹۲ الجواب ـــــــ اللھم ھدایۃ الحق والصواب ـــــــ

جی ہاں تعامل ورواج کا شرع شریف میں قرار واقعی حیثیت موجود ہے اور اس کا اعتبار بھی کیا جاتا ہے لیکن نصوصِ شرعیہ اور صحیح روایات کے بالمقابل اسے نہیں لایا جا سکتا ہے۔ احادیث مبارکہ میں صراحتاً ایسے پھلوں اور کاشت کے بیع کی ممانعت موجود ہے جن کا درختوں یا پودوں پر وجود ہی نہیں ہوا ہو۔ امام ترمذی نے ایسی حدیثوں کا ایک باب ہی باندھا ہے جس کا نام " باب ماجاء فی المخابرۃ والمعاومۃ" رکھا ہے۔ اور فقہاء کرام نے اسے بیع معاومہ اور بیع سنین کا نام دیا ہے، یہ بھی یاد رکھنا

چاہئے کہ جو تعامل نصوص شرعیہ سے متصادم نہ ہوں، علماء کرام انھیں تعامل کے پیش نظر شریعت کی حد میں رہ کر ممکن حد تک آسانی کی راہیں ہموار کرتے ہیں، ہر تعامل کے اندر شریعت کی اساس بننے کی صلاحیت نہیں ہے۔ لہٰذا باغات کے معدوم پھلوں کی بیع وشراء کو تعامل ورواج کا نام دیکر جائز نہیں قرار دیا جاسکتا۔ بیع وشراء کے اس طریق کار کو چھوڑنا مسلمانوں پر واجب ہے۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم

اشیاء معدومہ کا قیاس بیع سلم پر صحیح نہیں

مسئلہ ۱۰۲۴:۔ (مولانا) محمد سلطان رضا قادری ۲-۱۱-۱۹۸۸ء

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ شریعت کے نزدیک بیع سلم جائز ودرست ہے اور بیع سلم میں بھی اشیاء معدومہ کی خرید وفروخت ہوتی ہے تو باغات کے وہ پھل جو ابھی درختوں میں نہیں لگے اس کی بیع وشراء کیونکر ناجائز ہے؟ (مولانا) محمد سلطان رضا قادری رضوی مسجد فرید الاسلام

الجواب ۸۶/۹۲ ــــــ بعون الملک الجواد الوھاب ــــــ

بیع سلم عند الشرع چند شرائط کے ساتھ جائز ودرست ہے۔ اگر وہ شرائط ذہن میں ہوں تو بیع سلم کو معدوم اشیاء کی خرید وفروخت پر آپ قیاس نہیں کرسکتے۔ بیع سلم کی صحت کے لئے فقہاء کرام نے جن شرطوں کو بیان فرمایا ہے ان میں مشہور اور متفق علیہ شرط مبیع (فروخت شدہ شئے) کی مقدار، قسم، اور وقت وغیرہ کا متعین ہونا ہے۔ اور پھلوں میں ان قسموں کا تعین ممکن نہیں لہٰذا بیع سلم کو معدوم پھلوں کی بیع پر قیاس کرنا درست نہیں۔ اور اگر بالفرض پیدا ہونے والے پھلوں کی مقدار اور قسم وغیرہ کا تعین بھی آپس میں ہوجائے تو یہ خرید وفروخت تحبا وزعن الشرع ہے جو بیع کو فاسد کردیتا ہے۔ اسلئے پھلدار درختوں پر جب تک پھول نمودار ہوجائیں اسکی بیع وشراء جائز نہیں۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری ورلڈ اسلامک مشن ہالینڈ۔ ۲ ۱۱/ ۱۹۸۸ء

باغات کے پھلوں کی خرید و فروخت

مسئلہ ۱۰۲۵ (مولانا) محمد سلطان رضا قادری
۱۸-۷-۱۹۸۶ء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ جن باغات میں مختلف قسم کے درخت ہوں، بعض درختوں پر صرف پھول لگے ہوئے ہیں اور بعضوں پر پھل نمودار ہوگئے ہیں، اُن باغات کی خرید و فروخت شرعاً جائز ہیں یا نہیں؟

(مولانا) محمد سلطان رضا قادری خطیب رضوی مسجد فرید الاسلام آمسٹرڈم

۷۸۶/۹۲ الجواب ـــــــ بعون الملک الجواد الوھاب ـــــــ

اگر وہ پھول اور پھل انسانوں کے لئے قابلِ انتفاع ہیں تو ان کی بیع و شراء جائز ہے ورنہ نہیں مثلاً گلاب وجوہی وغیرہ کے پھول نکل آئے ہوں تو ان کی بیع و شراء پورے موسم کے لئے درست ہے کیونکہ اس کا پھول ہی انسانوں کے لئے قابلِ انتفاع ہے۔ اور اگر ایسے درختوں پر پھول آگئے ہوں جنکے پھول عموماً قابلِ انتفاع نہیں مثلاً آم، لیچی، سیب، ناشپاتی وغیرہ اگرچہ اس کے چھوٹے چھوٹے پھل بھی نمودار ہوگئے ہوں اس کی بیع و شراء جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ ورلڈ اسلامک مشن ہالینڈ
۱۸-۷-۱۹۸۶ء

باغ میں اگر بعض درختوں کے پھول قابلِ انتفاع ہو جائیں تو اس کی بیع

مسئلہ ۱۰۲۶: محمد عباس رضوی مسجد آمسٹرڈم
۱۷-۸-۱۹۹۰

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آم، سیب، ناشپاتی وغیرہ کے وہ باغات جن میں پھل تو آگئے ہوں مگر عام طریقے سے وہ کھانے کے لائق نہ ہوں البتہ اچار، چٹنی وغیرہ اس سے بنائے جاتے ہوں تو ان باغات کی خرید و فروخت از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ محمد عباس رضوی مسجد فرید الاسلام، آمسٹرڈم

۸۶/۹۲ الجواب ـــــــ بعون الملک الوھاب ـــــــ

باغات میں عموماً یکبارگی پھل نمودار نہیں ہوتے اور نہ یکبارگی سب کے سب قابلِ استعمال ہو جاتے ہیں۔ اگر باغ کے تمام درخت ایک ہی قسم کے پھل کے ہوں پھر ان میں بعض درختوں کے پھل اس قابل ہو گئے ہوں کہ اس سے اچار چٹنی وغیرہ بنائی جاسکے۔ اور بعض پھل ابھی اس قابل بھی نہ ہوں تو تبعاً پورے باغ کے پھلوں کی خرید و فروخت جائز ہے، پھر اگر اس کا مالک پھلوں کے پکنے یا قابلِ استعمال ہونے تک پھلوں کو درختوں پر رکھنے کی صریح اجازت دیدے یا اس علاقہ میں یہی تعامل ہو کر خریدار خام پھلوں کو درختوں پر خرید لیتے ہوں اور پختہ ہونے کے بعد توڑتے ہوں تو اس تعامل کے ذیل میں خریدار مالکِ باغ کی اجازت کے بغیر بھی اپنے پھلوں کو درختوں پر رکھ سکتا ہے لیکن درختوں کو کسی قسم کا نقصان پہنچانے پر اسے تاوان دینا ہوگا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

اگر باغ میں مختلف پھلوں کے درخت ہوں

مسئلہ ۱۰۲۷: محمد عباس، رضوی مسجد، آمسٹرڈم ۱۲-۸-۱۹۹۰

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک باغ میں اگر مختلف قسم کے درخت ہوں۔ مثلاً کچھ درخت آم کے ہوں کچھ لیچی کے کچھ امرود اور بیر کے۔ ظاہر ہے کہ ان سب درختوں پر پھول اور پھل ایک مرتبہ نہیں آتے بلکہ مہینوں کا فرق ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں اگر آم کے درخت پر پھل آچکے ہوں، لیچی کے درخت پر پھول لگ رہے ہوں اور امرود کے پھول آنے والے ہوں تو اس باغ کی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں؟ محمد عباس، رضوی مسجد، فرید الاسلام، آمسٹرڈم

۸۶/۹۲ الجواب ـــــــ بعون الملک الوھاب ـــــــ

اگر باغ مختلف قسم کے درختوں کا مجموعہ ہو اور سب کے پھول نمودار نہیں ہوئے ہوں تو اس کی بیع و شرا اجماعاً درست نہیں۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اس باغ کی خرید و فروخت

جائز نہیں۔ کما فی الشرح الصغیر۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری عفی لہٗ

۱۷-۸-۱۹۹۰ء

پودوں کے ساتھ اس کے پھلوں کی خرید وفروخت

مسئلہ ۱۰۲۸:- محمد قاسم رحمٰن آمسٹرڈم
۱۲-۳-۱۹۸۶

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ سبزی فروش لوگ کھیرا، ککڑی، کدو، بیگن وغیرہ کی کاشت کرتے ہیں۔ جب پودے بڑے ہوجاتے ہیں اور ان میں پھول یا چھوٹے چھوٹے پھل لگنے شروع ہوجاتے ہیں تو انھیں سبزیوں کے بیوپاریوں کے ہاتھ بیچ ڈالتے ہیں۔ اور بیوپاری لوگ پورے موسم میں ان پودوں سے پھل حاصل کرتے اور بازار میں فروخت کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس طرح پودوں کی خرید وفروخت اور پھر ان سے حاصل شدہ پھلوں کی خرید وفروخت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ محمد قاسم رحمٰن ہوخ وورد آمسٹر دام پورٹ، ہالینڈ

۹۶۷ الجواب ـــــــ بعون الملک الوھاب ـــــــ

جن سبزیوں کا ذکر سوالنامہ میں ہے صرف ان کے پھول یا ناقابلِ استعمال کیری (چھوٹے چھوٹے پھل) کے نکل آنے پر ان کی خرید وفروخت جائز نہیں ہے "ولو اشتراھا مطلقا فاثمرت ثمرا آخر قبل القبض فسد البیع لتعذر التمییز (البحر الرائق) ہاں جب ان پودوں میں ایسے پھل نمودار ہوگئے ہوں جو انسانوں کے لئے قابل انتفاع ہوں اور باقی پھل پورے موسم میں یکے بعد دیگرے نکلیں تو ایسی صورت میں تعامل کے پیش نظر فقہاء متاخرین نے جواز کا فتویٰ دیا ہے اور اسی میں امت کے لئے وسعت وآسانی ہے۔ اور جواز کا حیلہ یہ بتایا ہے کہ بجائے پھول یا ننھے ننھے پھلوں کے ان پودوں ہی کو خرید لیا جائے اور پورے موسم کے لئے زمین کو کرایہ پر لے لیا جائے۔ اور مالکِ زمین وقت مقررہ تک

اس پیداوار کو مشتری کے لئے مباح کردے یشتری اصول الباذنجان والبطیخ والرطبة لیکون مایحدث عن ملکه ..... وفی الزرع والحشیش یشتری الموجود ببعض الثمن ویستاجر الارض مدة معلومة یعلم غایة الادراك ۔ (فتح القدیر والبحر الرائق)

مثلاً کھیرہ، ککڑی، کدو بیگن وغیرہا کی ایک قطعۂ زمین زراعت کو پانچ سو گلڈر میں خریدار خریدنا چاہتا ہے تو دو سو میں پودوں کو موجودہ پھول وپھل کے ساتھ خریدلے اور تین سو میں اسوقت تک کے لئے زمین کو کرایہ پر لے لے جب تک اس موسم کے پھل ان پودوں میں آکر قابلِ استعمال ہوجائیں اور مدت گزرنے کے بعد مشتری اس زمین سے دستبردار ہوجائے ۔ اور اگر پھلدار پودوں کو اُس کے پکنے تک زمین میں رکھنے کا لوگوں میں تعامل ہے تو اس کی خرید وفروخت جائز ہے ایسی صورت میں زمین کو کرایہ پر لینے کی ضرورت نہ ہوگی ۔　　　　واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ نوری مسجد آمسٹرڈم

۱۲؍ مارچ ۱۹۸۶ء

ڈالی کے ساتھ باغوں کی خرید وفروخت

مسئلہ ۱۰۲۹:۔ (مولانا) ہمایوں کبیر، دین بوس ہالینڈ
۲۵-۵-۱۹۸۹ء

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس باب میں کہ ہمارے وطن میں آم اور ناریل کے باغات کے پھلوں کی عام خرید وفروخت ہوتی ہے یعنی جب درختوں پر پھول اور کچھ پھل آجاتے ہیں تو مالکِ باغات اُن کے پھلوں کو اس شرط پر بیچ ڈالتے ہیں کہ فلاں فلاں درخت کے پھل کے علاوہ پورے باغ کو اس قیمت میں میں نے بیچا اور خریدار ان درختوں کے استثناء کے ساتھ اس باغ کو خریدلیتا ہے۔ باغات کے فروخت کی دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ بائع درختوں کا استثناء تو نہیں کرتے بلکہ اپنے لئے کچھ پھل متعین کرلیتے ہیں جس کو حق یا ڈالی کہا جاتا ہے یعنی اس باغ سے اتنا

ہیں کیا یہ کاروبار شرعاً درست ہے؟ (مولانا) ہمایوں کبیر خطیب وامام مسجد انوار مدینہ ایندھوفن

الجواب بعون الملک الوھاب ۸۶/۹۲

جانوروں کی جفتی کی رقم وصول کرنا شرعاً جائز نہیں اور نہ ہی اس وصول شدہ آمدنی کو استعمال کرنا درست ہے۔ بیہقی شریف اور دارقطنی وغیرہما کی روایات میں اس فعل سے ممانعت موجود ہے۔ لہٰذا اگر یہ صورت کسی علاقہ میں مروج بھی ہوجائے اور لوگ عام طور پر جانوروں کی جفتی کی اجرت لینے دینے لگیں جب بھی شرعاً اس کی اجازت نہیں ہوگی کیونکہ اسکی نہی نص شرع میں موجود ہے۔ عن ابی سعید الخدری قال نھی عن عسب الفحل (الیٰ آخر الحدیث)

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء مدینۃ الاسلام

دی ہیگ۔ ۲۵۔ ۹۔ ۱۹۸۹ء

۱۔ کاشت کی زمین بٹائی پر دینا
۲۔ باغات کو اجرت معدوم پر نگرانی میں دینا
۳۔ تجارت میں سرمایہ اور محنت کی شرکت

مسئلہ ۱۰۳۱/۱۰۳۲/۱۰۳۳: (مولانا) فیصل، مقیم دی ہیگ ۲۵-۵-۱۹۸۹ء

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ کاشتکاری کی زمین کو بٹائی پر دینا یعنی مالکِ زمین اپنی کاشتکاری کی زمین مزارع کو اس شرط پر دیدے کہ تم اس زمین میں کاشت کرو۔ پیداوار میں ہم دونوں آدھے آدھ رہیں گے اور کاشتکار اسی شرط پر زمین کو آباد کرے۔ کیا یہ صورت جائز ہے؟

۲۔ ناشپاتی، آم اور دیگر پھلوں کے درختوں کو اجرتِ معدوم پر نگرانی کے لئے کسی کے حوالے کردینا کہ تم اس باغ کی حفاظت ونگرانی کرو۔ پھلوں کے پختہ ہوجانے اور ٹوٹنے کے بعد تمہیں تمام پھلوں کا مثلاً سولھواں ۱/۱۶ حصہ ملے گا۔ اور نگراں اس کے لئے تیار ہوجائے تو نگراں کے لئے اس سے حاصل شدہ اجرت جائز ہے یا نہیں؟

۲ ایک شخص تجارت میں ماہر جفاکش اور دیانتدار ہے۔ لیکن تجارت کرنے کے لئے اس کے پاس روپئے نہیں ہیں۔ اور جو شخص اُسے تجارت کے لئے روپئے دینے کو تیار ہے اس کی شرط یہ ہے کہ منافع میں ہم دونوں نصفا نصف رہیں گے۔ لیکن نقصان کے ذمّہ دار صرف تم ہوگے۔ میری پونجی اپنی جگہ برقرار رہے گی۔ سوال یہ ہے کہ تجارت میں اس طرح کی شرکت جائز ہے یا نہیں؟

فیصل مقیم، استاذ الجامعۃ الغوثیہ دی ہیگ، نیدرلینڈ

۹۲ الجواب ــــــ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ ــــــ

صورتِ مسئولہ میں اوّل الذکر دونوں سوالات کا تعلق مسائلِ قیاسی سے ہے اور فقہائے کرام کے یہاں اصول عام ہے کہ عرف رواج کے بالمقابل مسائلِ قیاسیہ متروک ہو جاتے ہیں۔ ہرچند کہ مزارعت کی صورت مسئولہ ۱ جائز نہیں۔ مگر فقہائے احناف نے بھی عرف ورواج کی وجہ سے صورتِ مذکورہ کو جائز قرار دیا ہے۔ اور اب جبکہ اس کا تعامل اس قدر عام ہو گیا ہے کہ لوگوں کا اس سے روکنا ممکن نہیں ہے تو اصولِ شرع کا تقاضا یہی ہے کہ عام لوگوں کو اکلِ حرام سے بچایا جائے۔ اور حتّی الوسع اباحت کی صورت پیدا کی جائے۔ اور جب فقہاء متاخرین اور مفتیانِ کرام نے بلوئی عام کی وجہ سے صورتِ مذکورہ کو جائز قرار دیدیا۔ تو یہ عامۂ مسلمین کے لئے رحمت ووسعت ہے۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ حَمْدًا کَثِیْرًا۔ وھُوَ تعالیٰ اعلم

۲ اجرتِ معدوم کو اگر مقدار قسم اور حصہ وغیرہ سے مختص کر دیا جائے تو اُسے اجرتِ مجہول نہیں کہا جا سکتا اور نہ اسکے عدم جواز کا فتویٰ دیا جائے گا اور نہ ہی اس سلسلہ میں قفیز طحان والی روایت پیش کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ قفیز طحان میں اُس اجرت کی ممانعت ہے جو غیر موجود، غیر متعین اور غیر متمیز ہے ـــــ صورتِ مذکورہ فی السوال میں اگرچہ پھل غیر موجود ہے لیکن اس کی مقدار اور نوعیّت وغیرہ تو معلوم ہیں۔ اور عام طور سے یہی طریقہ معروف ومروّج ہے۔ لہٰذا حاصل شدہ اجرت نگراں کے لئے جائز ومباح ہے۔ اور باغات کو اس طرح کسی کی نگرانی میں دینا بھی مباح ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم

۳- اگر نفع و نقصان دونوں صورتوں میں سرمایہ دار شریک ہو تو شرکت جائز ہے ورنہ نہیں۔ شرکت کے معاملات میں شریعت مطہرہ سرمایہ دار اور عامل محنت شعار دونوں کی حق رسی کو ملحوظ رکھتی ہے ــــــ صورت مسئولہ میں سرمایہ دار عامل کا استحصال کرنا چاہتا ہے اور اپنے سرمایہ کے مقابلہ میں اس کی محنت کو کوئی حیثیت نہیں دیتا ہے اسلئے اس کا سرمایہ اس لائق نہیں کہ اس سے استفادہ کیا جائے ... شرکت کی تجارت جائز ہے مگر اس کے اصول وضوابط طرفین کے لئے نفع بخش اور غیر مضر ہونے چاہئیں تفصیلات کیلئے بہار شریعت کا مطالعہ کیجئے۔ واللہ سبحانہ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ نوری مسجد آمسٹرڈم

۲۹ مئی ۱۹۸۶ء

پھل توڑنے یا زراعت کاٹنے کی مزدوری

مسئلہ ۱۰۳۴ عبداللطیف بیسمر سترات آمسٹرڈم ۵-۱۲-۱۹۸۶

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ بعض علاقوں میں درختوں سے پھل توڑنے کیلئے جو مزدور رکھے جاتے ہیں ان کی کوئی مقررہ اجرت نہیں، بلکہ آپس میں یہ طے پاتا ہے کہ ہر سو پھل توڑنے پر مثلاً دو پھل اوسط سائز کے تمہیں ملیں گے۔ اور مزدور اس شرط پر راضی ہو کر کام کرتا ہے۔ کیا اس طرح کی اجرت دینا لینا جائز ہے؟

عبداللطیف منگل۔

۸۶/۹۲ الجواب ــــــ اللھم ہدایۃ الحق والصواب ــــــ

یہ بھی عرف و عادت پر منحصر ہے جہاں اس کا رواج نہیں اجرت معدوم ہونے کی وجہ سے معاملہ فاسد ہوگا لیکن جب اجرت کی وضاحت کر دی گئی اور مزدور از خود اس کے لئے راضی ہو گیا تو اب اجرت معدوم نہ رہی لہذا ایسی مزدوری جائز ہے۔ اور اگر اجرت کی وضاحت نہ ہو تو جہاں مزدوری کرنے کرانے کا یہی چلن ہو وہاں عرف و عادت اور تعامل کی وجہ سے جائز ہے۔ ہمارے ہندوستان میں بھی عام طریقہ سے دھان اور ربیع

وغیرہ کی کٹائی اسی طرح ہوتی ہے کہ مزدور کو کھیت اور کھلیان کی دوری یا پیداوار کی نوعیت کے حساب سے آٹھواں، بارھواں یا سولھواں حصہ ملتا ہے۔ اور اس پر عام تعامل ہے لہٰذا جائز و درست ہے۔ واللہ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ۔ نوری مسجد آمسٹرڈم

۵ر دسمبر ۱۹۸۶ء

یورپ کے ممالک اور بیع فاسد

یورپ میں لاٹری کا ٹکٹ خریدنا

مسئلہ ۱۰۳۵/۱۰۳۶: عابد علی۔ بوساطت مجلس علماء

۱۹-۲-۲۰۰۱ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہالینڈ یا جرمنی میں کسی مسلمان نے لاٹری کا ٹکٹ خریدا اور وہ جیت بھی گیا۔ اب اس رقم کو کس مصرف میں خرچ کیا جاسکتا ہے؟ جواب سے شادکام فرمائیں۔

عابد علی۔ بوساطت مجلس علماء۔ نیدرلینڈ

الجواب اَللّٰھُمَّ ھِدَایَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَاب

لاٹری کا ٹکٹ خریدنا حرام ہے کیونکہ وہ قمار (جوا) کا مقدمہ ہے "ومُقَدِّمَةُ الْحَرَامِ حَرَامٌ"، قمار شیطانی کارستانی ہے۔ لقولہ عزوجل رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ"، مسلمانوں کو بہر ممکن صورت اس سے بچنا لازم ہے۔

لیکن یہاں کے ممالک میں حربی (غیر مستامن کافر) کا مال عقد فاسد کے ذریعہ حاصل ہوجائے تو شرعاً ممنوع نہیں۔ چنانچہ بہارِ شریعت حصہ یازدہم ۱۱ میں ہے "جو عقد مابین دو مسلمانوں کے ممنوع ہے۔ اگر کافر حربی کے ساتھ کیا جائے تو منع نہیں مگر شرط یہ ہے کہ وہ عقد مسلم کے لئے مفید ہو اھ

لاٹری چونکہ عقد فاسد ہے اسلئے یہ ثابت ہوا کہ لاٹری کے ذریعہ بھی اگر حربی کا مال حاصل ہوجائے تو وہ مباح ہے یعنی حلال وطیّب ہے۔ لیکن لاٹری کا ٹکٹ خریدنے

میں زر اشتراء کے ضائع ہونے کا بھی کا اندیشہ ہے لہٰذا حرام ہے جس نے خریدا اس پر توبہ لازم ہے۔ مگر انعام کے نام پر جو رقم ملی وہ چونکہ بیع فاسد کے ذریعہ ملی جو غیر مستامن غیر ذمّی کافر سے ملی لہٰذا وہ مباح ہے۔ اسے جس مصرف میں چاہیں خرچ کر سکتے ہیں۔ فتاویٰ شامی میں اس کا صریح جزئیہ موجود ہے۔ او اخذ مالاً منهم بطريق القمار فذلك كله طيب له (ردالمحتار جلد ۴)

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ خادم امور شرعیہ اسلامک فونڈیشن

نیدرلینڈ۔ ۲۹-۲-۲۰۰۱ء

یورپ میں بینک کا منافع

مسئلہ ۱۰۳۷ :۔ سائل ۰۲۰-۰۶۲۸۶۷۵۵۹۱
۹-۴-۱۴۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہالینڈ میں گھر خریدنے کے لئے یہاں کے بینکوں اور فائننس کمپنیوں سے سود پر رقم لینا کیسا ہے؟ اور گھر خریدنے کے لئے جو رقم لی جاتی ہے، اس کے لئے زندگی کا بیمہ کروانا ضروری ہوتا ہے۔ اور جو سود کی رقم ادا کی جاتی ہے اس میں سے آدھا یا کچھ کم ۳۰٪ یا ۴۰٪ رقم حکومت کے ایک ادارہ سے واپس مل جاتی ہے اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ سائل ..... کراؤف عدنان نوری مسجد

الجواب ۹۶۷ ـــــــ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب ـــــــ

مال ماتحت دم کے ہوتا ہے لہٰذا مسلمانوں کا مال مالِ معصوم ہے کیونکہ اس کا دم معصوم ہے اور یہاں کے بینکوں، فائننس کمپنیوں اور غیر مسلموں کا مال مالِ مباح ہے کیونکہ ان سب کا دم دمِ معصوم نہیں۔ اور اصول یہ ہے کہ مالِ مباح و معصوم کے لین دین میں جو کمی و بیشی ہو وہ عند الشرع ربٰی (سود معروف) نہیں بلکہ مباح ہے۔ لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لا ربٰو بین المسلم والحربی فی دار الحرب۔، اگر مالِ مباح کے بدلے مالِ معصوم زیادہ دینا پڑے تو عند التحقیق والاحتیاط اس سے بچنا چاہئے۔

بعض علماء کے نزدیک زندگی کا بیمہ چونکہ غیر شرعی شرائط کے ساتھ مشروط ہے لہٰذا ناجائز ہے۔ لیکن امام اہلسنت علیہ الرحمہ کی تحقیق کے مطابق اگر اس کے لئے کسی ناجائز شرط کو پورا کرنا لازم نہ ہو اور نہ مال کا ضائع ہونا لازم آئے تو زندگی کا بیمہ کرانا جائز و درست ہے۔

بنام سود دی گئی زائد رقم کو اگر یہاں کی گورنمنٹ کا کوئی ادارہ واپس کرتا ہے اگرچہ اس رقم کا بعض حصہ ہی سہی۔ تو اس کا لینا جائز و مباح ہے کہ اس میں کوئی غدر نہیں۔ بلکہ وہ اپنی خوشی سے دیتے ہیں۔ کمافی الھدایہ "المال الذی حصل عن الحربی فھو مباح عند ابی حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہٗ، خادم الافتا مجلس علما، نیدرلینڈ

۹ ربیع الآخر ۱۴۲۲ھ

انسانی خون کی خرید و فروخت

مسئلہ ۱۰۳۸ :۔ (مولانا) ممتاز احمد، درونتن۔ ہالینڈ
۲۷-۵-۱۴۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ انسانی خون کی خرید و فروخت کا کاروبار شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

اس کو کئی طرح سے خریدا اور بیچا جاتا ہے۔ مثلاً جگہ جگہ شہروں میں بلڈ بینک قائم ہیں۔ رزق کی تنگی کا شکار یا پھر منشیات کی عادت سے لاچار لوگ تو ایسے بینکوں میں جاتے ہیں اور حسب ضرورت کئی کئی سیر بیچ خون وہاں کے ڈاکٹروں یا کمپاؤنڈروں کے ذریعہ نکلواتے ہیں پھر اسی بلڈ بینک کے کارندوں کے ہاتھوں بیچ ڈالتے ہیں ____

اور کبھی دلال قسم کے لوگ کاہل نوجوانوں کو دھوکہ اور لالچ دیکر ایسے مرکزوں میں لے جاتے ہیں اور ان کا خون پانی کے داموں میں انکے جسم سے نکلوا لیتے ہیں۔

پھر ضرورت پڑنے پر وہی بلڈ بینک جاں بلب مریضوں اور حاجت مندوں سے

حسب دل خواہ گراں قدر رقم لیکر وہی خون دیتے ہیں۔ بیماری میں مبتلا حضرات کو مجبوراً وہ خون خریدنا پڑتا ہے۔ جواب باصواب سے نواز کر شکریہ کا موقع دیں۔

ممتاز احمد، درون تن۔ ہالینڈ

۴۸۶/۹۲ الجواب ——— اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب ———

یہ ضروری نہیں کہ جس چیز کا استعمال بحالت اضطرار وضرورت جائز ومباح ہو اسکی بیع وشرا بھی عندالشرع جائز ہوجائے۔

ہر چند کہ علماء متاخرین نے عندالضرورۃ خون کے ذریعہ علاج کی اجازت دی۔ لیکن اسکی فروختگی کی اجازت واباحت کتب فقہیہ میں کہیں بھی فقیر غفرلہ القدیر کی نظر سے نہیں گزری (اور یہ ضروری نہیں کہ جو جزئیہ نظر فقیر سے نہیں گزری وہ کتب فقہ میں ہے ہی نہیں بہت ممکن ہے تلاش وجستجو سے اسکی کوئی نظیر یا بمثلہ وہی جزئیہ مل جائے) بلکہ اسکی ممانعت اور غیر جواز کے اشارات وجزئیات فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں۔

اگر بنظر تعمق دیکھا جائے تو اسکی ممانعت وحرمت کتاب الٰہی عزّوجل میں بھی موجود ہے ——— خون، انسانی زندگی کا جوہر ہے کہ جسم انسانی میں نہ اس کا حد سے زیادہ ہونا بہتر اور نہ بجانب کمی حد سے گزرنا مناسب، بلکہ تجربۂ اطبا کے مطابق اگر خون ضرورت سے زیادہ کم ہوجائے تو آدمی تپ دق اور کینسر وغیرہ مہلک بیماریوں کا شکار ہوجاتا ہے۔ اور جو اپنا خون بیچتا ہے گویا وہ موذی بیماریوں کو آنے کی دعوت دیتا ہے۔ اور قرآن پاک نے اس سے منع فرمایا "لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ"، پھر عندالضرورۃ کسی کو اپنا خون دینا یا کسی سے لینا اسی حد تک جائز ودرست ہے جو ضرر کا باعث نہ بنے۔ ورنہ دوسرے کو ضرر پہنچا کر خود فائدہ اٹھانے یا خود کو ضرر پہنچا کر دوسرے کو فائدہ پہنچانے کی اجازت ہی اسلام میں نہیں ہے۔ "لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ فِی الْاِسْلَامِ"، گوبر (گائے، بیل، بھینس وغیرہ کے پاخانے) کے ذریعہ بعض حالات میں فائدہ اٹھانا یعنی اسے کاشت کی زمین میں ڈالنا اس سے کھاد بنانا

عندالشرع جائز ہے لیکن اسکی خرید وفروخت ہمارے امام کے نزدیک جائز نہیں (کما فی الشامی ص۱۱۳)۔ اسی طرح موچیوں کو جوتا گانٹھنے کے لئے سور کے بال کو استعمال کرنے کی اجازت ہے۔ لیکن اس کی بیع جائز نہیں۔ فتح القدیر میں ہے۔

انما رخص للخرازین الانتفاع بشعرہ (الخنزیر) ضرورۃ، ولا یجوز بیعہ فی الروایات کلھا۔	موچیوں کے لئے سور کے بال سے ضرورتاً فائدہ اٹھانے کی اجازت ہے لیکن باتفاق روایات اسکے بال کی فروختگی جائز نہیں ہے۔

اور ہدایہ آخرین میں ہے ص۵۵۔

لا یجوز بیع شعر الخنزیر لانہ نجس العین، فلا یجوز بیعہ اھانۃ لہ ویجوز الانتفاع للخرز اھ	سور کے بال کی فروختگی جائز نہیں ہے کیونکہ وہ نجس العین ہے۔ اس کا کاروبار اسکی اہانت کے پیش نظر جائز نہیں ہے۔ ہاں موچی کیلئے ضرورتاً اسکے بال سے فائدہ اٹھانے کی اجازت ہے۔

یہیں سے ثابت ہوا کہ خونِ انسانی کا کرامۃً بیچنا جائز نہیں ہے۔ اور جہاں تک عندالضرورۃ خریدنے کا معاملہ ہے تو شرع شریف نے بقدر حاجت خریدنے کی اجازت دی ہے (تجارت کے لئے نہیں بلکہ رفع حاجت کے لئے)

فتح القدیر میں ہے۔ فلولم یوجد الا بالشراء جاز شراءہ۔	اگر قیمت کے بغیر نہ ملے تو عندالحاجۃ اس کا خریدنا بھی جائز ہے۔

بادی النظر میں عبارت بالا سے مفہوم ہوتا ہے کہ جب خریدنا جائز ہے تو شاید بیچنا بھی جائز ہوگا کیونکہ شراء بغیر بیع کے متحقق نہیں ہوتا۔ تو اس کا نہایت مفید جواب ہمارے فقہاء کرام دے چکے۔ درمختار میں ہے۔

لولم یوجد بلا ثمن جاز الشراء للضرورۃ وکرہ البیع فلا یطیب ثمنہ اھ	اگر بغیر قیمت کے خون نہ مل سکے تو ضرورتاً اس کا خریدنا جائز ہے لیکن اسکی بیع مکروہ تحریمی ہے تو اسکے حاصل شدہ قیمت مباح وطیب نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۲۷ / جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ

انسانی بالوں کا استعمال اور اسکی خرید وفروخت

مسئلہ ۱۰۳۹ :۔ محمد فیصل۔ دی ہیگ
۱۱-۴-۲۰۰۶

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام ان سوالات کے بارے میں کہ

۱۔ انسانی بالوں کو کھانے پینے کی چیزوں میں ملا دینے کے بعد وہ چیزیں قابلِ استعمال رہتی ہیں یا نہیں؟ اور ایسی چیزوں کا خریدنا بیچنا شریعت میں جائز ہے یا نہیں؟

۲۔ انسانی یا غیر انسانی نقلی بالوں کا گچھا (پراک) جو کبھی دوسرے انسانوں کا، کبھی جانوروں کا، اور کبھی نیلون وغیرہ کا ہوتا ہے جس کو عورت ومرد دونوں استعمال کرتے ہیں کبھی فیشن کے لئے اور کبھی گنجاپن چھپانے کیلئے۔

اس کا استعمال از روئے شرعِ اسلام جائز ہے یا نہیں؟

محمد فیصل عبدل

ROEZEN BURGST 13 – 2512 SM-DEN HAAG

۴۸۶/۹۲

الجواب ــــــــــ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الحق والصواب ــــــــــ

۱۔ زندہ یا مردہ انسانوں کے بالوں سے کسی طرح کا فائدہ اٹھانا ممنوع وناجائز ہے اور اس کا کھانا پینا اختیاراً واکراہاً حرام ہے۔

اسی طرح اس کی خرید وفروخت اور اس کا کاروبار ناجائز ہے۔

البحر الرائق میں ہے شعر الانسان والانتفاع بہ۔ ای لم یجز بیعہ والانتفاع بہ لان الآدمی مکرم ..... اھ

انسانی بال سے کسی طرح کا فائدہ اٹھانا (خواہ وہ کھانے پینے سے متعلق ہو یا خرید وفروخت) جائز نہیں ہے کیونکہ انسان اپنے تمام اعضاء انسانی کے ساتھ لائق تعظیم ہے۔

۲۔ انسانوں کے بال کی خرید وفروخت اور زیب وزینت کے لئے اس کا استعمال عورت ومرد کے لئے حرام ہے۔ کذا فی الاختیار شرح المختار

وصل الشعر بشعر الآدمی حرام سواء کان شعرھا او

شعر غیرھا الخ

(بال کو آدمی کے بال سے جوڑنا حرام ہے خواہ وہ بال اس کے اپنے ہی تراشیدہ ہوں یا کسی دوسرے آدمی کے ہوں)۔

بعض جانوروں اور نائیلون وغیرہ کے بنے ہوئے بالوں کے استعمال میں عورتوں کے لئے کوئی حرج نہیں (جائز ہے) لیکن مردوں کو اس سے بچنا چاہئے کہ زینت عورتوں کے روا ہے نہ کہ مردوں کے لئے ،،

فتاویٰ ہندیہ باب الکراھۃ جلد چہارم میں ہے۔

ولا باس للمرأۃ ان تجعل	عورتوں کے لئے اس کے گیسوؤں اور
فی قرونھا وذوائبھا من	چوٹیوں میں نقلی بالوں کا گچھا رکھنے میں
الوبر　اھ	کوئی حرج نہیں ہے۔

وبر اونٹ یا بلی کے بالوں کو کہتے ہیں جب جانوروں کا بال عورتیں زینت کے لئے استعمال کر سکتی ہیں تو نیلون وغیرہ کے بنے ہوئے بالوں کو استعمال کرنے میں کوئی قباحت وممانعت نہیں ہے۔　واللہ تعالیٰ اعلم۔ اور جس کا استعمال زینت کے لئے جائز ہے اس کا کاروبار بھی جائز ودرست ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواحد قادری غفرلہٗ اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۱۱ر اپریل ۲۰۰۱ء

کتاب الذبائح

ذبح کا اسلامی طریقہ

ذبح سے پہلے جانور کو اذیت دینی

۱۰۴۰
مسئلہ: ۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین ان مسائل میں کہ
۱۴۱۹ھ-۵-۲۴
۱۔ حلال جانوروں کے ذبح کرنے کا اسلامی طریقہ کیا ہے؟ ائمہ اربعہ کے اختلافات کے ساتھ سمجھائیے۔ ۲۔ حلال جانوروں کو نیم بیہوش کرکے مشینی ذبیحہ کا شرعاً کیا حکم ہے؟ سائل: مؤسسہ الحلال الطیب نیدرلینڈ

۸۶/۹۲
الجواب ـــــــ بعون الملک العلیم الوهاب ـــــــ

اسلامی طریق پر ذبح شرعی کی دو قسمیں ہیں۔ ذبح اختیاری، ذبح اضطراری۔ ذبح اختیاری ان حلال جانوروں کے ساتھ خاص ہے جو پالتو یا اہلی کہلاتے ہیں۔ یعنی جنہیں انسان عموماً پوستے پالتے اور وہ انسانوں سے مانوس رہتے ہیں مثلاً گائے، بکری اور مرغ وغیرہ۔ اور ذبح اضطراری ان حلال پرندوں اور چوپایوں کے ساتھ خاص ہے جو انسانوں کو دیکھ کر بے تحاشہ بھاگتے اور وحشی کہلاتے ہیں انسان انہیں عموماً پوستے پالتے نہیں اور وہ انسانوں سے غیر مانوس رہتے ہیں مثلاً نیل گائے، ہرن، خرگوش، کبوتر اور فاختہ وغیرہ۔

نوٹ: ۔ یورپ کے بعض ملکوں میں وحشی جانوروں کو بھی پالا پوسا جاتا ہے اور اُسے بہت حد تک انسانوں سے مانوس کردیا جاتا ہے لیکن وہ شاذونادر کے حکم میں ہے لہٰذا انہیں اہلی یا پالتو نہیں کہا جاسکتا

ذبح اختیاری کے لئے ذابح کا بوقت ذبح بہ نیت ذبح بِسْمِ اللّٰہِ پڑھنا اور دھار دار چیز سے حلال جانور کی گردن (لبّہ سے ڈاڑھی تک کا درمیانی حصّہ) کو آگے سے اس طرح کاٹنا کہ چار مشہور رگوں (حلقوم[1]، مری[2]، ودجان[3،4]) میں سے کم از کم تین کٹ جائیں شرط ذبح ہے۔ اگر ذبح کی شرطیں پوری نہ ہوں گی تو وہ شرعی ذبح نہیں کہلائے گا۔ دُرِّمختار میں ہے " وتشترط التسمیۃ من الذابح حال الذبح۔ وعن النبی صلی اللہ علیہ وسلم الذکاۃ ما بین اللبّۃ و اللحیین" و فی الردّ المحتار ص۲۰۶ " وذکاۃ الاختیار بین الحلق و اللبّۃ" و فی الردّ المحتار ایضاً " کان الذبح فوق العقدۃ حصل قطع ثلاثۃ من العروق" حضرت علّامہ شامی نے تین رگوں کے ساتھ فوق العقدہ کی قید اسلئے لگائی کہ لبّہ سینے کے اُس اوپری حصّہ کو کہا جاتا ہے جس پر جانوروں کے ہار پڑے رہتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ ذبح سینے پر نہیں بلکہ گردن کے اگلے حصّہ پر ہوتا ہے اسلئے فوق العقدہ کی وضاحت ضروری تھی۔

ذابح کا مسلمان یا اہلِ کتاب (غیر مشرک) ہونا بھی صحتِ ذبح کے لئے ضروری ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کو حکمِ الٰہی ہوا۔ اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ، مگر جسے تم خود ذبح کر لو (مائدہ ۳) پھر ارشاد ہوا، وَاذْکُرُوا اسْمَ اللّٰہِ عَلَیْہِ" اس پر اللہ کا نام لیا کرو (مائدہ ۴) اور اہلِ کتاب کے ذبیحہ سے متعلق ارشاد ہوا" طَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمْ وَطَعَامُکُمْ حِلٌّ لَّھُمْ اور ان لوگوں کا کھانا جنہیں کتاب دی گئی تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے۔ (مائدہ ۵)

اس آیۂ کریمہ میں عند الجمہور طعام سے مراد وہ جانور ہے جسے ذبح کیا جاتا ہے — یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ جس طرح مسلمان اور اہلِ کتاب کے علاوہ جملہ کفّار و مشرکین کا ذبیحہ مردار ہے، اسی طرح بلکہ اس سے بدتر حکم مرتدین و ملحدین کا کہ ان کا ذبیحہ بھی مردار و حرام ہے خواہ وہ مرتد عن الاسلام ہوں مثلاً مرزائی، دیوبندی، تبرائی وغیرہ یا مرتد عن اہل الکتاب ہوں مثلاً آج کل کے عام عیسائی و یہودی جو اصل میں

بد دین وملحدین ہیں سوائے بعض بعض کے۔ درمختار میں ہے " لا ذبیحۃ غیر کتابی من وثنی ومجوسی ومرتد اھ اہل کتاب میں سے جن کا مرتد وملحد ہونا متحقق نہ ہو فی زماننا ان کے ذبیحہ سے بھی پرہیز ہی چاہئے۔ امام المحققین اعلیحضرت علیہ الرحمہ اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں الاحتیاط واجب لان فی حل ذبیحتھم اختلاف العلماء کما بیّناہ فالاخذ بجانب الحرمۃ اولی (فتاوی رضویہ ص۳۲۹ ج۸)

ذبح اضطراری یا ذبح ضروری ان جانوروں کے ساتھ خاص ہے جو وحشی کہلاتے اور انسانوں کے ساتھ مانوس نہیں ہیں۔ ردالمحتار کتاب الذبائح ص۲۰۶ ج۵ میں ہے " وذکاۃ الضرورۃ ای فی صید غیر مستانس ونحوہ الخ اس ذبیحہ میں جانوروں کی گردن کے رگوں کا کاٹنا ضروری نہیں ہے۔ البتہ بذریعہ تیر ودیگر آلۂ جارحہ یا سدھائے ہوئے کتے، باز، شکرہ وغیرہ کے اختیار میں نہ آنے والے جانوروں کے جسم سے خون کو بہا دینا اور شکاری جانوروں نیز تیر وغیرہ چھوڑتے وقت بسم اللہ کہنا ہے۔ کما فی الرّد المحتار کتاب الصید جلد خامس، وذکاۃ الضرورۃ جرح فی ایّ موضع من البدن اھ ص۳۱۲ وفیہ ایضًا وتشترط التسمیّۃ من الذابح حال الذبح او الرّمی لصید او الارسال " اھ۔

ذبح اختیاری اور ذبح اضطراری کے اندر ایک خاص فرق بھی ہے کہ ذبحِ اختیاری میں ذابح کو چھری پر نہیں بلکہ جس جانور کو ذبح کرنا مقصود ہے اس جانور پر بسم اللہ پڑھنا لازم ہے۔ جبکہ ذبح اضطراری میں شکار پر نہیں بلکہ شکار کو پکڑنے والے جانور پر یا تیر چھوڑتے وقت تیر پر بسم اللہ کہنا ہے۔ مثلاً زید نے ہاتھ میں چھری لی اور بکری کو ذبح کرنے کے لئے پچھاڑا اور بسم اللہ کہا پھر کسی وجہ سے اُس بکری کو بدل دیا اور دوسری بکری پہلی بکری کی جگہ آگئی اور ذابح نے نئے سرے سے بسم اللہ نہیں کہا بلکہ پہلے کہے ہوئے بسم اللہ پر اس دوسری بکری کو

ذبح کردیا تو عندالشرع یہ مذبوحہ بکری حلال نہیں ہوئی۔

بخلاف اس تیر یا شکاری جانور کے جس کو بسم اللہ کہکر ایک مخصوص حلال وحشی جانور پر چھوڑا مگر اس مخصوص جانور کی بجائے تیر کسی دوسرے حلال جانور کو لگ گیا جس سے وہ زخمی ہوکر مرگیا ــــ یا شکاری کتے وغیرہ نے بجائے اس مخصوص جانور کے کسی دوسرے حلال جانور کو دبوچ لیا اور زخمی کردیا جس سے وہ مرگیا تو یہ دونوں دوسرے جانور عندالشرع حلال وجائز ہیں۔ امام الفقہا صاحب الترجیح حضرت قاضی خاں فرماتے ہیں" الشرط هو التسمية على الذبيحة دون السكين وذلك لا يختلف باختلاف السكين وانما يختلف باختلاف المذبوح ولهذا لو ترك تلك الشاة واخذ اخرى وذبحها بتلك الشاة لا تحل اھ (فتاوی قاضی خاں علی الھامشۃ الھندیہ ص۳۶۹)

اور امام المعتمدین حضرت علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں" قال فی الهداية ثم التسمية فى ذكاة الاختيار تشترط عند الذبح وهى على المذبوح. وفى الصيد تشترط عند الارسال والرمى وهى على الآلة الخ (ردالمحتار ص۲۱۲ ج۵)

پھر اسی فتاوی شامی میں ہے" اذا اضجع شاة وسمى وذبح غيرها بتلك التسمية لا يجوز اھ (شامی علی الدرالمختار)

ذبح اضطراری میں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ جب سدھایا ہوا پرندہ یا چوپایہ جانور کسی شکار پر چھوڑے تو وہ شکار ان شرطوں کے ساتھ حلال ہوگا ۱: شکار کرنے والا جانور کسی مسلمان کا ہو اور شکار کا طریقہ اسے سکھا دیا گیا ہو۔ ۲: اس نے شکار کو زخم لگاکر مارا ہو۔ ۳: شکار کرنے والا جانور بسم اللہ کہکر چھوڑا گیا ہو۔ ۴: اگر شکاری کے پاس شکار زندہ پہنچا ہو (اگرچہ زخم کھایا ہوا ہو) تو اسے بسم اللہ اللہ اکبر کہکر کسی صالح ذبیحہ نے ذبح کیا ہو۔ ۵: تیر سے شکار کرنے میں بھی مذکورہ بالا شرطوں کا لحاظ ضروری ہوگا۔ (ضیاء القرآن حاشیہ سورہ المائدہ ۵) ذبح اضطراری کے یہ تمام

مسائل غیر مُحرم اور غیر حرم کے لئے ہیں۔ حرم شریف میں اگر ذبح اضطراری کی تمام شرطیں بھی پائی جائیں تو مذبوحہ حرام رہے گا اور مُحرم پر دم لازم آئے گا ——

علمائے احناف اور ناقلین فتاویٰ بلکہ مفتیوں پر بھی واجب ہے کہ وہ اپنے مذہب مہذب پر فتاویٰ دیں اور نقل غیر کی نجاست سے بچیں۔ سائل اگر اختلافاتِ ائمہ کی تفصیل چاہتا ہے تو ائمہ اربعہ کی معتمد کتابوں کا مطالعہ کرے۔ یا کم از کم رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمہ کتاب الصید والذبائح ص۱۲۳۔ فتاویٰ ائمۃ المذاہب الاربعہ اور الفقہ علی المذاہب الاربعۃ مباحث الصید والذبائح للعلامۃ الجزیری ہی کو دیکھ لے۔

وھو تعالیٰ اعلم

الجواب ۲: ذبح شرعی سے پہلے جانوروں کو بذریعہ الیکٹرک شاک یا بذریعہ پستول دھماکہ، یا کوئی وزنی چیز سر پر مار کر نیم بیہوش کر دینا انہیں عبث اذیت دینی اور تکلیف میں مبتلا کر دینا ہے جو شرعاً جائز نہیں لاضرر ولاضرار فی الاسلام "

یورپ امریکہ کے جن ملکوں میں اس بات کی پابندی ہے کہ بغیر بیہوش کئے ہوئے جانوروں کو ذبح نہیں کر سکتے وہاں مسلمانوں کے لئے مجبوری ہے کیونکہ اس اذیت والے قانون کو دفع کرنے پر وہ قادر نہیں ہیں۔

جانور اگر بیہوش یا نیم بیہوش ہو اور ذبح کے وقت اس کی زندگی کے آثار ظاہر ہوں تو بعدِ ذبح وہ مسلمانوں کے لئے جائز وحلال ہے کیونکہ امام الائمہ سیدنا امام اعظم علیہ الرحمہ والرضوان کے نزدیک صحتِ ذبح کے لئے مطلقاً حیات درکار ہے اگرچہ خفیف سے خفیف تر ہو جیسا کہ ہدایہ میں ہے " لوانہ ذکاہ حل اکلہ عند ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فیہ حیاۃ خفیفۃ او بینۃ و علیہ الفتوی لقولہ تعالیٰ " اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ " مطلقاً من غیر فصل الخ

مشین کے اندر ذابح ہونے کی شرعی صلاحیت نہیں کہ نہ وہ مکلّف ہے نہ تسمیہ جانے اور نہ ذبح کا شرعی طریقہ۔ لہٰذا مشینی ذبیحہ مسلمانوں کے لئے مثل مُردار ہے۔

ذبح اختیاری میں یہ بات واضح کردی گئی کہ ذابح کا مسلمان یا حاملِ دینِ سماوی ہونا پھر اُس کا بسم اللہ پڑھنا اور حلال جانوروں کے مخصوص مقام پر مخصوص رگوں کو کاٹنا مذبوحہ کے حلال ہونے کی شرط ہے اور مشین ان شرائط میں سے کسی شرط کے پوری کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

فقہاء کرام نے ذابح کے لئے یعقل التسمیۃ کی بھی قید لگائی ہے چنانچہ شرابی مسلمان یا مجنون دیاگل مسلمان کا ذبیحہ بھی اسی شرط پر حلال وجائز قرار دیا ہے جبکہ وہ تسمیہ کے متعلق یہ جانتا ہو کہ یہ ذبح کے لئے مامور ہے اور بذات خود ذبح کرنے کی طاقت بھی رکھتا ہو۔ جیسا کہ فتاویٰ بزازیہ میں ہے "وذبح المجنون والصّبی والسّکران یجوز اذا کان یعقل التسمیۃ والذبح یعنی یعلم ان التسمیۃ مامور بہا ویطیق الذبح اھ (کتاب الذبائح علی الھامشۃ العالمگیریہ ص۳۰۵) اور مشین کا حال یہ ہے کہ نہ وہ عاقلُ التّسمیّۃ ہے نہ ہی الیکٹرک کی طاقت کے بغیر ذبح کرنے کی صلاحیت وقوّت رکھتی ہے۔۔

جس شخص کو مشین کے قریب بِسمِ اللہ پڑھنے کے لئے مقرر کیا جاتا ہے۔ بفرضِ محال اگر اسے ذابح قرار دیا جائے اور مشین کو معینِ ذابح یا اس کا عکس تو بھی مشین ذبیحہ محض مردار ہوگا کیونکہ بسمِ اللہ کا پڑھنا یا کم از کم لفظ اللہ پکارنا ذابح اور معین ذابح دونوں پر لازم ہے (بخلاف ذبح اضطراری کے) درمختار میں فتاویٰ خانیہ کے حوالے سے ہے "وضع یدہ مع ید القصّاب فی الذبح واعانہ علی الذبح سمّی کلہ وجوبًا فلو ترکھا احدھما اوظنّ تسمیّۃ احدھما تکفی حرمت"۔ (ذبح کرتے وقت ذابح کے ہاتھ پر کسی دوسرے نے اپنا ہاتھ رکھ دیا اور ذبح کرنے میں اس کی مدد کی تو ذابح ومعینِ ذابح سب پر بِسمِ اللہِ پڑھنا واجب ہے۔ اگر ان دونوں میں سے کسی ایک نے بھی بسم اللہ پڑھنا چھوڑ دیا اور یہ گمان کیا کہ ایک کا بسمِ اللہ پڑھنا کافی ہے تو باوجود ذبح ہونے کے وہ جانور حرام ہو گیا"

پھر اگر مشین اور ذابح دونوں ہی کو ذابح قرار دیا جائے تو دونوں ہی پر نصًّا واجماعًا تسمیہ واجب ولازم ہوگا۔ اور یہ روشن من الشمس ہے کہ مشین یا چھری یا بجلی کی رَو بسم اللہ پڑھنے اور دین سماوی کا اہل ہونے کی کُلّیۃً صلاحیت ہی نہیں رکھتی ہیں۔ لہٰذا اس صورت میں بھی مشینی ذبیحہ حرام و مردار اور محض بیکار رہے گا۔

ردّالمحتار میں ہے۔

ولاتحل ذبیحۃ من تعمّد ترك التّسمیۃ مسلمًا اوکتابیًّا لنص القرآن والاجماع ص۲۱۱ — جس مسلمان یا کتابی نے جان بوجھ کر وقتِ ذبح بسم اللہ پڑھنا چھوڑ دیا تو حکمِ قرآن اور اجماع کے مطابق اس ذبیحہ کا کھانا حلال نہیں ہے۔

وفیہ ایضًا اذاکان الذابح اثنین فلوسمّی احدھما وترك الثانی عمدًا حرم اکلہ اھ — پھر اسی ردّالمحتار میں ہے کہ اگر دو شخص مل کر ذبح کیا، ایک نے بسم اللہ پڑھا اور دوسرے نے عمدًا چھوڑ دیا تو اس کا کھانا حرام ہو گیا۔

اور اگر مشینی چھری کو تیر یا سدھائے ہوئے شکاری جانور پر قیاس کریں جیسا کہ یورپ میں مقیم بعض مفتیان نے قیاس کیا تو یہ قیاس مع الفارق ہے کہ مسئلہ متنازعہ اہلی جانوروں سے متعلق ہے نہ کہ وحشی اور غیر مانوس جانوروں سے اگر وحشی حلال جانوروں کو اگر انسانوں نے پالا پوسا تو اس کے لائقِ اکل ہونے کے لئے بھی ذبح اختیاری ضرور ہے ذبح ضروری سے وہ چوپایہ جانور حلال نہیں ہوگا۔ سوال مذکور گائے، بھیڑ، بکری اور خصوصًا مرغ وغیرہ کے ذبیحہ سے متعلق ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ تمام جانور اہلی اور پالتو ہیں۔ جس کو حلال اور لائق اکل ہونے کے لئے شرعًا ذبحِ اختیاری ضروری ہے اور ذبحِ اختیاری کا شرعی حکم اور طریقہ جواب ۱ میں گزر چکا۔

واللہ تعالیٰ تبارک وتعالیٰ اعلم ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتا بجامعہ مدینۃ الاسلام دی ہیگ

۲۴ر جمادی الاول ۱۴۱۹ھ ۔ ۱۶ر ستمبر ۱۹۹۸ء

عیسائی ہوجانے والوں کا ذبیحہ

مسئلہ ۱۰۴۱:- ایم، ڈی محسن کرالن بیک ۲۹ آمسٹرڈم
۲۰۰۱-۱۱-۷

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید جو پہلے مسلمان تھا کسی لالچ میں آکر اب عیسائی ہوگیا ہے۔ اس کا ذبیحہ مسلمانوں کے لئے حلال ہے یا نہیں؟ جب اس سے ذبح کی کیفیت دریافت کی گئی تو اس نے بتایا کہ پہلے میں صرف بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرتا تھا۔ لیکن اب بسم اللہ ولابنہ المسیح وروح القدس کہہ کر ذبح کرتا ہوں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید مذکور کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال ہے یا حرام؟

آپ کا خادم: ایم ڈی محسن

الجواب ۹۲/۸۶ ــــــــ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب ــــــــ

زید مذکور جو نہ مسلمان ہے نہ کتابی، بلکہ شرعاً مرتد محض ہے اس کا ذبیحہ حرام و مردار ہے اگر وہ صرف بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر کسی حلال جانور کو ذبح کرتا جب بھی اس کا ذبیحہ حرام و مردار ہی ہوتا اور جن کلمات شرکیہ کے ساتھ اس نے ذبح کیا۔ اگر کوئی اہل کتاب بلکہ مسلمان بھی ان ناموں کے ساتھ ذبح کرتا جب بھی مذبوحہ حرام و مردار ہی ہوتا جیسا کہ فتاویٰ ہندیہ میں ہے۔

انہ سمّی المسیح علیہ السلام وحدہ او اسم اللہ سبحانہ و سمی المسیح لاتوکل ذبیحتہ اھ	اگر کسی اہل کتاب نے ذبح کے وقت صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام لیا یا اللہ تعالیٰ اور حضرت عیسیٰ دونوں کا نام لیا جب بھی اس کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔

ہر اس اہل کتاب کا ذبیحہ حرام و مردار ہوجاتا ہے جو اللہ کے نام کے ساتھ ساتھ حضرت عیسیٰ مسیح یا حضرت جبرئیل روح القدس کا نام لیکر ذبح کرتا ہے۔ یعنی ذبح کے وقت صرف اللہ ہی کا نام پکارا جائے۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے "منھا تجرید اسم اللہ تعالیٰ من غیرہ وان کان اسم علیہ الصلاۃ والسلام۔

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ
یکم جمادی الآخرۃ ۱۴۲۲ھ

ہالینڈ میں مرغیوں کے ذبح کرنے کا طریقہ

مسئلہ: حاجی اصغر علی عبدل آمسٹرڈم ۱۰۴۲۷

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مذبح میں ہم لوگ یہ دیکھنے گئے کہ یہاں مرغیوں کو کس طرح ذبح کیا جاتا ہے تو دیکھا کہ ایک لائن سے آہنی سیڑھیوں کے ذریعہ مرغیاں جارہی ہیں بیچ میں گرم پانی کا فوارہ اس پر چھوڑا جاتا ہے جسکی وجہ سے مرغیاں نیم بیہوش ہوجاتی ہیں۔ اور جہاں پر وہ ذبح کی جاتی ہیں وہاں تین چار مسلمان (مراکش، الجیریا، اور ترکی کے رہنے والے) چھری لیکر کھڑے رہتے ہیں۔ پہلا آدمی ایک مرغی کو ذبح کرتا ہے دوسری اور تیسری کو چھوڑتا ہے، دوسرا مسلمان دوسری کو ذبح کرتا ہے تیسری کو چھوڑتا ہے۔ تیسرا مسلمان تیسری مرغی کو ذبح کرتا ہے اور چوتھا مسلمان صرف اس لئے کھڑا رہتا ہے کہ اگر اتفاقاً کوئی زندہ مرغی بچ گئی تو وہ اسے ذبح کرے۔ پھر ذبح کے درمیان یہ چاروں آپس میں بات چیت بھی کرتے رہتے ہیں۔

اس طرح روزانہ پندرہ ہزار سے بیس بائیس ہزار تک مرغیاں ذبح ہوتی ہیں پھر بکسوں میں پیک کرکے اس پر حلال کا لیبل لگاتے ہیں پھر ملک اور غیر ملک میں وہی مرغیاں سپلائی ہوتی ہیں۔

جب ذبح کے اس صورتِ حال کو ہم لوگوں نے دیکھا تو ہمارے ایک عالم دین نے ان ذابحین سے انہیں کی زبان میں پوچھا کہ آپ لوگ ذبح کے وقت کیا پڑھتے ہیں؟ کیا ہر مرغی کو ذبح کرتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہتے ہیں؟ تو اس سوال کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ ہم لوگ باوضو ہوتے ہیں پہلے ذبح کی نیت کرتے ہیں پھر دس بیس مرغیوں کو بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرتے ہیں اس کے بعد بغیر بسم اللہ پڑھے ذبح کرتے رہتے ہیں...... ہمارے عالم دین نے اُن سے فرمایا کہ ہر جانور کے ذبح پر اللہ کا نام پکارنا ضروری ہے۔ اگر اللہ کا نام نہیں لیا گیا تو وہ جانور حرام ہوگیا،

اب ہزار مرغیوں میں سے آپنے دو چار سو مرغیوں کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیا اور بقیہ پر نہیں لیا حالانکہ وہ ساری مرغیاں آپس میں مل گئیں تو مذبوحہ اور غیر مذبوحہ کی تمیز ناممکن ہوگئی اس طرح کل کی کل مرغی حرام و نجس ہوگئی۔

مولانا صاحب کی بات سنکر ان لوگوں نے کہا کہ ہم لوگ مسلمان ہیں اور ہر مسلمان کے دل میں اللہ ہے۔ جب آپ چار رکعت نماز پڑھتے ہیں تو ہر رکعت کے لئے نہ تو نیت کرتے ہیں نہ ہر رکعت پر تکبیر تحریمہ پکارتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا جب آپ مسلمان ہیں تو آپنے دس بیس مرغیوں پر تکبیر کیوں پکاری؟ آپ کا عمل ہی بتا رہا ہے کہ ذبح کے وقت تکبیر پکارنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کا صاف و صریح ارشاد ہے۔

" فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ ہ

یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو مانتے ہو تو انہیں مذبوحہ جانوروں میں سے کھاؤ جن پر اللہ کا نام لیا گیا ہو" اور آپ لوگ جب بغیر اللہ کا نام لئے ذبح کرتے ہیں تو اس کا کھانا کیسے حلال ہوگیا؟ آپنے جو نماز کی مثال دی وہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ جب چار یا تین یا دو رکعتوں کی ایک نماز ہے تو ایک ہی نیت اور ایک ہی تکبیر تحریمہ کافی ہے اسی لئے میں آپسے یہ نہیں کہتا ہوں کہ دو پاؤں والے جانور پر ایک بار تکبیر پکاریئے اور چار پاؤں والے پر دو بار۔ یا مرغی کے حلقوم پر الگ پاؤں پر الگ اور پروں پر الگ تکبیر پکارا کیجئے۔ میں تو صرف یہ کہتا ہوں کہ ہر ایک جان پر ایک تکبیر کافی ہے۔ ہاں اگر ایک جانور کے ذبح کرنے میں چند معاونین شریک ہیں تو ہر ایک کو تکبیر پکارنی ہوگی۔

اب سوال یہ ہے کہ جس طریقہ سے یہاں مرغیوں کو ذبح کیا جاتا ہے کیا از روئے شرع اُن مرغیوں کو کھانا جائز و حلال ہے؟

حاجی اصغر علی عبدل عرف انبالہ آمسٹرڈم

۹۲ الجواب ـــــــ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب ـــــــ

مولانا مذکور نے عوامی انداز میں صحیح طریقہ سے سمجھانے کی کوشش کی خدا کرے کہ اُن ذبح کرنے والوں کی سمجھ میں یہ دینی بات آجائے۔ ہر جاندار حلال جانور کے حلقوم

پر چھری چلاتے وقت اللہ کا نام لینا ضروری ہے خواہ وہ بسم اللہ اللہ اکبر کہے یا اللہ اکبر کہے یا کم از کم اللہ کہے۔ ذبح کے وقت بغیر اللہ کا نام لئے کوئی حلال جانور لائق اکل نہیں ہوتا۔

اگر ہزار مرغیوں میں سے نوسو ننانوے (۹۹۹) مرغیوں پر ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیا اور ایک مرغی پر ذبح کے وقت اللہ کا نام نہیں لیا پھر اس ایک مرغی کو نوسو ننانوے میں ملادیا کہ اس کی پہچان باقی نہ رہی تو ہزار مرغیوں میں سے کوئی مرغی کھانے کے قابل نہ رہی۔

مذبح مذکور کی مرغیوں کے بکس پر ایک نہیں ہزار حلال کا لیبل لگا دیا جائے اس کا کھانا مسلمانوں کو حلال نہ ہوگا۔ المسئلة کلها مصرحة فی کتب الفقة

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ۔ اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ ۲۷ مارچ ۲۰۰۰ء

ہالینڈ میں ذبیحہ کا ایک اور طریقہ

مسئلہ ۱۰۴۳: اسحاق بھولی، نارتھ آمسٹرڈم ۲۰۰۰-۹-۱۱

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ یہاں ایک بڑے جانور کا (سلاٹر ہاؤس) ذبح خانہ ہے جہاں روزانہ بارہ سو سے دو ہزار تک گائے یا بچھڑے ذبح ہوتے ہیں، سلاٹر ہاؤس اگرچہ عیسائیوں کا ہے مگر مسلمانوں کی رعایت کرتے ہوئے کمپنی والوں نے تین چار مسلمان کو ذبح کرنے کیلئے ملازم رکھا ہوا ہے۔ ایک دن تین چار آدمیوں کے ساتھ ہم لوگ اس سلاٹر ہاؤس کے انتظام اور طریقۂ کار کو دیکھنے کے لئے گئے کمپنی کے کارندوں نے ہمارا استقبال کیا اور مخصوص لباس پہنا کر ہم لوگوں کو سلاٹر ہاؤس کے اندر لے گئے۔ صفائی وستھرائی اور طریقۂ کار کو دیکھ کر ہم لوگ خوش ہوئے لیکن بچھڑوں کے ذبح کا عجیب وغریب انداز دیکھنے میں آیا وہ یہ کہ بچھڑے ایک لائن سے آگے بڑھ رہے تھے۔ آگے والا بچھڑا جب لائن کی

انتہا پر پہنچ گیا تو ایک شخص وہاں کھڑا ہوا تھا جس کے ہاتھ میں لوہے کا ایک بڑا سا ہتھوڑا نما ایک چیز تھی جس کا تعلق الیکٹرک لائن سے تھا اس ہتھوڑے کو بچھڑے کے سر پر رکھا اور ہتھوڑا میں لگا ہوا ایک سوئچ دبا دیا۔ سوئچ کو آن کرتے ہی ہتھوڑے میں سے لوہے کا ایک گول سلاخ نکلا جو سر کی ہڈی کو توڑتا ہوا بچھڑے کے حلق تک جا پہنچا کیونکہ اس سلاخ کی لمبائی دس بارہ انچ اور گولائی دو ڈھائی انچ تھی ...... پھر وہ بچھڑا وہیں پر گر گیا اور ایسا بے حس و حرکت ہو گیا کہ جب اسکے پاؤں کو اٹھا کر کسی نے اس میں زنجیر پہنائی تو وہ ذرا بھی حرکت نہیں کرسکا۔ ادھر اس کے منہ سے زبان بھی باہر آگئی۔ پھر ایک شخص نے ایک سوئچ دبایا جس کی وجہ سے زنجیر نے بچھڑے کو اوپر کھینچ لیا اور وہ زنجیر سے لٹک گیا پھر ایک مسلمان چھری لیکر آگے بڑھا اور اس کے حلقوم میں پھیر دیا۔ ذبح کے بعد اس کے حلقوم سے کافی مقدار میں خون بھی خارج ہوا۔

سوال یہ ہے کہ یہ ذبیحہ از روئے شرع صحیح ہوا یا نہیں؟ نیز اس بچھڑے کا کھانا مسلمانوں کے لئے جائز ہے یا ناجائز و حرام؟ بینوا و توجروا۔

صاحب دین و اسحاق بھوئی، آمسٹرڈم

۴۸۶/۹۲ الجواب ــــــ بعون العلام الوھاب ــــــ

آہنی سلاخ کے کاری ضرب لگنے سے بچھڑے کا بے حس و حرکت ہو جانا پھر زبان کا باہر آجانا، پھر اسے اٹھانے لٹکانے پر بھی حرکت میں نہ آنا اس کی موت کی علامتیں ہیں، لیکن وقتِ ذبح کافی مقدار میں خون نکلنا اس کی حیات کی علامت ہے ایسے جانور جسے بے دھار کے سلاخ سے مار کر بیہوش کر دیا گیا ہو۔ قرآن پاک میں الموقوذہ فرمایا گیا ہے۔ جب وقتِ ذبح حیات کی علامت یقینی طور پر پائی گئی تو وہ حلال و طیب ہے۔ فتاویٰ عالمگیری ص۲۸۶ج۵ میں ہے واذا علمت حیوتہا یقینا وقت الذبح اکلت بکل حال اھ ذبح کے وقت یقینی طور پر جانور کی زندگی معلوم ہو جائے تو ہر حال میں وہ حلال ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

یہ تو آپ کے سوال کا شرعی جواب تھا لیکن میرا مشورہ ہے کہ کسی مشاق وتجربہ کار ڈاکٹر سے اُس بیہوش جانور کا معائنہ کرایا جائے اگر وہ بالیقین کہدے کہ اس کے اندر حیات موجود ہے صرف دہشت کی وجہ سے اس کی یہ صورت حال ہوگئی ہے۔ تب تو اس کے حلال ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ ہاں یہ تکلیف جو قبل ذبح اسے پہنچائی گئی ناجائز وحرام ہے" لاضرر ولاضرار فی الاسلام "

اور اگر ڈاکٹر اس کی موت ڈیکلیر کردے تو نام نہاد ذبح سے وہ حلال نہیں ہوجائے گا۔ فقط کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہٗ اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۱۱ ستمبر ۲۰۰۰ء

مرغ کو ذبح کرنے کے بعد گرم پانی میں ڈالنا

مسئلہ ۱۰۴۴: احسان الرحمن فیضانی
۲۰۰۱-۴-۱۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مرغی کو ذبح کرنے کے بعد گرم پانی میں ڈالدیتے ہیں تاکہ اس کے پر (پنکھ) آسانی سے نکل جائیں، اور بعض لوگ مذبوحہ مرغی کو آگ میں جھلسادیتے ہیں تاکہ اس کے روئیں جل جائیں چونکہ ان مرغیوں کے پیٹ میں نجاست غلیظہ کا تھیلا موجود ہوتا ہے لہٰذا بہت ممکن ہے کہ نجاست کا اثر اس کے گوشت میں پہنچ چکا ہو اس لئے یہ بتانے کی زحمت گوارہ کی جائے کہ مذکورہ مرغی کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں ؟

ای آر فیضانی رہروا یرو نوٹیکس کالج کومبٹور تامل ناڈو

الجواب ـــــ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب ـــــ

صرف گرم پانی میں ڈال کر مرغی کو نکال لینے سے اس کی نجاست تھیلے سے نکل کر گوشت میں سرایت نہیں کرسکتی ہے میں نے خود مرغیوں کو گرم ہوتے ہوئے دیکھا اور گرم کرنے والوں سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ یہ پانی چالیس ڈگری پر گرم ہوتا ہے جس کا اثر مرغ کی چمڑیوں تک ہوتا ہے اور پر آسانی سے نکل جاتے

ہیں۔ جب یہ پانی اسّی ڈگری پر گرم کیا جائے گا تو مرغی کے پیٹ کی نجاست اس سے متاثر ہوگی۔

بہرحال جب تک ظنِّ غالب ہے اس کی نجاست کا اس کے گوشت میں سرایت کرنا مفہوم نہ ہو گوشت کے ناپاک ہونے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ پھر یہ کہ مرغی کھانے والے ہر مرغی کو بار بار دھونے کے بعد ہی پکاتے ہیں۔ لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ ذبح کے بعد اس کے حلقوم کو دھولیا جائے اور اس کے پیٹ کی نجاست نکال دی جائے پھر اسے گرم پانی میں رکھیں یا جھلسائیں۔

طحطاوی میں ہے فالاولیٰ قبل وضعہا فی الماء المسخن ان یخرج مافی جوفہا ویغسل محل الذبح ممّا علیہ من دم مسفوح تجمد۔ اھ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہٗ۔ اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۱۹؍اپریل ۲۰۰۱ء

کتاب الحلال والحرام

(حلال وحرام کا بیان)

یورپین کاس (پنیر)

مسئلہ ۱۰۴۵ :- فیصل عبدل۔ دی ہیگ
۱۴۱۲-۴-۲۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ پنیر (کاس یا پنیر) جو دودھ سے بنتا ہے اور اس میں دودھ کے علاوہ چند دوسری چیزوں کی بھی ملاوٹ ہوتی ہے جو حلال وجائز اشیا میں سے ہے لیکن ایک چیز ایسی بھی شامل کی جاتی ہے جس کے بارے میں ہم لوگوں کو شبہ ہے اور وہ ہے گائے کے زندہ بچہ کے ماخ (معدہ یا ہاضمہ) کا رَس۔ اس کا کھانا مسلمانوں کو حلال ہے یا حرام؟

الجواب ــــــــ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب ــــــــ

جس چیز (کاس، پنیر) میں گائے کے زندہ بچہ کے پیٹ سے دسومت (رَس) نکال کر ڈالا جاتا ہو اس کا کھانا حرام ہے اس سے مسلمانوں کو احتراز لازم ہے۔ اسلئے کہ حلال چوپایہ جانوروں کے جسم سے دودھ کے علاوہ جو عضو، یا حصہ بغیر ذبح شرعی کے علیحدہ کیا جائے اس کا کھانا شرعاً حرام ہے کما حققہ امام اہل السنۃ مجدد الملۃ فی فتاوی کتاب الذبائح۔ ہاں اگر گائے کے زندہ بچہ کو شرعی طور پر ذبح کرلیا جائے اور اس کا وہ حصہ بدن جو لائق اکل ہو کاس میں ڈالا جائے تو اس کا استعمال جائز ودرست ہے۔ آج کل کے سائنسدانوں اور اطبا،

نے اس کے اُس خاص جزء بدن کا بدل دریافت کرلیا ہے۔ جیسے سمندری بودا (ZEE WIER) کہا جاتا ہے۔ بہتر ہے کہ جیز (کاس) میں اسی کو استعمال کیا جائے جو کراہت وعدمِ جواز کے شبہات سے پاک ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء مدینۃ الاسلام

دی ہیگ۔ ۱۵-۴-۱۹۹۶ء

جانور کے چمڑوں اور پروں کا استعمال

مسئلہ ۱۰۴۶ :- مولانا حافظ عبدالرشید حلقۂ اشرفیہ روٹردم ۱۱-۴-۲۰۰۱ء

کیا فرماتے ہیں علماء ملتِ اسلامیہ ومفتیانِ دینیہ ان مسائل میں کہ

۱۔ غیر ذبیحہ مرغیوں اور حلال جانوروں کے پَر اور چمڑے کا استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

۲۔ ذبح شرعی کے بعد حلال جانوروں کے پَر اور چمڑوں کا استعمال خورد و نوش میں یا کسی اور طریقہ سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟

۳۔ حرام جانوروں کے پروں اور چمڑوں کا استعمال خورد و نوش میں یا اور کسی طریقہ سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟ بیّنوا وتوجروا

عبدالرشید۔ صدر مجلس علماء نیدرلینڈ بانی حلقہ اشرفیہ روٹرڈم

الجواب ۷۸۶/۹۲ ـــــ اللّٰھم ہدایۃ الحق والصواب ـــــ

۱۔ حلال جانور اگر بغیر ذبح شرعی کے مرجائے یا ذبح شرعی کے علاوہ کسی اور طریقے سے ذبح کیا جائے تو وہ مردار و حرام ہے۔ لیکن مردار جانوروں کا چمڑا دباغت (لوئینگ) کے بعد پاک ہو جاتا ہے۔ اس کی ہڈی اور پَر بھی پاک ہے۔ بشرطیکہ اس پر کوئی ناپاک دسولت (چکناہٹ) لگی ہوئی نہ ہو۔ اس کی خرید و فروخت اور خارجی استعمال جائز و درست ہے۔

درمختار میں ہے شعر المیتۃ غیر الخنزیر وعظمہا طاہر اھ ۔ سور کے علاوہ تمام مردار جانوروں کا بال اور اس کی ہڈیاں پاک ہیں۔

لیکن کسی مردار جانور کا چمڑا یا پَر یا کوئی دوسرا جزء بدن اگر چہ پاک ہو مسلمان خورد ونوش میں اسے استعمال نہیں کر سکتا کیونکہ وہ بہ نص قطعی حرام ہے حُرِّمَ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃُ (الآیۃ) وھو اعلم

۲۔ ذبح شرعی کے بعد حلال جانور کا چمڑا خورد ونوش کے سامان میں استعمال کیا جا سکتا ہے اور مسلمان اسے کھا پی بھی سکتے ہیں۔ البتہ پَر اور بالوں کا استعمال کھانے پینے کی چیزوں میں کراہت سے خالی نہیں۔ وھو اعلم

۳۔ پَروں، بالوں اور ہڈیوں پر اگر اس جانور کی دسومت (چکناہٹ) یا کوئی خارجی ناپاکی لگی ہوئی نہیں ہے تو وہ پاک ہے اور اس کا استعمال خارجی طور پر جائز ہے۔ اور اس کے چمڑے دباغت (دھوپ، نمک یا ٹینری کے ذریعہ پکانا) کے بعد پاک ہے، وہ بھی استعمال میں لائے جا سکتے ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ سوّر اور اس کا کوئی جزء بدن کسی دباغت سے قابل استعمال نہیں ہو سکتا کہ وہ نجس العین ہے۔ اور ہاتھی کے اجزاء بدن کے استعمال سے بھی بچنا چاہئے کہ وہ بھی سیدنا امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک نجس العین ہے کما فی ردّ المحتار وفی فتح القدیر۔ اور علماء اصولیین کے نزدیک رِعَایَۃُ الْخِلَافِ مُسْتَحَبَّۃٌ بالاجماع، مسلّم ہے۔ حرام جانوروں کا کوئی جزء بدن اشیاء خورد ونوش میں ملا کر استعمال کرنا حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ، خادم الافتاء مجلس علماء نیدرلینڈ

۱۱؍ اپریل ۲۰۰۱ء

مشینی ذبیحہ

اپنا خون ھدیہ کرنا

اپنا عضو کسی کو دینا

بیع فاسد
بینک کا منافع
سیرت پاک بطور ڈرامہ

مسئلہ ۱۰۵۲/۱۰۵۱/۱۰۵۰/۱۰۴۹/۱۰۴۸/۱۰۴۷: مجلس علماء بوساطت مولانا عبدالغفار نورانی

کیا فرماتے ہیں علماء دین وحاملانِ شرع متین ان مسائل میں کہ

۱۔ مشینی ذبیحہ جائز ہے یا نہیں؟

۲۔ صلیب احمر اور دوسرے ہاسپٹیل والے خون کو جمع کرکے رکھتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں کہ لوگ اپنی اپنی مرضی سے اپنا خون دیں۔ تو اس اعلان پر مسلمان اپنا خون ان غیر مسلم اداروں اور ہوسپیٹلوں کو دے سکتے ہیں؟

۳۔ یہاں ہالینڈ میں گھر گھر پمفلٹ آتا رہتا ہے کہ جو چاہیں اجازت دیں کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے اعضاء، بدن میں سے کچھ عضو، کاٹ لیں یا نکال لیں۔ تو کیا ایک مسلمان اپنے مرنے کے بعد اپنے عضو کے کاٹنے یا نکالنے کی اجازت دے سکتا ہے؟

۴۔ کچھ کمپنیاں ہیں جو مقررہ میعاد پر متعینہ رقم ہر ماہ مقررہ میعاد تک جمع کرتی ہیں۔ اور میعاد پوری ہو جانے پر رقم جمع کرنے والوں کو اضعافاً مضاعفہ (ڈبل) رقم دیتی ہیں کیا ایسا کرنا یا کمپنی سے ڈبل رقم لینی جائز وروا ہے؟

۵۔ مسلمان کے روپئے جو غیر مسلم بینک میں یہاں جمع ہیں ہر بینک والے سود کے نام پر ہر سال کچھ زائد رقم دیتے ہیں۔ کیا مسلمانوں کے لئے اس زائد رقم کا لینا جائز ہے۔

۶۔ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زندگیوں کے واقعات جو درس وعبرت اور نصیحتوں سے

پُر ہوں۔ ڈرامائی یا سینمائی انداز میں رول کرنا جائز وصحیح ہے؟

بینوا وتوجروا۔ سکریٹری جنرل مجلس علماء نیدر لینڈ۔

۷۸۶
۹۲

الجواب ـــــــ اللّٰھُمَّ ھِدایۃَ الحق والصواب ـــــــ

۱۔ ذبح شرعی کی اکثر بنیادی شرطیں مشینی ذبیحہ میں معدوم ہیں اسلئے مشینی ذبیحہ مردار وحرام ہے۔ کما بیّناہ فی بعض فتاوٰینا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۔ علماء متاخرین نے تداوی بالدم کو ضرورتًا جائز قرار دیا ہے۔ کما فی العالمگیریۃ وغیرھا۔

"یجوز للعلیل شرب الدّم و البول واکل المیتۃ للتداوی اھ" بیماروں کے لئے ضرورتًا خون اور پیشاب کا پینا، مردار کھانا بغرضِ دوا کے جائز ہے...

اور جائز امور میں ایک دوسرے کی مدد کرنا بھی جائز ہے۔ لہٰذا اپنے جسم کا اتنا خون دینا جس سے جسمانی ضرر نہ پہنچے جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۳۔ مرنے والوں کی وصیت کی وجہ سے اس کے اعضاء بدن میں سے کسی عضو کو نکالنا یا کاٹنا درست نہیں۔ کیونکہ ایسی وصیت غیر شرعی یا وصیّت عرفی کا شرعًا کوئی اعتبار نہیں، نہ اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔

ہاں اس میں کوئی شک نہیں کہ موجودہ دور میں اعضاء انسانی کی بینکینگ (ذخیرہ) ایک طبّی ضرورت ہے۔ بعض ناگہانی حالات وحادثات میں جس کی سخت ضرورت پڑتی ہے اور بوقتِ ضرورت اتنی تعداد میں اعضاء مطلوبہ کا فراہم کرلینا نہایت مشکل ہے۔ بنابریں قبل از وقت اس کا ذخیرہ کرلینا علاج وسرجری کے لئے عین مصلحت ہے۔ اور اس تیکنیکی دور میں اعضاء انسانی کی پیوندکاری یا اس کے قطع وبرید میں توہین انسانیت بھی نہیں بلکہ اس کے ذریعہ ہزاروں جاں بلب اور معذور مریضوں کو موت کے چنگل سے بچالیا جاتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی صحت مند انسان اپنا کوئی عضو کسی بھائی کو دیدے۔ جبکہ اس کے کاٹنے یا نکالنے سے ہلاکت یا ضررِ شدید کا اندیشہ

قوی نہ ہو جائز ہونا چاہئے۔

لیکن یہ مسئلہ ان مسائلِ محدثہ میں سے ہے جو علماء اہلسنّت زَادَاللّٰہُ تَعَالٰی اَمْثَالَہَا کے زیرِ غور ہے لہٰذا جب تک محققین علماء اہلسنّت کا اس کے تئیں فیصلہ نہ ہو جائے۔ احتیاط کا تقاضا ہے کہ امانتِ الٰہی میں کسی طرح خیانت نہ کی جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۴۔ جی ہاں یورپ کی ان کمپنیوں کے ساتھ عقدِ فاسد کے ذریعہ یا دَینِ ضعیف کے ذریعہ منافع حاصل کرنا جائز و مباح ہے۔ کما فی الہدایۃ واللہ تعالیٰ اعلم

۵۔ غیر مسلم و غیر ذمّی کے بینک کسی نام پر منافع دیتے ہوں اس منافع پر "ربٰو" کا اطلاق صحیح نہیں ہے اور جب وہ "ربٰو" نہیں تو مالِ مباح و طیّب ہے۔ لقوله عليه الصّلوٰة والسّلام "لا ربٰو بين المسلم والحربي في دار الحرب"

اس حدیث پاک میں دارالحرب کی قید اتفاقی ہے۔ مگر اتفاق سے جس ملک سے متعلق یہ مسئلہ دریافت کیا جا رہا ہے اس پر دارالحرب کی تعریف صادق آتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۶۔ اللہ تعالیٰ ایسی شیطانی کارستانیوں سے ہر مسلمان کو اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین یا ربّ العٰلمین۔ حضور پُر نور سیّد کائنات علیہ افضل الصلوات۔ اور آپ کی زوجۂ محبوبہ طیّبہ طاہرہ عالمہ فاضلہ سیّدہ صدّیقہ امّ المومنین سیّدتنا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مبارک و مقدس حیات طیّبات کو ڈرامائی یا سینمائی انداز میں پیش کرنا نہایت حرام اشد حرام سخت و شنیع بدانجام ہے جو عذابِ الیم اور غضبِ جبّار و قہّار کا باعث ہے (اَعَاذَنَا اللّٰہُ تَعَالٰی وَاِیَّاکُمْ) اُس کا رول ادا کرنے والوں پر خوفِ کفر ہے۔ اس کا دیکھنا یا اس میں کسی طرح مدد دینا حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہ۔ خادم الافتاء اسلامک فونڈیشن ہیڈ رلینڈ

۲۴/ ذو القعدۃ الحرام ۱۴۲۱ھ

ٹیسٹ ٹیوب اور زنا

مسئلہ ۱۰۵۳ :- مولانا حافظ محمد صدیق صاحب نعیمی
۲۶-۱۲-۱۹۸۶

حضرت اقدس حضور مفتی صاحب قبلہ ! دامت برکاتہم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

ٹیسٹ ٹیوب سے متعلق جوابات سے مشرف ہوا۔ خدائے پاک آپ کے سایہ کرم کو دراز فرمائے۔ آمین۔ تاکہ مسلمانانِ یورپ خصوصیت کے ساتھ آپ سے استفادہ کرسکیں اور مشکل ترین مسائل میں علماء آپ سے رہنمائی پائیں۔

ٹیسٹ ٹیوب کے ذریعہ حاصل شدہ بچوں کی نسبی وضاحت سے معلوم و مفہوم ہوتا ہے کہ اجنبی مرد و عورت کے پانی کا نسب میں کوئی اعتبار نہیں، اور یہی حکم زنا کے پانی کا بھی ہے...... تو کیا ٹیسٹ ٹیوب میں جس اجنبی مرد اور اجنبیہ عورت کے پانی کو ملایا گیا، اُس پر شرعاً زنا کا حکم صادر ہوگا؟ اور کیا ان دونوں پر شرعی حد بھی عندالقضا جاری ہوسکتی ہے؟ بینوا وتوجروا محمد صدیق نعیمی امام وخطیب الغوثیہ اسلامک سنٹر دی ہیگ

الجواب ——— اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب ———

محب محترم ذوالمجد والکرم ! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ثم السلام علیکم وعلیٰ من لدیکم

جی ہاں جو حکم زنا کے پانی کا ہے وہی حکم اجنبی مرد و عورت کے اُس پانی کا بھی ہے جو ٹیسٹ ٹیوب کے ذریعہ مختلط کیا جاتا ہے، کیونکہ یہ عمل اپنے نتائج واصل کے اعتبار سے زنا سے کم مضر نہیں، کہ اس میں بھی جوڑوں کا وجود غیر فطری اور غیر شرعی طور پر عمل میں آتا ہے۔

البتہ زنا کی شرعی سزا کا نفاذ اس پر نہیں ہوگا۔ کیونکہ زنا میں جسم سے جو تلذذ ہے اس کا یہاں تصور بھی نہیں۔ ہاں بے ضرورت وحاجت اس کے عاملین وناصرین پر قاضیٔ شرع تعزیری کاروائی کرسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ۔ نوری مسجد آمسٹرڈم
۲۶ دسمبر ۱۹۸۶ء

جانوروں کو بٹائی پر دینا

کمیشن ایجنٹ اور حکم شرع!

مسئلہ ۱۰۵۴/۱۰۵۵:- عبداللطیف یوسف گمان آمسٹرڈم ۲۵-۱۱-۱۹۸۵

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین ان مسائل میں کہ

۱:- ہمارے بعض بعض گاؤں میں کوئی مالدار شخص کئی کئی جانور خرید کر کسی غریب آدمی کو بٹائی پر دیتا ہے اور معاملہ اسی طرح طے پاتا ہے کہ تم اس کی پرورش اور دیکھ بھال کرو۔ جب یہ جانور بچہ دے گا تو اس کے دودھ اور بچہ میں ہم دونوں آدھے آدھ رہیں گے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ معاملہ کی یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟۔

۲:- مدارسِ اسلامیہ جن کے اخراجات کا انحصار عوامی چندہ پر ہو۔ لیکن چندہ وصول کرنے والے (محصّلین) کی تنخواہیں اور اخراجاتِ سفر جب مدارس کے ذمّہ ہوتے ہیں تو ان محصّلین کی تمام وصولیابی اکثر ان کی تنخواہ اور اخراجاتِ سفر کی نذر ہوجاتی ہے اور جب انہیں محصّلین کو کمیشن پر بحال کیا جاتا ہے تو ان کی محنت وکاوش دوبالا ہوجاتی ہے۔ اور چندہ کی فراہمی نسبتاً زیادہ ہوتی ہے جس کی وجہ سے اُنہیں بھی تنخواہوں سے زیادہ پیسے ملتے ہیں اور مدارس کو بھی فائدہ ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں اگر سفراء حضرات کو مدارس کے اربابِ حل و عقد کمیشن پر بحال کریں تو جائز ہے یا نہیں؟ اور لوگوں کے صدقاتِ واجبہ نیز زکوٰۃ اُن سفراء کے ذریعہ ادا ہوگی یا نہیں؟ **بینوا وتوجروا**

ایل یوسف نوری مسجد آمسٹرڈم

۹۲/۸۶ الجواب ــــــــ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب ــــــــ

اس مسئلہ میں فقہائے کرام مختلف ہیں، لیکن یہ مسئلہ بھی قیاسی ہے کیونکہ

جن حضرات نے قفیز طحان والی روایت کے پیش نظر معدوم اجرتوں پر معاملات کا انحصار ناجائز قرار دیا ہے ان میں سے بعض فقہاء متاخرین نے عرف و عادت کی بنا پر اسے جائز بھی کہا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قفیز طحان والی روایت کی صحت و رفع ان کے نزدیک بھی مشکوک ہے ورنہ نص کے مقابلہ میں عرف و عادت کو وہ کبھی ترجیح نہیں دیتے اور جب مسئلۂ مذکورہ کا تعلق نص شرع سے نہیں بلکہ قیاس سے ہے اور قیاس بھی دلیل شرع ہے تو جس علاقہ میں جانوروں کو بٹائی پر دینے لینے کا چلن عام ہو چکا ہو وہاں جانوروں کو بٹائی پر لینا دینا درست ہے اور جب اجرت کی وضاحت و مقدار بھی آپس میں طے ہے تو اس کے جواز میں شبہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲ اس مسئلہ کا تعلق بھی روایت مذکورہ بالا سے ہے۔ جن فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالی کے نزدیک قفیز طحان کی نہی مسلّم ہے ان کے نزدیک معاملات مذکورہ (کمیشن پر کام کرنا کرانا) ممنوع ہے۔ اور جن فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالی کے نزدیک قفیز طحان والی روایت ضعیف اور محل نظر ہے ان کے نزدیک عرف و عادت کو دیکھتے ہوئے معاملۂ مذکورہ جائز و مباح ہے۔

فی زماننا یہ معاملہ صرف مدارس کے ساتھ مختص نہیں بلکہ مختلف نوع کی بیشمار کمپنیاں اپنے اپنے مفاد کے لئے کمیشن ایجنٹ مقرر کرتی ہیں اور ان کی قوت عمل کے مطابق انہیں کمیشن دیتی ہیں۔ پھر کمیشن کی مقدار عمل سے پہلے طرفین کے درمیان طے پاجاتی ہے جس کی وجہ سے اجرت معدوم و مجہول کا شبہ زائل ہوجاتا ہے۔ اور آپسی ممکنہ نزاعات کا خاتمہ بھی ہو جاتا ہے۔

علاوہ ازیں اب یہ معاملہ کسی خاص قوم یا علاقہ کے ساتھ محدود نہیں رہا بلکہ تعامل النّاس کی صورت اختیار کر گیا ہے لہٰذا استحساناً اسے جائز ہونا چاہئے۔

اداۓ زکوٰۃ و صدقات واجبہ کے لئے تملیک شرط ہے۔ جہاں مسلمانوں کی حکومت نہیں وہاں مذہبی امور کا اقتدار علمائے ربّانین کے سپرد ہے۔ یا مسلمانوں نے

اپنے صوابدید کے مطابق جس عالم دین کو اپنے مذہبی امور کا مقتدا اور فیصل مان لیا اُن کے سپرد ہے۔ اگر مدارس کے ارباب حل وعقد (ارکین) میں علمائے دین کی بھی شمولیت ہے تو ان کا مقرر کردہ محصّل عامل کے حکم میں ہے اور جو زکوٰۃ وغیرہ وصول کرنے کے لئے شرعی طور پر مقرر کیا جاتا ہے وہ منجملہ مستحقین زکوٰۃ میں ہوتا ہے "وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا"، لہٰذا زکوٰۃ وصدقات واجبہ ان کے ذریعہ بھی ادا ہو جائے گی ـــ ہاں اگر غیر عاملین کے ہاتھوں مدارس مستحقین تک زکوٰۃ وغیرہ بھیجی جائے تو جب تک تملیک فقیر نہیں پائی جائیگی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ مسجد نوری آمسٹرڈم ہالینڈ

۲۵-۱۱-۱۹۸۵ء

دو ملکوں کی کرنسی کا تبادلہ عام بازار میں

مسئلہ ۱۰۵۶:۔ مولانا سلطان رضا قادری، رضوی مسجد آمسٹرڈم ۱۲-۱۱-۱۹۹۵ء

کیا فرماتے ہیں علماء دین مبین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مختلف ملکوں کی کرنسیوں کی مختلف حیثیتیں ہیں۔ جسکی قیمت ملکوں نے اپنے اپنے طور پر مقرر کر رکھی ہے۔ اور کرنسیوں کے تبادلہ کی صورت میں بھی ملکی سطح پر اس کی ایک قیمت مقرر ہے۔ تو ایسی صورت میں دو ملکوں کے درمیان کرنسی کے اندر جو کمی بیشی ہوگی وہ شرعاً جائز ہے یا ربوٰ میں داخل ہو کر حرام؟ تبادلہ کی ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ عوام اپنے طور پر یا گورنمنٹ سے لائسنس حاصل کر کے کرنسی کا تبادلہ کرتی ہے جو قیمت کے لحاظ سے حکومت کے مقرر کردہ نرخ سے مختلف ہوتی ہے۔ کیا اس طرح سے آپس میں مختلف ملک کے نوٹوں کا تبادلہ ازروئے شرع جائز وحلال ہے یا ناجائز وحرام؟

الجواب ـــ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب ـــ

جب دو ملکوں کی کرنسیاں قیمت کے اعتبار سے ایک نہیں تو نہیں سے ظاہر

ہوا کہ وہ دونوں ایک جنس نہیں۔ بلکہ ثمن کے اعتبار سے دو مختلف اجناس ہیں اور ایسی صورت میں تبادلہ کے اندر جو کمی بیشی واقع ہوگی وہ شرعاً و عرفاً ربو نہیں کہلائے گا۔ لہٰذا کمی بیشی کے ساتھ اس کا تبادلہ جائز و مباح۔ حلال وطیب ہے۔

حکومت کی طرف سے اپنی اپنی کرنسیوں کا مقرر کردہ نرخ کسی شرعی ضابطے کے ماتحت نہیں بلکہ اپنی اپنی معاشی تناظر میں ہے جس کی پابندی شرعاً واجب نہیں لہٰذا عوام جو اپنی اپنی رضا و خوشی سے مختلف کرنسیوں کا تبادلہ مختلف قیمتوں میں کرتی ہے وہ جائز ہے۔

ہاں ایسی صورت میں مسلمانوں کو اپنی عزت و ناموس کا بھی پاس رکھنا ضروری ہوگا کہ رائج الوقت قانون کی خلاف ورزی کے پاداش میں کہیں اس کی آبرو ریزی نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہٗ مسجد نوری۔ آمسٹرڈم

۱۲ر نومبر ۱۹۹۵ء

ایک قیمت کے دو نوٹوں کا تبادلہ کمی بیشی کیساتھ

مسئلہ ۱۰۵۷: محمد عباس شیورتن۔ رضوی مسجد آمسٹرڈم
۱۵-۱۱-۱۹۹۵ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک ملک کا نوٹ اسی ملک کے نوٹ سے کمی بیشی کے ساتھ خریدنا بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ دونوں نوٹوں کی قانونی قیمت ایک ہی ہے۔ حسین علی رضوی مسجد کیراٗف محمد عباس

الجواب ———— اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب ————

ملک کا نوٹ (کاغذی کرنسی) اس ملک کے لئے زر قانونی و اصطلاحی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ)۔ جس کو قانوناً ثمن کی حیثیت حاصل ہے۔ لہٰذا ملک کے اندر ایک نوٹ کو اسی قیمت کے دوسرے نوٹ سے کمی یا بیشی کے ساتھ خرید و فروخت کرنا ناجائز و حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہٗ۔ نوری مسجد آمسٹرڈم۔ ۱۵ر نومبر ۱۹۹۵ء

کوّا کا کھانا حلال یا حرام؟

مسئلہ ۱۰۵۸: - قاری زکریا۔ فرینکفورٹ جرمنی ۶ - ۷ - ۱۹۸۷ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مشہور پرندہ جسے کوّا کہتے ہیں اس کا رنگ نہایت سیاہ بولی اس کی کائیں کائیں اور کھانا اس کا حلال وحرام، پاک وناپاک سب ہی۔ اُس پرندہ کا گوشت مسلمانوں کو حلال ہے یا حرام؟ میں نے کسی مولوی صاحب سے سنا ہے کہ علماء دیوبند کے نزدیک اس پرندہ کا کھانا نہ صرف جائز وحلال بلکہ ثواب بھی ہے۔ کیا مولوی صاحب مذکور کا بیان صحیح ہے؟ محمد زکریا جہلمی۔ وارد حال فرینکفورٹ۔

الجواب ـــــــ اللھم ھدایۃ الحق والصواب ـــــــ ۹۲/۸۶

پرندۂ مذکورہ (کوّا، غراب، الغراب الابقع، زاغ، زاغ معروف) اپنی خباثت وفسق وفجور اور ایذا رسانی میں مشہور ہے۔ اور وہ اپنی فطری خباثت وفسق کی وجہ سے حرام ومردار ہے۔ قال تعالیٰ عزوجل

وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ (الآیۃ) (نبی محترم) مسلمانوں پر خبیث چیزوں کو حرام فرماتے ہیں

اور نبی محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے رواہ مسلم عن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا۔

خَمْسٌ فواسق یقتلن فی الحل والحرم الحیّۃ والغراب الابقع الخ — پانچ جانور فاسق ہیں جو حل اور حرم میں مارے جاتے ہیں ان میں سے ایک سانپ دوسرا کوّا ہے۔

کوّا کو فاسق کیوں فرمایا اس کی وجہ ائمہ حدیث سے سنیئے۔

ومعنی الفسق فیہ (الحدیث) خبثھن وکثرۃ الضرر (مجمع البحار والبحر الرائق) — فسق سے مراد یہ ہے کہ وہ خبیث اور زیادہ ضرر پہنچانے والا پرندہ ہے۔

فاسق غراب ازاں ست کہ کاوش می کند پشت مجروح دواب را (تیسیر القاری شرح بخاری) — کوّوں کا فسق یہ ہے کہ وہ چوپاؤں کے زخمی پیٹھوں کو کریدتا رہتا ہے۔ (تیسیر القاری)

بیہقی شریف میں حضرت سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔

من یاکل الغراب وقد سمّاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاسقًا واللہِ ماھو من الطیّبٰت (بیہقی وابن ماجہ)	کوا کون کھاسکتا ہے؟ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا نام فاسق رکھا ہے۔ خدا کی قسم وہ طیبٰت سے نہیں ہیں۔ (یعنی خبائث سے ہے جو حرام ہے)

جی ہاں دیوبندی فرقہ کے سرغنہ مولوی رشید احمد نے اپنے فتاویٰ رشیدیہ میں اسے کھانا ثواب لکھا ہے۔ ایسا انھوں نے کیوں کیا؟ اس کا جواب قرآن پاک میں ہے اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہ۔ نوری مسجد آمسٹرڈم

۵ مئی ۱۹۸۷ء

تمباکو نوشی، تمباخوردنی

مسئلہ ۱۰۵۹ :- محمد شریف ومحمد فیصل عبدل، دی ہیگ۔
۱۶-۴-۱۹۹۲

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ سگریٹ نوشی یا تمباکو خوردنی کا شرعی طور پر کیا حکم ہے؟ جبکہ یقینی طور پر معلوم ہے کہ جس تمباکو کا استعمال سگریٹ میں ہوتا ہے اس تمباکو میں ضرور بالضرور شراب ہوتی ہے۔ کیونکہ سگریٹ بنانے سے پہلے چند دنوں کے لئے تمباکو کے پتہ کو شراب میں ڈبویا جاتا ہے اور جب شراب کا پورا اثر اس میں سرایت کرجاتا ہے تو اسی پتہ سے سگریٹ بنایا جاتا ہے؟ محمد شریف عبدل

الجواب ۸۶/۹۲ اللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الحق والصواب

تمباکو نوشی یا تمباکو خوردنی خواہ کسی شکل میں ہو (سگریٹ، بیڑی، حقہ، کھینی، تمباکو، خمیرہ، قوام اور نسوار وغیرہ) سب مکروہ طبعی ہے کہ نفاست پسند

طبیعتیں اس سے یکگونہ نفرت کرتی ہیں اور اگر اس کے ذریعہ کسی تجربہ کار ماہر ڈاکٹر (طبیب حاذق) کے کہنے کے مطابق کوئی فائدہ مظنون ہو مثلاً درد شکم کا زائل ہونا، کاسر ریاح ہونے کے سبب گیسٹک کا خاتمہ، پیریا کا خاتمہ تو اس کی کراہت طبعی بھی زائل ہو جائے گی ـ ـ ـ ـ ـ اگر تمباکو نوشی اور تمباکو خوردنی وغیرہ سے جسمانی ضرر کا ظن غالب ہو تو اس کا استعمال مکروہ تحریمی ہے۔ قال تعالیٰ "لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ" اور اگر یہ تحقیق ہو کر تمباکو کے پتوں کو شراب میں ڈبونے کے بعد ہی سگریٹ یا کھانے کی پتی یا قوام وغیرہ بنایا جاتا ہے اور شراب کا اثر اس میں باقی رہتا ہے تو اس کا کھانا، پینا، نسوار لینا سب حرام اشد حرام نہایت بدانجام ہے کیونکہ شراب کی ایک بوند بھی بنص قطعی حرام ونجس ہے۔ اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواحد قادری غفرلہ اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۱۴ / ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ ۔ ۱۶ / اپریل ۱۹۹۶ء

جانوروں کے ساتھ بدفعلی

مسئلہ ۱۰۶۰: اہالیان عشورہ کیراوف نورالحسن ۱۹۹۵-۱۰-۲۸

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید جو کہ ایک باہوش بالغ مسلمان ہے۔ کئی دیہاتیوں کے جانوروں کی دیکھ بھال اور اس کی چرواہی کرتا ہے۔ ایک دن ایک متقی و پرہیزگار نمازی آدمی جنگل کی طرف جا رہا تھا تو اس نے دیکھا کہ زید ایک دودھ دینے والی بکری کو پکڑے ہوا ہے اور اس کے ساتھ بدفعلی کر رہا ہے۔ اس نے گاؤں میں واپس آکر اس واقعہ کو بیان کیا جس کو سن کر سارے لوگ زید سے متنفر ہو گئے اور اب اسے سزا دینا چاہتے ہیں۔ از روئے شرع شریف اس کی کیا سزا ہے صاف صاف تحریر فرمائیں اور شکریہ کا موقع دیں۔

المستفتی:۔ اہالیانِ عشورہ، سیتاپور

۷۸۶/۹۲ الجواب ـــــــ اللّٰھُمَّ ھدایۃ الحق والصواب ـــــــ

اسلامی شرع میں مجرمین اور گنہ گاروں کے لئے تین طرح کی سزائیں ہیں۔
(۱) حد۔ اس کی حد شرع میں مقرر ہے، مثلاً رجم کرنا یہاں تک کہ مجرم مرجائے۔ سَو کوڑے مارنا خواہ مجرم زندہ رہے یا مرجائے۔ (۲) تعزیر: زجر و توبیخ اور شرم و عار دلانے سے لیکر موت تک کی سزا مجرم کو دی جاسکتی ہے۔ تعزیر کا تعین حاکم شرع کی صوابدید پر منحصر ہے۔ وہ مجرم اور جرم کی نوعیت کا لحاظ کرتے ہوئے جس قسم کی سزا چاہے مقرر کرے۔ کما فی تنویر الابصار والدر المختار وفی شرحہ "التعزیر (لیس فیہ تقدیر بل ھو مفوض الی رائ القاضی) وعلیہ مشائخنا" اور شامی ط۲۵۱ میں ہے الحاصل وجوبہ بالاجماع الامۃ لکل مرتکب معصیۃ لیس فیہا حد مقرر الخ

۳ توبہ۔ جہاں اسلامی امارت نہیں یا قاضی شرع غلبہ کفار و مشرکین کی وجہ سے حدود و تعزیرات کو بروجہ شرعی جاری نہ کرسکے تو بالآخر وہاں مجرمین پر توبہ و استغفار ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ آخرت کی سزا سے بری الذمہ ہوگیا بلکہ توبہ کرنے کے سبب وہ مسلمانوں کی سوسائیٹی میں رہنے کے قابل ہوگیا۔ گویا وہ گناہ اس سے سرزد ہی نہیں ہوا۔ جو ہوا کیونکہ اس نے توبہ کے ذریعہ تازیست اس گناہ کے قریب نہ جانے کا عہد کرلیا ہے ..... زید بے قید حرص و ہوس کے صید پر اگرچہ بطریق شرعی جرم ثابت نہیں ہوسکے گا کہ نصاب شہادت (وَنِصَابُھَا رَجُلَانِ اَوْ رَجُلٌ وَّ امْرَأتَانِ) مکمل نہیں ہے ہاں اگر بغیر جبر و اکراہ کے زید اپنے جرم کا اقرار کرلے تو اس پر تعزیر شرعی عائد ہوگی یعنی قاضی شرع اسے موت تک کی سزا دے سکتا ہے لیکن ہالینڈ وغیرہ ممالک یورپ، امارتِ اسلامیہ کی اہلیت نہیں رکھتے اور ہندوستان میں فی الحال غلبۂ کفار و مشرکین کی وجہ سے حدود و تعزیرات کا نفاذ متعذر ہے تو بالآخر تیسری صورت وجوب توبہ اس پر

عائد ہوگی۔ لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام "اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَہٗ"
نیز جس سوسائیٹی اور ماحول میں زید مذکور رہتا ہے اس سوسائیٹی کے مسلمانوں
کو چاہئے کہ زید کے ساتھ ایسا برتاؤ کرے اور ایسی سماجی سزا دے جو دوسرے لوگوں
کے لئے عبرت آموز ہو۔ مالی تعزیر تو منسوخ ہو چکا ہے البتہ مذکورہ صورتِ حال میں
بکری کی مناسب قیمت لگا کر وہ قیمت زید سے وصول کی جائے پھر چاہئے کہ
اس بکری سے کوئی فائدہ اٹھائے بغیر اُسے ذبح کرکے چیل کوّوں کو کھلا دے یا جلا دے،
درّمختار میں ہے "یعزر ویذبح ثم تحرق ویکرہ الانتفاع بہا
میتۃ او میتۃ" اور ردّالمحتار میں نہر الفائق اور زیلعی سے ہے "فان
کانت الدّابۃ لغیر الواطئ یطالب صاحبہا ان یدفعہا الیہ
بالقیمۃ ثم تذبح" واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہٗ، خادم الافتاء جامعہ مدینۃ الاسلام دی ہیگ
۲۸ر اکتوبر ۱۹۹۵ء

تصویر اور اس کا حکم

مسئلہ ۱۰۶۱ :۔ فیض الرحمٰن سبحانی۔ کالی کٹ
۲۰۰۲-۷-۳۱

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ تصویر کشی حرام ہے۔ زید کہتا ہے کہ اگر تصویر کشی حرام ہوتی تو وہ تابوت جس کے بارے میں قرآن میں ذکرِ جمیل آیا ہے اور اس تابوت کے بارے میں مفسرین حضرات فرماتے ہیں کہ اس تابوت کے اندر تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے حواریین اور ان کے گھروں کی تصویریں موجود تھیں حتیٰ کہ نبی دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی تصویر بحالت قیام یا رکوع اس کے اندر بنی ہوئی ہے۔ تو اس سے ثابت ہوا کہ تصویر کشی حرام نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے کئے کے عین مطابق ہے۔ اور حدیث میں جو ذکر آیا ہے کہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے ہیں تو اس سے مراد وہ تصویر ہے جس کے

جہاتِ ستہ ہوں۔ لیکن آجکل جو تصویرکشی ہوتی ہے۔ اسمیں صرف ایک ہی جہت ہوتی ہے، اور وہ آگے کی طرف ہوتی ہے جیسا کہ بعض کتابوں میں بھی موجود ہے لہٰذا اس سوال کا صحیح جواب کیا ہے؟ مدلّل مطلع فرمائیں۔

المستفتی: فیضان الرحمٰن سبحانی شریعت کالج کرنور کالیکٹ کیرلا

۸۶/۹۲ الجواب ــــــــــ ھوالھادی الی الصواب ــــــــــ

تصویرکشی کی حرمت پر احادیث کریمہ حدّ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ جو کتب صحاح ستّہ کے علاوہ دیگر معتمد کتب احادیث میں درجنوں صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے روایت ہیں۔ اسی لئے ائمۂ اعلام علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے جاندار تصویرکشی کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے خواہ وہ یکجہتی ہو یا شش جہتی، سایہ دار ہو یا بے سایہ دستی ہو یا عکسی۔

یہ کہنا کہ جن تصاویر کی ممانعت ہے اس سے مراد شش جہتی تصویریں ہیں یہ زید پُرکید کی اپنی نفسانی مراد ہے۔ کتاب وسنت۔ مذہب شریعت کی مراد نہیں۔ اگر ہے تو زید اسے پیش کرے "ھَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ ...." حضور انور شفیع محشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ مبارکہ میں مجسّمہ اور عکسی (شش جہتی و یکجہتی) دونوں قسم کی تصویریں بنانا شروع ہوچکی تھیں اور حضور اکرم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مطلقاً تصویرکشی کی ممانعت فرمادی تھی جس میں بے تخصیص وتقیید تصاویر کی ہر ایک قسم داخل ہے اعلیٰحضرت عظیم البرکت امام اہل السنۃ اپنے فتاویٰ مبارکہ رضویہ میں فرماتے ہیں "در زمانِ برکت نشان سید الانس والجان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم ہردوگانہ تصویرمی ساختند ہم مجسم وہم مسطح ودر احادیث از مطلقاً صورتگری نہی اکید در صنعت او وعید شدید بے تخصیص وتقیید ورود یافت پس جمیع اقسام او زیر منع در آمد تصویر بے سایہ را روا داشتن مذہب بعض روافض ست۔ (العطایا النبویہ فی فتاویٰ رضویہ)

زید بے قید نے جس یکجہتی تصویر کی اباحت کا قول کیا۔ احادیث کریمہ میں خاص کر اسی تصویر کی حرمت آئی۔ نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت سیدنا مولیٰ علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہ الکریم سے روایت ہے۔

صنعت طعامًا فدعوت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم فجاء فرأی تصاویر فرجع..... فقلت یارسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم ما رجعك بأبی و امی. قال ان فی البیت سترًا فیہ تصاویر وان الملئکۃ لا تدخل بیتًا فیہ تصاویر.....

کہ میں نے کھانے کا اہتمام کیا اور سید عالم صلی اللہ کو دعوت دی تو آپ تشریف لائے مگر پردہ پر کچھ تصویریں کو دیکھ کر واپس لوٹ گئے، تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم میرے باپ ماں آپ پر فدا ہوں کس سبب سے واپس ہوئے؟ ارشاد فرمایا گھر میں ایک پردہ پر تصویریں تھیں اور رحمت کے فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے ہیں جسمیں تصویریں ہوں۔

پردوں پر جو تصویریں بنتی ہیں وہ شش جہتی نہیں ہوتیں پھر اس پر ناراضگی کا اظہار فرمانا دعوت کے باوجود وہاں سے لوٹ جانا۔ حضرت سیدنا علی جیسے عزیز و مقرب صحابی، چہیتے داماد اور ابن العم کی محنت و دعوت کو یکلخت نظرانداز فرمادینا اور امام الاولیا، حیدر کرار، شیر خدا کے کاشانۂ رحمت کو قولاً وعملاً مانع رحمت قرار دینا تصاویر کی حرمت و نحوست پر صاف وصریح دال نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

بیشک پردوں پر چھپی ہوئی یا بنائی ہوئی تصاویر کے خلاف آپ کی ناراضگی وغضب اس کی حرمت پر روشن دلیل ہے اور جب یکجہتی تصویر کی نحوست کا یہ حال ہے تو چند جہتی یا شش جہتی تصویروں کا کیا مآل ہوگا، ہاں کسی فرض کی ادائیگی کے لئے ضرورتًا بادل نخواستہ جس تصویر کی اجازت دی گئی ہے وہ یکجہتی تصویر ہے

اباحت تصویر کے لئے تابوت آسمانی کو پیش کرنا عجیب تر بلکہ مضحکہ خیز ہے کیونکہ احکام شریعت بندگان خدا کے لئے ہے نہ کہ خدا کے لئے؟ پھر اگر تابوت میں بروایتے وحکایتے تصویریں ہوں تو وہ قدرتی تھیں نہ کہ بناوٹی جسمیں بندوں کے ارادہ

وفعل کو دخل ہوتا ہے حکم شرع اسی پر نافذ ہوتا ہے۔ اگر بادلوں کی تشکیل سے کسی جانور کی صورت نمایاں ہو جائے، ہواؤں کے تھپیڑے سے ریت پر کسی جاندار کی تصویر چند گھنٹے ظاہر ہو جائے یا پانی کی لہروں سے پانی کی سطح پر کوئی رینگتا ہوا جانور محسوس ہونے لگے تو کوئی مفتی حرمت کا کوڑا لیکر ان سب کے پیچھے نہیں دوڑے گا کہ خامۂ قدرت نقش ونگار اور صور مختلفہ کے سنوارنے میں آزاد ہے "هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ كَیْفَ یَشَآءُ"۔

ہر قدرتی عمل ہمارے عمل کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتا ہے۔ بالفرض اگر ایسا ہو تو سارا نظام شریعت ہی بکھر جائے۔

تابوتِ سکینہ میں تصاویر وتماثیل کی روایت ارباب الاخبار کی ہے۔ محبوب کردگار شفیع روز شمار علیہ صلوات اللہ الغفار کی یا صحابۂ کبار ائمہ وفقہاء ذوی وقار علیہم الستار کے اقوال وارشاد نہیں، تو احادیث صحیحہ متواترہ کے بالمقابل روایات و حکایات کو پیش کرنا مضحکہ خیز نہیں تو اور کیا ہے۔ رزقنا اللہ تعالیٰ وایاکم الرحمة السعادة واحفظنا من السخطة والشقاوة وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ نبی الرحمة وخیر البریة۔ وہو اعلم

کتبہ عبد الواحد قادری غفرلہ اسلامک فونڈیشن۔ نیدرلینڈ

۲۱ر جولائی ۲۰۰۲ء

꧁

لواطت اور اس کے حامی کا شرعی حکم

مسئلہ ۶۲:۱۰ :- (مولانا) عبدالغفار نورانی ۲۸-۸-۲۰۰۶

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس بارے میں کہ ملک نیدرلینڈ ایک ملک ہے جہاں مختلف رنگ و نسل اور قوم و مذہب کے لوگ رہتے سہتے ہیں اور ہر ایک جماعت و افراد کو بغیر دوسروں سے متصادم ہوئے اپنے اپنے طور طریقہ سے زندگی گزارنے کی آزادی ہے چنانچہ عیسائی، مسلم، یہودی، دہریہ، ہندو، بدھسیٹ وغیرہ جہاں اپنے اپنے طریقہ سے زندگی گزار رہے ہیں وہیں ملکی اور قومی اعتبار سے انڈونیشین، ملائشین، ترکیز، مروکانز، سورینامرز، چائنیز، جاپانیز اور ہندوستانی پاکستانی وغیرہ بھی اپنے اپنے رسم و رواج کے مطابق خوشی و غمی کے مراسم بجالاتے ہیں یورپ کے ملکوں میں اس وضاحت کی بھی ضرورت نہیں کہ یہاں شراب، زنا اور قمار وغیرہ کی اسنادِ جواز حکومت کے انتظامیہ کی طرف سے جاری کی جاتی ہیں شراب بیچنے والے، زنا کرنے والے اور زنا کرانے والیاں، جُوا کھیلنے والے اور جُوا کھلانے والے سب ہی آزادانہ زندگی گزار رہے ہیں یہاں تک کہ جنسیت کی سندِ جواز بھی حکومت کی طرف سے مہیا کی جاتی ہے، یعنی عورتیں عورتوں کے ساتھ اور مرد مرد کے ساتھ باضابطہ قانونی نکاح کر سکتے ہیں اور باہم زوجین کی طرح رہ سکتے ہیں۔۔۔۔

ان حالات کے تناظر میں ایک مسلمان نے ان لوطیوں کی ایک حمایتی تنظیم "یوسف" میں اپنا یہ بیان دیا ہے کہ جس طرح ہر قوم و ملت اور افراد و جماعت کو یہاں جینے اور شہری حقوق و رعایت حاصل کرنے کا حق ہے اسی طرح لوطیوں کو بھی ہے لہٰذا یہاں کے ائمۂ مساجد اور علمائے گزارش ہے کہ وہ اس مسئلہ پر نہایت رحم دلی کے ساتھ بات چیت کریں اور ایسا کوئی درمیانی راستہ نکالیں کہ قرآن پاک کی ممانعتِ لواطت والی آیتیں اور اس کی حرمت والی حدیثیں بھی اپنی جگہ برقرار رہیں اور لوطی گروہ کو بھی دوسروں کی طرح یہاں کے شہری حقوق و مراعات

مل جائیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لواطت یا لوطیوں کا دینِ اسلام میں کیا حکم ہے؟ اور مسلمان مذکور کے بیانِ مذکور کی شرعی کیا حیثیت ہے۔؟ اور اس پر کیا اسلامی حکم نافذ ہوتا ہے؟ منجانب :۔ مجلس علماء نیدرلینڈ۔

نوٹ :۔ اگر ہو سکے تو اس سوال کے جواب کے علاوہ ایک مختصر مگر نافع مضمون "اسلام اور لواطت" کے عنوان سے لکھ دیا جائے تاکہ یہاں کے مقامی زبان اور یورپ کی دوسری زبانوں میں اس کا ترجمہ شائع کیا جا سکے۔ (عبدالغفار نورانی)

۹۲/۴۹۷ الجواب ـــــــ بعون العلیم الوھاب ـــــــ

شخص مذکور فی السؤال احکام دینیہ سے ناواقف مگر نہایت ہی شاطر معلوم ہوتا ہے لیکن وہ اپنی شاطرانہ چالوں کے باوجود آئین اسلام کی شدید گرفت میں ہے۔ کیونکہ اس کے تمام تر بیانات سے یہی مترشح بلکہ واضح ہوتا ہے کہ وہ لوطی گروہ کا ہمدرد، بہی خواہ یا اس گروہ کا ممبر ہے۔ یا اس کے لئے اس کے دل میں نرم گوشہ موجود ہے۔ اور وہ لوطیوں کی حمایت میں اسلام کے شرعی احکام کے اندر تبدیلی تک کا خواہاں ہے العیاذ باللہ تعالیٰ۔ چونکہ وہ لواطت کی ممانعت وحرمت کا بھی قائل ہے اس لئے اس پر حکم کفر تو نہیں لگے گا۔ البتہ "المرء مع من احبّ" کے بموجب اس پر واجب ہے کہ وہ لوطی گروہ سے اپنی بیزاری کا اعلان کر کے اسی طرح توبہ کرے جس طرح اس نے حمایت میں بیان دیا ہے اور اس کا حمایتی بیان پریس کے ذریعہ مشتہر ہوا ہے تو یہ نامہ بھی اسی طرح مشتہر ہو۔

جو مسائلِ دینیہ دلائلِ شرع سے مزیّن و مدلّل ہیں ان میں کسی مسلمان عالم و غیر عالم کو مجالِ دم زدن نہیں خصوصًا حرام وحلال کے مسائل کہ جس کی حرمت و حلّت یقینی ہو یعنی نص قطعی سے ثابت ہو۔ اس کے خلاف سوچنا بھی ایمان کی کمزوری اور ذوقِ ایمانیات سے مہجوری ہے۔

مسئلہ مذکورہ جس کی حرمت بہ نصّ قطعی یقینی ہے کوئی مسلمان

اس کے حرام ہونے میں ذرّہ برابر شک و شبہ نہیں کرسکتا ہے کیونکہ اس انکار سے آیاتِ محکمہ، احادیثِ کثیرہ صحیحہ نیز فقہائے صحابہ و فقہاء امّت کے اقوالِ رجیحہ کی تغلیط ہوتی ہے۔ قرآن پاک نے لواطت کو بے حیائی، نفس پروری اور حیوانیت قرار دیا ہے۔ (اعراف ۸۱-۸۰) اور پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لوطیوں پر بار بار لعنت فرمائی ہے۔ حضرت صدیق اکبر حضرت مولیٰ علی اور اعاظم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک اس فعل بد کے فاعل و مفعول دونوں کو دہکتی ہوئی آگ میں جلا دینے کا حکم ہے اور ائمہ اسلام کے نزدیک انہیں سنگسار کر دینے کا حکم ہے اور دراصل ان دونوں حکموں کا مآل ایک ہی ہے کہ ایسے لعنتیوں کے وجود سے خدائے پاک کی زمین پاک کر دی جائے۔

اسلئے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ لوطیوں کی نہ کسی طرح حمایت کریں نہ انکے افعالِ قبیحہ و شنیعہ سے چشم پوشی کریں بلکہ اس کے مآل و نتائج سے اپنی قوم و ملّت کے نونہالوں اور نوخیز نوجوانوں کو برابر خبردار کرتے رہیں تاکہ بلائے لوطی کی نحوستوں سے وہ دور رہیں اور خدا و رسول جل جلالہٗ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے غضب و لعنت سے اپنے آپ کو بچا سکیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم ورسولہ صلی اللہ تبارک و تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہ وبارک وسلم۔

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ خادم الافتاء مجلس علماء نیدرلینڈ

۲۸ راگست ۲۰۰۰ء

نوٹ:- آپکی فرمائش کے مطابق لواطت اور اسلام کے عنوان سے ایک مختصر مضمون حاضرِ خدمت ہے۔ اگر مختلف زبانوں میں یورپ کے اندر کثیر اشاعت ہوجائے تو اس سے قوم مسلم کو ضرور فائدہ پہنچے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

لواطت اور اسلام

لواطت کی ابتدا حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بدکردار قوم نے کی اور اس

نے یہ بدعملی شیطانِ لعین سے سیکھی (خزائن العرفان)۔ اغلام بازی یعنی غیر فطری عمل کا ظہور انسانی آبادی میں حضرت سیّدنا لوط علیہ السلام کی ناہنجار قوم سے ہوئی اسی لئے اس بدعملی کو لواطت بھی کہا جاتا ہے۔ قوم لوط کی اس بدکرداری، اس کی برائی ونحوست اور اس کے سبب دردناک عذاب کا ذکر قرآنِ مقدس میں بار بار کیا گیا ہے مثلاً سورۃ ۷ کی آیات ۸۰ تا ۸۴۔ سورۃ ۱۱ کی آیت ۸۲۔ سورۃ ۱۵ کی آیات ۶۱ تا ۶۶، پھر اسی سورۃ کی آیات ۶۷ تا ۷۷، ان مکمل آیاتِ قرآنیہ کے علاوہ بھی جزوی طور پر حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عبرتناک عذاب کا ذکر قرآن مقدس میں موجود ہے...... سورۃ ۷ کی پانچوں آیتوں کا ترجمہ سنئے اور اندازہ لگائیے کہ لواطت کس قدر سنگین اور ناقابلِ معافی جرم ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

(ہم نے لوط کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو جو تم سے پہلے ساری دنیا میں کسی نے نہیں کیا (۸۰) بیشک تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس شہوت کی پیاس بجھانے کیلئے جاتے ہو تم لوگ حد سے گزرنے والے ہو (۸۱) ان کی قوم کے پاس اسکے سوا کچھ جواب نہ تھا کہ ان لوگوں کو بستی سے باہر نکال دو یہ لوگ بڑے پاکباز بنتے ہیں (۸۲) پھر ہم نے نجات دیدی لوط اور ان کے گھر والوں کو، سوائے ان کی بیوی کے۔ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوگئی (۸۳) اور ان پر ہم نے پتھروں کی بارش کی تو دیکھو کیسا عبرتناک انجام ہوا مجرموں کا۔ (۸۴)

مذکورہ آیت ۸۰ میں بتایا گیا کہ یہ ایسی بے حیائی کا کام ہے کہ ساری دنیائے انسانیت میں سوائے اس بے غیرت قوم کے کہیں دوسری جگہ یا دوسری قوم میں نہیں تھا اس شیطانی عمل کی ایجاد کا سہرا انسانی دنیا میں قوم لوط کے سر رہا۔

آیت ۸۱ میں فرمایا گیا کہ وہ بدکردار قوم اپنی شہوت رانی کے لئے عورتوں کی بجائے مردوں کے پاس جاتی اور اسے استعمال کرتی تھی۔ اور اس طرح وہ اپنی ہی

قوم کے آدھے حصّہ (صنفِ نازک)، کو اس کے جائز حقوق سے محروم کر کے اسے اپنی فطری جذبات کی تکمیل کے لئے اپنی ہی ہم نوع کے ساتھ مستی نکالنے پر مجبور کر چکی تھی اور اس طرح یہ دونوں نوعیں خدا کی دی ہوئی امانت جوہر حیات کو انسانی تشکیل و تکثیر کی بجائے بنجر زمین یا ناقابل زراعت وادی میں ضائع کرنے لگیں اور بدکردار مردوں کی وجہ سے خود اس کی نوع (مردوں) کا بھی تقریباً آدھا حصہ نسوانی خصائص کا شکار ہو کر ملک و قوم کی کمزوری کا سبب بن گیا۔

گویا لواطت کی مریض قوم نہ بذاتِ خود دم بریدہ اور مقطوع النسل ہونے کے لئے کمر بستہ ہوگئی بلکہ غیر شعوری طور پر ملک و قوم کے ساتھ غداری بھی کرنے لگی ہے۔ غالباً اسی لئے قرآن مقدس نے لوطی مریضوں کو "مُسْرِفُوْن" فرمایا۔ مُسرف کا لغوی معنیٰ ہوتا ہے زیادتی کرنے والا، خطا کرنے والا، جاہل ہونے والا، مستحق کو چھوڑ کر غیر مستحق کو دینے والا۔ اور حد سے تجاوز کرنے والا یعنی سرحد کو بغیر ویزا کے کراس کر جانے والا ـــــ قرآنِ مقدس کا یہ اعجاز ہے کہ اس کے ایک لفظ نے لوطیوں کے سارے جغرافیائی نقشوں کو صبحِ قیامت تک آنے والوں کے سامنے کھول کر رکھ دیا ہے۔

آیت ۸۲ میں بتایا گیا کہ وہ قوم نصیحت کرنے والوں کے بارے میں بدگمان و بدزبان تھی کہ وہ نبی اور نبی کے ساتھیوں پر طعنے کستی تھی کہ "وہ بڑے پاکباز لوگ ہیں" حالانکہ یہ بات حقیقت تھی مگر وہ بطور طعنہ کہا کرتی تھی۔ نیز وہ اپنے ناصحین کو شہر بدر کرنے کا بھی پلان بناتی رہی تاکہ کوئی انہیں شیطانی عمل سے روکنے والا نہ رہے۔ اور بالکل یہی حال دنیا کے ان تمام ممالک کا ہے جہاں لوطی قوم کے پیروکار موجود ہیں کہ وہ اپنے سچے ہمدرد و ناصحین کو اپنے ملک سے کسی طرح بھی نکالنا چاہتے ہیں تاکہ کوئی انہیں روک ٹوک کرنے والا نہ رہے اور وہ کھلے عام اپنی حیوانیت کا مظاہرہ کر سکیں۔

آیت ۸۳ میں اس دردناک و عبرتناک عذاب کا ذکر ہے جو لواطت کرنے والوں اور اس کے حامیوں پر آیا۔ حالانکہ اس عذاب کو ٹالنے کے لئے حضرت سیدنا

ابراہیم علیہ السلام جیسے جلیل القدر، اولوالعزم خلیل ومقرب نبی نے بارگاہِ خداوندی میں بار بار عرض ومعروض کیا پھر بھی لوطیوں پر سے وہ عذاب نہیں ٹالا گیا تاکہ انسانوں کو اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ لواطت ایسا مجرمانہ اور مسرفانہ فعل ہے جس کی سزا عبرتناک عذاب ہی ہے۔ پھر اس عذاب کا قرآن پاک میں بار بار ذکر فرما کر آنے والی قوموں کو لواطت کی نحوست اور برے انجام سے باخبر فرما دیا گیا ہے تاکہ ذرا بھی سوچ سمجھ رکھنے والی قومیں اس سے عبرت حاصل کریں۔

یہ مختصر وضاحت تو قرآن مقدس کی صرف چند آیتوں کی ہے اگر ان تمام آیتوں کی تفسیر وتوضیح بیان کی جائے جو لواطت کی نحوست اور اس کی سزا سے متعلق ہیں تو اس کے لئے ایک دفتر درکار ہے ۔ اب دو چار احادیث کریمہ کا ترجمہ ومفہوم بھی سماعت فرمالیں، تاکہ لواطت کی مزید نحوست وبرائی اچھی طرح سمجھ میں آجائے۔

(۱) نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا ارشاد گرامی ہے (ترجمہ) اپنی بیوی سے بھی لواطت کرنے والا ملعون ہے (ابوداؤد) (۲) اللہ تعالیٰ اس مرد کی طرف ہرگز رحمت کی نظر نہیں فرمائے گا جو اس بدفعلی (لواطت) کا ارتکاب کرے۔ (ابن ماجہ مسند احمد) (۳) جس کو قوم لوط کا فعل کرتے ہوئے دیکھو تو فاعل ومفعول (لواطت کرنے والا اور لواطت کرانے والا) دونوں کو قتل کردو (ابن ماجہ، ابوداؤد، ترمذی)۔

ان ارشادات گرامی پر تھوڑی سی توجہ دینے کے بعد یہ باتیں بآسانی سمجھ میں آجاتی ہیں کہ لواطت لعنتِ خداوندی کا سبب اور اس کی رحمت سے دوری کی وجہ ہے اس کے فاعل ومفعول دونوں کے لئے سخت ترین اور عبرتناک سزائیں ہیں، اسلامی معاشرہ اس (لواطت) سے گھن کرے گا کیونکہ وہ قومیت کے لئے گھن ہے اور روحانیت کے لئے زہر قاتل۔

اخیر میں یہ بھی عرض کردوں کہ اسلامی عدالت میں اس بدفعلی کی سزا کیا ہے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں لواطت کا کوئی مقدمہ بارگاہِ رسالت

میں پیش نہیں ہوا اسی لئے اس بدفعلی کی کوئی خاص سزا عدالتِ اسلامیہ میں متعین نہیں ہو سکی، البتہ خلیفہ اوّل ارشد الخلفا، الرّاشدین حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں حضرت سیّدنا خالد بن ولید نے دوسرے ملک سے ایسے مجرم کی سزا سے متعلق بارگاہِ خلافت میں خط لکھ کر استفسار فرمایا۔ چنانچہ خلیفۂ اوّل نے اس معاملہ میں صلاح و مشورہ کے لئے اہل الرائے (فقہا صحابہ) رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مجلس مشاورت طلب فرمائی۔ کتاب و سنّت کی روشنی میں مختلف صحابہ کرام نے مختلف سزائیں تجویز فرمائیں۔ حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم اور حضرت سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی رائے یہ تھی کہ اس کے فاعل و مفعول دونوں کو کسی پُرانی عمارت کے نیچے کھڑا کر دیا جائے اور وہ عمارت ان پر ڈھادی جائے .... حضرت سیّدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ فتویٰ دیا کہ آبادی کی سب سے اونچی عمارت پر سے اُن دونوں کو سر کے بل زمین پر پھینک دیا جائے اور اوپر سے پتھر برسائے جائیں۔ اور حضرت سیدنا علی کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی یہ رائے ہوئی کہ ایسے شخص کو قتل کرکے اس کی نعش کو لوگوں کے روبرو جلا دیا جائے اکثر صحابۂ کرام نے حضرت سیدنا علی کے فتوے سے اتفاق فرمایا۔

اختلاف صحابہ کو سامنے رکھتے ہوئے فقہائے اسلام، ائمۂ کرام کے درمیان بھی لواطت کی سزا میں اختلافات رونما ہوئے۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ لواطت کے مجرمین واجب القتل ہیں خواہ وہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ۔ یعنی ان کے نزدیک لواطت کا عمل ثابت ہو جانے کے بعد اگر قاضئ اسلام اس کے قتل کا حکم نہ دے تو قاضئ شرع بھی ترکِ واجب کی وجہ سے گنہ گار ہوگا۔

حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ ان کی سزا رجم (سنگسار کرنا) ہے۔ حضرت امام حسن بصری فرماتے ہیں کہ ان کی وہی سزا ہے جو زانی اور زانیہ کی ہے۔ حضرت امام ثوری اور حضرت امام اوزاعی کا بھی یہی حکم ہے۔

امام اعظم حضرت ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ لواطت کے مجرموں کے لئے شرع شریف میں کوئی حد مقرر نہیں ہے بلکہ یہ فعل تعزیر کا مستحق ہے یعنی حالات و اصلاحات کے پیش نظر ان کو ایسی عبرتناک سزا دی جائے جو دوسروں کے لئے سبق آموز ہو اور سزا کے تجویز کرنے کا حق قاضی شرع کو ہے۔

شواہد و براہین بالا کے پیش نظر لواطت کا عمل اسلامی شریعت میں حرام و بد انجام ہے اور اس کا حرام ہونا کتاب و سنت اور اجماع صحابہ و اجماع ائمہ و مجتہدین سے ظاہر و باہر ہے۔

تمام امت مسلمہ کی عموماً اور حضرات علماء کرام نیز ائمہ مساجد کی خصوصاً یہ دینی ذمہ داری ہے کہ وہ بندگان خدا کو بھلائیوں کا حکم دیں اور برائیوں سے حتی المقدور روکیں۔ بھلائیوں کے اجر و ثواب اور برائیوں کی سزا و عذاب (ترغیب و ترہیب) سے لوگوں کو ڈرائیں۔

نیدرلینڈ اور یورپ کے بعض دوسرے ممالک جہاں لواطت و ہم جنسیت کو قانون ملکی کی سرپرستی حاصل ہے وہاں بھی مسلمانوں پر از روئے شرع اسلامی یہ اہم ترین فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ خود بھی اس کار ملعون سے بچیں اور اپنی قوم کے افراد خصوصاً نوخیز نسل کو اس کے بھیانک انجام سے ڈرائیں۔ واللہ الہادی الیٰ سواء السبیل۔

دعا گو و دعا جو

عبد الواجد قادری غفرلہٗ

خادم اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ۔

انسانی خون کے ذریعہ علاج

زندہ انسان اپنا عضو کسی کو دے سکتا ہے یا نہیں؟

جانور کا عضو انسان کو لگانا

مردہ کا عضو زندہ کو لگانا

مسئلہ ۱۰۶۵ / ۱۰۶۴ / ۱۰۶۳ / ۱۰۶۲ء: انجمن الحلال الطیب، ہالینڈ
۲۴-۵-۱۴۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین ان مسائل میں کہ
(الف) ایک انسان کا خون دوسرے انسان کے جسم میں بحالتِ اضطرار چڑھایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ (ب) ایک انسان اپنے اعضاء جسم میں سے کوئی عضو کسی دوسرے انسان کو اپنی زندگی میں دے سکتا ہے یا نہیں؟ (ج) کسی جانور کے اعضاء کو انسانی اعضاء کی جگہ لگایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ (د) کسی مردہ آدمی کا عضو کسی زندہ آدمی کے جسم میں لگایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلم؟ ان تمام جوابات کو بدلائل ائمہ اربعہ مدلل فرماکر مشکور و ممنون فرمائیے۔

سائل: مؤسسہ الحلال الطیب رجسٹرڈ نیدرلینڈ
بوساطت مولانا فیروز حوصلدار، امام نورالاسلام مسجد دی ہیگ

۸۶/۹۲ **الجواب ــــــ بعون المجیب الوھاب ــــــ**

جہاں آپ نے اپنا سوالنامہ بھیجا ہے وہ مذہب حنفی کا دارالافتاء ہے لہٰذا یہاں سے جو بھی جواب دیا جائے گا وہ مذہب حنفی کے اصولِ افتاء کے مطابق ہوگا۔ اگر آپ لوگ مذاہب اربعہ کے دلائل کے طالب ہیں تو ان کی کتابوں کا مطالعہ کریں یا اُن

مذاہب (مالکی، حنبلی، شافعی) کے دارالافتاء کی طرف رجوع کریں جہاں کے جواب سے آپ کو زیادہ تشفی ہوسکتی ہے۔

الجواب الف:- انسانی جسم کے کسی حصے سے انتفاع مذکور اور اسے بطور علاج استعمال کرنے کی شرعاً اجازت نہیں کہ یہ احترام انسانیت کے منافی ہے "اَلْاِنْتِفَاعُ بِاَجْزَاءِ الْاٰدَمِیِّ لَمْ یَجُزْ۔ قیل للنجاسة وقیل للکرامة هو الصحیح کذا فی جواهر الاخلاطی۔ (فتاویٰ عالمگیری ص۳۵۴/۵)

خون جبتک انسانی جسم میں رواں دواں ہے پاک مکرم ہے اور جب جسم سے خارج ہوا تو سیلان و انجماد دونوں صورتوں میں نجس مگر لائق احترام ہے اور فقہائے احناف کے نزدیک نجس و ناپاک شئے سے علاج جائز نہیں اور نہ ہی اس سے کسی طرح کا انتفاع کما مرّ۔ انسانی دودھ ہر چند کہ انسانی جز ہے لیکن اسے ایام رضاعت میں بچوں کو پلانا اور بحالت مرض عند الضرورۃ بطور علاج اس کا استعمال کرنا کرانا فقہائے حنفیہ کے نزدیک بھی جائز ہے، ہاں بے ضرورت شدیدہ (بحالت غیر اضطرار) اس کا استعمال مختلف فیہ ہے چنانچہ فتاویٰ ہندیہ نے قنیہ سے نقل کیا "ولا بأس بان یسعط الرّجل بلبن المرأة ویشربه للدواء، وفی شرب لبن المرأة للبالغ من غیر ضرورة اختلف المتاخرین کذا فی القنیّة (عالمگیریہ ص۳۵۵/۵)۔ لیکن خون کو دودھ پر قیاس نہیں کیا جاسکتا ہے اور نہ دودھ کو خون پر۔ ہاں دودھ کو انسانی پسینہ کی نظیر و مثال بنایا جاسکتا ہے اور اسے ایک دوسرے پر قیاس بھی کیا جاسکتا ہے کیونکہ پسینہ انسانی جسم سے خارج ہونے کے بعد بھی دودھ کی طرح پاک رہتا ہے۔

فقہائے متاخرین کے نزدیک بعض ناپاک اور حرام اشیاء سے بھی عند الضرورۃ علاج جائز ہے۔ مثلاً خون، پیشاب اور مردار گوشت (سوائے خنزیر کے) بشرطیکہ تجربہ کار، دیانتدار ڈاکٹر (مسلم طبیب) کے نزدیک اس کے قائم مقام کوئی اور

اشیاء یا طریقۂ علاج نہ ہو۔ کما فی الہندیہ ص۳۵۵ج۵ یجوز للعلیل شرب الدّم والبول واکل المیتة للتّداوی اذا اخبرہ طبیب مسلم ان شفائه فیه ولم یجد من المباح مایقوم مقامه، اھ
اور جب فقہائے متقدمین ومتاخرین کے درمیان کسی مسئلہ کے اندر اختلاف رائے ہو تو امت کی آسانی اور" الدّین یسر، (نیز) بشروا ولا تنفروا" کے پیش نظر اس رائے پر عمل کرنا جائز ودرست ہے جو ضرورتمند کے لئے زیادہ مفید اور آسان ہو" اِذَا ابْتُلِیَ الْبَلِیَّتَیْنِ فَاخْتَرْ اَهْوَنَهُمَا" یاد رہے کہ رخصت اپنے دائرہ سے تجاوز نہیں کرتی اور نہ ہی جزئیہ مذکورہ کو خنزیر (للنجاسة مطلقًا) اور انسان (للکرامة مطلقًا) کی ہڈی اور اعضاء پر منطبق کرسکتے ہیں کہ یہ منصوصات شرعیہ کے خلاف ہوگا۔ اعضاء انسانی سے عدم انتفاع کا حکم فتاوی عالمگیریہ کے حوالے سے گزر چکا اور اس حکم کی اصل کبریٰ کی یہ عبارت ہے" واذا کان برجل جراحة یکرہ المعالجة بعظم الخنزیر والانسان لانه یحرم الانتفاع به کذا فی الکبریٰ (الفتاوی الهندیه ص۳۵۴ج۵) وہو تعالیٰ اعلم

الجواب:۔ اعضائے انسانی بہر حال قابل احترام واکرام ہیں اور وہ ایک دوسرے کے لئے لینے دینے کی چیز نہیں کہ اس میں ان کی تذلیل وتوہین ہے۔ اور شریعت اسلامیہ کسی انسان یا اس کے اعضاء کی توہین وتذلیل کی اجازت نہیں دیتی۔ پھر کسی بھی عضو کو بے عذر شرعی جسم انسانی سے جدا کرنے میں تغیر خلق بھی لازم ہے جو شیطانی فعل اور حرام ہے۔ شرع مطہر نے ہمیں اس بات کا مکلف نہیں بنایا کہ ہم کسی انسان کو اپنا عضو دیں اور کسی انسان سے اس کا عضو لیں، نہ شرع مطہر میں اس کی کوئی مثال ہے۔ وہو تعالیٰ اعلم۔
ضرورت کے پیش نظر ابھی بھی یہ مسئلہ علماء کرام کے زیر غور ہے۔

الجواب:۔ ہاں حلال جانور کا گوشت ذبیحہ کے بعد ہم لوگ کھاتے ہیں ان کی

چمڑیوں اور ہڈیوں کو استعمال میں لاتے ہیں اگر وہ ہمارے علاج کے کام آسکیں تو یقیناً اس کے ذریعہ علاج کرنا کرانا جائز و درست ہے۔ بلکہ حرام و مردار جانوروں (سوائے سوّر کے) کی ہڈیوں وغیرہ کو بھی ضرورتاً علاج میں استعمال کر سکتے ہیں۔ کما فی الھندیہ باب التداوی والمعالجات

"وقال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ ولا بأس بالتداوی بالعظم اذا کان عظم شاۃ او بقرۃ او بعیر او فرس او غیرہ من الدواب الاعظم .... الخنزیر والآدمی فانہ یکرہ التداوی بھما فقد جوّز التداوی بعظم ماسوی الخنزیر والآدمیّ من الحیوانات مطلقاً من غیر فصل بینھما اذا کان الحیوان ذکیًّا او میّتًا وبینھما اذا کان العظم رطبًا او یابسًا اھ واللہ سبحانہ اعلم

الجواب(د):۔ اس مسئلہ میں مسلم وغیر مسلم ذمی و حربی سب برابر ہیں۔ انسان جب اپنی زندگی میں اپنے اعضاء پر خود اختیار نہیں رکھتا بلکہ کسی کی امانت سمجھ کر اس کی حفاظت کرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ خودکشی پر یا بے وجہ شرعی اپنا کوئی عضو کاٹ لینے پر اس پر سزا کا حکم نافذ ہوتا ہے اور وہ حرام کا مرتکب کہلاتا ہے تو مرنے کے بعد اس کی وصیت اعضاء کے قطع و برید سے متعلق کیونکر نافذ ہوگا؟ یا اس کا وارث اس کے مردہ اعضاء پر کیونکر حکمرانی کر سکے گا۔ کہ اب اس کا مردہ جسم صرف حق اللہ کے زیر سایہ ہے، حقوق العباد سے فارغ ہو چکا ہے۔ قال العلامۃ الشامی فی فتاواہ " والآدمیّ مکرّم شرعًا وان کان کافرًا الخ ... لم یجز کسر عظام میّت کافرًا اھ صہ ۱۱ جب کافر مطلق کی ہڈیوں کو اسکے مرنے کے بعد توڑنا جائز نہیں تو مسلمان (جسکے مال و جان کی عصمت مشروع و منصوص ہے) کی ہڈی یا کوئی عضو اس سے جدا کرنا کیونکر جائز ہوگا؟ واللہ تعالیٰ اعلم و رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم۔

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ خادم الافتاء نیدرلینڈ۔ یورپ

۲۴ / جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ ۱۶ / ستمبر ۱۹۹۸ء

پارفیوم اور اس کا استعمال

تمباکو اور اس کا حکم

مسئلہ ۱۰۶۶/۱۰۶۷: عباس علی واجدی سکریٹری اسلامک فونڈیشن

کیا فرماتے ہیں علمائے محققین ومفتیانِ شرع متین سوالات مندرجہ ذیل میں کہ (۱) پارفیوم (الکحل ملی ہوئی خوشبو) کا استعمال از روئے شرع ناجائز و حرام ہے یا حلال وجائز؟ اسے جسم یا کپڑے پر لگا کر نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ ایک دینی رہنما جن کو یہاں کے اکثر مسلمان اپنا دینی قائد بھی سمجھتے ہیں انہوں نے کہا کہ اگرچہ الکحل کے استعمال میں علماء کا اختلاف ہے لیکن علماء پاکستان کا فیصلہ ہو چکا ہے کہ الکحل شراب نہیں ہے اور اس کا استعمال جسم یا کپڑے پر یا دواؤں میں جائز وحلال ہے ــــ یہاں مقیم ایک مفتی صاحب سے یہی مسئلہ پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ الکحل اسپرٹ ہے جو خالص شراب ہے اب تک علماء اہلسنّت کی یہی تحقیق ہے لہٰذا اس کا استعمال ناجائز و حرام ہے جس کپڑے یا جسم پر اُسے لگایا جائے گا کپڑے یا جسم کا اتنا حصّہ ناپاک ہو جائے گا۔ اگر وہ ایک درہم کی مقدار میں ہو تو نماز نہیں ہوگی اگر پڑھ لیا تو اس نماز کو پھر سے پڑھنا فرض ہوگا۔ اور جہاں تک دواؤں کا تعلق ہے تو الکحل آمیز دواؤں کا استعمال بھی ممنوع ہے۔ ہاں جہاں ان دواؤں کا بدل ممکن نہ ہو اور جان جانے یا اعضائے بدن میں سے کسی عضو کے بیکار ہو جانے کا یقینی خطرہ ہو تو "الضرورات تبیح المحظورات" کے خانہ میں داخل ہو کر محدود حدوں میں اس کے استعمال کی رخصت ہوگی ــــ ان دونوں حکموں کے پیش نظر آمسٹرڈم کی مسلم عوام پریشان ہے لہٰذا حکم شرع سے آگاہ کیا جائے۔

(۲) تمباکو نوشی (خواہ سگریٹ وسگار کی شکل میں ہو یا حقّہ و پان وغیرہ کی شکل میں) حرام ہے یا مکروہ تنزیہی یا پھر حلال ومباح؟ کیا سگریٹ پینے والے جبکہ مسائلِ طہارۃ

ونماز سے پوری طرح آگاہ ہوں امامت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ ۔ اس مسئلہ کو بھی مفتی صاحب
مذکور سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ تمباکو نوشی خواہ کسی شکل میں ہو اگر نشہ کی حد کو
پہنچ جائے تو حرام ہے اور اگر نشہ کی حد کو نہ پہنچے تو نہ حرام ہے نہ مکروہ تنزیہی. ہاں
ایسی مجلس جس میں اس کی بو بعض نفیس طبائع پر گراں ہو وہاں پر اس کا استعمال مکروہ
طبعی ہے ...... اگر تمباکو نوشی یا تمباکو خوردنی کے ذریعہ بعض موذی بیماریوں کے
لاحق ہونے کا یقین ہو تو اس سے بچنا لازم وضروری ہے اور اس کا استعمال شرعاً
ممنوع ومکروہ تحریمی ہوگا۔ لیکن بعض تجربہ کار اور حاذق حکیموں کے نزدیک وہ کاسر
ریاح اور معدہ کی بعض بیماریوں کیلئے مفید بھی ہے اگر واقعی ان ضرورتوں کے پیش نظر
اس کا استعمال کیا جائے تو مباح ــــ مسئلہ ہذا میں بتایا جائے کہ حقیقت کیا ہے کیا
مفتی مذکور اب منصب افتاء پر فائز رہنے کے لائق ہیں یا نہیں؟ واضح جوابات سے
نواز کر شکریہ کا موقع دیں۔ سائل: عباس علی سکریٹری تنظیم القرآن انٹرنیشنل ہالینڈ

الجواب:

دونوں مسائل میں وہاں مقیم مفتی صاحب دام ظلہ وزید مجدہ کا موقف اور بیان
درست اور حق ہے ان کے قول کے خلاف کرنے اور کہنے والے جاہل یا گمراہ ہیں
اور اپنی رائے سے حلال وحرام کا فیصلہ گمراہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے
لَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا حَلَالٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ
لِتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ۔ "نہ کہو جو تمہاری زبانیں جھوٹ کہتی ہیں کہ یہ حلال
ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھو" الکحل اسپرٹ کا جوہر ہے اور اسپرٹ
عرق خمر ہے یہ خبیث ترین خمر وشراب ہے لہٰذا نجس وحرام ہے۔ امام اہلسنت الشاہ
احمد رضا البریلوی نے اپنی کتاب "الاحلی من السکر" (فتاوی رضویہ جلد چہارم
رضا فاؤنڈیشن) میں فرمایا "ان اسپارتو وھی روح النبیذ، خمر قطعاً بل
من اخبث الخمور فھی حرام ورجس نجاسۃ غلیظۃ کالبول۔
یعنی اسپرٹ تو یہ شراب کا جوہر ہے اور خمر وشراب ہے بلکہ وہ خبیث ترین شراب ہے۔

لہٰذا یہ قطعاً حرام اور نجس ہے اور نجاست بھی غلیظہ جیسے پیشاب نجس ہے۔ لہٰذا جس چیز میں اس کی ملاوٹ ہو گی وہ ناپاک و نجس ہو گی، جیسا کہ وہاں مقیم مفتی صاحب نے فرمایا ہے۔ واللہ اعلم

الجواب ۲ حقہ، سگریٹ وغیرہ کے متعلق مفتی صاحب مذکور کا ارشاد حق ہے اگر عقل و حواس میں فتور پیدا کرے تو حرام ہے۔ ورنہ اگر بدبو ہو تو پیاز اور لہسن کی طرح مکروہ تنزیہہ یعنی غیر پسندیدہ ہے گناہ نہیں۔ اگر بدبو بھی نہ ہو تو بلا کراہت جائز ہے۔ نشہ اور فتور کے متعلق حدیث شریف میں ارشاد ہے نهیٰ رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم عن مسکر ومفتر (ابوداؤد) غرض کہ سوالات مذکورہ کے متعلق مفتی صاحب مذکور کا قول حق اور واجب الاتباع ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی، جامعہ نظامیہ لاہور پاکستان۔ محمد ... غفرلہ ۲۲-۱۰-۹۹ء

۴۸۶/۹۲ ہر دو مسئلہ میں مفتی صاحب کا کہنا درست ہے اسی کے مطابق عمل کریں۔ واللہ الھادی۔ وھو تعالیٰ اعلم کتبہ قاضی عبدالرحیم بستوی غفرلہ
مرکزی دارالافتاء ۸۲ سوداگران بریلی شریف

مسلمان کا خون کافر کو، کافر کا خون مسلمان کو چڑھانا

مسئلہ ۱۰۶۸ : سبحانی شریعت کالج کیرلا۔ انڈیا ۱-۶-۱۴۲۲

کیا فرماتے ہیں علماء دین و حاملان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی کافر و مشرک یا اہل کتاب کا خون حالت اضطرار میں تجربہ کار ڈاکٹر کے کہنے کے مطابق کسی پرہیزگار، دیندار مسلمان کے جسم میں چڑھانے کے لئے دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

بینوا وتوجروا فیضان الرحمٰن سبحانی متعلم عربک کالج مرکز الثقافۃ السنیہ کیرلا

۴۸۶/۹۲ الجواب

کسی ڈاکٹر کا یہ کہہ دینا کہ یہ مریض انسانی خون چڑھائے بغیر صحت یاب نہیں

ہو سکتا یا اس کے مرض کے لئے دواؤں میں خون کا کوئی بدل نہیں ہے عند الشرع ناقابل مسموع اور ناقابلِ اعتبار ہے۔ ایسوں کی طرف علاج میں رجوع ہی نہیں کرنا چاہئے کہ نیم حکیم خطرۂ جان ہوتا ہے۔ ہاں اگر کوئی مسلمان دیندار طبیب حاذق اپنے تجربہ کی بنیاد پر کسی مریض کے لئے خون انسانی ہی کو مفید و نافع بتائے اور مریض کی صحت کی ضمانت دے (اگرچہ مریض صحت یاب نہ ہو) تو اس کے کہنے کے مطابق خونِ انسانی سے اس کا علاج کیا جا سکتا ہے کہ فقہاء متاخرین نے عند الضرورۃ علاج بالدم کی اجازت و رخصت دی ہے۔

لیکن اس وقت کسی مسلمان دیندار کا طبیب حاذق ہونا تقریباً عنقا ہو چکا ہے۔ شاید دنیا کے چند شہروں میں معدودے چند ایسے اطباء میسّر آجائیں تو اس کا عقلاً انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔

کثرت اور بہتات بلکہ عموم بلوی انگریزی ڈاکٹروں اور انگریزی دواؤں (خواہ ایلوپیتھ ہو یا ہومیوپیتھ) کا ہے اس لئے بر سبیلِ تنزّل موجودہ حالات میں یہ کہنا غالباً زیادہ مناسب ہوگا کہ کم از کم تین ماہر و تجربہ کار (اسپیشلیسٹ) ڈاکٹر اگر متفقہ طور پر یہ کہہ دیں کہ اس مریض کا علاج انسانی خون کے سوا اور کچھ نہیں۔ اور نہ ہی اس کا کوئی بدل ہے تو انسانی خون سے علاج کرنے کرانے میں کوئی حرج نہیں۔

باقی رہا مسلم و غیر مسلم کا خون تو اس میں ماہیت و اثر کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں۔ عند الضرورۃ مسلم کا خون غیر مسلم کو، غیر مسلم کا خون مسلم کو، دیندار کا خون فاسق و فاجر کو اور فاسق و فاجر کا خون متقی و پرہیزگار کو چڑھایا جا سکتا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ خون عموماً اپنا اثر دکھلاتا ہے جس کا انحصار ہمارے آپ کے تجربہ پر ہے لہٰذا اسے استحسان کے خانے میں رکھا جا سکتا ہے۔ کسی کافر و مشرک کا خون کسی متقی و پرہیزگار مسلمان کو نہ چڑھانا مستحسن ہے۔ حلت و جواز کی حد تک اس میں کوئی قباحت نہیں۔ واللہ تعالیٰ و رسولہ الاعلیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ عبد الواحد قادری غفرلہ، یکم جمادی الآخرۃ ۱۴۲۳ھ

اسلامک فاؤنڈیشن نیدرلینڈ

انسانی اجزاءِ بدن کا استعمال کھانے پینے میں

مسئلہ ۱۰۶۹: (مولانا) عبدالغفار نورآنی ۲۰۰۱-۴-۲۶

کیا فرماتے ہیں علمائے ملّت اسلامیہ و مفتیانِ شرعیہ اس مسئلہ میں کہ آدمی کے بالوں اور ناخنوں کو کسی طرح کھانے پینے کے استعمال میں لایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور کیا عورتوں کی بچہ دانی کو اس طرح تحلیل کردیا جائے کہ اس کی ہیئت وغیرہ بالکل ہی ناپید ہوجائے۔ اسی طرح بالوں اور ناخنوں کی ہیئت بھی بالکل ہی بدل دی جائے تو ان سب کا استعمال شیمپو، صابن، چاکلیٹ وغیرہ کی شکل میں کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ واضح ہو کہ انگلینڈ کے بعض مفتیانِ کرام نے ان سب کی اباحت و حلّت وطہارت کا فتویٰ دیا ہے۔ شرعی حکم سے آگاہ کیا جائے کہ ان سب انسانی اجزاءِ بدن کا استعمال کھانے پینے میں کیسا ہے؟ نورآنی، جنرل سکریٹری مجلس علماء نیدرلینڈ

الجواب ۹۲/۶۸۲ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

انسان اپنے تمام اجزاء بدن کے ساتھ مکرّم و محترم ہے لقولہ عزوجل ”وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ آدَمَ ۝“ اور اس کے جزء بدن میں سے کسی جزء کی خرید وفروخت اور اس سے انتفاع اس کی کرامت وحرمت کے خلاف ہے۔

اجزاء بدن میں سے کسی جزء کی ہیئت وفطری بناوٹ کو بے اجازتِ شرع بدلنا تغیر خلق اللہ اور شیطانی عمل ہے جو شرعاً حرام ہے۔ ”وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۝“ (اور شیطان نے کہا) میں انہیں ضرور حکم دوں گا تو وہ ضرور بدل ڈالیں گے خلقتِ الٰہیہ کو۔

پھر اگر کسی بے باک نے انسانی جزء بدن کی ہیئت کو کلیۃً بدل دیا جس کو فقہ کی زبان میں استحالہ کہتے ہیں اس کے بعد اسے کسی طرح کھانے پینے کے استعمال میں لانا اس کی کھلی ہوئی توہین و تذلیل ہے جو عند الشرع حرام ہے۔

دراصل اس مسئلہ کے اندر یورپ کے بعض مفتیوں کو دھوکہ ہوا ہے کہ اصولِ

فقہ میں جب کسی شئے کی حقیقت بدل جاتی ہے تو اس کے متعلق شرعی حکم بھی بدل جاتا ہے۔ لیکن انہوں نے دائرۂ حرمت کے عین و غیر کی طرف توجہ نہیں فرمائی ورنہ یہ لغزش واقع نہ ہوتی۔

حرام لغیرہٖ کی جب ماہیت بدل جائے یا کسی حلال وجائز شئے سے بدل دی جائے تو اس کا حکم بھی بدل جاتا ہے۔ جس کے نظائر کتب فقہیہ میں موجود ہیں۔ اور حرام لعینہٖ (مثلاً خنزیر اپنے تمام اجزاء بدن کے ساتھ نجاست کی وجہ سے اور انسان اپنے تمام اجزاء بدن کے ساتھ کرامت و بزرگی کی وجہ سے) کی ماہیت اجزاء کو ایک بار نہیں ہزار بار بدلا جائے یا خود بدل جائے پھر بھی اس کا حکم نہیں بدلے گا کیونکہ حرمت اس کا عین ہے۔

بالفرض اگر کوئی مغرب زدہ مفتی آج انسانی بال و ناخن اور بچہ دانیوں کو اس کی ہیئت بدل کر قابلِ اکل و شرب بناتا ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں کہ کل اس کے دیگر اجزاء بدن (کھال، گوشت، ہڈی، خون اور شرائن وغیرہا) کو بھی کھانے پینے کے مصرف میں لے آئے گا۔ تو گویا اس سائنسی دور اور ترقی یافتہ زمانہ کا انسان، انسان نہیں بلکہ درندہ جانوروں سے بھی دو چار ہاتھ آگے نکل گیا ہے کہ بعض درندے تو اپنے ہم جنس کا شکار بوجہ صفت درندگی کے کرتے ہیں مگر انسان صرف اپنی ہوا، دہوس اور نفسانی خواہشات کی آگ بجھانے کے لئے اپنے ہی ایجاد کردہ سائنسی آلات کے ذریعہ اپنے ہم جنس و ہم نوع کے شکار کرنے پر تلا ہوا ہے۔ اَلْاَمَانُ وَالْحَفِیْظ صَدَقَ رَبُّنَا الْعَظِیْم۔ اُولٰئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: عبد الواحد قادری غفرلہ، ۲۰ صفر ۱۴۲۲ھ ۲۶ اپریل ۲۰۰۱ء

خادم الافتاء، مجلس علماء، نیدرلینڈ

غیر مذبوحہ مردار جانوروں کے چمڑے کا جوتا

۸ مسئلہ: — عیسیٰ مغربی مسجد العابدین ایمسٹرڈم ۱۰۱
۲۵-۱۱-۱۹۸۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اٹالیہ میں چمڑوں کے پکانے رنگنے کی ٹینریاں ہیں جن کے اکثر کارندے اور آفیسران یا تو یہود و نصاریٰ ہیں یا ملحد و بے دین۔ ان ٹینریوں میں یہود و نصاریٰ کے ذبیحے کے چمڑے بھی پکائے جاتے ہیں اور غیر مذبوحہ جانوروں کے چمڑے بھی۔ ان چمڑوں سے جوتے، جرسی اور صوفہ سیٹ وغیرہ درجنوں قسم کی چیزیں بنتی ہیں۔ کیا ان چمڑوں سے بنی ہوئی چیزوں کا استعمال مسلمانوں کو جائز ہیں؟

۷۸۶/۹۲ الجواب ـــــ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب ـــــ

مذبوحہ جانوروں کا چمڑا مطلقا پاک ہے خواہ ذابح مسلم یا کتابی ہو یا غیر مسلم و مشرک۔ اور خواہ اس جانور کا گوشت حلال ہو یا حرام۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے۔

انّ ذبیحۃ المجوسی و تارك التسمیۃ عمدًا توجب الطھارۃ علی الاصح۔ وان لم یکن ماکولًا وکذا نقل صاحب المعراج فی ھٰذہ المسئلۃ الطھارۃ عن القنیہ ایضًا	مجوسی اور قصداً بسم اللہ نہ پڑھنے والوں کا بھی ذبیحہ صحیح تر قول پر چمڑے کو ضرور پاک کر دیتا ہے اگرچہ اس کا گوشت کھانا حرام ہو۔ اور صاحب معراج الدرایہ نے بھی اس مسئلہ کو طہارت کے باب میں قنیہ سے نقل فرمایا۔

اور شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے ایما اھاب دبغ فقد طھر (یعنی ہر چمڑا سوا سور کے رنگنے سے پاک ہو جاتا ہے) مسند امام احمد بن حنبل میں موجود ہے۔ پس مذکورہ ٹینریوں کے پکے ہوئے چمڑوں سے خواہ جائے نماز بنے یا جوتا مسلمانوں کو استعمال کرنا جائز و درست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ ۲۵ / نومبر ۱۹۸۵ء نوری مسجد آمسٹرڈم ہالینڈ۔

کسی مسلمان کا جوٹھا

مسئلہ ۱۰۸۱ :- محمد فیروز سکریٹری نیدرلینڈ اسلامک سوسائیٹی۔
۹-۱۱-۱۹۸۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی عالم یا پیر یا کسی مسلمان کا جھوٹا عامۃ المسلمین عورت و مرد کے لئے کھانا پینا درست ہے یا نہیں؟ واضح جواب سے نوازیں۔ المستفتی: محمد فیروز سکریٹری نیدرلینڈ۔ اسلامک سوسائیٹی۔

۷۸۶/۹۲ الجواب ـــــــ هو الهادی الی الصواب ـــــــ

کسی شخص کا جوٹھا خواہ وہ کسی پیر فقیر کا ہو یا عالم امام کا یا عام مسلمان عورت و مرد کا اسے نفسانی لذت حاصل کرنے کیلئے کھانا پینا (خواہ عورت کھائے یا مرد) ناجائز و حرام ہے۔ درمختار ص۲۴ فصل فی البئر میں ہے۔ یکرہ سورھا للرجال کعکسہ لاستلذاذ" (حصول لذت کے واسطے عورت کا جھوٹا مرد کے لئے اور مرد کا جھوٹا عورت کے لئے مکروہ تحریمی ہے)۔ ہاں اگر شہوانی لذت حاصل کرنا مقصود نہ ہو تو ہر ایک مسلمان کا جوٹھا ہر ایک مسلمان (عورت و مرد) کے لئے جائز و درست ہے عبارت مذکورہ کا خلاصہ ردّالمحتار ص۱۶۳ میں ہے یفهم منه انه لا استلذاذ لاکراهة۔ یعنی اگر لذت کے لئے نہ ہو تو کراہت نہیں۔

اور اگر پیر فقیر، عالم و امام اور کسی بھی دینی بزرگ کا اُولش (کھانے پینے کا پسماندہ) ہو تو اس کو حصول برکت کے لئے کھانا پینا بہت مبارک ہے اور جسمانی و روحانی شفا بھی۔ جیسا کہ بزرگوں کا ارشاد ہے "سور المومن شفاءٌ" واللہ اعلم

کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہ نوری دارالافتاء آمسٹرڈم

ہالینڈ ۹/۱۱/۱۹۸۵ء

حلال چوپایہ اگر بے وقت دودھ دے

مسئلہ ۱۰۷۲:- مولانا زین العابدین

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کوئی بھی دودھ دینے والا حلال چوپایہ مثلاً گائے، بکری، بھیڑ اگر وقت مقررہ سے پہلے ہی اپنا بچہ گرا دے اور اس کو دودھ اُتر آئے تو اس کے دودھ کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا بالدلیل وتوجروا عند الجلیل ۔ المستفتی: (مولانا) زین العابدین
امام وخطیب مسجد العابدین، آمسٹرڈم

۹۷ الجواب ـــــــــــ حلال چوپایوں کا دودھ خواہ بچہ پیدا ہونے سے پہلے اترے یا بعد میں۔ یا بغیر حمل کے ہی اتر آئے عند الشرع اس کی ممانعت نہیں اس کا پینا جائز ہے۔ خالقِ کائنات جلّ جلالہ کا ارشادِ گرامی ہے۔

وَاِنَّ لَکُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَۃً نُسْقِیْکُمْ مِمَّا فِیْ بُطُوْنِہٖ مِنْ بَیْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِلشّٰرِبِیْنَ۔ (النحل آیت ۶۶)

اور بیشک تمہارے لئے مویشیوں میں عبرت ہے، ہم تمہیں پلاتے ہیں ان کے شکموں میں گوبر اور خون کے درمیان سے بہت خوش ذائقہ دودھ پینے والوں کے لئے۔

پھر دوسرے مقام پر ارشاد ہوا

نُسْقِیْکُمْ مِمَّا فِیْ بُطُوْنِہَا

انکے شکموں کے دودھ سے ہم تمہیں سیراب کرتے ہیں

آیۂ کریمہ کے اطلاق وعموم سے حلال مویشیوں کے دودھ کے تمام اقسام جائز و حلال ہوگئے۔ لہٰذا اب یہ سوال ہی عبث ہے۔ کہ مثلاً گائے کا پہلا دودھ (فینوس کِھرسا)، یا آخری دودھ (بکین)، یا بچہ پیدا ہونے سے پہلے کا دودھ یا بغیر حمل و بچہ کے اگر یونہی دودھ اتر آئے تو جائز ہے یا ناجائز؟

پہلی آیۂ کریمہ میں بُطُوْنِہٖ کا مرجع الانعام ہے یہاں بھی دوسری آیۂ کریمہ کی طرح بُطُوْنِہَا ہونا چاہئے تھا کیونکہ اَلْاَنْعَام جمع ہے اَلنَّعَم کا اور اس کا جمع الجمع اَنَاعِیْم آتا ہے لیکن علماء نحو کے نزدیک اَنْعَام جمع ہونے کے ساتھ مفرد بھی ہے۔ چنانچہ امام النحو سیبویہ نے اسے مفردات میں شمار کیا۔ اسلئے لفظ کا لحاظ کرتے ہوئے واحد کی ضمیر اس کے لئے استعمال ہوتی ہے جیسا کہ یہاں ہوا۔ اور کبھی معنیٰ کا لحاظ کرتے ہوئے جمع یا واحد مؤنث کی ضمیر کا استعمال ہوتا ہے جیسے دوسری آیۂ کریمہ میں اور بعض ائمہ نحو (مثلاً زجاج) نے فرمایا کہ اَنْعَام اسم جنس ہے لہٰذا مؤنث و مذکر دونوں ضمیریں اسکی طرف راجع ہوسکتی ہیں (تفسیر قرطبی) واللہ اعلم ۔ عبد الواجد قادری غفرلہ

جسم کے مختلف حصّوں کو چھیدوانا

مسئلہ ۱۰۷۳: رستم رحمت علی۔
۱۵-۱۱-۱۴۱۹

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ میں کہ آج کل بطور فیشن و نمائش لڑکے اور لڑکیاں کان اور ناک کے ساتھ ساتھ لبہائے زیرین وبالا چھاتیوں کی گھنڈیوں، ناف اور شرمگاہوں کی چمڑیوں کو بالیوں سے چھیدوانے لگی ہیں۔ کیا یہ شرعاً جائز ہے؟ اگر وہ ناپاکی کا غسل کریں تو ان سوراخوں میں بھی پانی پہنچانا فرض ہوگا یا نہیں جو بالیوں (رینگوں) کیلئے بنائے گئے ہیں۔

رستم رحمت علی یونگرو گروپ (جماعۃ الشبان) دی ہیگ

الجواب هو الموفق الى الصواب

لڑکوں کو لڑکیوں کا فیشن (وضع قطع نمائش کے طور پر) اختیار کرنا حرام ہے کہ یہ عورتوں سے مشابہت ہے جس کی حرمت کثیر حدیثوں میں بیان فرمائی گئی البتہ لڑکیوں (عورتوں) کو بطور حسن و آرائش کان اور ناک چھیدوانے کی فقہاء نے اجازت دی ہے۔ اور جن اعضاء جسم کا ذکر سوالنامہ میں ہے ان کو فیشن کے طور پر چھیدوانا اوباشوں کا طریقہ ہے مسلمان لڑکے اور لڑکیوں کے لئے نہایت بے شرمی اور فساق کی وضع قطع اختیار کرنے کی بات ہے جس سے بچنا نہایت لازم وضروری ہے۔

چونکہ ان بالیوں (رینگوں) کو ہونٹ، ٹھڈی، چھاتی کی گھنڈی، ناک، کان وغیرہ اعضاء جسم سے چھڑایا جا سکتا ہے لہٰذا فرض غسل میں فرض ہے کہ ان نحوستوں کو جسم سے دور کرے اور ان سوراخوں تک پانی پہنچائے۔ اگر ان بالیوں کے سوراخوں کی کوئی جگہ ایک بال برابر بھی پانی بہنے سے رہ گئی تو غسل فرض ادا نہیں ہوگا۔ ہاں اگر ان رینگوں کی سوراخیں اتنی کشادہ ہیں کہ پانی کا بہاؤ ان سوراخوں سے بآسانی ہو جاتا ہے تو غسلِ فرض اُتر جائے گا۔ ورنہ نہ تو اس غسل سے کوئی نماز ہوگی نہ رحمت کے فرشتے اس شخص کے پاس آئیں گے۔ واللہ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ ۱۵ ذی قعدہ ۱۴۱۹ھ
خادم الافتاء اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

خیرات کے لئے تاریخ اور جگہ کا تعیّن

مسئلہ ۱۰۷۴ :۔ طارق رضا، مانچسٹر برطانیہ ۱۴-۱۰-۱۴۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ صدقہ وخیرات کے لئے تاریخ اور جگہ کا تعیّن کرنا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً کسی کا یہ کہنا کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو ۲۲ رجب کو میں مسجد کے باہر جس قدر فقراء وسائلین ہوں گے سبھی کو جوڑا پہناؤں گا۔ یا لاہور جا کر داتا صاحب کے جتنے زائرین ہوں گے سب کو دیگ کھلاؤں گا مستفتی : طارق رضا

۷۸۶/۹۲ الجواب ــــــــ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب ــــــــ

صدقات وخیرات کے لئے وقت جگہ اور تاریخ وغیرہ کے تعیّن میں کوئی مضائقہ یا ممانعت شرعیہ نہیں بلکہ ہمارے جتنے دینی اور شرعی کام ہیں سب کے لئے وقت جگہ اور تاریخ مقرر ہے۔ مثلاً ارکانِ حج، صوم رمضان، ادائے زکوٰۃ، نماز پنجگانہ، قربانی، سب ہی میں وقت وجگہ اور تاریخ کی تعیین موجود ہے۔

پس یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ جب بھی کسی خیرات ومبرات یا فعل حسن کے لئے کوئی جگہ اور تاریخ کا تعیّن کریں تو جگہ یا تاریخ کی نسبت اللہ کے نیک اور برگزیدہ بندوں سے ہو اللہ تعالیٰ کے یا اس کے رسولوں کے یا اس کے دین کے دشمنوں سے نہ ہو۔ مثلاً یہ نہ کہے کہ رام نومی کے دن میں خیرات کروں گا۔ (معاذ اللہ) یا یہ نہ کہے کہ برہم ستھان کے پاس جا کر یہ خیرات کرونگا (العیاذ باللہ تعالیٰ)

مشکوٰۃ شریف باب النذور میں یہ حدیث پاک موجود ہے کہ ایک صحابی نے بوانہ میں اونٹ قربان کرنے کی منت مانی پھر مسئلہ دریافت کرنے کے لئے وہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو سید عالم نے پوچھا۔

ھل کان وثن من اوثان الجاھلیۃ یُعبد قالوا لا۔ قال فھل کان فیھا عید	کیا بوانہ میں کوئی ایام جاہلیت کا بت تھا جسکی پوجا کی جاتی تھی؟ عرض کیا نہیں۔ پھر فرمایا کیا وہاں

من اعیادھم قالوا لا فقال رسول کفار کا کوئی میلہ لگتا ہے؟ عرض کیا نہیں، تو
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوف بنذرک آپ نے فرمایا اپنی نذر پوری کر۔
اور اگر جگہ، تاریخ وغیرہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے ہے تو وہاں
خیرات وصدقات کرنے کیلئے بلکہ عبادت کے لئے جانا نہ صرف جائز بلکہ سنتِ انبیاء
علیہم السلام کی پیروی ہے۔ جیسے محراب مریم میں حضرت زکریا کا جانا، شہداء احد
کے مزارات پر سیّد الانبیاء علیہ وعلیہم السلام کا ہر سال کے سرے پر جانا۔ قال تعالیٰ
هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ۔ وفی الشامی باب زیارۃ القبور۔ ان النبی صلی اللہ
علیہ وسلم کان یأتی قبور الشہداء باحد علی رأس کل حول اھ
واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ۔ دارالافتاء
مدینۃ الاسلام دی ہیگ

باپ کے کاروبار میں بیٹوں کا حصہ

مسئلہ ۱۰۷۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ باپ کے مرنے کے بعد
۱۹۸۷-۳-۸ء
اس کے تمام بیٹوں نے باپ کے کاروبار کو آگے بڑھایا اور اس میں کافی منافع بھی ہوا
حالانکہ سب بیٹے جسمانی قوت اور عقل ورائے میں برابر نہیں ہیں بعض نہایت
ہونہار صاحب عقل وفہم ہیں اور بعض سست وکاہل، غبی وکند ذہن۔ ایسی
صورت میں منافع مذکور شرعی طور پر کس طرح تقسیم ہوگا؟

عبدالمجید گان، جنسوبارامارس بو، سرینام

الجواب ۸۶/۹۲ بعون الکریم الوهاب

جب تمام بھائیوں نے مل کر باپ کے کاروبار کو آگے بڑھایا تو سبھی اس منافع
میں برابر کے شریک وسہیم ہوں گے۔ عقل وجسامت کے اعتبار سے کم وبیش
حصہ تقسیم نہیں ہوگا بلکہ ہر بیٹے کو برابر سرابر ملے گا۔
درمختار ص ۴۷۳/۱ میں ہے۔

لواجتمع اخوة يعملون في تركة ابيهم ونما المال فهو بينهم سوية ولواختلفوا في العمل والرأي	اگر چند بھائی مل کر باپ کے ترکہ میں عمل کریں جس کے سبب مال بڑھ گیا تو وہ تمام بھائیوں کے درمیان برابر بٹے گا خواہ قوتِ عمل اور عقل و رائے میں اختلاف ہی کیوں نہ ہو۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ

۱۸/ ۳/ ۱۹۸۷ء

پاکستانی غیر مسلم بینکوں کے منافع کا حکم

مسئلہ ۱۰۲۶:- کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام بیچ اس مسئلہ کے کہ زید عرصہ دراز سے ہالینڈ میں مقیم ہے اور اب وہ اپنے وطن پاکستان میں مستقل طور پر سکونت کا ارادہ رکھتا ہے۔ ساتھ ہی وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ اسے اپنے وطن میں جلد ہی ذرائع آمدنی میسر آجائیں۔ اس کے لئے زید کے دوست بکر نے اسے یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ اپنی جمع شدہ رقم پاکستان میں موجود کسی غیر اسلامی بینک (یہودی عیسائی، ہندو کے بینک) میں جمع کروا دیں تو جب تک بینک میں تمہاری رقم رہے گی ایک مقررہ رقم بطور منافع تمہیں ملتی رہے گی۔ سوال یہ ہے کہ زید کا غیر اسلامی بینک میں جمع کروا کر اس سے معینہ رقم ہر ماہ وصول کرنا از روئے شرع جائز ہے یا ناجائز؟

آپ کا خادم:- محمد سجاد برکاتی، اکبر اسٹراٹ ۲۶ آمسٹرڈم

۸۶/ ۹۲

الجواب ـــــــ بعون المجیب الوہاب ـــــــ

معروف سود (ربا) بہر حال حرام قطعی ہے۔ لقولہٖ تعالیٰ "وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا٭ وقال اللہ عزوجل يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ٭

حربی کفار اور مسلمان کے درمیان کیلی و وزنی اشیاء کے لین دین میں کمی و بیشی شرعاً سود (ربا) نہیں۔ کمافی الهدایه۔ لَا رِبَا بَيْنَ الْمُسْلِمِ

وَالْحَرْبِيِّ فِي دَارِ الْحَرْبِ۔

فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہاں دار الحرب کی قید اتفاقی ہے ..... پاکستان وہ خطہ سرزمین ہے جو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا۔ اگرچہ عملی طور پر اب تک وہاں اسلامی آئین کا باضابطہ نفاذ نہیں ہو سکا ہے۔ لیکن بنیادی اور وہاں کے قانونی طور پر وہ اسلامی مملکت ہے۔ اگر وہاں دوسری قوموں کا قیام بصورتِ امان ہے جسے شرعی زبان میں مُستامَن کہا جاتا ہے۔

تو اُس سے کیلی و وزنی اشیاء کے لین دین میں کمی بیشی مسلمانوں ہی کی طرح ناجائز و حرام ہوگا کیونکہ اب اس کا مال مالِ حربی کی طرح مباح نہیں رہا بلکہ یکگونہ معصوم ہوگیا کہ مال ماتحت دم کے ہوتا ہے۔ حضرت علامۃ الفہامہ، خاتم المحققین علامہ ابن عابدین شامی ردّ المحتار میں فرماتے ہیں۔

لانّه دخل دارنا بامان فباع منه مسلم درهمًا بدرهمين لا يجوز اتفاقًا اھ	اگر کوئی حربی ہمارے ملک (اسلامی) میں امان لیکر داخل ہوا پھر کسی مسلمان نے اس کے ہاتھ ایک درہم دو درہموں میں بیچا تو یہ بالاتفاق ناجائز ہے۔

اور فتح القدیر میں ہے۔

اَلْمُسْتَامَنُ مِنْهُمْ عندنا لان ماله صار محظورًا بالامان فاذا اخذه بغير الطريق المشروعة يكون غدرًا۔	حربیوں میں سے جو مستامن ہوگیا اس کا مال ہمارے نزدیک امان کی وجہ سے ممنوع و محفوظ ہوگیا۔ لہٰذا اگر اس کا مال غیر شرعی طریق پر لے لیا تو وہ غدر (حرام) ہوگا۔

ان دلائلِ شرعیہ کی روشنی میں ثابت ہوا کہ صورتِ مسئولہ میں جس آمدنی کا ذکر کیا گیا ہے وہ مباح آمدنی نہیں بلکہ ناجائز و حرام ہے جس سے بچنا زید پر لازم ہے۔

اور اگر وہاں دوسری قومیں بصورت امان نہیں بلکہ نسلاً بعد نسلٍ وہیں کی رہنے والی ہیں اور اسلامی مملکت قرار پانے کے بعد امان سے متعلق ان سے

کوئی معاہدہ نہیں ہوا ہے تو وہ انڈیا کی طرح حکماً حربی ہیں۔ اور مذکورہ فی السوال بینک اگر انہی کفار کے ہیں تو ان سے لین دین میں جو کمی بیشی ہوگی وہ شرعاً سود (ربا) نہیں کہلائے گا۔

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ خادم الافتاء اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

۱۶ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ ۳۱ مارچ ۲۰۰۲ء

کتاب الحظر والاباحۃ

(مسائل متفرقہ)

مکتوب انگوٹھی یا تعویذ کے ساتھ بیت الخلا میں جانا

مسئلہ ۱۰۲۲: محمد فرہاد گمان رضوی سوسائٹی آمسٹرڈم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر انگوٹھی پر کوئی انگریزی حرف مثلاً (H) یا (M) وغیرہ لکھا ہوا ہو تو اس انگوٹھی کو پہنے ہوئے لیٹرن (بیت الخلا) میں جا سکتے ہیں یا نہیں؟ ___ دوسری بات یہ ہے کہ جو تعویذ انگوٹھی کے اندر اس کے نگینہ کے نیچے چھپی ہوئی ہو، یا گلے میں لٹکی ہوئی تعویذ جو کپڑے میں سلی ہوئی ہو اس کے ساتھ لیٹرین میں جا سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا بالدلیل وتوجروا عند الجلیل

محمد فرہاد گمان سکریٹری رضوی سوسائٹی نیدرلینڈ

۷۸۶/۹۲

الجواب ___ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب ___

ایسی انگوٹھیاں یا لوکٹ جس پر اسم جلالت (اللہ) یا نام پاک سرور کائنات (محمد) علیہ افضل الصلوٰت وازکی التسلیمات لکھا ہوا ہو۔ پہن کر بیت الخلاء، بلکہ غسل خانہ میں جانا نہایت برا اور عند الشرع اساءت کے حکم میں داخل ہے۔ ایسا کرنے والا گنہگار ہوگا۔

جن انگوٹھیوں یا لوکٹ پر کوئی حرف ہجا مثلاً ا۔ ب۔ ج۔ د۔ وغیرہ یا A-B-C وغیرہ لکھا ہوا ہو یا کسی زبان کا حرف ہجا یا لفظ ہو اسے پہنکر بیت الخلاء میں جانا مکروہ اور عند الشرع ناپسندیدہ ہے کیونکہ مطلقاً حروف کا ادب ہماری شریعت کو محبوب ومطلوب ہے۔

بحر الرائق میں ہے یکرہ ان ید خل الخلاء ومعہ خاتم مکتوب علیہ اسم اللہ تعالیٰ او شئ من القرآن (ایسی انگوٹھی کے ساتھ بیت الخلاء میں جانا جس پر اللہ تعالیٰ کا نام یا قرآن کی کوئی چیز لکھی ہو مکروہ تحریمی ہے۔

اور ردّ المحتار میں ہے۔

عند نا ان للحروف حرمۃ ولو مقطعۃ وذکر بعض القراء ان حروف الھجاء قرآن نزل ھود علیہ السلام الخ	ہم فقہاء کے نزدیک مطلقاً حروف قابلِ احترام ہیں اگرچہ وہ حروف الگ الگ ہوں۔ اور بعض قراء سے منقول ہے کہ حروف ہجا (الگ الگ حروف) قرآن (منزل من اللہ تعالیٰ) ہے جو حضرت ہود علیہ السلام پر نازل ہوا تھا۔

یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ بعض لوگ اخبارات ورسائل کو دسترخوان یا جوتا وغیرہ پوچھنے میں استعمال کرتے ہیں یا بعض حضرات ایسا تکیہ یا رومال استعمال کرتے ہیں جن پر اشعار یا جملہ یا الفاظ کشیدہ ہوتے ہیں ظاہر ہے کہ ان حروف والفاظ کا احترام باقی نہیں رہتا ہے۔ لہٰذا یہ سب کام بھی مکروہ وناپسندیدہ ہے ہاں جو تعویذات انگوٹھی یا غلاف میں پوشیدہ ہوں ان کے ساتھ بیت الخلاء میں جانا مکروہ نہیں۔ اور اگر اسے اتار کر بیت الخلاء میں جائے تو بہتر ہے۔ درمختار میں ہے۔ رقیۃ فی غلاف متجاف لم یکرہ دخول الخلاء بہ والاحتراز افضل (جو تعویذ خشک غلاف کے اندر ہو اس کے ساتھ بیت الخلاء میں جانا مکروہ نہیں مگر اس سے بچنا افضل ہے)

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ۔ نوری مسجد

۲۹ / ۱۱ / ۱۹۸۵ء

قرآن پاک کی قسم کھانا

مسئلہ ۱۰۲۸: محمد افضل۔ کیراوٗف قاری حنیف صاحب نقشبندی ۱۴۲۵/۵/۱

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ اگر کسی دو مسلمان کے اندر لین دین میں اختلاف ہوجائے تو قرآن پاک کی قسم (حلف) پر فیصلہ

کیا جا سکتا ہے یا نہیں ؟ برائے مہربانی اس مسئلہ کی شرعی حیثیت واضح کریں کہ اسلام میں اس کی اجازت ہے یا نہیں ؟

العارض :- محمد افضل ملہیر سٹرات ۲۷۲ فرینکفورٹ (جرمنی)

الجواب ـــــ اللّٰھم ہدایۃ الحق والصواب ـــــ ۹۲/۴۸۶

ذات وصفات الٰہیہ (عزّوجل) پر حلف درست ہے ، اور قرآن عظیم حضرت حق جلّ مجدہ کی صفتِ قدیمہ ہے کہ وہ کلام الٰہی عزّوجل ہے لہٰذا اس کی قسم صحیح ونافذ ہے اور اس کی قسم پر فیصلہ درست ہے ۔

صورتِ مسئولہ میں جو مدّعی حق ہے اس پر بیّنہ (دلائل وثبوت کا پیش کرنا ہے) اور جو منکر ہے اس پر حلف ہے ۔ یعنی اولاً مدعی سے ثبوت طلب کیا جائے کہ وہ اپنے حق کو ثابت کرے اور جب وہ ثبوت پیش کرنے سے عاجز ہو تو منکر (مدّعا علیہ) سے حلف لیا جائے اور حلف کے مطابق فیصلہ کیا جائے ۔ اور اگر منکر حلف سے انکار کر جائے یا لیت ولعل سے کام لے تو شرعاً اسکے خلاف فیصلہ صادر ہوگا ۔

قال علیہ الصلوٰۃ والسلام " البیّنۃ علی المدعی والیمین علیٰ من انکر ۔

واللّٰہ تعالیٰ اعلم ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

صدقۂ نافلہ

مسئلہ ۱۰۲۹ :- حاجی محمد عبد الجبار گمان ۲-۱-۱۹۸۹ء

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ صدقۂ نافلہ کی اصل مقدار کیا ہے ؟ یعنی کتنا صدقہ کیا جائے کہ آمدنی کا حق ادا ہو جائے ۔ اور یہ صدقہ کیوں کیا جاتا ہے ؟

محمد عبد الجبار گمان ۔ بلاسیس سٹراٹ نمبر ۹۲ ۔ آمسٹرڈم

الجواب ـــــ اللّٰھم ہدایۃ الحق والصواب ـــــ ۹۲/۴۸۶

صدقۂ نافلہ کی کوئی مقدار شرع شریف میں مقرر نہیں ہے بلکہ صدقہ دینے والوں کی مرضی پر ہے جس قدر زیادہ دے بہتر ہے ، شخصیات کے مراتب ومدارج کے

اعتبار سے صدقہ وخیرات کی مقدار میں کمی وبیشی شرع کو مطلوب ہے۔ عام لوگوں کے لئے میانہ روی کا حکم ہے جب کہ خاص لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ یعنی عام لوگوں کو چاہئے کہ اپنی آئندہ زندگی کے لئے یا اپنے بال بچوں کے لئے یا جو لوگ انکے زیر پرورش ہیں ان کے لئے کچھ نہ کچھ پس انداز کرتے رہیں۔ ایسا نہ ہو کہ آج سب کچھ صدقہ وخیرات کر دیں اور کل دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے لگیں۔ احادیث کریمہ میں اس کی سخت ممانعت آئی ہے۔

ایک شخص انڈا کے برابر سونا لیکر بارگاہِ رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم میرے پاس اس سونا کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے میں صدقہ کرنے کے لئے لایا ہوں۔ حضور اکرم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے قبول کرنے سے انکار فرما دیا۔ اس شخص نے اصرار کیا لیکن آپ انکار فرماتے رہے۔ جب اس کا اصرار زیادہ ہوا تو نبی کریم رؤف ورحیم علیہ التحیۃ والتسلیم نے اس کے ہاتھ سے سونا کا ڈھیلا لے لیا اور حالتِ غضب میں اسقدر زور سے پھینکا کہ اگر وہ کسی کو لگ جاتا تو زخمی کر دیتا۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تم میں سے ایک شخص اپنا پورا مال لاتا ہے کہ یہ صدقہ ہے پھر بیٹھا لوگوں سے بھیک مانگے گا خَیْرُ الصَّدَقَۃِ مَا کَانَ عَنْ ظَھْرِ غِنًی" بہتر صدقہ وہ ہے جس کے بعد آدمی محتاج نہ ہو" رواہ ابو داؤد عن سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اور قرآن پاک نے تو نہایت واضح طور پر ارشاد فرمایا وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ۝ (اور اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا مت رکھ اور نہ پورے کا پورا کھول دے کہ تو بیٹھ رہے ملامت کیا ہوا تھکا ہوا) گردن سے ہاتھ کا بندھا ہوا ہونا یعنی بخیل وکنجوس ہونا۔ اور پورا کا پورا ہاتھوں کو کھول دینا یعنی فضول خرچ ہونا اور اپنی بساط سے زیادہ خرچ کر دینا۔

بہر حال صدقہ وخیرات میں اعتدال ومیانہ روی کا ہمیشہ خیال رہے۔ اور اپنی جگہوں میں خرچ کیا جائے جہاں اس کی ضرورت ہو یا اس سے کوئی دینی مفاد وابستہ ہو۔ نام آوری کے لئے یا دکھاوے کیلئے خرچ کرنا بخیلی وکنجوسی سے زیادہ برا ہے اعاذنا اللہ تعالیٰ من شرکٍ خفی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہٗ ۴ رجنوری ۱۹۸۶ء
نوری مسجد آمسٹرڈم

عورتوں سے مصافحہ کرنا

مسئلہ ۱۰۸: راشد کیفی۔ روٹرڈم۔ نیدرلینڈ۔
۲۸-۳-۲۰۰۱ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہالینڈ کی دوکانوں صنعت کاروں ہوسپٹل اور دفاتر وغیرہ میں مرد وزن مشترکہ طور پر کام کرتے ہیں۔ جب بھی کوئی مرد یا عورت اپنی ڈیوٹی پر آتی ہے تو آپس میں ایک دوسرے سے مصافحہ کرتی ہیں اس میں عورت ومرد کی کوئی تمیز نہیں ہوتی۔ مجھ جیسا آدمی جسے اپنے دین ومذہب کا کچھ نہ کچھ پاس ہے اسے عورتوں سے مصافحہ کرنے میں عار محسوس ہوتی ہے لیکن اگر مصافحہ نہ کریں تو متعصب اور رجعت پسند کہے جاتے ہیں، ہوسپٹلوں اور آفسوں میں کام کرنے والے لوگ اچھی نظر سے نہیں دیکھتے......یہ بتایا جائے کہ کتابیہ یا مشرکہ عورتوں سے مصافحہ کرنے کی شرعی اجازت ہے یا نہیں؟ راشد کیفی

الجواب ۸۶/۹۲ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

اپنے محرمات (ماں، دادی، نانی، ساس، بیٹی، پوتی وغیرہا) سے مصافحہ کرنے کی رخصت ہے۔ لیکن اگر غیر محرمات ہیں جیسے اسپتالوں اور دفتروں وغیرہ میں عام طریقہ سے ملازمت کرتی ہیں تو ان سے مصافحہ کرنا ناجائز وبدانجام ہے کہ یہ دونوں کے لئے فتنہ کا سبب ہے۔ ایک صحابیہ عفت مآب نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حصولِ برکت کے لئے مصافحہ کرنا چاہا۔ اپنا ہاتھ بڑھایا تو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا (انی لا اصافح النساء میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا)۔

اور یہ حدیث پاک بھی صحیحین میں موجود ہے۔

واللہ مامست ید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ید امرأۃ قط ماکان یبایعھن الا بالکلام

حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست گرامی نے کبھی بھی کسی غیر محرم عورت کا ہاتھ نہیں چھوا آپ ان سے صرف کلام کے ذریعہ بیعت لیتے تھے۔

کتابیہ یا مشرکہ عورتیں آپ کے لئے غیر محرمات میں سے ہیں ان سے مصافحہ کرنا ناجائز و حرام ہے جس سے بچنا ضروری ہے۔ حکم شرع کے بالمقابل کسی ملک یا قوم کے رسم و رواج کو ترجیح نہیں دی جائے گی اور نہ کسی کے تمسخر کی پرواہ کی جائے گی۔

لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ۔ خادم الافتاء

اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

عورتوں کا مجالس علمیہ دینیہ میں شریک ہونا

مسئلہ ۱۰۸۱: ۔ محمد خلیل لوز محمد آلمیرہ
۱۹۹۹-۱۰-۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ یہاں سنیچر اور اتوار کو جماعت کے اندر علمی و فقہی مجلس کا انعقاد ہوتا ہے جسمیں ایک قاری صاحب قرآن پاک اور اردو زبان کی تعلیم دیتے ہیں پھر ایک عالم دین فقہی بنیادی مسائل بیان فرماتے ہیں۔ عورتوں میں کوئی عالمہ نہیں جو عورتوں کو دینی مسائل بتائے۔ ایسی صورت حال میں قرآن پاک سیکھنے اور فقہی مسائل معلوم کرنے بلکہ حاصل کرنے کیلئے عورتیں مجلس میں شریک ہوسکتی ہیں یا نہیں؟

۹۲/۸۶ الجواب ــــــــ اللھم ھدایۃ الحق والصواب ــــــــ

دینی بنیادی مسائل کا سیکھنا ہر عورت و مرد پر فرض ہے۔ قال علیہ الصلوٰۃ والسلام

طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم ومسلمۃ ۔جب آپکی جماعت علوم دینیہ فقہیہ کی تعلیم واشاعت کا اہتمام کرتی ہے تو وہ لائق مبارکباد وقابل تقلید ہے ۔ دوسری تنظیموں اور جماعتوں کو بھی ایسا ہی اہتمام کرنا چاہئے ۔خاص کر عورتیں اپنے ضروری فقہی مسائل سے بے خبر ہیں حالانکہ بقدر استطاعت اپنے دین میں تفقہ حاصل کرنا ہر عورت پر واجب ہے ۔

جس مجلسِ علمی کا ذکر سوال میں ہے اس میں عورتوں کو شریک ہونے کے لئے آنا جائز اور کار ثواب ہے مگر انہیں دو باتوں کا دھیان رکھنا چاہئے ــــــ ۱ مزین ومعطر ہوکر یا زرق برق لباس کے ساتھ نہ آئیں ۔ ۲ مجلس میں عورت ومرد کا اختلاط نہ ہو، دونوں کے لئے الگ الگ بیٹھنے کا نظم ہو ۔ اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو درمیان میں گاڑھا پردہ موجود ہو اور اس کے باوجود کچھ دور ہی بیٹھنے کی کوشش کریں ۔ قال علیہ الصلوٰۃ والسلام "خیر صفوف النساء آخرھا وشرھا اولھا" عورتوں کی سب سے بہتر صف اس کی آخری صف ہے اور سب سے بری صف اسکی پہلی صف ہے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ ، ۷/ اکتوبر ۱۹۹۹ء

اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

چہرہ اور ابرو کا بال اکھاڑنا سونے کا دانت لگوانا

مسئلہ ۱۰۸۲ ؛ عبد المجید سلیمان ، نورتھ امسٹرڈم ۹-۹-۲۰۰۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ لب زیریں کے درمیان جو داڑی بچہ ہے اسے مونڈوانا اور اس کے ارد گرد بالوں کو صاف کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ ۔ مرد وعورت اپنے چہرہ پر اُگے ہوئے بالوں کو صاف کرتے ہیں یعنی اُسے اکھیڑتے ہیں ۔ بہت سی عورتیں اپنے ابروں کو مونڈکر ان پر کالی کالی ٹیڑھی لکیریں بناتی ہیں ۔ اور کچھ لوگ اپنے دانتوں پر سونے کا پتر چڑھاتے

ہیں، یہ سب زیب وزینت مرد وعورت کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

آپ کا: عبدالمجید سلیمان

۹۲/۸۶ الجواب ـــــ اللّٰھمّ ھدایۃ الحق والصواب ـــــ

ڈاڑھی بچہ جس کو عربی میں عنفقہ کہا جاتا ہے وہ ڈاڑھی ہی کا ایک اہم حصّہ ہے اس کا حلق وقصر ویسا ہی حرام ہے جیسا ڈاڑھی کا۔ اور اس کے اردگرد لبِ زیریں کے کھُردرے بالوں کو اکھیڑنا یا مونڈنا بھی بدعتِ مکروہہ (حرام) ہے۔ شامی ص ۳۵۸ اور فتاویٰ عالمگیری جلد چہارم میں ہے۔

نتف الفنیکین بدعۃ وھما جانبا العنفقۃ وھی شعر الشفۃ السفلیٰ کذا فی الغرائب۔

دونوں ڈاڑھیوں کے درمیان کا بال اکھیڑنا بدعت ہے اور ڈاڑھیوں سے مراد ڈاڑھی بچہ کا اردگرد ہے۔ اور ڈاڑھی بچہ لب زیریں کے بالوں کو کہتے ہیں۔

رخسار یا حلقوم کے بالائی حصّہ کے بالوں کو صاف کرنے میں حرج نہیں جبکہ اس کے نام پر ڈاڑھی کے بال صاف نہ کئے جائیں۔ ہاں چہرہ کے بال کو اکھیڑنا ضرور ممنوع ومضر ہے۔ سیدی علامہ محی الدین ابن العربی فتوحات ص ۴۹۱ میں فرماتے ہیں۔

واجتنبت الوشمان تعملہ اوتامر بہ وکذالک بالتنمیص وھو ازالۃ الشعر من الوجہ بالنماص

گودنا گودنے یا گودوانے سے پرہیز کر (کہ حرام ہے) ایسے ہی نماص (بال اکھیڑنے کا آلہ) کے ذریعہ چہرہ کا بال اکھیڑنے سے بھی۔ (فتوحات مکیہ)

ابروٗں کے بال کو مونڈنے سے بھی پرہیز کرنا چاہئے کہ مبادا تغییر خلق کے جرم کا ارتکاب نہ ہو جائے اور ایسا کرنے والا عند الشرع حرامکار نہ کہلائے۔

سونا کا دانت لگوانا ضیاع مال اور نمائش ہے جو (وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا) (اور فضول خرچی مت کرو) کے دائرہ میں داخل ہو کر ممنوع وحرام ہے۔

اور اگر صرف زینت کے لئے ہے تو زینت مردوں کو ناجائز ہے عورتوں کو

جائز ہے مگر وہ زینت صرف اپنے شوہروں کے لئے کرسکتی ہیں غیر محرموں پر اپنی زینت کا اظہار ان کے لئے بھی جائز نہیں۔ لقولہ تعالیٰ (وَلَا یُبۡدِیۡنَ زِیۡنَتَہُنَّ ۔ اور اپنی ترپ وزینت کو عورتیں ظاہر نہ کریں) واللہ تعالیٰ اعلم

عورت، اسکی آواز اور ٹیلی فون

مسئلہ ۱۰۸۳ ۱۴-۳-۱۹۹۸ :- حاجی ابراہیم مُلّا شمالی آمسٹرڈم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ عورتیں بذریعہ ٹیلی فون غیر محرم، غیر مسلم مردوں سے ضرورت کی ہزاروں باتیں کرتی ہیں۔ اسی طرح مرد بھی کسی کو ٹیلی فون کرتا ہے تو عورتیں ٹیلی فون اٹھاتی ہیں جس سے بات چیت کرنی پڑتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا عورتوں کی آواز پردہ ہے؟ یا مردوں کی آواز عورتوں کے لئے پردہ ہے؟ اگر پردہ ہے تو یورپ کے ملکوں میں اس سے بچنے کی کیا صورت ہوگی؟ یہاں کی دوکانوں اور دفتروں میں بھی عورتیں کام کرتی ہیں جس سے بات چیت ناگزیر ہے تو ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟ امید کہ صاف صاف جواب عطا فرما کر شکریہ کا موقع دیں گے۔

ابراہیم مُلّا

الجواب ۸۶/۹۲ ـــــــ اللّٰھم ہدایۃ الحق والصواب ـــــــ

زمانۂ خیر القرون میں عورتیں نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ واکرم التسلیم کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوتی تھیں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کے سوالات کو سماعت فرماتے اور دینی مسائل سے مشرف فرماتے تھے۔ ہزاروں ہزار احادیثِ کریمہ میں عورتوں کے سوالات پھر سید کائنات علیہ انمی التسلیمات کے جوابات موجود ہیں۔ اس کے علاوہ سیکڑوں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بعض صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہن یہاں تک کہ امہات المومنین سیدہ عائشہ، سیدہ صفیہ، سیدہ ام سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی مبارک زبانوں سے احادیث نبویہ اور مسائل دینیہ سماعت فرمائی۔

ان شواہد دینیہ سے ثابت ہوا کہ عورتوں کی آواز مطلقاً پردہ نہیں ہے اگر مجرد آواز ہی پردہ ہوتی تو اس کی نہی بھی شرع میں موجود ہوتی۔

ہاں اگر عورتیں اپنی گفتگو میں لطافت و نزاکت اختیار کرے گی تو فتنہ کا دروازہ کھل سکتا ہے۔ اسی طرح اگر عورتوں سے گفتگو کرتے میں مرد نرم۔ نازک اور دلکش لہجہ اختیار کرے تو اس سے قوتِ شہوانیہ میں ابھار پیدا ہو سکتا ہے۔ ان صورتوں میں اب وہ آوازیں ایک دوسرے کے لئے پردہ ہو جائیں گی جس کا استعمال ایک دوسرے کے مقابلہ میں کرنا جائز نہیں ہے۔

اگر یہ بات آپ کی سمجھ میں اچھی طرح آ گئی ہو تو خواہ یورپ ہو یا امریکہ، یا آسٹریلیا کا کوئی ملک ہر جگہ آپ شریعت کے مطابق زندگی گزار سکتے ہیں وضاحتِ مذکورہ کو اگر آپ ذہن میں رکھیں تو عورت و مرد کی ٹیلی فونی گفتگو کا جواز قرآن پاک کے اشارۃ النص میں موجود ہے

قال تعالیٰ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ

جب تم اُن سے کوئی چیز طلب کرو تو پردہ کے پیچھے سے طلب کرو یہی تمہارے اور ان کے دلوں کے لئے کامل پاکیزگی ہے۔

اس آیتِ کریمہ نے عورتوں سے گفتگو کی ممانعت نہیں فرمائی بلکہ پردہ سے بات کرنے کی اجازت دی۔ البتہ سامنا ہونے سے منع فرمایا کیونکہ اس میں مفاسد زیادہ ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی ساتھ عورتوں کو حکم دیا کہ جب غیر محرم مردوں سے بات چیت کرو تو نرم و نازک لہجہ میں مت کرو کہ دل کا روگ نرم و نازک باتوں اور لوچ دار آواز کو سنکر پنپنے لگتا ہے جس کے برے نتائج سامنے آسکتے ہیں۔ اسی لئے شریعت مطہرہ نے حرام ہی کی طرح مقدمۃ الحرام کو بھی حرام فرمایا۔

قال تعالیٰ، اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ

ارشاد خداوندی ہے: اگر تم پرہیزگاری اختیار کرو تو نرم لہجہ سے بات مت کرو کہ جس کے دل میں روگ

مَرَضٌ (الاحزاب) ہو وہ کوئی بُرا خیال کر بیٹھے۔

معلوم ہوا کہ مجرد آواز پردہ نہیں بلکہ عورت کی جس آواز میں ترنم و دلکشی نرمی و نزاکت اور شہوت کو برانگیختہ کرنے والا انداز ہو وہ آواز پردہ ہے، جس کے سننے اور سنانے کی ممانعت شرع شریف میں موجود ہے۔ دفاتر و دوکان داروں سے ضرورت کے مطابق گفتگو ہوتی ہے لہٰذا ضرورت وحاجت کی حد تک شریعت کی طرف سے اس کی رخصت ہے۔ خواہ وہ گفتگو ٹیلی فون کے ذریعہ ہو خواہ آمنے سامنے پردہ کے ساتھ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ۔ دارالافتاء مدینۃ الاسلام، دی ہیگ

۱۹؍ مارچ ۱۹۹۸ء

کسی عالم دین کو مولویہ کہنا کفر ہے۔

مسئلہ ۱۰۸۴؍ ہدایت اللہ۔ دین بوس دوست
۱۹۹۳ء ؍ ۱۰ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع مبین اس مسئلہ میں کہ ایک متقی و پرہیزگار مسلمان کے سامنے کسی عالم دین کا ذکر ہوا تو اس حاجی نے کہا اس مولویہ کا نام مت لو۔ ایک دن میں ایک حمد پڑھ رہا تھا تو اس مولویہ نے مجھے بیچ ہی میں ٹوک دیا اور مجھ سے توبہ کروایا۔

واقعہ یوں ہے کہ ایک محفل میلاد شریف میں عالم دین مذکور موجود تھے۔ اُن کی موجودگی میں حاجی صاحب مذکور نے ایک حمدیہ کلام پڑھا جس کا مصرع تھا ع خدا صانع ہے عالم کا وہی مسجود ہے سب کا۔

جو ڈچ رسم الخط میں اسطرح لکھا تھا۔۔۔ GODA SANE HAI ALAM KA

مگر حاجی صاحب نے پڑھا "خدا ثانی ہے عالم کا"۔ کیونکہ ڈچ رسم الخط میں ثانی اور صانع میں بہت مختصر فرق ہے (ثانی ← SANIE - صانع ← SANE)

مولانا نے فرمایا حاجی صاحب! ثانی نہیں صانع پڑھئے۔ حاجی صاحب نے

جواب دیا اس میں تو ثانی لکھا ہوا ہے جو لکھا ہے وہی پڑھ رہا ہوں۔ مولانا نے فرمایا۔ اگر ثانی لکھا ہے تو غلط ہے۔ لکھنے والے، شعر کہنے والے، پڑھنے والے اور سننے والے سب پر توبہ لازم ہے۔ کیونکہ ثانی کا معنیٰ نظیر، جوڑا، مقابل مانند وغیرہ کے ہے اور اللہ سبحانہ نہ کسی کا نظیر نہ جوڑا ہے اور نہ کسی کے مانند ہے لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ» اور صانع کا معنیٰ بنانے والا پیدا کرنے والا وغیرہ اور خداوند کریم بیشک صانع عالم ہے خالق کائنات ہے۔ اسلئے صانع ہی پڑھنا چاہئے۔ ثانی پڑھنا نہ صرف غلط ہے بلکہ کفر ہے۔ اسلئے ہم سب کو کلمۂ اسلام پڑھنا چاہئے اور توبہ بھی لازم ہے۔

مولانا کی تحریک پر تمام حاضرین نے توبہ کی اور کلمۂ طیبہ پڑھا ...... حاجی صاحب کا اشارہ اسی واقعہ کی طرف تھا سوال یہ ہے کہ مولانا صاحب کی اصلاح صحیح تھی یا نہیں؟ اور مولانا صاحب کا ذکر سنکر نفرت کا اظہار کرنا، ان کو مولویا کہنا کیا حکم شرع رکھتا ہے؟　　　　ہدایت اللہ۔ سماترا اسٹراٹ ۲۳ دین پوس

۴۸۶/۲ الجواب ـــــــ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب ـــــــ

مولانا صاحب مذکور کی گرفت اور اس پر حکم شرع کا اعلان بالکل جائز و درست اور بروقت تھی۔ ارشاد خداوندی ہے وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ۝ اس کا کوئی ہمسر و ثانی نہیں ہے۔ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ۔ اس کے مثل کوئی شئے نہیں ہے وہ ثانی بننے سے پاک و منزہ ہے، نہ کوئی اس کا ثانی ہے نہ وہ کسی کا ثانی ہے۔ اس کو عالم کا ثانی کہنا کفر و جہالت ہے۔ کہنے والے پر تجدید ایمان اور اگر بیوی رکھتا ہو تو تجدید نکاح لازم ہے۔

کسی عالم دین کو مولویہ کہنا اس کی توہین ہے اور عالم دین کی توہین کرنے والا خواہ وہ متقی و پرہیزگار کہلائے، شریعت کے نزدیک وہ دین سے خارج ہے مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر ص ۶۹۵ میں ہے

من قال لعالم عویلم علیٰ　　　جس نے بے ادبی کرتے ہوئے کسی عالم دین کو

وجہ الاستخفاف فقد کفر عُوَیلِم (مولویّہ) کہا اس نے کفر کیا۔

اگر شخص مذکور (متقی، پرہیزگار حاجی) اپنی پہلی غلطی پر توبہ تجدید ایمان اور تجدید نکاح کر چکا تھا تو اب دوبارہ ایک عالم کی توہین کرنے کے سبب پھر وہ کفر کے دلدل میں جا پھنسا (العیاذ باللہ تعالیٰ) پھر سے اس پر توبہ تجدید ایمان لازم ہے۔ اور بیوی رکھنا ہو تو تجدید نکاح نئے مہر کے ساتھ بھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ، خادم دارالافتاء جامعہ مدینۃ الاسلام
دی ہیگ ۱۰ جولائی ۱۹۹۳ء

کرسمس ڈے اور مسلمان

مسئلہ ۱۰۸۵ :- امان اللہ خاں۔ بیلر اسٹریٹ پیرس فرانس
۱۹-۴-۲۰۰۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یورپ کے ملکوں میں پچیس دسمبر بڑے دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ کرشچن لوگوں کا طریقہ ہے کہ اپنے گھروں کو مخصوص پیڑ پودوں اور قمقموں سے سجاتے ہیں۔ شراب اور دیگر مشروبات و ماکولات کا بہتات طریقہ پر انتظام کرتے ہیں۔ آپس میں ایک دوسرے کو تحفہ تحائف دیتے اور مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ اس تاریخ کا نام "کرسمس ڈے" رکھتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ کرسمس ڈے کے موقعہ پر اپنے گھر کو اسی مخصوص پودے سے سجا کر اس پر قمقمے روشن کرنا پھر عیسائیوں کو ہدیہ دینا اس سے ہدیہ لینا۔ انہیں مبارکباد پیش کرنا۔ ان سے مبارکبادی لینا مسلمانوں کے لئے از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ اگر کوئی مسلمان کرسمس ڈے کے موقع پر کرشچن کی طرح آتشبازیاں چھوڑے یا کرشچن کے ہاتھوں آتشبازیاں بیچے تو اس کا اسلامی شریعت میں کیا حکم ہے؟

آپ کا خادم: امان اللہ خاں

الجواب ـــــ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب ـــــ ۹۲/۷۸۶

عیسائیوں کے یہاں "کرسمس ڈے" کی کوئی تاریخی حیثیت نہیں ہے یہ

چودھویں صدی عیسوی کا ایک حادث تیوہار ہے۔ لیکن دنیا بھر کے عیسائیوں نے اس اختراعی تیوہار کو اتنی مضبوطی سے تھاما کہ یہ صدیوں سے عیسائیت کی پہچان وشعار بن گیا ہے۔ ہر چرچ اور عیسائی تنظیم گاہیں اس تاریخ میں مزین کی جاتی ہیں اور دنیا کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ گویا یہ مسیحیوں کا عظیم الشان تیوہار ہے جسمیں اربوں ڈالر کی شراب نہ صرف پی جاتی ہے بلکہ لنڈھائی جاتی ہے۔ پھر اربوں ڈالر کی آتشبازیوں اور آتشی مادّوں سے یورپ وامریکہ کے درو دیوار اور آسمانی فضا تھرّا اٹھتی ہے۔ ہفتہ عشرہ تک گندھک کی بدبو سے ملک کا ملک مہکتا رہتا ہے۔

بہرحال کرسمس ڈے ان کا مذہبی تیوہار ہو یا نہ ہو مگر آج قومی تہوار کی حیثیت اختیار کر گیا ہے جس سے مسلمانوں کا دور رہنا لازم وضروری ہے۔ لقوله عليه السّلام ”من تشبه بقوم فهو منهم“ جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انہی میں سے ہے۔ (مسند امام احمد)

اور سنن ابی داؤد کتاب الجہاد میں ہے ص ۲۹/۲

من جامع المشرك وسكن معه فانه مثله۔ جس نے کسی مشرک کے ساتھ اشتراک عمل اور راہ ورسم کیا وہ اسی کے مثل ہے۔

مسلمانوں کے لئے حرام ہے کہ ان کے تیوہار میں اپنے گھروں کو انہیں چیزوں سے مزین کریں جن سے وہ لوگ کرتے ہیں۔ پھر اس تاریخ میں انہیں ہدیہ دینا اور ان سے تحفہ لینا بھی حرام وممنوع ہے۔ اور اگر کرسمس ڈے کی تعظیم مقصود ہو تو (معاذ اللہ تعالیٰ) یہ کفر ہے۔ درمختار ص ۳۵/۲ اور ردالمحتار ط ۴۸۱/۵ میں ہے۔

الاعطاء باسم النيروز والمهرجان (بان يقال هدية هذا اليوم ش) لايجوز اى الهدايا باسم هذين اليومين حرام	نیروز اور مہرجان (مجوسیوں کے عید کے نام) کے نام پر عطیہ کا تبادلہ ”یہ کہکر کہ یہ آج کا ہدیہ ہے“ جائز نہیں۔ یعنی ان دونوں دنوں کے ناموں پر تحفے دینا لینا حرام ہے۔ اور اگر

وان قصد تعظیمہ کما یعظمہ المشرکون یکفر — مشرکین مجوسی کی طرح ان کی تعظیم بھی کرے گا تو کفر ہوگا۔

اور ہدایا کی طرح مبارکبادیوں کا تبادلہ بھی حرام و ناجائز ہے جس سے مسلمانوں کو بچنا ضروری ہے۔ آتش بازی تو یوں بھی حرام و بدانجام اور شیطانی کام ہے جس میں ضیاعِ مال کے ساتھ ساتھ تلف جان کا بھی اندیشہ قوی ہے۔ چنانچہ ہر کرسمس ڈے کے موقع پر یورپ و امریکہ میں درجنوں جانیں ضائع ہوتی ہیں۔ مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اپنے مال و جان کو ہلاک ہونے سے بچائیں۔ اور آتش بازی شیطانی کارسازی سے دور رہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے

اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ۔ — فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔

اور یہ بھی ارشادِ الٰہی ہے

لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ۔ — اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔

کتبہ عبدالواحد قادری غفرلہٗ، خادم الافتا والقضا، اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ۔ مجلس علما، نیدرلینڈ۔ ۱۹ راپریل ۲۰۱۱ء

لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ شادی کا اعلان

مسئلہ ۱۰۸۶: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ شادی کے اعلان کا حکم احادیث کریمہ میں موجود ہے تو کیا لاؤڈ اسپیکر پر گانے باجے کے ساتھ شادی کا اعلان ہو سکتا ہے؟ جیسا کہ بعض جگہوں میں رواج ہوتا جا رہا ہے کہ دو چار روز پہلے سے عورتیں لاؤڈ اسپیکر پر گانے گاتی اور ڈھول تاشے وغیرہ بجاتی ہیں، اس سے شادی کا اعلان بھی عام ہوتا ہے اور شادی والے گھر میں خوشی بھی دوبالا ہو جاتی ہے۔ سائل: فیصل مادارن۔ موخورد ۱۳۹۔ آمسٹرڈم

۹۲/۴۸۶ الجواب ــــــــــ ھُوالھادی الی الصّواب ــــــــــ

شادی کے تعلق سے شریعت مطہرہ کا منشا، یہ ہے کہ وہ چھپ چھپا کر نہ ہو کہ زنا کاری کے معاملات کو پنپنے کا موقع ملے بلکہ شادی کا شہرہ ہو جائے تاکہ دولہا دولہن پر کوئی تہمت نہ لگا سکے اور اس کی نسل پر کوئی انگلی نہ اٹھا سکے۔ اور یہ مقصد شرع ابتدائی دیکھا دیکھی، منگنی، آپس میں تحفہ تحائف کا بدلیں، شادی کی تاریخ کا تقرر، دوست احباب کے ساتھ شادی کی تقریب میں شرکت، محفل نکاح تو انی اور ولیمہ وغیرہ سے بخوبی حاصل ہو جاتی ہے۔ ہاں اگر کسی جائز و مستحسن آواز کو بذریعہ لاؤڈ اسپیکر دور دور تک پھیلا دی جائے۔ مثلاً ایجاب و قبول کی آواز، خطبہ کی آواز، مسائل نکاح اور نصائح کی آواز تو یہ جائز و مباح بلکہ نیت خیر کی وجہ سے مستحسن ہے لیکن جو ناجائز و حرام آوازیں ہیں مثلاً باجے گاجے کے ساتھ فلمی گانے، عریاں اور فحش مضامین پر مشتمل نظمیں آج کل کے اکثر فلمی گانے کے مضامین خدا اور رسول کی توہین اور کفریات پر مشتمل ہیں جس کو لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ سنائے جاتے ہیں اور ان سب پر مستزاد محرمات کی آواز شیطان نواز کا شور (العیاذ باللہ تعالیٰ) یہ سب ناجائز و حرام اور معاشرہ اسلامی کے لئے نہایت بدانجام ہیں۔

حدیث شریف جس میں نکاح کے اعلان کا حکم استحبابی ہے اس کو حافظ ابو عبداللہ محمد بن یزید الربعی ابن ماجہ قزوینی نے اپنی سنن (ابن ماجہ) میں نقل کیا ہے۔

اعلنوا ھٰذا النکاح واضربوا علیہ بالغربال — تم نکاح کا اعلان کرو اگرچہ اعلان دف بجا کر ہی ہو۔

حدیث پاک میں کہیں غربال اور کہیں دف ارشاد ہوا لیکن اس کے بجانے کا حکم وجوبی نہیں بلکہ مقصود محض اعلان ہے جو مذکورہ بالا ذرائع سے حاصل ہے ... موجودہ وقت میں دف دوسرے معازف کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے جو عند الشرع حرام ہے لہٰذا اجزائے حرام ہو جانے کی وجہ سے اس کا استحباب باقی نہ رہا اور وہ ممانعت کے دائرہ میں آ گیا۔

کبھی ناجائز و حرام کام سے خوشی میسر نہیں ہو سکتی بلکہ روحانیت مجروح ہوتی ہے اور دینی کسل پیدا ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ، اسلامک فونڈیشن ہیڈ لینڈ

۸ر مارچ ۲۰۰۱ء

اپنا حق حاصل کرنے کیلئے رشوت دینا

مسئلہ ۱۰۸۷:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آجکل کسی مدرسہ میں بھی کوئی نوکری خواہ مدرس کی ہو یا کلرک کی بغیر سلامی (رشوت) دیئے ہوئے حاصل نہیں ہوتی، جب تک بورڈ کے اہلکاروں کو رشوت نہ دی جائے اور مدرسہ کے ارکان کی خوشامد نہ کی جائے۔ پھر انٹرویو لینے والوں کو چائے ناشتہ نہ کرایا جائے منتخب ہونا اور تقرری کی نوٹس ملنا ناممکن یا بہت زیادہ مشکل ہے ایسی صورت میں نقدی رشوت دینا، خوشامد کرنا یا چائے ناشتہ کرانا جائز ہے یا نہیں؟

سائل: لیسین انور۔ ملکانہ۔ مظفرپور بہار

۸۶/۹۲ الجواب ــــــــ ھو الھادی الی الصواب ــــــــ

اگر آپ اس بات کی سند نہ لیتے اور "مصلحت ہیں و کار آساں کن" پر عمل کرتے تو بہتر تھا۔ نہایت افسوسناک بات ہے کہ مدارس (جو اسلامیات کا علمبردار کہلاتا ہے) کے اعلیٰ سطحی دفاتر اور اس کے ارباب حل وعقد میں رشوت ستانی اور رشوت دہی کا بازار گرم ہے ع چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

ناجائز فائدہ حاصل کرنے اور دوسرے کا حق مارنے کے لئے رشوت دینا، لینا دونوں حرام و بدانجام ہیں۔

الرَّاشی والمرتشی فی النَّار۔ رشوت لینے والا اور رشوت دینے والا دونوں جہنمی ہیں۔

لیکن اگر ظلم سے بچنے کے لئے یا اپنا حق حاصل کرنے کے لئے مجبورًا یا رواجًا

دینا پڑے تو دینے والا گنہگار نہیں ہوگا البتہ لینے والا بہرحال گنہ گار ہے۔

اگر کوئی شخص واقعی اس نوکری کی جگہ کا اہل ہے جس کے لئے وہ کوشش کر رہا ہے اور بغیر رشوت کے اس جگہ کی ملازمت نہیں مل سکتی ہے تو رشوت دینے والا گنہ گار نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ مجلس علماء نیدرلینڈ

۱۲ محرم ۱۴۲۴ھ

سوشل سے فکانسی کا مشاہرہ لینا

مسئلہ ۱۰۸۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہالینڈ کی گورنمنٹ کا یہ قانون ہے کہ جس نے لیگل طور پر رہ کر تین سال سے زائد سرکاری یا نیم سرکاری وغیرہ دفاتر، کارخانے اور دیگر تنظیموں میں کام کرچکا ہے اُسے کام نہ رہنے کی صورت میں مختلف گورنمنٹی تنظیموں سے ماہانہ وظیفہ دیا جاتا ہے اور سالانہ ایک ماہ کی چھٹی بھی مشاہرہ (وظیفہ) کے ساتھ دی جاتی ہے۔ ساٹھ سال سے زائد عمر والوں کو دیگر مراعات کے ساتھ تین ماہ کی چھٹی (فکانسی) مشاہرہ کے ساتھ دی جاتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ بغیر کام کئے ہوئے مذکورہ وظیفہ حاصل کرنا یا فکانسی کا مشاہرہ لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: انور علی الکمار ہالینڈ۔ بزم رضا رجسٹرڈ۔

۹۲/۸۶ **الجواب ــــــ ھو الھادی الی الصواب ــــــ**

جو لوگ ملک میں رہتے ہیں اسے ملکی آئین و قانون کی رعایت کرنی ہوگی۔ عدم رعایت کی صورت میں عزت و آبرو کا خطرہ مظنون ہے۔ اور پھر ملازمت کا قانون مذکور ہماری شریعت کے خلاف بھی نہیں ہے لہٰذا اس کو تسلیم کرتے ہوئے اس پر عمل کیا جائے گا۔ چھٹی کے سلسلہ میں غالباً یہ بین الاقوامی قانون ہے کہ سال میں چند ہفتوں یا مہینوں کی چھٹی بالمشاہرہ دی جاتی ہے جو شرعاً جائز ہے

فتاویٰ شامی میں ہے۔ قال فی المحیط

انہ یاخذ لان یستریح للیوم الثانی محیط میں فرمایا کہ چھٹی کے دن کا مشاہرہ لیگا تاکہ

فحیث کانت البطالۃ معروفۃ فی یوم الثلثاء والجمعۃ وفی رمضان والعیدین یحل الاخذ اھ

دوسرے دن آرام کرے... تو اسی طرح کی دیگر چھٹیاں جو مشہور و معروف ہیں منگل، جمعہ، رمضان اور عیدین میں تو ان دونوں کا مشاہرہ لینا جائز ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم　کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ، مجلس علما ونیدرلینڈ۔

۲۳؍شوال المکرم ۱۴۲۳ھ

رفاہی اداروں میں زکوٰۃ دینا

مسئلہ ۱۰۸۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یورپ کے اکثر ملکوں میں ایسے امدادی ادارے قائم ہیں جس کے ذریعہ حوادثات (زلزلہ، سیلاب نسلی فساد، مذہبی تنازعات) اور انفرادی طور پر، کینسر، نابینائی اور جذام وغیرہ کے مریضوں کی مدد کی جاتی ہے۔ ان اداروں کے بشیتر انتظام کار غیر مسلم ہیں۔ ایسے اداروں میں زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور ان میں زکوٰۃ کی رقم دینے سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟　محمد عبد اللطیف منگل۔ آمسٹرڈم پورٹ۔ آمسٹرڈم۔

۹۲/۴۶ الجواب ــــــ ھو الھادی الی الصواب ــــــ

زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے شرط ہے کہ مسلمان (غیر ہاشمی سید) اور مستحقین زکوٰۃ کو دی جائے اور انہیں اس کا مالک بھی بنا دیا جائے۔ اگر تملیک نہیں پائی جائے گی تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ مذکورہ ادارے انسانی ہمدردی اور فلاح و بہبود کے لئے قائم کئے گئے ہیں جو بہت ہی مستحسن اقدام ہیں۔ وقتاً فوقتاً حسب وسعت اس کی مدد کرتے رہنا چاہئے۔ مگر زکوٰۃ و صدقات واجبہ کی رقمیں ان میں ہرگز نہ دی جائے کہ وہاں تملیکِ مسلم نہیں پائی جاتی لہٰذا زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔　واللہ تبارک و تعالیٰ اعلم

کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ، مجلس علما، نیدرلینڈ۔

۱۷؍صفر المظفر ۱۴۲۳ھ

تہمت لگانے کی سزا

مسئلہ ۱۰۹۰: کیا فرماتے ہیں حضرات علماء کرام اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے مثلاً زینب اور زید کو ایک کمرہ میں دیکھا کوئی دوسرا آدمی وہاں نہیں تھا۔ زید کو دیکھا کہ وہ اپنے پاجامہ کا ازار باندھ رہا ہے اور زینب اپنے بالوں کو درست کر رہی ہے شخص مذکور (بکر) نے زید سے پوچھا تم دونوں تو اجنبی ہو تنہائی کے اندر اس کمرہ میں کیا کر رہے ہو؟ زید نے کہا کہ تم خواہ مخواہ مجھ پر شک کرتے ہو۔ ہم لوگ اکثر و بیشتر ادھر گھومنے پھرنے کے لئے آجاتے ہیں کبھی کبھی اس کمرہ میں آرام بھی کر لیتے ہیں۔

بکر نے وہاں سے آنے کے بعد آبادی میں شور مچایا کہ زید زنا کر رہا تھا میں نے خود دیکھا ہے۔ جب پنچائت بیٹھی تو بکر کے علاوہ تین اور آدمیوں نے کہا کہ ہاں ہم لوگوں نے بھی زید اور زینب کو اس کمرہ میں آتے جاتے بارہا دیکھا ہے۔

تمام گواہوں کے بیان کے بعد پنچائت نے دو ہزار روپیہ زید پر جرمانہ کیا اور پچاس مرتبہ کان پکڑوا کر اٹھایا بیٹھایا۔ ایسی صورت میں اہلِ پنچائت کا فیصلہ صحیح ہوا کہ نہیں؟ اور زید کا گناہ معاف ہوا کہ نہیں؟ سائل:۔ وصلین امام، دیار باقر، ترکی۔

الجواب ۹۲/۴۸۶ —— ھوالہادی الی الصواب ——

اجنبی عورت مرد کا ایک ساتھ گھومنا پھرنا یا ایک ساتھ تنہائی میں رہنا حرام و بدانجام اور جہنمیوں کا کام ہے۔ زید و زینب پر لازم ہے کہ اس طریقۂ تفریح کو چھوڑے اور صدق دل کے ساتھ توبہ کرے کہ انہوں نے گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کیا ہے لیکن صورتِ مذکورہ میں زید یا زینب پر زنا کی تہمت لگانا جائز نہیں ہے۔ اگر اسلامی حکومت ہوتی تو بکر مذکور پر حدِ قذف (اسی کوڑے مارنا) جاری کیا جاتا۔ مگر اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے تہمت زنا لگانے والے یا زنا کرنے والے خوش نہ ہوں کہ یہاں کی سزا سے آخرت کا عذاب زیادہ سخت ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ جو لوگ پارسا عورتوں پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں

لَمْ يَأْتُوْا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○

پھر اس پر چار عینی گواہ نہیں لاتے تو انہیں اسّی کوڑے مارو اور ان کی گواہی کبھی نہ قبول کرو۔ کہ وہ نافرمان ہیں ....

صورتِ مسئولہ میں زید پر واجب ہے کہ زینب سے علیحدہ کا اقرار کرے اور پھر دونوں توبہ واستغفار کریں۔ اہلِ پنچائت نے اچھا نہیں کیا کہ زید پر مالی جرمانہ عائد کیا مالی جرمانہ شریعت کے نزدیک ناجائز وگناہ ہے اہلِ پنچائت پر ضروری ہے کہ زید سے لی گئی رقم واپس کرے۔ بقیہ تین آدمیوں نے زید وزینب کو غیر شرعی طور پر ایک ساتھ دیکھا اور اپنے دیکھنے کے مطابق بیان دیا وہ شرعی گرفت سے بری ہے کیونکہ اس نے تہمت نہیں لگائی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ

کتابُ المِیراث

زندگی میں جائداد کی تقسیم

مسئلہ ۱۰۹۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنی زندگی ہی میں اپنی جائداد اپنے وارثوں پر تقسیم کر دینا چاہتا ہے۔ اگر وہ وراثت میں بیٹوں کے مقابلہ میں ان بچیوں کو کچھ زیادہ دیدے جس کی شادی ابھی نہیں ہوئی ہے تو وہ عندالشرع گنہ گار یا قابل گرفت تو نہیں ہوگا؟ ایک دوسری بچی اس کے یہاں کام کرتی ہے اس کی شادی کے لئے وہ اپنی جائداد سے کچھ دینا چاہتا ہے اس میں دیگر وارثوں کی حق تلفی تو نہیں ہوگی؟ اس کی دو بیویاں ہیں۔ دوسری کے مقابلہ میں ایک کثیرالاولاد ہے اس کا لحاظ کرتے ہوئے اگر دوسری کے مقابلہ میں اسے کچھ زیادہ حصہ دیدے تو وہ شخص عندالشرع قابل مواخذہ تو نہیں ہوگا؟ امید کہ تینوں سوالوں کا جواب الگ الگ عنایت فرما کر شکریہ کا موقع دیں گے۔ عبدالشہید، درونتن، ہالینڈ

۴۸۶/۹۲ **الجواب ـــــــ هوالهادی الی الصواب ـــــــ**

شریعت مطہرہ کا اصول یہ ہے کہ ترکہ مورث کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء میں تقسیم ہوتا ہے اور شریعت میں تقسیم ترکہ کا باضابطہ اصول (حصص وسہام) مقرر ہے نہ اس سے کم کسی کو مل سکتا ہے نہ زیادہ۔ لیکن مرنے سے پہلے ہر شخص اپنی جائداد کا مالک ومختار ہے جس کو جس قدر چاہے دے۔ اور یہ اختیار مرض الموت سے پہلے پہلے تک رہتا ہے۔ مرض الموت سے پہلے اگر کوئی باپ اپنے بیٹے بیٹیوں میں اپنی جائداد تقسیم کرنا چاہتا ہے تو اسے سہام ترکہ کے مطابق نہیں بلکہ بیٹا، بیٹی دونوں کو برابر دینا چاہئے علامہ طحاوی نے معانی الآثار میں اس حدیث کو نقل فرمایا۔

یعطی الابنة مثل ما یعطی الابن: بیٹی کو بیٹے کی مثل دیا جائے گا۔

فقہاء کرام نے اسی ارشاد کو مفتی بہ بتایا ہے۔ ہاں جو اولاد دینداری اور فرمانبرداری میں زیادہ ہو تو اس کو دوسرے بیٹوں بیٹیوں سے کچھ زیادہ دیدینے میں کوئی حرج نہیں ہے اسی طرح جو بچی خدمتِ خانہ پر مامور ہے اگر اس کی شادی بیاہ کے لئے کچھ جائداد کا حصہ مخصوص کر دیا جائے تو مالکِ جائداد کے لئے کچھ مضائقہ نہیں بلکہ وہ عنداللہ تعالیٰ ثواب کا مستحق ہوگا۔

جو بیوی کثیر الاولاد ہے اسے بھی نسبتاً کچھ زیادہ دیدینے میں حرج نہیں۔ البتہ کسی اولاد کو بالکل محروم کر دینا یا کسی کو بہت زیادہ دیدینا ظلم کے مترادف ہے جس سے بچنا لازم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدُالواجد قادری غفرلہٗ، جامعہ مدینۃ الاسلام دی ہیگ

۲۱ ربیع الاول شریف ۱۴۱۸ھ

بیٹوں کے لئے ترکہ میں وصیّت

مسئلہ ۱۰۹۲:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ زید نے بیماری کی حالت میں ان وارثوں کو بٹھا کر گواہوں کے سامنے یہ وصیّت کی کہ میرے پاس پچھتّر ہزار نقدی ہے جس میں سے میں نے عمرہ کے لئے پچیس ہزار رکھا ہے۔ بقیہ رقم میں سے بیس بیس ہزار بیٹوں کے لئے اور دس ہزار بیٹی کے لئے ہے تم لوگ اپنا اپنا حصہ ابھی چاہو تو ابھی لے لو، یا جب چاہو گے لے لوگے۔ وصیّت کے پندرہ دنوں کے بعد زید نے اپنی بیماری سے شفا پائی اور کئی مہینے صحت یاب رہا، اس درمیان دونوں بیٹوں نے اپنا اپنا حصہ لیکر کاروبار میں لگا دیا اور اس میں منافع بھی کمایا ادھر تین مہینے کے بعد زید کا انتقال ہوگیا اور وہ عمرہ نہیں کر سکا۔ دونوں بھائیوں میں سے ایک بھائی نے بہن سے کہا کہ جو پچیس ہزار روپیہ والد صاحب نے عمرہ کے لئے رکھا تھا اس روپئے سے تم والد صاحب کے لئے عمرہ کردو۔ چنانچہ بہن عمرہ میں چلی گئی۔ جب دوسرے بھائی کو پتہ چلا تو وہ ناراض ہوا اور کہنے لگا کہ جو دس ہزار روپیہ بہن کے لئے رکھا

گیا تھا اس کو ہم لے لیں گے۔

پوچھنا یہ ہے کہ اپنی زندگی میں اپنے متروکہ کی وصیت اولاد کو کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بہن کا عمرہ کے لئے جانا درست ہوا یا نہیں؟ دوسرے بھائی کا بہن کے حصہ پر قبضہ مناسب ہے یا غیر مناسب۔ جواب سے شادکام فرمائیں

ہارون نورانی۔ اِنسخدی۔ ہالینڈ

۹۲/۸۶ الجواب ـــــ هوالهادی الی الصواب ـــــ

قرآن پاک نے ورثاء میت کے لئے متروکہ میت میں سہام (حصے) مقرر فرمایا ہے تقرر سہام سے پہلے وصیت کا حکم تھا پھر وصیت کا حکم منسوخ ہوگیا۔ مستحسن امور کے لئے ترکہ کے ایک تہائی حصہ میں وصیت کو باقی رکھا گیا ہے۔ صورت مسئولہ میں زید نے اپنی تمام رقم میں وصیت جاری کی ہے جو عندالشرع باطل ہے۔ حدیث پاک میں ارشاد ہوا فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ ـــ وارث کے حق میں کوئی وصیت قابلِ قبول نہیں۔

اور جو وصیت باطل و ناجائز ہو اس پر عمل کرنا بھی ناجائز ہے۔ لہٰذا جن بیٹوں نے باپ کی زندگی میں اس کی جائداد پر قبضہ جما لیا وہ ناجائز و حرام ہوا اور اس مال کے ذریعہ جو فائدہ ہوا وہ بھی ناجائز ہے۔

جس بھائی نے بہن کو باپ کے چھوڑے ہوئے روپیہ سے عمرہ کرنے کی اجازت دی وہ اُس روپیہ کا تاوان بھرے۔ اور اب باپ (زید) کا متروکہ (پچھتر ہزار روپیہ) اس طرح آپس میں تقسیم کرے

زید مسئلہ ۵ مفر ۵

ابن	ابن	بنت
۲	۲	۱
۳۰۰۰۰ روپیہ	۳۰۰۰۰ روپیہ	۱۵۰۰۰ روپیہ

یعنی بھائی کو تیس تیس ہزار اور بہن کو پندرہ ہزار۔ جس بھائی یا بہن نے اپنے حصہ سے زیادہ لیا ہو وہ اس کو پورا کرے۔ قال تبارک وتعالیٰ " وَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ۝ واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہ۔ خادم الافتاء، جامعہ مدینۃ الاسلام

دی ہیگ ـ ۲۷ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ

ماں باپ کا حصّہ بیٹے کے ترکہ میں

مسئلہ ۱۰۹۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نورالدین کا انتقال ہوا اس نے اپنے والد شہاب الدین، والدہ فرزانہ، بیوی سلمٰی اور بیٹا فریدالدین کو چھوڑا۔ نورالدین مرحوم کے نام سے بینک سے تقریبًا چوبیس ہزار ایرو جمع ہے لیکن بینک کسی ایک وارث کو تمام رقم دینے کے لئے تیار نہیں ہے۔ بینک کے منیجر کا کہنا ہے کہ تم اپنے کسی عالم دین سے یہ لکھوا کر لے آؤ کہ نورالدین کی بیوی کے علاوہ ماں باپ وغیرہ کا بھی جمع شدہ رقم میں حصہ ہے اور کتنا حصہ ہے۔ تاکہ بینک نورالدین کی رقم اس کے وارثوں کے حوالہ کر دے۔ اس لئے دریافت طلب یہ بات ہے کہ نورالدین مرحوم کے کس وارث کو کتنا حصّہ اس کے متروکہ ایرو میں سے ملے گا؟

المستفتی:۔ جہانگیر۔ ہوف دورپ۔ آمسٹرڈم

الجواب ۸۶/۹۲ ـــــــ ھو الھادی الی الصواب ـــــــ

نورالدین میت المسئلہ ۲۴

اب	ام	زوجہ	ابن	
۴	۴	۳	۱۳	=۲۴

برتقدیر صحتِ سوال وانحصار ورثاء مذکور فی السوال بعد ماتقدم علی الارث متروکہ نورالدین چوبیس سہام شرعی پر تقسیم ہو کر چار سہام (حصّہ) اس کے باپ شہاب الدین، چار سہام اس کی ماں فرزانہ۔ تین سہام اس کی بیوی سلمٰی اور تیرہ سہام اس کے بیٹا فریدالدین کو ملیں گے۔ یعنی سہام کو ہزار تصور کر کے ہر ایک وارث کو سہام کے عدد کے مطابق اتنے ہزار یورو ملیں گے۔ لقولہ تعالیٰ

وَلِاَبَوَیۡهِ لِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنۡ کَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ

اور میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اُس سے جو میت نے چھوڑا بشرطیکہ میت کی اولاد ہو۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ۔ اسلامک سینٹر نوری مسجد، آمسٹرڈم

۱۸ ر ذیقعدۃ الحرام ۱۴۱۷ھ

میت کے ورثاء کی قسمیں

مسئلہ ۱۰۹۴ :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وراثت کے سلسلہ میں ذوی الفروض، ذوی الارحام اور عصبہ کس کو کہتے ہیں حضراتِ مفتیانِ کرام ان الفاظ کا استعمال مسئلۂ وراثت میں کرتے ہیں لیکن ہماری سمجھ میں یہ نہیں آتے لہٰذا التماس ہے کہ ان کی وضاحت فرماکر ممنون فرمائیں نوازش ہوگی۔

سائل: نوازش کریم، پاک محمدی مسجد، نیس، فرانس

الجواب ۹۲/۷۸۶ ــــــ ھوالھادی الی الصواب ــــــ

جب کوئی مسلمان اس دارِ فانی سے کوچ کر جاتا ہے تو وہ اپنے پیچھے تین قسم کے وارثان کو چھوڑتا ہے ۱۔ ذوالفروض۔ ۲۔ عصبہ۔ ۳۔ ذوی الارحام، ذوالفروض اُن وارثوں کو کہا جاتا ہے جن کے حصّے شریعت نے مقرر کر دیئے ہیں مثلاً نصف، ربع، ثمن یا سدس، ثلث اور ثلثان۔

۲۔ عصبہ وہ ہے جس کا حصّہ مقرر نہیں ہے بلکہ ذوالفروض کو میّت کے متروکہ سے حصّہ دینے کے بعد جو باقی بچتا ہے بس اسی کو لینے کے وہ حقدار ہوتے ہیں۔ اس کی بہت سی قسمیں ہیں۔ مثلاً میّت کے فروع پھر اس کے اصول، پھر باپ دادا کے فروع وغیرہم (جب کہ یہ لوگ مذکر ہوں) میّت کی بیٹی پوتی وغیرہ بھی اپنے بھائیوں کے ساتھ عصبہ ہوتی ہیں۔

۳۔ ذوی الارحام وہ لوگ ہیں جو نہ ذوالفروض سے ہوں نہ عصبات سے بلکہ انکے علاوہ ہوں۔ عصبات کی طرح ان کی بھی علی الترتیب چار قسمیں ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

قرض کی ادائیگی تقسیم ترکہ سے قبل ہے

مسئلہ ۱۰۹۵ :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ زید نے مختلف لوگوں سے دس ہزار نقد روپیہ قرض لیا مگر اس کو ادا نہیں کر سکا کہ موت

کا بلاوا آگیا اور وہ ملکِ عدم کو روانہ ہوگیا۔ البتہ جو زمین اور گھر کا اثاثہ اس نے چھوڑا ہے وہ پچاس ہزار سے کم کا نہیں ہے۔ اس کے کفن کا انتظام بھی کسی سے اُدھار لیکر ہوا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس کے متروکہ جائداد میں سے پہلے کفن دفن کا قرض ادا کیا جائے یا اس سے پہلے وارثین کو حصّہ دیدیا جائے۔

جواب کا منتظر:۔ عبدالوہاب بجسی۔ آلمیرہ سنترم۔ ہالینڈ

۹۷/۸۶ الجواب ـــــــ ھوالھادی الی الصواب ـــــــ

تقسیم ترکہ سے پہلے زید کے متروکہ سے اس کا قرض ادا کیا جائے اور قرض کی ادائیگی میں کفن دفن کے اخراجات کو مقدم رکھا جائے یعنی کفن دفن میں جو خرچ ہوا ہے اس قرض کو پہلے ادا کیا جائے۔ پھر زید پر جو بھی قرض ہے اس قرض کو ادا کرنے کے بعد جو بچے وہ وارثین میں تقسیم کر دیا جائے۔ کما فی السراجی

الاول یبدأ بتکفینه و تجهیزه ثم یقضی دیونه من جمیع ما بقی من ماله۔ اھ

(میّت کے ترکہ سے پہلے کفن دفن کا انتظام ہو اس کے بعد جو بھی مال باقی بچے اس سے مردہ کا قرض ادا کیا جائے اس کے بعد جو بچے وہ وارثین پر تقسیم ہو)

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ۔ خادم الافتاء القرآن اسلامک فونڈیشن

۱۸؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ

بینک کا قرضہ تقسیم ترکہ سے پہلے

مسئلہ ۱۰۹۶:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص گورنمنٹ بینک سے قرض لینے کے بعد انتقال کر گیا اور بینک کلیۃً غیر مسلموں کا ہے تو کیا اس شخص کا ترکہ تقسیم ہونے سے پہلے بینک کا قرضہ ادا کرنا بھی ضروری ہے؟ بینوا و توجروا

محمد الیاس نصر اللہ۔ کلین سٹراٹ۔ یوتریخت۔ ہالینڈ

۹۷/۸۶ الجواب ـــــــ ھوالھادی الی الصواب ـــــــ

جی ہاں ہر قرض مقدمۃ التوریث میں داخل ہے خواہ وہ مسلمان کا قرض ہو

یا غیر مسلم کا۔ شرعی تعلیمات کی روشنی میں قرض کی ادائیگی تقسیم ترکہ پر مقدم ہے۔
واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عبد الواجد قادری غفرلہ۔ دار الافتاء اسلامک فونڈیشن
نیدرلینڈ۔ ۱۹ رجمل ۱۴۱۸ھ

بیٹی کے متروکہ میں ماں کا حصّہ

مسئلہ ۱۰۹۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں ترکہ کے تقسیم ہونے کا کوئی ضابطہ قانونی اعتبار سے نہیں ہے بلکہ جب شوہر کا انتقال ہوتا ہے تو اس کا کُل ترکہ بیوی کو اور بیوی کا انتقال ہوتا ہے تو اس کا کل ترکہ اس کے شوہر کو ملتا ہے۔ ماں، باپ، بیٹا بیٹی یا دوسرے رشتہ داروں کا متروکہ میں کچھ بھی حصّہ نہیں ہوتا لیکن ہم لوگ شرعی طور پر اس مسئلہ کو جاننا چاہتے ہیں کہ کلثوم مرحومہ کا ہارٹ اٹیک (اختلاج قلب) میں یک بیک انتقال ہوگیا وہ کچھ وصیت نہیں کرسکی لیکن اس کے نام سے بارہ ہزار ایرو بینک میں جمع ہے اور کچھ سونے کے زیورات بھی ہیں۔ مرحومہ نے اپنے پیچھے اپنا شوہر رفیق، اپنی ماں سکینہ، ایک بیٹا لئیق، ایک بیٹی روشن، ایک بہن زینب اور ایک چچا عبدالسبحان کو چھوڑا ہے۔ مرحومہ کا متروکہ شرعاً کیسے تقسیم ہوگا؟

سائل: عبدالسبحان کتاب علی۔ سی لاند۔ ہالینڈ

۸۶/۹۲

الجواب ــــــ بعون الملک الوھاب ــــــ

المسئلہ ۱۲ × ۳ = ۳۶

ام سکینہ	زوج رفیق	ابن لئیق		بنت روشن	عم عبدالسبحان	اخت زینب
۲/۶	۳/۹	۱۴	ے	۷	م	م

برتقدیرِ صحتِ سوالِ سائل وانحصار ورثا، فی سوال المذکور وبعد ما تقدم علی الارث متروکہ کلثوم مرحومہ چھتیس حصّوں پر تقسیم ہوکر چھ حصّے اس کی ماں سکینہ کو، نو حصّے اس کے شوہر رفیق کو۔ چودہ حصّے اس کے بیٹے لئیق کو اور سات حصّے اس کی بیٹی روشن کو ملیں گے۔ اصحاب فروض اور بیٹا بیٹی کے ہوتے ہوئے اس کی بہن اور چچا محروم

عن الارث ہوں گے ...... ماں کے حصہ سے متعلق قرآن پاک میں ارشاد ہے ۔

وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۔ اور میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ (ملے گا) اس سے جو میت نے چھوڑا بشرطیکہ میت کی اولاد ہو ...

اور شوہر کے تعلق سے ارشاد قرآنی یہ ہے ۔

فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۝ اور اگر بیوی کو اولاد ہو تو تمہارے لئے چوتھائی حصہ ہے اس سے جو وہ چھوڑ جائیں یہ اس وصیت کے بعد ہے جو وہ کر جائیں اور اس کا قرض ادا کرنے کے بعد ۔

بیٹی، بیٹا اقرب العصبات میں سے ہے اسکے ہوتے ہوئے چچا وغیرہ محروم ہونگے ۔ سراجی ص۱۳ میں ہے ۔ ادلی بالمیراث جزء المیت ای البنون ثم بنوهم الخ بیٹے، پوتے میت کے اقرب عصبات میں سے ہیں لہٰذا ترکہ کا زیادہ حقدار وہی ہیں ۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالواجد قادری غفرلہٗ ۔ خادم اسلامک فونڈیشن ہیڈرلینڈ ۔ ۲۵ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ

نوٹ ملکی قانون جو بھی ہو اسکے جوابدہ اہل سیاست وحکومت ہیں شریعت مطہرہ میں تقسیم ترکہ کا جو اصول ہے اس کے میں نے واضح کیا ۔ مولیٰ تعالیٰ ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین یارب العالمین ۔ وارزقنا اتباع شریعتہ البیضاء

وَصَلَّى اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى عَلٰى سَيِّدِنَا وَحَبِيْبِنَا وَطَبِيْبِ قُلُوْبِنَا وَشِفَاءِ صُدُوْرِنَا وَمَلْجَانَا وَمَاوٰنَا وَنَبِيِّنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهِ الْكِرَامِ وَاَصْحَابِهِ الْعِظَامِ وَابْنِهٖ غَوْثِنَا الْاَنَامِ وَعَلَى الْاِمَامِ الْاَئِمَّةِ كَاشِفِ الْغُمَّةِ سِرَاجِ الْاُمَّةِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ اَبَدًا سَرْمَدًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

اعتذار

① پروف ریڈنگ انتہائی
عرق ریزی کے ساتھ کی گئی ہے پھر بھی
بشری تقاضے کے مطابق بھول چوک ممکن ہے۔
لہٰذا مطالعہ کنندگان سے التماس ہے کہ جہاں کہیں
فرو گذاشت نظر آئے براے کرم مطلع فرمانے کی زحمت گوارہ کریں۔
② ضمنی فہرست مکمل طور پر تیار نہیں ہو سکی لہٰذا فتاویٰ کے
بعض اجزاء کی فہرست شامل نہیں کی جا سکی جس کیلئے معذرت خواہ ہوں۔
③ اپنی گوناگوں مصروفیتوں کی وجہ سے فتاویٰ واحدی کے جدید مسائل
کا مزید انتخاب نہیں کر سکا اور نہ ہی فتاویٰ شرعیہ میں مندرجہ مسائل جدیدہ
کو اس فتاویٰ یورپ میں شامل کر سکا۔ اس لئے اہلِ ذوق
حضرات سے معافی کی امید رکھتا ہوں۔ انشاء المولیٰ
تعالیٰ دوسری جلد میں تلافیٔ مافات ہو جائے گی۔

معذرت خواہ
مرتب